علمائے حق
حصہ دوم
از سید محمد میاں
ناشر کتب خانہ فخریہ امروہہ گیٹ مرادآباد

افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر

علمائے حق

اور

ان کے مجاہدانہ کارنامے

۱۳۶۶

حصہ دوم

یعنی

۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک جمعیۃ علماء ہند کانگریس اور مسلم لیگ کی

تجاویز، خدمات اور کارنامے

از

مولانا سید محمد میاں صاحب

ناظم جمعیۃ علماء ہند

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

قیمت جلد اول [illegible]

قیمت جلد دوم [illegible]

سب سے پہلی گذارش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ النبی الامی الکریم

تقریباً دو سال ہوئے جب علماء حق (حصہ اول) کو علم دوست ارباب ذوق کے سامنے پیش کرتے ہوئے حصہ دوم کی تالیف کی اطلاع دی تھی۔

یہ ترتیب و تالیف جاری تھی اور اس وقت جو سیاسی ماحول تھا اسکے بموجب پایۂ تکمیل کو بھی پہنچ چکی تھی۔ کتابت کے مراحل طے ہو رہے تھے اور خیال تھا کہ کتابت کے ساتھ ساتھ طباعت بھی ہوتی رہیگی، مگر جب پریس کا رخ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مارکیٹ میں کاغذ ناپید ہے۔ ابھی یہ دور ختم نہ ہوا تھا کہ ۱۵؍ اگست ۴۷ء کی آمد آمد ہو گئی اور پھر انقلاب نے بالخصوص دہلی کے حالات میں وہ انقلاب کر دیا کہ عرصہ تک یہی اطمینان نہ ہو سکا کہ دہلی کے کسی پریس سے طباعت و اشاعت ہو سکیگی۔

جب حالات اعتدال پر آئے تو دو سالہ واقعات ایسی اہمیت رکھتے تھے کہ ان کو نظر انداز کرنا مورخ کی سب سے بڑی کوتاہی 'تاریخ کی خیانت' اور کتاب کا سب سے بڑا نقص تھا۔ لہذا ان دو سالہ واقعات کا اضافہ ضروری سمجھا گیا۔ اب اس کتاب میں ایک خرابی ہو گئی اور ایک خوبی۔

خرابی یہ کہ ۴۷ء تک حالات کا انداز تحریر وہ ہے جو موجودہ ماحول کے لحاظ سے غیر موزوں تصور کیا جائیگا۔

اور خوبی یہ کہ واقعات کا اندراج خاص اسی زمانہ میں ہو رہا ہے اور اس لب و لہجہ کے ساتھ جو اس ماحول اور اس آب و ہوا کے مناسب ہے۔ اور اس طرح یہ کتاب گویا اس دور انقلاب کی صحیح ڈائری ہے اور ردو بدل کے مختلف حالات کی آئینہ دار۔ تاریخ سے ذوق رکھنے والے حضرات اس خرابی کے مقابلہ میں اس خوبی کی زیادہ قدر کریں گے۔ بہر حال کوتاہیوں کے اعتراف کے ساتھ یہ ضخیم ڈائری ناظرین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

شکریہ | "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" کا اصول ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم محسن اولین کو حضرت مولانا قاضی سجاد حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری (مدظلہ العالی) کو شکریہ پیش کریں آپ نے کئی سو نسخوں کی پیشگی قیمت عنایت فرما کر ایسے وقت میں امداد فرمائی جو اس کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ نازک تھا۔ فجزاہم اللہ۔

محمد میاں عفی عنہ

فہرست مضامین علماءِ حق جلد دوم

مضمون	صفحہ
دوسری جنگ عظیم	۳
روس کے خلاف محاذ اور اسپین کی خانہ جنگی	۲۱
حملہ جاپان پر چین	۲۳
اٹلانٹک چارٹر	۳۲
دوسری جنگ عظیم اور ہندوستان	۳۳
افلاس کی تصویر ہندوستان	۳۴
صحت عامہ	۳۵
تعلیم	"
محنت و مزدوری	"
محصولات کی تباہ کاری	"
ریلیں اور نہریں	۳۶
ہندوستان کا روپیہ کس طرح صرف کیا جاتا ہے۔	"
رفاہ عام	۳۷
برطانیہ کی ذمہ داری	"
وائسرائے سے ملاقات	۳۹
خون کی ہولی	۴۴
بہانوں کا سہارا	۴۵
مذہبی اخلاقی اور سیاسی غور	۴۶
بہانوں کا تار و پود اور حقیقت آشکارا	"
ہندوستان فلسطین وغیرہ کی غلامی	۴۷
طرابلس، البانیہ، چیکو سلاوکیہ۔ وآسٹریلیا وغیرہ کی غلامی	۴۹
برطانیہ کے خوشامدیوں کی بے سبب حمایت	۴۹
بے اعتمادی کا سبب	۵۰
مکمل آزادی کا نصب العین	"
خلاصہ بیان اور عدم تعاون کا اظہار	۵۱
ہندوستان کی آزادی کے لئے ایک راہ	"
کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا بیان	"
تازیانۂ عبرت	۶۸
کانگریسی وزارتوں کا استعفیٰ	۷۳
جمعیۃ علماء اور کانگریس	"
مسلم لیگ	۷۴
برطانوی شہنشاہیت کا مفاد	"
کانگریس کے آخری سوال	۸۱
مسلم لیگ کے مطالبات	۸۲
کانگریس کا اقدام اور وزارتوں سے استعفیٰ	۸۷
مسٹر جناح کا شرمناک بیان	۸۸
تجویز استعفاء	۹۶
مسٹر جناح کی تاریخی ستم ظریفی۔	۹۸
یوم نجات	"
تبصرہ	۱۰۰
کانگریسی نظام کا واویلا اور شرمناک انجام	۱۰۲

مضمون	صفحہ
قائد اعظم کے بعد شیر بنگال	۱۱۴
مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء میں سمجھوتہ کی کوشش	۱۲۱
لیگ کا اجلاس لاہور اور تجویز پاکستان	۱۲۲
تجویز پاکستان کا پس منظر	۱۲۸
جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس جونپور	۱۳۰
موجودہ حالت میں برطانیہ کی امداد و اعانت کا سوال	۱۳۱
برطانیہ کی امداد و اعانت کا صحیح طریقہ	۱۳۳
آزادی ہند کے متعلق ہماری جدوجہد	۱۳۴
فریضہ سب سے زیادہ ہے	〃
پاکستان کے متعلق	۱۳۶
متحدہ قومیت	۱۳۷
مسٹر جناح بے نقاب	۱۳۹
قائد اعظم کی شرافت	۱۴۱
کانگریس کی پیشکش مولانا آزاد کی قیادت میں	۱۴۲
عدم تشدد سے انکار ۸ اگست ۴۲ء کا اعلان	۱۴۶
علماء حق کی گرفتاریاں	۱۵۰
گاندھی جی کا استعفا	۱۵۲
گاندھی جی کے بارہ میں کانگریس کا ریزولیوشن	۱۵۳
کانگریس کے مقاصد	۱۵۵
موجودہ جنگ اور کانگریس	۱۵۶
برطانیہ کے اعلانات	۱۵۷
ستیاگرہ کرنا پڑا	〃
مہاتما جی کی خدمات کا اعتراف	۱۵۸
سیاسی قیدیوں کی رہائی	〃
موجودہ صورت حالات	۱۵۹
مسٹر جناح کا انتباہ	۱۶۰
سر اسٹیفورڈ کرپس کی آمد اور کانگریس و مسلم لیگ	۱۶۲
تجاویز کرپس	۱۶۶
مسلم لیگ اور کرپس کی پیشکش	۱۷۴
کانگریس اور حق خود ارادیت	۱۷۵
خاتمہ	۱۷۶
کانگریس جمعیۃ علماء ہند کے فارمولے کی تائید میں	۱۷۷
مسٹر جناح کی پہلوتہی	۱۷۸
اگست ۴۲ء کی تحریک	۱۸۲
جنگ آزادی، کانگریس مسلم لیگ اور مسلمان	
اکابر جمعیۃ علماء کا حقیقت افروز بیان	۱۸۳
جمعیۃ علماء ہند کی تجویز	۱۹۴
جمعیۃ علماء کے کیمپ سے مندرجہ ذیل سرکلر جاری کیا گیا	۱۹۷
مسٹر جناح اور مسلم لیگ	۲۰۴
تجویز لیگ	۲۰۵
پانچ صوبوں میں مسلم لیگ کی حکومت	
گاندھی جی کا خط اور حکومت کی ستم ظریفی	۲۱۹
لیگی وزارتوں کی برکتیں	۲۲۲

مضمون	صفحہ
مسلم لیگ کا اجلاس کراچی، انگریز کو دعوت تقسیم	۲۲۶
تقسیم ہند کے بعد برطانیہ کی دست برداری کی حقیقت	۲۲۶
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی اسارت	۲۲۷
ایک مبارک خواب	۲۳۴
نظر بندی کا نوٹس	؍؍
حضرت مدظلہ العالی نینی جیل میں	۲۳۵
رہائی اور اس کی اطلاع	۲۳۷
مشاغل اور معمولات	؍؍
قیلولہ	۲۴۷
لطیفہ	۲۴۹
رہائی کے بعد	؍؍
فارمولے میں تشریح کا اضافہ	۲۵۰
تشریح	۲۵۱
صدارت اجلاس سہارنپور اور خطبہ صدارت کے اہم اقتباسات	۲۵۲
خطبہ صدارت اجلاس سہارنپور کا اقتباس	۲۵۴
ہندوستان کی غلامی کا کالا اور بدترین دور	۲۵۴
گاندھی جناح ملاقات سنہ ۱۹۴۴ء	۳۰۳
جمود دور کرنے کے لئے وائسرائے کی کوشش	۳۱۰
ویول اسکیم اور شملہ کی پہلی کانفرنس	۳۱۲
قوم پرور مسلمانوں کا اجتماع	۳۱۹
ناکامی کانفرنس کے متعلق مسٹر جناح کا بیان	۳۲۵
ملک خضر حیات نے فرمایا	۳۲۶
عجیب و غریب تجویز خفیہ بات چیت کا مطالبہ	۳۲۷
وائسرائے کی دوسری جدوجہد	۳۲۹
مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات اور حضرت شیخ الاسلام کی جرأت اور استقامت	۳۳۰
جمعیۃ علماء اسلام کا قیام	۳۳۵
سید پور ضلع رنگپور اور بھاگلپور کا واقعہ	۳۴۲
شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی صاحب کی توہین اور اس کا عبرت خیز انجام	۳۵۶
شیخ الاسلام کی کھلی کرامت	۳۵۹
نتیجہ الکشن	۳۶۲
مولانا آزاد کا زلزلہ افگن بیان	۳۶۴
حکام کی سازش	۳۶۶
دوسری جماعتوں کا ضبط	۳۶۷
بین الاقوامی حالات کی تبدیلی اور برطانوی حکومت کے نقطہ نظر میں انقلاب	۳۶۸
بیان بازی یا سرفروشی	۳۷۳

مضمون	صفحہ
مسلمان قائد اور کافر نہرو	۳۷۴
قوم پرستی کا رد	۳۸۶
نتیجہ	"
وزارتی مشن کی آمد	۳۸۷
مسٹر جناح اور لیگ کی مذبذب پالیسی	۳۸۹
مطالبات	۳۹۱
ہندوستانی ہونے سے انکار	۳۹۵
ہندو مسلم مساوات کا مطالبہ غیر فطری اور مصنوعی ہے	۳۹۶
پاکستان بگورستان	۴۱۰
وزارتی مشن کی سفارشات	۴۱۲
پاکستان اور اس کے مضمرات	۴۱۴
تقسیم کی دشواریاں	۴۱۶
کانگریس کی تجاویز	۴۱۸
ہندوستانی ریاستیں اور برطانی ہند	۴۱۹
دستور کی بنیادی شکل	"
ٹھیک ٹھیک نمائندگی	۴۲۱
صرف تین فرقے	۴۲۲
مجلس دستور ساز میں نمائندگی	۴۲۴
صوبائی آئین کا تصفیہ	۴۲۵
عبوری دور کا بندوبست	۴۲۷
اہل ہند سے اپیل	"
متبادل صورت کیا ہوگی	۴۲۸
عارضی حکومت کا مسئلہ	۴۲۹
کانگریس کی تنقید	۴۳۱
نئی دشواری	"
لیگ کا فیصلہ	۴۳۵
مسٹر جناح کی خوش فہمی اور وائسرائے کا کورا جواب	"
برابری کا وعدہ بھول جاؤ	۴۳۹
۱۶ مئی اور ۱۶ جون کا اعلان	"
۱۶ جون کا اعلان	۴۴۰
غور طلب	۴۴۳
لیگ کی رجعت قہقری نمائندہ اسمبلی کی شرکت سے بھی انکار	۴۴۶
بہار کی برابر غلطی	۴۴۸
عارضی حکومت کی تشکیل کانگریس کے حوالہ	۴۴۹
منظوری کے بعد سب سے پہلا عمل	۴۵۰
عارضی حکومت کی حیثیت	۴۵۲
عارضی قومی حکومت کا قیام	۴۵۴
ڈائرکٹ ایکشن ڈے اور ۱۶ اگست کا خونی حادثہ	۴۵۶
خطابات کی واپسی	۴۶۰
مجلس عمل کی کارگذاری	۴۶۱
سیاسیات ہندوستان کا نیا باب	۴۶۲
عارضی حکومت کی حیثیت	۴۶۳
جمعیۃ علماء ہند کی تنبیہ	۴۶۶
برطانی کارندوں کی دورخی پالیسی	۴۶۹
مسلم لیگ کی ابلہ فریبی	۴۷۰
لیگ کا داخلہ	۴۷۶
مسٹر جناح کا خط وائسرائے کے نام ۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء	۴۸۱
منسلکہ تجاویز	۴۸۲
تحفظات	"
عہدوں کا مسئلہ	۴۸۳
وائسرائے کا جواب	"

مضمون	صفحہ
وائسرائے کا خط مسٹر جناح کے نام	۴۸۵
لیگ کا رویہ مسٹر جناح کا خط وائسرائے کے نام ۱۳ر اکتوبر ۴۶ء	۴۸۶
وائسرائے کا خط مسٹر جناح کے نام ۱۳ر اکتوبر ۴۶ء	۴۸۷
لیگ کے نمائندے	"
عہدوں کی تقسیم	۴۸۹
ایک سازش کا انکشاف	۴۹۰
فسادات کا سلسلہ	۴۹۳
فسادات نواکھالی	۴۹۷
فسادات بہار	۴۹۹
حادثہ گڑھ مکتیسر	۵۰۳
ردعمل	۵۰۶
مسٹر جناح کے تاثرات	۵۰۸
بہت بڑا ایثار	۵۱۲
فسادات اور ان کا سلسلہ لیبر ممبران پارلیمنٹ کی نظر میں	۵۱۴
جمعیۃ علماء ہند اور قوم پرور مسلمان اور مصیبت زدگان بہار و گڑھ مکتیسر کی امداد و اعانت	۵۱۵
انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس میرٹھ	۵۱۹
کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی کی التواء کا مطالبہ اور اس کی ناکامی	۵۲۲
مضحکہ انگیز تقابل	۵۲۴
تقسیم پنجاب بنگال کی طرف اشارہ	۵۳۳
گروپ بندی کا قضیہ	۵۳۴
مجلس دستور ساز ہند (کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی) کا افتتاح	۵۴۷
آزاد ہند ریپبلک کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو کی تجویز	۵۵۰
لیگ کا دوسرا قدم	۵۵۲
مسٹر جناح صاحب کی مسرت	۵۵۷
ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال	۵۵۸
انتقال اختیارات کی تاریخ کا تقرر مسٹر اٹیلی کا اعلان۔ پاکستان کی تقویت لارڈ ویول کا استعفاء لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا تقرر	۵۶۱
۲۰ر فروری کا اعلان	۵۶۲
وائسرائے کی تبدیلی	۵۶۷
تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال کا مطالبہ	۵۶۹
تقسیم ہندوستان کا اعلان ہندوستان کے حصے بخرے چرچل کی فتح۔ ہند کی سبکی لیگ کی ابلہ فریب کامیابی مسلمانوں کی وحدت ملی پاش پاش	۵۸۷
فیصلہ طلب مسائل	۵۸۹
بنگال اور پنجاب	۵۹۰
سندھ	۵۹۲
شمالی مغربی سرحدی صوبہ	"
برطانوی بلوچستان	۵۹۳
آسام	"
دستور ساز اسمبلیوں میں نمائندگی	۵۹۴
انتظامی امور	۵۹۵
سرحدی قبائل	"
ریاستیں	"
عجلت کی ضرورت	۵۹۶
اختیارات کا فوری انتقال	"
گورنر جنرل کے مزید اعلانات	۵۹۷
ضمیمہ	"
(۱) پنجاب	"
(۲) بنگال	"

مضمون	صفحہ
مسٹر جناح اور پنڈت نہرو کی تائیدی تقریریں	٦٠١
لیگ کی تجویز	٦٠٢
کانگریس کا ریزولیوشن	٦٠٤
جمعیۃ علماء ہند کا فیصلہ	٦١٨
تقسیم ہند کے پلان کے بعد	٦٢٢
تجویز علا متعلق تقسیم ہند	״
سلہٹ و سرحد کی استصواب رائے شماری	٦٢٥
ہندوستان اور پاکستان کے گورنر جنرل	٦٢٦
حفاظت امن کی ناکام کوششیں	٦٢٨
لیگیوں کی رجعت قہقری	٦٣١
دونوں فریق قصوروار	٦٤٠
امید کی کرن	٦٤١
تمہید	٦٤٣
نقصانات کا تخمینہ	٦٤٤
لاہور کی حالت	٦٤٥
امرتسر کی حالت	״
پناہگزینوں کے قافلے	٦٤٦
انتقال آبادی کا فیصلہ ایک بڑا گناہ ہے۔	٦٤٨
فسادات کی ابتداء	٦٤٩
خضر حیات کی وزارت اور اس کا استعفیٰ	״
جرائم کی نوعیت	٦٥١
تصویر کا دوسرا رخ	٦٥٢
اغوا شدہ عورتوں کا سراغ	٦٥٣
برطانیہ کا فسادات میں حصہ	٦٥٥
مئیو اور جاٹوں کی لڑائی کے انوکھے واقعات۔	٦٥٧
علاج	٦٥٨
مشرقی پنجاب کی گورنمنٹ	٦٦١
مستقل علالت	״
ہم کو اب کیا کرنا چاہئے	٦٦٢
فسادات دہلی	٦٦٤
بارش کا طوفان اور سیلاب	٦٧١
فسادات دہلی ۱۹۴۷ء	٦٧٣
رہنمایان جمعیۃ علماء ہند کا ثبات و استقلال	٦٧٤
ثبات و استقلال کی چند مثالیں	٦٧٦
مہاتما گاندھی کی آمد اور قوم پرور جماعت کی تائید و حمایت	٦٧٨
اراکین جمعیۃ علماء کی امدادی خدمات	٦٨٢
مساجد کی واگذاری	٦٩٢
مہاتما گاندھی کا برت	״
پیس کمیٹی کا قیام اور امن و اتحاد کا عہد نامہ	٧٠٣
برت کشائی کا جلسہ	٧٠٦
مولانا آزاد کا بیان	٧٠٩
مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا بیان	״
سکھوں کی طرف سے اقرار	٧١١
مہاتما گاندھی پر بم	٧١٥
پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم حکومت ہند پر بم پھینکنے کی ناکام کوشش	٧١٨
مہاتما گاندھی کا حادثۂ قتل	״
جمعیۃ علماء ہند کی سیاسیات سے علیحدگی	٧٢٦
انڈین یونین میں مسلمانوں کا مستقبل	٧٣١

ختم شد

افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر

علمائے حق

اور

اُن کے مجاہدانہ کارنامے

۱۳۶۵ھ

حصہ دوم

یعنی

سنہ ۱۹۱۹ء سے سنہ ۱۹۴۶ء تک جمعیۃ علماء ہند کانگریس اور مسلم لیگ کی

تجاویز خدمات اور کارنامے

از

مولانا سید محمد میاں صاحب

ناظم جمعیۃ علماء ہند

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

نذر

اُن تمام گمنام مجاہدینِ حق کی خدمت
میں جنھوں نے آزادی ہند کے جہادِ عظیم
میں رضاکارانہ قربانیاں پیش کیں۔

محمد میاں عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ النبی الامی الکریم ۔ الذی بعثہ رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہ واصحاب الطاہرین الطیبین الذین ہم ہداۃ الناس اجمعین ودعاۃ الانام الی سبل السعادۃ فی الدنیا والدین۔

حصۂ دوم

دوسری جنگ عظیم

۱۹۱۴ء[1] کی جنگ جرمنی کے خاتمہ پر اگرچہ صدر امریکہ "پریسیڈنٹ وڈروسن" کے چودہ نکات[2] نے دنیا کو امن کی توقع دلائی تھی۔ مگر یہ توقع ناکام رہی۔ مفتوحہ ممالک کے حق میں کسی ایک نکتہ پر بھی عمل نہیں ہو سکا

---

[1] از ۲۸ر جون ۱۹۱۴ء تا ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء

[2] ۱۹۱۴ء کی جنگ ختم ہونے پر مستقل طور پر قیام امن کے معاہدات اور دنیا کے نظام نو کی ترتیب کے لئے، اور زیادہ حقیقی الفاظ میں مال غنیمت کی تقسیم کے لئے پیرس میں ایک کانفرنس کی گئی جس کو صدر امریکہ "ولسن" کی صدارت کا شرف حاصل تھا۔ صدر مذکور نے ترتیب معاہدات کے لئے چودہ اصول پیش کئے کہ ان کی بنیاد پر قیام امن کے معاہدات مرتب کئے جائیں۔ یہی چودہ اصول "صدر ولسن کے چودہ نکات" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان چودہ نکات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴)

سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کردیئے تھے اور جمہوریہ ترکیہ کے علاوہ جس نے مصطفےٰ کمال اور عصمت انونو کی زیر قیادت قوت بازو سے مکمل آزادی حاصل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳) (۱) یورپ کی حکومتیں آئندہ خفیہ ساز باز نہیں کریں گی۔ ان کی پالیسی صاف سیدھی اور بالکل واضح ہوا کریگی۔

(۲) امن اور جنگ دونوں حالتوں میں سمندر بین الاقوامی تجارتی جہاز رانی کیلئے رہینگے۔

(۳) معاشی پابندیوں کو جہاں تک ہوسکیگا دور کیا جائیگا۔

(۴) اطمینان بخش حد تک اسلحہ میں کمی کی جائیگی۔

(۵) نو آبادیات کو بالکل غیر جانبدارانہ طریق سے تقسیم کیا جائیگا، اور ایسی تقسیم کے وقت اس حکومت کے مقابلہ میں جو اس نو آبادی کا مطالبہ کرتی ہے خود اس نو آبادی کے بسنے والوں کی اپنی رائے اور مرضی پر بھی پوری توجہ دی جائیگی۔

(۶) روس کا سارا علاقہ خالی کر دیا جائیگا اور روس کو اپنے علاقہ کی درستی اور اصلاح کا پورا پورا موقع دیا جائیگا۔

(۷) بلجیم کی حکومت اپنے پورے علاقہ کے ساتھ دوبارہ قائم کی جائیگی اور اسے خود مختار شاہی قائم کرنے کی اجازت دی جائیگی۔

(۸) فرانس کا سارا علاقہ خالی کرادیا جائے گا اور پروشیا کی حکومت نے ۱۸۷۱ء میں اس کے ساتھ جو زیادتی کی تھی۔ اس کی اصلاح کی جائیگی۔

(۹) قومیت کے اصولوں کے ماتحت اٹلی کی سرحدوں کو دوبارہ متعین کیا جائیگا۔

(۱۰) آسٹریا اور ہنگری کے لوگوں کو خود مختار جمہوری حکومتیں قائم کرلینے کا موقع دیا جائیگا۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۵)

کر لی تھی۔ باقی سلطنت عثمانیہ کے تمام صوبجات کو فرانس یا برطانیہ کے انتداب میں حیزبند کو دیا گیا۔

جرمنی کی طاقت کو ختم کردینے کیلئے معاہدہ ورسائی میں اس کے بہترین اور زرخیز[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ) (۱۱) رومانیہ، سرویا اور مونٹی نگرو کی ریاستوں کے علاقے خالی کردیئے جائیں گے سرویا کو سمندر کے علاقے دیئے جائیں گے اور بلقان کی ریاستوں کے مسئلہ کو قومیت اور آپس کے اتحاد کے اصولوں پر طے کیا جائیگا۔

(۱۲) سلطنت عثمانیہ کی غیر مسلم آبادی کی سیاسی ترقی کی ضمانت کی جائیگی اور درہ دانیال مستقل طور پر بین الاقوامی جہازرانی کے لئے کھلا رکھا جائیگا۔

(۱۳) پولینڈ کی آزاد سلطنت قائم کی جائیگی اور سمندر میں اسے ایک ساحل بھی دیا جائیگا۔

(۱۴) چند مناسب اور معاہدانہ اصولوں کے ماتحت ایک مجلس بنائی جائیگی جو دنیا کی سب چھوٹی بڑی سلطنتوں کے وجود اُن کے امن و اطمینان کا انتظام کریگی۔

(دوسری جنگ عظیم صہ ۳۲ ۔ ۳۳)

[1] اس کے ملک میں جو کتر بیونت کی گئی اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) السیس لورین فرانس کو دیا گیا۔ (۲) سار کا علاقہ اولاً تو فرانس کو دیا گیا تھا مگر جرمنی کے احتجاجی نوٹ کے بعد یہ ترمیم کی گئی کہ ۱۹۳۵ء تک جمعیۃ اقوام کے زیر حکومت رہے اور ۱۹۳۵ء میں وہاں کے باشندوں کی کثرت رائے سے جرمنی یا فرانس کے حوالہ کیا جائے۔ (۳) پوسن اور مغربی پرشیا (کاریڈور کا علاقہ) پولینڈ کو دیدیا گیا۔ (۴) شمالی سائلیشیا کا کچھ حصہ چیکوسلواکیا کو ملا اور باقی پولینڈ کو۔ (۵) ڈینزگ اور فن لینڈ کی مستقل طور پر علیحدہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کردی گئیں۔ (۶) یوپن اور ملیڈی کے علاقے بلجیم کو دیئے گئے۔ (باقی صلے پر)

علاقے چھین لئے گئے نوآبادیات سے اس کو محروم کر دیا گیا۔ فوجی بھرتی کی ممانعت کر دی گئی۔ صنعت و تجارت پر پابندیاں لگا دی گئیں۔ جرمن مزدوروں کو فرانس لے جا کر تباہ شدہ علاقوں کو آباد کرانے میں ان سے بیگار لی گئی۔ فرانس کے عشر تکدے ان سے مفت تعمیر کرائے گئے۔ چھ ارب ساٹھ کروڑ پونڈ۔ (تقریباً ایک کھرب روپیہ) اس پر تاوان جنگ ڈالا گیا۔ تا کہ وہ صدہا سال بھی اپنی معاشی حالت درست نہ کر سکے۔

بہر حال کچھ دنوں کے لئے جرمنوں کی گردن کو زبردستی جھکا دیا گیا۔ لیکن احساس مغلوبیت اور ذلت و خواری نے روح انقلاب کو تازہ کر دیا۔ اور عوام کے جذبہ آزادی و شوق برتری نے نازی پارٹی[1] کو کامیاب بنایا۔

(بقیہ ص۱) (۸) جرمنی کے جو دریا جہاز رانی کے قابل تھے بین الاقوامی کمیشن کے سپرد کر دیئے گئے (۹) جرمنی کو تجارتی بیڑا رکھنے کا حق نہ رہا (۱۰) جرمنی کو ایک لاکھ سپاہیوں کی فوج اور پندرہ ہزار سے زیادہ فوجی بیڑا رکھنے کی اجازت نہ رہی (۱۱) تاوان کی ادائیگی کے اطمینان کے لئے دریائے رائن کے مغرب میں پندرہ سال تک اتحادیوں کی فوجیں رکھی گئیں۔

[1] ۲۵ فروری ۱۹۲۰ء کو نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی نے میونخ کے ہاف براس فیسٹ آل" میں عظیم الشان عام جلسہ کر کے اپنا مندرجہ ذیل پروگرام دنیا کے سامنے پیش کیا اور کانسٹی ٹیوشن کی دفعہ ۲ میں اسے ناقابل تبدیل قرار دیا گیا۔

نیشنلسٹ پارٹی کے پچیس اہم نکات (۱) ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ فیصلہ ذاتی کے حق (حق خود ارادیت) کی بنیاد پر جس سے کہ دنیا بھر کی تمام قومیں بہرہ اندوز ہیں۔ جرمن قوم کے تمام افراد کو بھی متحد کر کے ایک عظیم الشان جرمن قوم کی بنیاد رکھی جائے۔ (باقی ص۷ پر)

(بقیہ صہ) (۲) ہم دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ اپنے تعلقات میں جرمن قوم کے لئے بھی مساویانہ حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اسلئے چاہتے ہیں کہ ورسیلز اور سینٹ جرمین کے معاہدہ جات امن کو بالکل منسوخ قرار دیا جائے۔

(۳) ہم اپنے عوام کی پرورش اور اپنی زائد آبادی کی آبادکاری کے لئے (نو آبادیوں کا مطالبہ) کرتے ہیں۔

(۴) سوائے ہماری قوم کے افراد کے اور کوئی بھی ہماری حکومت کا شہری نہ ہوگا۔ جرمن خون اور نسل کے سوا خواہ ان کا عقیدہ کچھ ہو۔ کسی اور کو جرمن قوم کا فرد نہیں سمجھا جائیگا۔ اس لئے کوئی یہودی کسی صورت میں جرمن نہیں ہو سکیگا۔

(۵) ملک کی حکومت اور قانون سازی میں صرف ملک کے شہریوں ہی کو حق رائے دہی حاصل ہوگا۔ اسلئے ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہر طرح کی تمام سرکاری ملازمتیں خواہ وہ "ریشں" (مرکزی اسمبلی) کے ماتحت ہوں یا ملک کی چھوٹی چھوٹی مقامی انجمنوں میونسپلٹیوں وغیرہ کے۔ صرف ملک کے شہریوں ہی کو دی جائینگی۔

(۶) ہم پارلیمنٹ کے خرابی پھیلانے والے طریق کے مخالف ہیں۔ جس کے ماتحت قابلیت اور چال چلن کی کچھ بھی پروانہ کرکے صرف پارٹی بازی کی اسپرٹ میں ملازمتوں کو پُر کیا جائے

(۷) ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت کو اپنا یہ فرض اولین خیال کرنا چاہئے کہ وہ صنعت و حرفت کو ترقی دے کر حکومت کے شہریوں کے لئے ذریعہ روزگار پیدا کرے اگر ملک کی تمام قومی آبادی کی پرورش اس طرح ناممکن ہو تو تمام پردیسیوں کو جو ملک کے شہری نہیں ریشں کے ماتحت علاقہ جات سے باہر نکالدے۔ (باقی صہ پر)

۱۹۱۸ء کے بعد برطانوی سامراج کے تحفظ کی شکل صرف یہی تھی کہ یورپ میں کوئی ایسی طاقت نشو و نما پا جائے جو بالشوزم کی دشمن ہو اور کامیابی کے ساتھ اس کا

(بقیہ ص۸) (۸) حکومت کے تمام شہری اپنے حقوق و فرائض کے لحاظ سے یکساں درجہ رکھیں گے

(۹) ہر ایک شہری کا یہ فرض اولین ہوگا کہ وہ اپنے جسم و دماغ سے کچھ نہ کچھ کام کیا کرے اور اس کا کوئی فعل مجموعی قومی مفاد کے کسی طرح خلاف نہ ہو۔ بلکہ لازمی طور پر عوام کی بہتری اور بہبودی کی خواہش کی حدود میں آ سکے۔ اسلئے ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ

(۱۰) تمام ایسی آمدنیوں کے صیغہ جات کو مسدود و منسوخ کر دیا جائے جو بغیر کسی جائز کارکردگی کے حاصل ہوں۔ مفادات کی ماتحتی کو منسوخ کیا جائے۔

(۱۱) ہر ایک جنگ کے موقع پر قوم کو جان و مال کی جو عظیم الشان قربانی طلب کرنی پڑتی ہے، اسے پیش نظر رکھ کر دوران جنگ میں ذاتی دولت و سرمایہ جمع کرنے کی کوشش کو قوم کے خلاف ایک جرم قرار دیا جائے۔ اسلئے ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ دوران جنگ میں جن لوگوں نے کسی طرح دولت جمع کی ہے وہ سب بغیر کسی رحم و ہمدردی کے ضبط کر لی جائے۔

(۱۲) ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اب تک کمپنیوں یا ٹرسٹوں کی صورت میں جو کاروبار جاری ہیں ان سب کو قومی کاروبار بنا لیا جائے۔

(۱۳) ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اب تک تھوک تجارت سے جو منافع جات حاصل ہوئے ہیں وہ سب قوم میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

(۱۴) ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ عمر رسیدہ بوڑھے لوگوں کی گذر بسر کے لئے مناسب انتظامات کو نشو و نما دی جائے۔

(۱۵) ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحت مند درمیانہ طبقہ قائم کرکے اُسے (ص۹ پر)

مقابلہ کر سکے ۔ نازی پارٹی برطانیہ کے اس مقصد کو خوش اسلوبی سے پورا کر سکتی تھی

(مشاہرے) برقرار رکھا جائے ۔ اور تمام تھوک تجارت کے کاروبار کو فوراً قومی ملکیت قرار دے کر ان کا مال ارزاں نرخ و آسان شرائط پر چھوٹے چھوٹے سوداگروں کو پٹہ پر دیدیا جائے اور ملک کے تمام چھوٹے چھوٹے مقامات کے افسران ضلع وحکومت ملک کے تمام چھوٹے چھوٹے رسد رسانوں کا حد درجہ خیال رکھیں ۔

(١٦) ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ملک میں ایسی اصلاحات نافذ کی جائیں جو ہماری ضروریات کے مطابق ہوں ۔ قومی ضروریات کے لئے بغیر کسی معاوضہ کے اراضیات کی ضبطی کے واسطے قوانین نافذ کئے جائیں ۔ اراضیات پر سودی قرضے دیئے جانے یا ان کی خرید و فروخت سے نفع کمانے کی ممانعت کی جائے ۔

(١٧) ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں پر بغیر کسی ہمدردی و رحم کے مقدمات چلائے جائیں جن کی سرگرمیاں قومی مفاد کے خلاف ہیں جو قوم کے سنگدل مجرم ہیں ۔ سود خور ہیں منافع خور ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ ایسے لوگوں کو خواہ وہ کسی بھی مذہب و نسل سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں ، سزائے موت دی جانی چاہئے ۔

(١٨) ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ رومن قانون کے بجائے جو دنیا داروں کی مادہ پرستی کا حامی ہے تمام جرمنی میں ایک دوسرا موزوں قانون نافذ کیا جائے ۔

(١٩) اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کہ ہر ایک قابل اور محنتی جرمن کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ملے تاکہ اس طرح وہ تا حد امکان ترقی کر سکے ۔ حکومت کو ہماری قومی تعلیم کے موجودہ طریق کی پورے طور پر "کایا پلٹ" کر دینی چاہئے ۔ تمام درسگاہوں کے نصاب تعلیم کو قومی ضروریات اور عملی زندگی کے عین مطابق بنانا چاہئے ۔ جس میں ساخت حکومت (اسٹیٹ سوشیالوجی ۔ یعنی حکومت مجلسی) (عمرانیات)

نازی پارٹی نے یہود دشمنی کو اپنا سیاسی عقیدہ بنا لیا تھا۔ اس کو یقین تھا

(صفحہ ۹ سے) کا بھی پورا پورا تحفظ ہو۔ اور اسکولوں میں نوجوانوں کو معمولی سی سمجھ بوجھ شروع ہوتے ہی درجہ بدرجہ حکومت مجلسی کے اصولوں کی ترقی کی تعلیم دی جائے۔ ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ غریب والدین کے ہونہار ذہین اور محنتی لڑکوں کو خواہ وہ کسی طبقہ یا پیشہ سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں سرکاری اخراجات پر تعلیم دی جائے اور ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

(۲۰) حکومت کو ماؤں اور شیر خوار بچوں کی حفاظت کرکے اور بچوں کی محنت مزدوری خلاف قانون قرار دے کر قومی صحت کے معیار کو بلند کرنا چاہئے۔ نیز لازمی کسرت و ورزش کو قانونی طور پر لازمی قرار دیتے ہوئے کھیلوں کے کلبوں کو خوب وسیع پیمانے پر سرکاری امداد دے کر قوم کے نوجوانوں اور مردوں اور عورتوں کی جسمانی صحت کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

(۲۱) ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تنخواہ دار افواج کو توڑ کر ان کی بجائے قومی افواج تیار کی جائیں۔

(۲۲) ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جو اخبارات جان بوجھ کر غلط بیانیاں کرتے ہیں اور غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں۔ ان کے خلاف قانونی جنگ شروع کی جائے اور ایک قومی جرمن پریس کے قیام کے لئے سہولت پیدا کرنے کا طریق عمل اختیار کیا جائے۔

(الف) جرمن زبان کے تمام اخبارات کے ایڈیٹر اور نائب ایڈیٹر جرمن قوم کے ہوں۔

(ب) غیر جرمن اخبارات کی اشاعت کے لئے حکومت سے خاص اجازت حاصل کی جائے خواہ غیر جرمن زبانوں میں کیوں نہ شائع ہوں۔

(ج) غیر جرمن کو قانوناً اس امر کی ممانعت ہو کہ وہ جرمن اخبارات کی کسی طرح (بقیہ صلا پر)

کہ یہود کی خفیہ سازبازہی شکست جرمنی کی ذمہ دار ہے ۔ وہ یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ

(روپے سے) مالی سرپرستی کریں یا ان پر کسی طرح سے رسوخ انداز ہوں اور ان احکام کی خلاف ورزی کی سزا یہ ہو کہ اس اخبار کو فوراً بند کر کے ایسے شخص یا اشخاص کو ملک بدر کر دیا جائے۔ ایسے اخبارات کی اشاعت ممنوع قرار دی جائے جو قومی مفاد کے خلاف ہوں۔

ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جو صاحب فن یا ادیب ہماری قومی زندگی میں انتشار پیدا کرنے کی رغبت کا ذرا بھی اظہار کرے اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے اور جو سنستھائیں ایسے لوگوں کی حمایتی ہوں انہیں فوراً دبا دیا جائے۔

(۲۳) ہم ملک میں تمام مذہبی فرقوں کے لئے آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ لیکن صرف اسی حد تک جس حد تک وہ ہمارے ملک کے لئے خطرناک نہ ہوں اور جرمن نسل کے اخلاقی احساس کے خلاف نہ ہو جائیں۔ اس پہلو میں ہماری پارٹی اثباتی عیسائیت Positive Christianity کی حمایت کرتی ہے۔ لیکن عیسائیت کے کسی خاص فرقے کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ نہیں کرتی۔ یہ یہودیوں کی سی مادہ پرستی کی اسپرٹ کے خلاف برسر جنگ ہے جو ہمارے اندر یا باہر موجود ہی ہے اور یہ عقیدہ ظاہر کرتی ہے کہ ہماری قوم صرف اسی اصول پر عمل کر کے مستقل صحت حاصل کر سکتی ہے کہ "ہر شخص مفاد قومی کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دے۔"

(۲۴) تمام متذکرہ بالا مطالبات کو حاصل کرنے کے لئے ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم کی جائے جسے ریش اور اس کے تمام نظام پر مرکزی سیاسی پارلیمنٹ کی حیثیت سے ناقابل اعتراض طاقت حاصل ہو اور مختلف مشترکہ حکومتوں کی ریش جو عام قوانین وضع کرے ان پر عملدرآمد کرنے کے لئے مختلف جماعتوں اور پالیسیوں کے ایوانات قائم کئے جائیں۔ (باقی برصفحہ ۱۲)

بالشویک پارٹی میں یہود کو مکمل رسوخ حاصل ہے۔

نازی پارٹی کا لیڈر "ایڈولف ہٹلرؒ" سوشلزم کو بین الاقوامی سرمایہ داری کی دانشمندانہ چال خیال کیا کرتا تھا۔ اس نے عالمگیر قومی اصول اور اپنی پارٹی پر اظہار خیال کرتے ہوئے مارکس ازم کے متعلق کہا تھا

"تہذیب و اخلاق کے نقطۂ خیال سے مختلف نسلوں کی قابلیت میں کوئی فرق نہ محسوس کرنا بھی ایک بڑی بھاری غلطی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر مختلف فرقوں اور مختلف اشخاص کو بھی ایک جیسا مہذب خوش اخلاق اور قابل ماننا پڑے گا جو کہ صریحاً ناممکن ہے۔ اس طرح بین الاقوامی مارکس ازم بھی دنیا کو ایسے ہی ایک عام صورت میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس کا یہ عقیدہ

(صلا۔ سے) پارٹی ہذا کے تمام لیڈر رہنما یہ حلف لیتے ہیں کہ وہ ان مذکورہ بالا مقاصد کی تعمیل و تکمیل کے لئے اپنی جانیں تک قربان کردیں گے۔ (میونخ مورخہ ۲۴ فروری سنہ۱۹۲۰ء)

ماخوذ از میری جدوجہد۔ (مصنفہ ہر ایڈولف ہٹلر ڈکٹیٹر جرمنی) ص۳۸۳ تا ص۳۸۶۔

سلہ ۱۸۸۹ء میں بمقام برونو پیدا ہوا۔ بارہ سال کی عمر میں یتیم ہو کر ویانہ گیا۔ اور کچھ دن معماروں کے ساتھ کام کرکے اور کچھ روز مکانات پر قلعی کرکے پیٹ پالتا رہا۔ ویانہ کے مزدور ہٹلر کو کچھ اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ لہٰذا وہ کچھ مدت بعد میونک چلا گیا۔ ویانہ میں اس نے شاہی خاندان کی شان و شوکت کا بہت غور سے مطالعہ کیا تھا۔ وہ ویانہ ہی میں تھا کہ جنگ عظیم شروع ہو گئی وہ فوج میں بھرتی ہو کر کارپول کے عہدہ پر تھا کہ زخمی ہو گیا جنگ کے بعد میونک واپس ہوا۔ ملک کی حالت ابتر تھی۔ اس نے اس ابتری سے فائدہ اٹھایا۔ اور نازی پارٹی کی بنیاد ڈالدی۔ (یورپ کی خونی سیاست ص۳۵)

"یہودی کارل مارکس" کے زمانہ سے اب تک اسی طرح چلا آیا ہے۔ اگر اس کی بنیاد اس یا ایسے ہی کسی دوسرے زہریلے اصول پر نہ ہوتی تو اس کے عقائد و مسائل کو اتنی کامیابی ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی تھی جتنی کہ ہوئی ہے

کارل مارکس دراصل ان بیشمار آدمیوں میں سے ایک تھا جو اس بگڑی ہوئی دنیا کے بیرونی طور پر مندمل شدہ زخموں کے اندر اس زہر کی موجودگی کو پہچان گیا تھا۔ اور اپنے طلسمی فن کی مدد سے اسے باہر نکال لایا تھا کہ اس کی مدد سے وہ دنیا بھر کی آزاد قوموں کو تباہ و برباد کر کے اپنے یہودی بھائیوں کی کچھ بہتری و بہبودی کر سکے جن کا اپنا نہ کوئی ملک ہے اور نہ کوئی متحدہ قوم[1]۔

۱۹۳۳ء کے انتخاب میں نازی پارٹی نے جرمن پارلیمنٹ (ریشتاغ) میں اقتدار حاصل کر لیا اور اپنے لیڈر "ہر ہٹلر" کو صدر بنا دیا۔ ہٹلر نے اقتدار حاصل کرتے ہی قوم کے انتقامی جذبات کو ابھارنا شروع کر دیا۔ فوجی بھرتی لازمی کر دی، قرضہ جنگ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اندرون ملک اور خفیہ طور پر دوسرے ممالک میں سامان جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ بڑے بڑے کارخانے قائم کر دیے۔ مضبوط ہوائی بیڑہ اور آبدوز کشتیوں کی تعمیر میں مصروف ہو گیا۔ برطانیہ، فرانس اور روس ان تیاریوں سے بے خبر نہ تھے۔ مگر آپس کی رقابت نے ان کی عظمت و شوکت کو مفلوج کر دیا تھا

دنیا میں ایک لیگ آف نیشنز "جمعیۃ الاقوام" کا تابوت مقدس بھی تھا جس پر برطانیہ اور فرانس کو تسلط حاصل تھا۔ بالشویک حکومت نے

---

[1] میری جدوجہد ۱۵۰ و ۱۵۱۔

اس کی رکنیت قبول نہیں کی تھی۔ یا اس کو رکن نہیں بنایا گیا تھا۔ کمزور جرمنی ۱۹۲۶ء میں اس کا رکن بن گیا تھا۔ لیکن جب جمعیۃ الاقوام نے اسلحہ کی تیاری پر پابندی عائد کرنی چاہی تو ہٹلر نے اس کی خود غرضانہ چالبازیوں اور کمزوریوں کا حوالہ دیتے ہوئے جمعیۃ الاقوام سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ ارکان جمعیۃ الاقوام نے جرمنی کی اس گستاخی کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا کیونکہ بالشویک کی طاقت بڑھتی جا رہی تھی اور اس کے مقابلہ کے لئے شاہنشاہیت پسند سامراج طاقتوں کو جرمن قوم کے شوخ مزاج من چلے نوجوانوں کی ضرورت تھی۔

جمعیۃ الاقوام کی ریشمی ڈور سے گلو خلاصی کے بعد ہٹلر اپنے ارادوں کی تکمیل میں قطعاً آزاد تھا۔ چنانچہ چند ماہ میں مردہ جرمن، جوان مرد جرمن بن کر دنیائے سیاست میں اپنا پرچم بلند کرنے لگا اور دنیا کے سیاسی جغرافیہ کی لکیروں کو اپنی مرضی کے مطابق الٹا سیدھا کرنے کے لئے تیار ہو گیا

جرمن کی یہ تیاریاں روس کے لئے باعث تشویش ہوئیں اور جرمنی کے ہمسایہ فرانس اور چیکوسلاویکیا بھی تردد میں پڑ گئے۔ اس مشترک تشویش نے روس کو بھی لیگ آف نیشنس کی شرکت پر مجبور کر دیا۔

ڈپلومیٹک دنیا اور شاطران سیاست کی زبانوں پر امن اور صلح کے نعرے تھے۔ مگر اغراض کی گندی کانیں امن سوز بارود کی تیاری میں معروف تھیں۔

جاپان باوجودیکہ ۱۸ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو چین پر حملہ کر کے امن و صلح کی چیکاروں کی بیچ میں سرزمین چین کو آتشکدہ قتل و غارت بنا چکا تھا۔ مگر جمعیۃ الاقوام اور

بالخصوص برطانیہ عظمیٰ غیر مہذب چین کے مقابلہ میں ترقی پذیر جاپان کی حامی تھی - کیونکہ مشرق بعید میں بالشوزم کی روک تھام کے لئے جمہوریت پسند چین کے مقابلہ میں جاپان جیسے فاسسٹ کی تقویت سامراجی اغراض کے لئے زیادہ مفید تھی -

جاپان سے تجارتی معاہدہ کرکے اس کی تجارت کو اتنا فروغ دیا گیا کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ کی منڈیاں بھی جاپانی مصنوعات سے پٹ گئیں اور ارزانی نرخ میں تمام دنیا کا ریکارڈ مات کر دیا -

ہندوستان کا بنا ہوا لٹھا ٹیکسوں کی بھرمار کے باعث اگر ۲ر گز فروخت ہو سکتا تھا تو جاپان کا بنا ہوا لٹھا ۲ر بعد ۵ر گز فروخت ہوتا تھا -

بہرحال اغراض کی دنیا میں نازی پارٹی اور اس کے رہنما اعظم "ہٹلر" کے لئے بھی راستہ کھلا ہوا تھا - اس نے ۳۴ء میں آسٹریا کا رخ کیا - کیونکہ آسٹریا کے باشندے خود کو "جرمن" کہا کرتے تھے - خود ہٹلر بھی آسٹریا کا باشندہ تھا - چنانچہ ۲۵ر جولائی ۳۴ء کو نازی پارٹی کے ایجنٹوں نے آسٹریا میں عام انقلاب پیدا کرنا چاہا - آسٹریا کا چانسلر ڈلفس اس انقلاب کی نذر ہو گیا - لیکن اٹلی کی فوجوں نے آسٹریا کی حمایت کی اور یہ انقلاب ناکام رہا اٹلی کا فاسسٹ[1] لیڈر "بنٹو مسولینی[2]" اب تک نازیوں کا مخالف تھا -

---

[1] سوشلزم - فاسیزم اور نازی ازم - یہ تینوں تحریکیں سرمایہ دارانہ نظام (کیپٹل ازم) کے مخالف ہیں - یہ تینوں اس نصب العین میں مشترک ہیں کہ ذرائع پیداوار افراد کی ملکیت سے نکل کر حکومت کی ملکیت بن جائیں - قوموں کی اپنی حکومت ہو - بڑی بڑی فیکٹریاں (ص ۱۶ پر)

[2] ملاحظہ حاشیہ ص ۱ پر -

اسٹریا کے اس واقعہ نے اس کو چونکا دیا - وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی سرحدک

(صـ۱۵ سے) حکومت کی ہوں - زمینداری ختم ہو - حکومت کا تعلق کاشتکار سے براہ راست رہے - فرق یہ ہے کہ سوشلزم تمام دنیا کو مساوی نظام میں شرکت کی دعوت دیتا ہے - تھرڈ انٹرنیشنل یعنی تمام دنیا کے مزدوروں کی تیسری کانفرنس جو لینن نے کی تھی اس نے تمام دنیا کے مزدوروں کو ایک برادری تصور کر کے تمام دنیا میں مساوی طور پر اس نظام کو قائم کر دینا اپنا نصب العین بنا لیا تھا - اس کا آغاز روس سے ہوا - لیکن اندرونی طور پر اس تحریک کی داغ بیل تمام دنیا میں ڈالدی گئی - سوشلزم جارحانہ جنگ کا قائل نہیں بلکہ اس کا پروگرام یہ ہے کہ ہر ملک کے مزدور بیدار ہوں وہ خود انقلاب پیدا کریں اور سوشل نظام اپنے یہاں قائم کریں - فاسیسزم - تمام دنیا میں مساوی نظام کا قائل نہیں وہ صرف اپنے ملک کے لئے ایک [illegible] نظام کو [illegible] پیش کرنا چاہتا ہے [illegible] نازی ازم کے پروگرام [illegible] سے اندازہ ہو جاتا ہے - اپنے ملک کے علاوہ تمام مفتوحہ ممالک کو اپنے زیر نگیں کر کے ان پر اپنی شاہنشاہیت قائم کرتا ہے - نازی ازم اور فاسیسزم میں جزوی فرق اپنے ملکی حالات کی بنا پر ہے ورنہ نصب العین دونوں کا ایک ہے کہ اپنی قوم کی سربلندی اور دوسری قوم پر اپنی قوم کی شاہنشاہیت قائم ہو اس تمہید کے بعد ایک عام مصنف کے ادیبانہ الفاظ اس موقع پر دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے -

> اٹلی اگرچہ جنگ عظیم میں اتحادیوں کے ساتھ تھا اور فتحمند ملکوں میں سمجھا جاتا تھا لیکن جنگ کے اثرات مابعد سے نہایت خستہ اور بے جان تھا اس کی تجارت اور صنعت و حرفت تباہ ہو چکی تھی اور ملک میں کھانے اور پینے تک کی چیزوں کا کال پڑ چکا تھا - ان سب پر مستزاد یہ کہ اطالویوں کے دل میں یہ احساس (صـ۱۷)

قریب یہ فتنہ دوبارہ سر اٹھائے۔ چنانچہ اس کی دعوت پر اپریل ۱۹۳۵ء میں

جڑ پکڑ گیا تھا کہ جنگ میں سب سے زیادہ تباہی اس کے حصہ میں آئی اور مال غنیمت دوسروں کے حصہ میں آیا۔ اس عالمگیر احساس کا نتیجہ یہ تھا کہ سوشلزم کے دوش بدوش اٹلی میں ایک وطنی تحریک بھی نشو ونما پانے لگی۔ جو مقاصد کے لحاظ سے سوشلزم سے بالکل مختلف تھی۔ لیکن عوام کو بیدار کرنے اور اپنے وطن کو ضروریات کا صحیح احساس دلانے کے معاملہ میں سوشلزم سے زیادہ زود اثر اور کامیاب ثابت ہوئی۔ یہ فیشسٹ تحریک تھی۔ اس کا مقصد وحید یہ تھا کہ اطالویوں کے گرے ہوئے حوصلے کو ابھارے۔ اپنی عظمت رفتہ کی یاد دلا کر ان میں نیا جوش اور ولولہ پیدا کرے اور اپنے ملک کے ذرائع و وسائل کو منظم اور اہل ملک کو سخت فوجی ضوابط کا عادی بنا کر اس تمدن اور ذوق کی راہ پر ڈالے جو صدیوں پہلے خود رومیوں نے اپنے لئے بنائی تھی اور جس پر چل کر وہ مدتوں دنیا میں سربلند اور معزز رہے۔ اس ہیجان انگیز اور مسحور کن قومی تحریک کے آگے اطالویوں کی نظروں میں سوشلزم کی بین الاقوامی مرفہ الحالی کی تصویر ماند پڑ گئی۔ الخ (دوسری جنگ عظیم)

(متعلقہ صفحہ ۱) ۵۲ بنیٹو مسولینی ایک دیہاتی لوہار کا لڑکا تھا۔ تعلیم ختم کر کے ایک مدرسہ میں ملازم ہو گیا مگر طبیعت سیاست کی طرف مائل تھی۔ اسکول کی ملازمت سے مطمئن نہ تھا۔ چنانچہ سوشلسٹ پارٹی کا پرجوش ممبر بن گیا اور مدرسہ کی ملازمت ترک کر کے سوشلسٹ اخبار "اوانتی" کا ایڈیٹر ہو گیا۔ لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو باوجودیکہ سوشلسٹ پارٹی جنگ کی مخالف تھی مگر مسولینی نے جنگ کی موافقت میں مضامین لکھے لہذا اس کو پارٹی سے نکال دیا۔ اب اس نے اپنا اخبار "پوپولو دی اطالیہ" جاری کیا اور فوج میں بھرتی ہو گیا ...

اسٹریسا (Stresa) کانفرنس ہوئی جس میں نازی پارٹی کی جارحانہ سیاست کے مقابل برطانیہ فرانس اور اٹلی نے ایک متحدہ محاذ بنایا۔

اس کانفرنس میں ان تینوں سلطنتوں نے ہٹلر کی جبری بھرتی کے قانون اور جنگی تیاریوں کی مذمت کی اور ہٹلر کو تنبیہ کی کہ اگر وہ اپنی اشتعال انگیز پالیسی کو ترک نہ کرے گا تو تینوں ملک متحد ہو کر اس پر اثر ڈالیں گے۔

لیکن ابھی اس کانفرنس کو مشکل سے دو ہی مہینے گذرے تھے کہ اس کے سب سے بڑے رکن "برطانیہ عظمیٰ" نے جون سنہ ۳۵ء میں جرمنی کے ساتھ ایک بحری معاہدہ کر لیا جس میں ہٹلر کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ جرمنی کے واسطے برطانوی بحری بیڑے کا ایک تہائی بیڑہ تعمیر کر سکتا ہے۔ اس معاہدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ

(بقیہ صفحہ) وہاں بری طرح زخمی ہوا۔ مہینوں اسپتال میں پڑا رہا۔ لیکن اس تمام دور میں اپنے اخبار کے لئے مضامین لکھ لکھ کر بھیجتا رہا۔ جنگ ختم ہو گئی تو اس نے ایک جماعت قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی کیونکہ سوشلسٹ جماعت سے اس کا اختلاف پہلے ہی شروع ہو گیا تھا اور اب وہ دیکھ رہا تھا کہ یہ پارٹی اٹلی کی اس تمام قربانی کو جو زمانہ جنگ میں کی تھی بے کار کرنے کی فکر میں تھی۔ اتحادیوں سے بھی وہ ناراض تھا کہ انھوں نے ضرورت کے وقت وعدے بہت کچھ کئے مگر دیا کچھ بھی نہیں۔ اپنے ملک کی امن پسند حکومت کو بھی وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ کیونکہ یہ حکومت وارسیلز کی شرائط منظور کر کے اٹلی کو دنیا کے سامنے ذلیل کر رہی تھی۔ لہذا مسولینی نے مارچ سنہ ۱۹ء میں میلان مقام پر اس نئی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جس کا نام اس نے "فیسٹی" رکھا۔

یورپ کی خونی سیاست ص ۹۱ و ۹۲

آسٹریا کانفرنس کی دھمکی بے معنی ہو گئی اور ہٹلر کو یقین ہو گیا کہ جرمنی کی طاقت بڑھانے میں خود برطانیہ اوس کے ساتھ ہے۔

برطانیہ کی اس حرکت نے اٹلی کو برگشتہ کر دیا۔ فرانس اٹلی کے ساتھ جنوری ۱۹۳۵ء میں دوستی کا معاہدہ کر چکا تھا۔ برطانیہ اور جرمنی کے بحری معاہدے نے اس میں جان ڈالدی۔ جولائی ۱۹۳۵ء میں فرانس کے کمانڈران چیف اٹلی کے جنرل اسٹاف سے تبادلہ خیال کرنے روم گئے اور ستمبر ۱۹۳۵ء میں اٹلی کے کمانڈران چیف "مارشل بڈوگلیو" فرانس آئے۔ یہ ملاقاتیں اسلئے تھیں کہ جرمنی کے حملہ کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

یہی ۱۹۳۵ء تھا کہ "بنٹو مسولینی" اپنے ملک کی اندرونی تنظیم سے فارغ ہو چکا تھا۔ رومن ایمپائر[1] کی عظمت رفتہ کا خواب جو اس تنظیم کے زمانہ میں دیکھتا رہا تھا۔ اب اس کی عملی تعبیر کا متلاشی تھا۔ حبشہ کا زرخیز علاقہ مدت سے اس کے پیش نظر تھا جس کو وہ رومن سلطنت کے ماتحت کرنا چاہتا تھا۔ سامراجی اور مستعمرانہ منطق کی رو سے اس کے لئے وجہ جواز بھی تھی۔ کیونکہ یہ قدیم سلطنت اٹلی کے شمالی اور مشرقی نوآبادیات سے ملی ہوئی تھی۔

---

[1] یعنی وہ شہنشاہیت جس کا شہنشاہ اسلام کے قرن اول میں "ھرقل" تھا۔ چونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی اور تبلیغی مکتوب گرامی کو چاک نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کی عزت کی تھی۔ لہذا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے بموجب یہ سلطنت و ملکت آجتک ہے اگرچہ حضرت فاروق اعظم اور خلفاء بنی امیہ کی فوجوں نے اسکی عظمت و شوکت کے پرخچے اڑا دیئے تھے جیسے ٹکڑے ہوئے ٹوٹے آجتک نہیں جڑ سکے تاہم دنیا کے سیاسی نقشہ میں اسکا وجود ہمیشہ باقی رہا۔ محمد میاں

اس کے علاوہ ایک منتقانہ جذبہ بھی کارفرما تھا۔ جس سے وہ اہل اٹلی کو برانگیختہ اور اٹلی کی فوج کو سرگرم جہاد کرسکتا تھا۔

واقعہ یہ تھا کہ سلطنت اٹلی نے اس سے پہلے بھی حبشہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن غیور اور خوددار حبشیوں نے اطالوی فوجوں کو "اڈوا" کے میدان میں مار بھگایا تھا۔ اس شکست کا اطالویوں پر بڑا اثر پڑا تھا۔ ایک تیسری وجہ بھی اس اقدام کا بہانہ بن سکتی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۲۳ء میں اٹلی کی مدد سے حبش مجلس اقوام کا ممبر بنایا گیا تھا اٹلی کا خیال تھا کہ حبش ہمیشہ اس کا احسانمند رہیگا۔

لیکن اب برطانیہ نے بھی اپنی سنہری اغراض کی طمع میں سیاہ فام حبشی کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھنا شروع کردیا تھا۔ اس غرض آلود رقابت نے اٹلی کی نگاہیں پھیر دیں۔ اندرونی تنظیم کے علاوہ فرانس کی دوستی نے اٹلی کی پوزیشن کو اور بھی زیادہ مستحکم کردیا تھا۔ چنانچہ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور غریب حبشیوں پر آگ اور موت کی بارش شروع کردی مگر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی فداکار قوم زیادہ مضبوط ثابت ہوئی اور زہریلی گیس کے علاوہ کوئی حربہ اس کو رام نہ کرسکا۔

شاہ حبشہ کو مجلس اقوام کی رکنیت اور برطانیہ کی تازہ الفت پر ناز تھا۔ اس نے فریاد کی جائے۔ مگر ابھی مجلس اقوام اور برطانیہ نسخۂ تریاق تجویز ہی کررہے تھے کہ حضرت اٹلی نے زہریلی گیس کے پھنکاروں سے سلطنت حبشہ کا کام ختم کردیا۔ شاہ حبشہ فرار ہوکر لندن پہنچا۔ مجلس اقوام نے اپنی

لاج رکھنے کے لئے اٹلی کی اقتصادی ناکہ بندی تجویز کی۔ فرانس نے بھی منظوری کے دستخط کر دیئے مگر درپردہ حق دوستی ادا کیا اور کوشش کرتا رہا۔ کہ اٹلی کی تجارت اور اُس کی اقتصادی حالت پر اس ناکہ بندی کا اثر نہ پڑنے پائے۔

برطانیہ کو توقع تھی کہ ہٹلر روس کا ساتھ دے گا مگر ہٹلر نے بھی مسولینی کے گوشۂ چشم کو برطانیہ کے چشم التفات پر ترجیح دی اور اٹلی کا ساتھ دے کر مسولینی کی دوستی حاصل کرلی۔ اب مجلس اقوام کی یہ تجویز برطانیہ اور اٹلی کی ذاتی چپقلش بن کر رہ گئی۔ جاپان اور چین کے تصفیہ کے بعد یہ دوسرا واقعہ تھا۔ جس میں مجلس اقوام لاچار رہی اور دنیا سیاست میں اپنی ساکھ کھو بیٹھی۔

روس کے خلاف متحدہ محاذ اور اسپین کی خانہ جنگی

دول یورپ کی آپس کی رقیبانہ کشاکش کے باعث "اوڈلف ہٹلر" کی جارحانہ سیاست ہر قدم پر کامیاب تھی اور ہر کامیابی سے اس میں نیا عزم اور حوصلہ پیدا ہوتا جارہا تھا جرمن ایمپائر کا عظیم الشان نقشہ روس کے سامنے تھا اور وہ اس کی طرف تیزی سے قدم بڑھا رہا تھا یورپ اور امریکہ میں نازی ازم کا جال بچھاتا چلا جارہا تھا اور جرمن قوم کے عزائم خفتہ کو بیدار کر رہا تھا۔

ہٹلر کی چالیں روس سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ مگر اس کے پاس کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ ہٹلر نے نازی ازم پر کمیونزم اور سوشلزم کی مخالفت کا نقاب ڈال رکھا تھا۔ لہٰذا یورپ کمیونزم کے مقابلہ میں ہٹلر کا حامی تھا۔ اس کے علاوہ خود سوویٹ روس

کے حالات ہٹلر کی مدد کر رہے تھے۔ کیونکہ اس وقت روس میں اسٹالن اور ٹراٹسکی کی رقابت کا میدان کارزار بنا ہوا تھا۔

اسٹالن روس کے مشہور جرنیلوں اور پارٹی کے لیڈروں کو اپنے اقتدار کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا رہا تھا۔ بالشوزم کی اس خونی تصویر نے سارے یورپ کو روس اور کمیونزم سے متنفر بنا دیا تھا جنوری ۱۹۳۵ء میں رائے عامہ سے استصواب کے بعد سار کا علاقہ جرمنی کو واپس مل چکا تھا۔ مئی ۱۹۳۵ء میں، فرانس، چیکوسلاواکیا اور روس کے درمیان معاہدہ ہوا کہ جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کرے گا۔ اگرچہ اس معاہدہ کی زد جرمنی پر پڑتی تھی مگر اس وقت ہٹلر اس کو طرح دے گیا۔ البتہ جون ۱۹۳۵ء میں برطانیہ سے بحری معاہدہ کر کے اس کمزوری کی تلافی کر دی اور پھر یورپ کے اندرونی انتشار سے فائدہ اٹھا کر ۷ مارچ ۱۹۳۶ء کو راہن لینڈ پر فوجی قبضہ کر لیا۔

اسی سال ۱۸ جولائی ۱۹۳۶ء کو اسپین میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ۱۹۳۱ء میں اسپین کے جمہوریت پسندوں نے "شاہ الفانسو" کو تخت و تاج سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت سے اسپین میں جمہوری حکومت قائم تھی جس کو جمہوریہ فرانس اور سوویٹ روس کی حمایت حاصل تھی۔ اس کے برخلاف فاسیزم اور نازی ازم کی ترقی اسپین کے دوسرے عناصر کو تقویت پہنچا رہی تھی چنانچہ جنرل فرانکو کی زیر قیادت بغاوت نے سر ابھارا اور اسپین دو متصادم نظریوں کی قوت آزمائی کا جولانگاہ بن گیا۔

ان دو نظریوں نے اپنے ہمنواؤں میں اس درجہ عصبیت اور حمیت

پیدا کر دی تھی کہ بیٹا باپ کو گولی سے اڑا دینے میں اپنی کامیابی سمجھتا تھا اور باپ اپنے پارۂ جگر کو ذبح کر دینے میں دل کی ٹھنڈک محسوس کرتا تھا۔

جنگ بظاہر اسپین کی دو پارٹیوں میں تھی مگر مقابلہ درحقیقت بالشوزم اور روس کی مقابل طاقتوں میں تھا۔ فتح و نصرت نے جنرل فرانکو کا ساتھ دے کر یورپ میں نازی ازم اور فاسیزم کا پرچم بلند کر دیا۔ یہی ۱۹۳۶ء تھا کہ جاپان اقتصادی مشکلات میں مبتلا ہو گیا اور چین میں کمیونسٹوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار نے چین سے متعلق اس کے منصوبوں کی کامیابی کو بھی مشکوک کر دیا۔ مگر اس موقع پر ہٹلر نے اسکی خاص امداد کی یعنی ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء کو ایک معاہدہ کر کے اقتصادی مشکلات سے اس کو نجات دلا دی۔ معاہدہ کا مقصد یہ تھا کہ کمیونزم اثر کو روکنے کے لئے دونوں ملک آپس میں مل جل کر کام کریں گے۔ مسولینی نے بھی اس معاہدہ میں شرکت ضروری سمجھی۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء میں خود مسولینی برلن گیا۔ اور "انٹی کمیونزن پیکٹ"[1] پر دستخط کر آیا
ان چند سالہ انقلابات نے دنیا و سیاست میں دو طاقتور گروپ پیدا کر دیئے سوویت روس اور اس کے حلیف ایک طرف تھے۔ جرمن جاپان اور اٹلی دوسری جانب۔ برطانیہ اور امریکہ کمیونزم دشمنی کے باعث جرمن والے گروپ کے حامی تھے۔

حملہ جاپان بر چین جولائی ۱۹۳۷ء میں چینی سپاہیوں کے ایک دستہ نے منچوکو کی جاپانی چوکی پر گولیاں چلا دیں۔ یہ ایک بہانہ تھا۔ جسکی بناء پر ۲۸ جولائی

۱؎ کمیونسٹوں کے برخلاف معاہدہ

کو جاپان نے چین پر اس سختی سے حملہ کیا کہ صرف ایک ہفتہ میں چین کے دو شمالی صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ چین نے روس برطانیہ امریکہ اور فرانس سے (جن کے مفاد چین سے وابستہ تھے) فریاد کی مجلس اقوام کی دہائی دی۔ لیکن مجلس اقوام نے جب جاپان کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھا تو جاپان استعفیٰ دے کر مجلس اقوام سے علیحدہ ہو گیا۔ مارچ ۱۹۳۸ء میں ہٹلر نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اس نے آسٹریا میں اپنی فوجیں داخل کر دیں آسٹرین فوجوں نے خاموشی سے ہتھیار ڈال دیئے اور صرف تین دن میں تمام آسٹریا پر جرمن فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ دول یورپ نے یہ خبر سنی مگر اب ہٹلر ۱۹۱۴ء کا ہٹلر نہ تھا۔ اب اس سے مقابلہ ایک خوفناک جنگ کو دعوت دینا تھا۔

چنانچہ برطانیہ کی طرف سے یہ تاویل کر دی گئی کہ آسٹریا میں جرمن آباد ہیں اگر وہ الحاق جرمن سے کرنا چاہتے ہیں تو یہ ان کا حق ہے، ہمیں مداخلت کا کوئی حق نہیں۔

لیکن عظمت و اقتدار کی جس اونچی سطح پر ہٹلر اپنی قوم کو لیجانا چاہتا تھا وہ آسٹریا پر قبضہ کے بعد بھی حاصل نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ مارچ ۱۹۳۹ء میں ہٹلر کی فوجوں نے چیکوسلاویا پر قبضہ کر لیا۔ سمجھوتے کی وہ تمام کوششیں جو برطانیہ کے وزیر اعظم چیمبرلین نے تین بار ہٹلر سے ملاقات کر کے کی تھیں رائیگاں گئیں بے شمار آلات جنگ۔ اسلحہ ڈھالنے والی دو فیکٹریاں دو ہزار ہوائی جہاز اور کئی لاکھ پونڈ سونا اس قبضہ کی بدولت جرمن فوجوں کے ہاتھ لگا۔ جس نے جرمنی کی جنگی اور اقتصادی حالت کو بہت زیادہ بلند کر دیا۔

"چیکوسلاویا ہضم کرنے کے بعد ہٹلر کی فوجوں نے لیتھونیا کا رخ کیا اور میل پر قابض ہو گئیں۔

مسولینی بھی کیوں خاموش رہتا۔ اس نے البانیہ کی طرف رخ کیا۔ شاہ البانیہ فرار ہو گیا۔ اور مسولینی کی فوجیں البانیہ پر قابض ہو گئیں۔ چیکوسلاویا کے بعد پولینڈ کی سرزمین جرمن فوجوں کے سامنے تھی اور چونکہ بیس لاکھ جرمنی پولینڈ کی قلمرو میں آباد تھے۔ جن کے حقوق (بقول ہٹلر) تلف کئے جا رہے تھے لہذا جرمن فوجوں کے لئے اقدام کی وجہ بھی موجود تھی لیکن دشواری یہ تھی کہ ۳۱ر مارچ ۳۹ء کو برطانیہ اور فرانس دونوں کی جانب سے پولینڈ کی حمایت کا اعلان ہو چکا تھا۔ مگر ہٹلر کی خوش قسمتی سے نصف پولینڈ کے متعلق روس کا مطالبہ تھا کہ اس کے قلمرو میں داخل کیا جائے۔ کیونکہ ۱۴ء کی جنگ میں وہ روس کے قبضہ سے نکل گیا تھا اور پھر صلح کانفرنس نے اس کو حکومت پولینڈ کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ ہٹلر نے روس کی اس خواہش کا جائزہ لیتے ہوئے روس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ۲۳ر اگست ۳۹ء کو دس سال کے لئے باہمی دوستی کا معاہدہ کر لیا۔

۲۹ر اگست ۱۹۳۹ء کو مسٹر چیمبرلین وزیر اعظم برطانیہ نے برطانوی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہم ہٹلر کے جواب کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہٹلر کے رویہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہم سے بگاڑنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ لیکن اس کے دوسرے ہی روز یہ اطلاع ملی کہ پولینڈ نے اپنی فوج کو نقل و حرکت کا حکم دیا ہے۔ اس چیز نے ہٹلر کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اسی رات کو جرمنی وزیر خارجہ

"ہر فان ربن ٹراپ" نے برطانوی سفیر کو جرمنی کی شرائط صلح سنادیں اور یہ بھی واضح کردیا کہ ان شرائط سے پولینڈ کو بھی آگاہ کردیا تھا۔ مگر اب تک ان کا کوئی نمائندہ ہمارے پاس نہیں آیا۔ برطانوی سفیر نے ان شرائط کی ایک نقل مانگی تو اس سے کہا گیا کہ اب اس کا وقت گذر گیا۔

جرمن گورنمنٹ نے اپنے ایک طویل مکتوب میں، جو ۳۱ اگست کو برطانوی سفیر "سرنیول ہینڈرسن" کے حوالہ کیا۔ تصریح کی تھی کہ موجودہ جھگڑے کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) معاہدہ وارسیلز کے مطابق سرحدوں کی ناگوار ردوبدل۔

(۲) جرمنی سے چھینے ہوئے علاقوں میں اقلیتوں سے ناقابل برداشت سلوک۔

اور اسی مکتوب میں جرمن گورنمنٹ نے اپنے مقاصد شمار کرائے تھے جو بطور شرائط صلح اس نے پیش کئے تھے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) ڈینزگ کا آزاد شہر جرمن گورنمنٹ کو واپس کردیا جائے۔ کیونکہ ڈینزگ خالصاً جرمنی شہر ہے اور روس کے باشندوں کی متفقہ طور پر یہی خواہش ہے

(۲) ایک سال کے بعد رائے عامہ کو بذریعہ ووٹ معلوم کرکے یہ طے کیا جائے کہ آیا علاقہ کاریڈور کے رہنے والے پولینڈ کی حکومت میں رہنا چاہتے ہیں یا جرمنی کی۔

(۳) اس رائے عامہ کے حصول میں ان تمام لوگوں کو رائے دینے کا حق ہوگا جو کاریڈور میں یکم جنوری ۱۹۱۸ء سے رہتے ہیں یا وہاں پیدا ہوئے ہیں۔

(۴) کاریڈور کا فیصلہ کچھ بھی ہو مشرقی پروشیا تک پہنچنے کے لئے کاریڈور کے علاقہ کے بیچ سے ایک گزرگاہ ضرور دی جائے۔

(۵) سال بھر تک کاریڈور کا نظم ونسق اٹلی روس فرانس اور برطانیہ کی سرکردگی میں رہے اور پولینڈ کی فوج پولیس اور تمام انتظامی شعبے فوراً وہاں سے ہٹالئے جائیں۔

(۶) ڈینزگ کو تجارتی مرکز بنادیا جائے جہاں قلعے بنانا اور فوجی استحکامات کرنا ممنوع ہوں۔

(مدینہ۔ ۲۷ رجب ۱۳۵۸ھ - ۱۳ ستمبر ۱۹۳۹ء)

بہرحال یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو سورج نکلنے سے پہلے ہٹلر کی فوجوں نے پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ اور ۱۷ ستمبر تک کل ۱۶ روز میں اس کی عظمت وجلال کے قصر بلند کو تودہ خاک بنا کر نصف پر اپنا پرچم لہرادیا اور آدھا پولینڈ روس کو دیدیا۔ جس کی فوج کا کارنامہ صرف یہ تھا کہ ہزیمت خوردہ پولش فوجوں پر مشرق کی جانب سے حملہ کرکے پولینڈ کی بچی کھچی محفوظ فوجوں کو بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور کردیا۔

اس مال غنیمت کے استحصال میں روس کی سرخ فوج کا ایک قطرہ خون بھی زمین پر نہیں گرا۔

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء تاریخ دنیا کا وہ منحوس دن تھا۔ جس کے دامن کی شکنوں میں سیکڑوں ملکوں کے انقلاب کروڑوں انسانوں کی موت ''اشرف المخلوقات'' کی لاکھوں بستیوں کی بربادی کروڑوں خاندانوں کی تباہی پنہاں تھی۔

اس تاریخ میں شاہ برطانیہ نے سلطنت برطانیہ اور اس کی نوآبادیات کی طرف سے جرمنی اور اٹلی کے خلاف مندرجہ ذیل اعلان جنگ کر دیا۔

"ہم نے طاقت اور زور کا چیلنج منظور کر لیا ہے اور اپنی رعایا کے ہر فرد سے خواہ وہ اس ملک میں ہو یا سلطنت برطانیہ کے کسی حصہ میں توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس معاملہ کو اپنا معاملہ سمجھے گا اور اس آزمایش کے وقت میں ٹھنڈے دل اور عزم صمیم کے ساتھ متحد ہو کر اٹھ کھڑا ہوگا۔ وقت مشکل ہے اور منزل کٹھن ہے۔ لیکن اگر ہم عزم و دیانت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیں گے تو خدا کے فضل و کرم سے کامیاب ہوں گے۔" (مدینہ ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء)

وائسرائے ہند نے فوراً ہی اپنی ایگزیکٹیو کونسل کا ہنگامی اجلاس طلب کیا اور اہل ہند کے نام ایک طویل پیغام نشر کیا۔ جس میں آپ نے فرمایا:۔

حکومت برطانیہ اور حکومت فرانس نے صاف صاف اعلان کیا تھا کہ اگر پولینڈ پر جارحانہ حملہ کیا گیا تو وہ اس کی امداد کریں گے۔ اسی کے مطابق جرمن کے خلاف اعلان جنگ ہو چکا ہے۔

اگر جرمنی کی پالیسی اور طریقوں کے مطابق ہی عمل کیا جائے تو دنیا میں زندگی بسر کرنا مشکل ہو جائے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر جان و مال کی حفاظت اور چین سے زندگی نہیں گذاری جا سکتی۔ طاقت اور زور سے حصول مقاصد کے طریق پر عمل کرنے سے بین الاقوامی انصاف و امن نیز اختلافات کو دلائل سے دور کرنے

کے اصول قائم نہیں رہ سکتے۔ یہ وہ اصول ہیں جنھیں ہندوستان نے ہمیشہ عزت کی نگاہوں سے دیکھا ہے اور جن کی سب سے زیادہ حفاظت کی ہے۔ ملک معظم کی حکومت نے کسی ذاتی غرض کے لئے جنگ میں شرکت نہیں کی ہے۔ اگر کوئی غرض ہے تو یہی کہ جو اصول بنی نوع انسان کے لئے ضروری ہیں ان کی حفاظت کی جائے تاکہ تہذیب و تمدن ترقی کر سکیں۔ ملک معظم کی حکومت سے ممکن کوشش عمل میں لائی تاکہ موجودہ سانحہ عظیم پیش نہ آئے

مدینہ ۲۳ رجب ۱۳۵۸ھ ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء

غلام ہندوستان اگرچہ تاج برطانیہ کا سب سے قیمتی ہیرا اور دولت برطانیہ کا سب سے بڑا سوتی ہے۔ مگر بجرم غلامی ہر ایک قدر و منزلت سے محروم — اس سے استصواب رائے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ لہذا برطانیہ نے اس کو بھی اس سامراجی جنگ میں شامل کر لیا۔ یہ جنگ متواتر چار سال رہی۔ کرۂ زمین کا تقریباً ۲/۳ رقبہ اس کے شعلوں سے جھلس گیا۔ لاکھوں[1] انسان موت کے گھاٹ

---

[1] برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے پارلیمنٹ میں جنگی تفصیلات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ برطانوی سلطنت میں بارہ لاکھ چھیالیس ہزار پچیس (۱۲۴۶۰۲۵) اشخاص کا نقصان ہوا ہے۔ ان اعداد میں ہندوستان کے اعداد بھی داخل ہیں۔ ہندوستان میں (۱۷۹۹۳۵) اشخاص کا نقصان ہوا ہے۔ جن میں ۲۴۳۳۸ ہلاک۔ ۱۱۷۵۴ لاپتہ۔ ۶۴۳۵۴ زخمی۔ ۷۹۴۸۹ قیدی بنائے گئے ہیں۔ قیدیوں میں ۱۲۰۱۴۷ افسران ہیں۔ مدینہ بجنور ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ ۵ دسمبر ۱۹۴۵ء نمبر جلد ۳۴ (باقی صفحہ ۳۱ پر)

اترے۔ کروڑوں عورتیں اور بچے خانماں برباد ہوئے۔ زمین سے معدنیات کے سینے چاک کر دیئے۔ کروڑوں ٹن کے جہاز سمندروں کی تہ میں بیٹھ گئے۔ لاکھوں ہوائی جہاز فضائی جنگ کی نذر ہو گئے۔ اربوں من کے گولوں سے تمدن دنیا کو تباہ

(سلسلہ ۲۹) ۵ ستمبر ۱۹۴۵ء کو واشنگٹن کے ایک بیان میں ظاہر کیا گیا تھا کہ جنگ میں ساڑھے پانچ کروڑ انسان کام آئے۔ جن کا مختصر اندازہ حسب ذیل ہے:۔

روس دو کروڑ دس لاکھ۔ جرمنی کم از کم ساٹھ لاکھ۔ پولینڈ فوجی ۹ لاکھ شہری ۵۰ لاکھ چین تیس لاکھ۔ جاپان ستائیس لاکھ۔ امریکہ دس لاکھ ستر ہزار۔ سلطنت برطانیہ چودہ لاکھ تیس ہزار۔ فرانس دس لاکھ۔ اٹلی گیارہ لاکھ۔ یوگوسلاویا سولہ لاکھ اسی ہزار۔ آسٹریا سات لاکھ۔ ہنگری چھ لاکھ۔ رومانیہ سات لاکھ۔ یونان سات لاکھ۔ ہالینڈ دو لاکھ پچھتر ہزار۔ فنلینڈ ایک لاکھ تراسی ہزار۔ بلجیم ساٹھ لاکھ۔ زیکوسلاویکیہ ساٹھ ہزار۔ فلپائن تیس ہزار۔ عام جو ہلاک یا گم ہیں چین لاکھ پچاس ہزار۔ کل میزان پانچ کروڑ ۳۷ لاکھ تینتالیس ہزار ایک سو چھیاسٹھ ...... (۵۳۷۴۳۱۶۶) بیان میں بتایا گیا تھا کہ یہ کم سے کم اندازہ ہے جو ہلاک زخمی اور گم شدگان کے بارے میں لگایا گیا۔ جنگ کے قیدی اس میں شامل نہیں۔ تیج ۷ ستمبر ۱۹۴۵ء ص ۲۳۲ ج ۲۴

لہ ۱۳ جون ۱۹۴۵ء کو سمندری محکمے کے اعلان میں بتایا گیا کہ لڑائی کے دوران میں اتحادیوں کے ۴۷۷۰ چار ہزار سات سو ستر جہاز ڈوبے جن کا وزن دو کروڑ چودہ لاکھ ٹن تھا۔ یعنی تقریباً ساڑھے دو کروڑ ٹن۔ ان میں سلطنت برطانیہ کے (۲۵۷۰) جہاز تھے۔ جن کا وزن ایک کروڑ تیرہ لاکھ اسی ہزار ٹن تھا) تیج ۱۴ جون ۱۹۴۵ء

۴۱/۲۲۴ امرت بازار پتریکا نے اپریل ۱۹۴۳ء میں شائع کیا تھا کہ متحارب طاقتیں اس وقت تک ۴ کھرب ڈالر (یعنی ۱۲ کھرب روپیہ خرچ کر چکی ہیں۔ اس کے بعد ۱۹۴۳ء کیلئے امریکہ ایک سال کیلئے ۱۰۹ ارب ڈالر منظور کر چکا اور برطانیہ نے ۲۰ ارب ڈالر خرچ کرنے کی اسکیم بنائی تھی گویا مجموعاً خرچہ جنگ ۱۵ کھرب ڈالر تقریباً ۴۰ کھرب روپیہ (محمد میاں)

کیا گیا۔ ہٹلر، مسولینی اور جاپان کی قوتیں طوفان بن کر یہ دنیا پر چھا گئیں۔ لیکن برطانیہ بساط سیاست کا بہترین شاطر، ثبات و استقلال کا بے نظیر پیکر، روس انتہا سے زیادہ جفاکش اور امریکہ سب سے بڑا دولتمند ثابت ہوا۔

فیصلۂ جنگ۔ فاسست حکومتوں کے برخلاف تھا۔ مسولینی گولی سے اڑا دیا گیا۔ ہٹلر نے خودکشی کی۔ جاپان نے ایٹم بم سے لرز کر گردن جھکادی۔ اس خونی طوفان کے اتار چڑھاؤ کو بیان کرنا موضوع کتاب سے خارج ہے اس جنگ کے اسباب پر اختصار کے ساتھ نظر ڈالنا ہمارا مقصود تھا تاکہ اندازہ کیا جا سکے کہ اس جنگ کے دوران میں علماء حق اور ہندوستان کے قوم پرور طبقہ نے جو روشِ اختیار کیا وہ کہاں تک حق و انصاف کے مطابق تھا۔

بیشک جنگ کی آگ ہٹلر نے سلگائی مگر خود ہٹلر کو کس نے پیدا کیا؟ وجودِ ہٹلر نتیجہ تھا ان ناانصافیوں کا جو ولسن کے چودہ نکات کے پردہ میں کمزور قوموں کے ساتھ کی گئیں۔

پھر شہنشاہیت پرستوں بالخصوص برطانیہ کی سامراجی اغراض نے جرمن کو زندہ کیا۔ ہٹلر کو پروان چڑھایا اور جرمن قوم کو مسلح کیا۔ لیکن افسوس قدرت اور فطرت کا یہ اصول صادق ہوا کہ

لا یحیق المکر السیئ الا باھلہ۔ (چالبازیوں کا برا نتیجہ خود چالباز کو بھگتنا پڑتا ہے۔)

بیشک ہٹلر اور مسولینی برباد ہو گئے۔ کیونکہ حدود انصاف سے آگے بڑھ کر ان کے "مکر سیئ" اور چالبازیوں کا تقاضا یہ ہی تھا۔ مگر برطانیہ اور فرانس کو بھی

جن کی سامراجی اغراض نے صلح کانفرنس کے مقاصد کو ناکام کیا۔ لاکھوں نفوس کی قربانیوں بے پناہ مصائب اور عبرت انگیز تکالیف برداشت کرنے کے بعد عظمت و اقتدار کے بلند مقام سے اترنا پڑا۔

امریکہ نے جب اپنے صدر کے چودہ نکات کو ناکام ہوتے دیکھا تو دامن بچا کر علیحدہ ہو گیا تھا۔ فرانس اور برطانیہ اس وقت خوش تھے کہ قوموں کی قسمت کا قلم ہماری انگلیوں میں ہے مگر قدرت کا قانونِ عدل، جو افراد و اقوام کے ہر نیک و بد کو جانچتا اور پرکھتا رہتا ہے۔ وہ ان چالبازیوں کو دیکھ رہا تھا اور الہامی زبان میں صدا بلند کر رہا تھا۔

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

ابھی ربع صدی نہ گذری تھی کہ مضطرب دنیا نے کروٹیں بدلنی شروع کر دیں۔ تین سال تک "تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء" کا منظر کرتے ہوئے آخری فیصلہ اس طاقت کی بحالی کے لئے صادر کر دیا جس کو ختم کرنے کے لئے دنیا نے ہٹلر کو پیدا کیا تھا۔

اس جنگ نے ولسن کے چودہ نکات کے بجائے "اٹلانٹک چارٹر" ایجاد کیا۔

اٹلانٹک چارٹر ؛ (برطانیہ اور امریکہ) تمام قوموں کے اس حق کا احترام کرتے ہیں کہ جس قسم کے نظامِ حکومت کے ماتحت وہ رہنا چاہیں اپنے لئے پسند کریں اور وہ (برطانیہ اور امریکہ) یہ بھی چاہتے ہیں کہ تمام سلطنتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی فاتح ہوں یا مغلوب اتحادی ہوں یا محوری، مساوی شرطوں پر تجارت کریں اور دنیا کے تمام سامانِ خام میں جو انکی اقتصادی خوش حالی کے لئے ضروری ہو، برابر کے شریک ہوں وہ (برطانیہ اور امریکہ) یہ بھی چاہتے ہیں

جمہوریت ہر قوم کی آزادی شہنشاہیت اور سامراجیت کے خاتمہ کا نعرہ بلند کیا اور ان نعروں کی بدولت ہی جمہوریت کے نام لینے والوں نے کامیابی حاصل کی۔ قانون عدل نے پھر ان طاقتوں کو مہلت دیدی۔ مگر ایمانداری حق و انصاف کے ساتھ ان وعدوں کو پورا کیا گیا تو بیشک دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ ورنہ دست انقلاب کسی اور ہٹلر کو پیدا کریگا۔ اور ایٹم بم جیسے آلاتِ بربادی، حسین و دلفریب تمدن کے ہر خط و خال کو مسخ کر ڈالیں گے۔

ایک سال ہوا جنگ ختم ہو گئی۔ اٹلانٹک چارٹر کا خواب شیریں اب تک منتظر تعبیر ہے۔ اتحادی مال غنیمت کے بٹوارے میں خود دست و گریبان ہیں۔ دنیا ایک تیسری جنگ عظیم کی ہولناکیوں کا انتظار کرنے لگی۔ آلات تباہی کے دیو پھر دانت نکالنے لگے۔ ایشیا کی محکوم قومیں آزادی کے لئے پر تول رہی ہیں قفس غلامی کی سلاخوں کو توڑنے کے لئے سروں کی بازی لگا رہی ہیں۔ خطرہ ہے کہ مستقبل قریب میں دول متحدہ کی سیاسی چالیں جنگی چالیں بن جائیں۔ اور تلک الایام نداولہا بین الناس کا قانون استالن کو ہٹلر کا جانشین بنا کر سرمایہ دار طاقتوں کے مقابلہ میں لا کر کھڑا کر دے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

دوسری جنگ عظیم اور ہندستان

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ۳ ستمبر ۳۹ء کے اعلان جنگ میں برطانوی گورنمنٹ نے ہندوستان کو بھی شامل کر لیا۔ اور اس کے لئے ہندوستان سے

استصواب رائے کو بھی فضول سمجھا۔

حالات ہند کے پیش نظر حکومت برطانیہ کا یہ فعل صحیح تھا یا نہیں اس کے متعلق ہم مسٹر پیتھر فریبین رکن برطانوی پارلیمنٹ دصدر کامن ویلتھ آف انڈیا لیگ کا مندرجہ ذیل مقالہ پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں جو اگرچہ حالات ہند کی بہت چھوٹی سی تصویر ہے مگر مسٹر چرچل سابق وزیر اعظم برطانیہ اور مسٹر ایمری سابق وزیر ہند کے مقابلہ میں بہترین شہادت ہے جو ان کے ہم قوم اور ہم وطن کے قلم سے صادر ہوئی۔

یہ مقالہ ۱۹۴۳ء میں اخبار "انڈین نیوز لندن" میں شائع ہوا تھا جو اخبار مدینہ کے حوالے سے نقل کیا جاتا ہے۔

افلاس کی تصویر ہندوستان ہندوستان کے ۴۲ کروڑ باشندوں میں سے جو برطانوی حکومت کے زیر سایہ زندگی کے دن گذار رہے ہیں، ۴ کروڑ اور سات کروڑ کے درمیان مسلسل فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ ان کو دن میں ایک دفعہ بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ قحط اور وبا لوگوں کو آسانی سے شکار کر لیتے ہیں۔ ان کے جسموں میں قوت مدافعت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ ایک سرکاری رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں کہ "قحط ہندوستان کی فاقہ کشی کی منہ بولتی تصویر ہے"۔

دور حاضر میں اس تمام علم کی موجودگی میں جو ہم کو حاصل ہو گیا ہے۔ یہ قابل انسداد اسباب تکلیف ومصیبت ہر حکومت کے نظم ونسق کے لئے شرم وذلت کے موجب ہیں اور برطانوی حکومت کے ناصیہ آئین پر ایک نہ مٹنے والا داغ۔

صحت عامہ | عہد حاضر کے ہندوستان میں ہر ستّر ہزار آدمی کے لئے صرف ایک ہسپتال ہے۔ ایک ہندوستانی کا اوسط عمر ۲۵ برس سے کم ہے انگلستان میں دباؤ چونکہ اس کی شرح زندگی کافی پست ہے۔ اوسط عمر ۴۵ برس ہے۔

تعلیم | ہمارے تعلیمی اداروں نے ابھی صرف ۴ فیصدی آبادی کو ہاتھ لگایا ہے اور اس شعبہ کے متعلق یہ بھی یاد رہے کہ فی الجملہ تعلیمی اخراجات کا ۹/۱۰ حصہ نجی اور غیر سرکاری ذرائع سے حاصل ہوتا ہے اور حکومت کے خزانہ سے صرف ۱/۱۰ حصہ صرف کیا جاتا ہے۔

محنت و مزدوری | مزدوروں کے حالات بھی ناگفتہ بہ ہیں۔ ہزاروں مرد عورتیں اور بچے جو کارخانوں اور کھیتوں میں کام کر رہے ہیں ایسے حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں جو غلامی سے بدتر ہیں۔ نہ کوئی ٹریڈ یونین ہے نہ کوئی اور تنظیم ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے موجود ہے اور ان کو اجرت اور مزدوری نہایت تھوڑی مل رہی ہے۔ بالخصوص کارخانوں اور کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی حالت نہایت خراب ہے اور ہمارے اپنے حالات کے لئے زبردست خطرہ .... ہندوستان میں اب بھی ہزاروں عورتیں سطح زمین سے نیچے کانوں میں کام کرتی ہیں۔

محصولات کی تباہ کاری | محصول اور ٹیکس کا سب سے زیادہ بوجھ غربا پر اور غریب ترین لوگوں پر عائد ہوتا ہے ..... زمین سے جو لگان اور مالیہ وصول کیا جاتا ہے۔ اس کا سب سے زیادہ بوجھ چھوٹے کاشتکاروں پر پڑتا

ہے اور سب سے زیادہ مفلس ادا کرتے ہیں۔ ان کے برعکس انکم ٹیکس صرف ۹ فیصدی ہے۔ یہ امر ہمارے لئے مستقل اور ابدی شرم و رسوائی کا موجب ہے کہ ہم غریب آدمی کے نمک پر اپنی فوج کے لئے ٹیکس لگاتے ہیں۔

ریلیں اور نہریں | کچھ لوگوں کی زبانیں ہماری ان برکات کا تذکرہ کرتے ہوئے نہیں تھکتیں جو ریلوں اور نہروں کی صورت میں ہم نے ہندوستان پر نازل کی ہیں۔

ہندوستان کے میزانیہ (بجٹ) کے اعداد و شمار ہمارے سامنے اُس تصویر کو پیش کرتے ہیں جو عام طور پر منظر عام پر نہیں لائی جاتیں۔ ریلوں سے ہندوستان کی آمدنی کا پندرہ فیصدی حصہ حاصل ہوتا ہے اور اس منافع کا ۱۲/۱۵ حصہ (یعنی پندرہ میں سے بارہ) تیسرے درجہ کے غریب مسافروں سے حاصل ہوتا ہے۔

کسی عنوان غور کرو۔ غریب آدمی ہی سے آمدنی ہوتی ہے۔ ہندوستانی ٹریڈیونین کے لیڈر مسٹر شیوراؤ کے قول کے مطابق غریب آدمی ہی اپنے نمک[1] اپنی کمانڈ، اپنی دیا سلائی اور اپنے کپڑے کا جرمانہ ادا کرتا ہے۔ شراب اور نشہ آور چیزوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور محض اسلئے کہ اس سے حکومت کو آمدنی ہوتی ہے۔

ہندوستان کا روپیہ کس طرح صرف کیا جاتا ہے | مختصر یہ کہ

---

[1] ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء کی دوسری جنگ عظیم میں بھی ان چیزوں کی قیمتیں بڑھا کر غریبوں کا خون چوسا گیا۔ محمد میاں عفی عنہ

ہندوستانی اپنے بجٹ کا نصف حصہ ایک غیر ملکی فوج کے قائم رکھنے کے لئے صرف کرنے پر مجبور ہیں جو ان کو غلامی کے جوئے تلے دبائے رکھتی ہے۔ (یہ غالباً یورپین فوجوں کا خرچ بیان کیا ہے ورنہ ہندوستان کے میزانیہ کا ستر تا اسی فیصدی فوج پر خرچ کیا جاتا ہے۔)

رفاہ عام اس کے برعکس رفاہ عام اور ترقی جمہور کے شعبوں پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے وہ نہایت ہی اندوہناک تضاد پیش کرتا ہے۔ تعلیم پر صرف ۵ فیصدی زراعت پر ایک فیصدی سے بھی کم، صنعت و حرفت پر ½ فیصدی (یعنی ۸ ر فی صد روپیہ) اور صحت عامہ پر ۳ فیصدی۔ اس مسئلہ پر دوسرے پہلو سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ تعلیم صحت عامہ۔ زراعت صنعت اور تمام امور صحت عامہ کو اکٹھا کیا جائے تو ان پر ٹیکس ادا کرنے والا جو کچھ صرف کرتا ہے وہ اس سے بہت کم ہے جو صرف برطانوی فوج پر صرف کرتا ہے کیا اس قسم کی شئے ہم اپنے ملک میں گوارا کر سکتے ہیں۔

سابق وزارت کے دوران میں جب وزیر صحت نے بچوں کے لئے دودھ کی بہم رسانی کا سلسلہ منقطع کر دیا تو اسے لوگوں نے قاتل کا خطاب دیا تھا۔ اگر ہندوستان کو بھی اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہمارا اعمالنامہ ہمیں اس سے بھی زیادہ برے خطاب کا مستحق قرار دیگا

برطانیہ کی ذمہ داری برطانیہ عہد و پیمان کے ذریعہ ہندوستان پر ہندوستان کے بھلے کے لئے حکومت کرنے کا پابند ہے۔ لیکن کیا ہم نے اس عہد کی پابندی کی ہم سے بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کو ہم نے

یا تو عوام جمہور پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا

ایک سو برس کے برطانوی راج سے جو مصیبت ہندوستان پر نازل ہوئی ہے اس سے زیادہ مصیبت ناممکن ہے۔

مدینہ ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء نمبر ۲۲ ج ۱۹

مسٹر ریمزے میکڈانلڈ دا ویکنگ آف انڈیا ۱۹۱۰ء میں لکھتے ہیں:۔
روز بروز کوئی اس ملک میں دورہ کرے تو سوائے دبلے ناتواں اجسام کے اور کچھ نہ دیکھے گا۔ جن کی زندگی سراپا محنت محنت مشقت مشقت ہے۔ ہندوستان فلاکت زدوں کی بستی ہو کر رہ گئی ہے اور ان لوگوں کی مصیبت اور بھی میرے دل میں گھر کر گئی جبکہ میں نے غور کیا اور دیکھا کہ کس طرح ان کی فلاکت و افلاس کے نمایاں آثار ان کی پر سکون اور پرعظمت خاموشیوں میں مستور ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

ہندوستان کا افلاس ایک مسئلہ یا کلیہ نہیں بلکہ ایک امر واقع ہے (اویکنگ آف انڈیا ص ۱۵۹)

لیبر ممبر میجر وانٹ نے جو حال ہی میں ہندوستان سے واپس پہنچے تھے۔ ۳۱ اگست سنہ ۲۵ء کو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔
جب اتحادیوں کا ریلیف بورڈ اسکیم تیار کرلے اسکو یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں گیارہ کروڑ اشخاص ایسے ہیں جن کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا اور وہ بھوکے مرتے ہیں حکومت کو یہ بھی واضح

کردینا چاہئے کہ برطانیہ کو ہندوستان کا ایک ارب پونڈ قرضہ ادا کرنا ہے۔ تیج مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۳۵ء

ایسی حالت میں ہندوستان کا شریک جنگ کرنا ایسا ہی تھا کہ تپ دق کے مریض کو برچھیوں سے زخمی کردیا جائے۔ یا کسی نیم بسمل کے زخموں پر نمک چھڑک دیا جائے۔

مگر اغراض کی بحرانی کیفیت میں نہ عدل و انصاف کی کوئی قیمت ہوتی ہے نہ گریہ و بکا کی شنوائی

وائسرائے سے ملاقات اعلان جنگ کے بعد شاطران انگلینڈ کے ایجنٹ لارڈ لنلتھگو "نے (جن کو ہندوستان ایک سنگدل خونخوار وائسرائے کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے گا) کوشش شروع کردی کہ ہندستان کے بارسوخ رہنماؤں کو جادو کی چھڑی سے مسحور کرکے ان کی ہمدردیاں حاصل کی جائیں اور اس سامراج نواز جنگ کا اُن کو ایجنٹ بنالیا جائے۔ چنانچہ ۲ر ستمبر ہی کو ہندوستان کے سب سے زیادہ بااثر اور بارسوخ لیڈر مسٹر گاندھی کو تار کے ذریعہ شملہ طلب کیا گیا۔ ممکن ہے وائسرائے مذکور اپنے کسی اندازپر اسقدر اعتماد رکھتے ہوں کہ مسٹر گاندھی کو رام کرلیں گے یا یہ خیال کیا کہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کی طرح اب بھی مسٹر گاندھی فوجی بھرتی اور مالی امداد کے لئے جدوجہد شروع کردیں گے مگر وائسرائے بہادر کو کس قدر مایوسی ہوئی ہوگی۔ جب مسٹر گاندھی نے ملاقات کے بعد ۲۵ر ستمبر ۱۹۳۹ء کو شملہ میں وہ ذو معنی بیان اخبارات کو دیا جس کے چند فقروں کا اس موقع پر نقل کردینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

"مجھے معلوم ہے کہ اپنے سوا مجھے دوسرے کی طرف سے بولنے کا حق نہیں ہے اس بارہ میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کی طرف سے مجھے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی۔ وائسرائے کے تار پر جو ٹرین سب سے پہلے ملی میں اس سے روانہ ہو گیا اور مزید بران میں اہنسا پر کامل یقین کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ مجھے معلوم ہے کہ میں تمام ملک کی نمائندگی نہیں کر سکتا۔ میں بڑی مایوس کن ہستی ہونگا۔ اگر میں ایسا کرنے کی کوشش کروں۔ میں نے وائسرائے سے بھی یہی کہا۔ اسلئے سمجھوتہ یا گفت وشنید کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نہ ہی میں سمجھتا ہوں کہ وائسرائے نے مجھے کسی گفت وشنید کے لئے بلایا ہے میں وائسرائے ہاوس سے خالی ہاتھ آیا ہوں۔ یہ کھلا ہوا راز ہے کہ کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ اگر کوئی سمجھوتہ ہوگا تو وہ کانگریس اور حکومت کے درمیان ہوگا۔ میں نے کانگریس کے بارے میں اپنی پوزیشن کی اچھی طرح وضاحت کرنے کے بعد ہز ایکسیلنسی سے کہا کہ خالص انسانی نقطۂ نظر سے میری ہمدردیاں انگلستان اور فرانس کے ساتھ ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ جب مجھے لندن کی تباہی کا خیال آتا ہے جسے اب تک حملوں سے محفوظ سمجھا جاتا تھا تو میرا دل بھر آتا ہے جس وقت میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور ویسٹ منسٹر کی امکانی تباہی کا نقشہ کھینچ رہا تھا تو میں رونے لگا۔ میں بہت ہی بے چین ہو گیا۔ دل کے اندر میں ہمیشہ خدا سے جھگڑتا رہتا ہوں

کہ وہ ایسی باتیں کیوں ہونے دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری اہنسا میں کوئی قوت نہیں ہے لیکن ہر مرتبہ جھگڑے کے آخر میں یہ چلتا ہے کہ خدا اور اہنسا میں سے کوئی بھی کمزور نہیں۔ بلکہ کمزوری انسانوں میں ہے۔ میں اپنے عقیدے کو چھوڑے بغیر برابر کوشش کرتا رہوں گا خواہ مجھے اپنی کوشش میں ناکامی ہی کیوں نہ ہو۔ مدینہ بجنور ۲۷ر رجب ۵۸ھ ۱۳ر ستمبر ۳۹ء

گاندھی جی اس سے پہلے ۲۳ر جولائی ۳۹ء کو ہٹلر کے نام ایک خط روانہ کر چکے تھے جس میں اس سے اہنسا کے اصول پر جنگ روکنے اور حفظ امن کی اپیل کی تھی۔ یہ بظاہر ایک احمقانہ فعل تھا مگر جب اس حقیقت پر نظر کی جاتی ہے کہ اس خط کے ذریعہ گاندھی جی نے اپنے اہنسا کے اصول کا بین الاقوامی تعارف کرادیا جس کی بنا پر ان کو شرکت جنگ کی دعوت دینا خلاف عقیدہ فعل پر مجبور کرنے کے مرادف ہوگیا تو گاندھی جی کا یہ فعل انتہا درجہ دانشمندانہ معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس موقع پر اصولی جواب دے کر وائسرائے کی لجاجت سے جان چھڑالی۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ اس عقیدہ کی بنا پر وہ کسی کی بھی نمائندگی نہیں کرسکتے تھے اور اس عقیدہ کی بنا پر صرف اپنی جانب سے ہی بول سکتے تھے اس عقیدہ کی بنا پر ان کے لئے جنگ کی جد وجہد میں شریک ہونا ناممکن تھا البتہ کانگریس چونکہ اس اصول کو عقیدہ کے طور پر نہیں بلکہ پالیسی کے طور پر تسلیم کرتی ہے تو اس کی ورکنگ کمیٹی کو حق تھا کہ وہ اگر ضروری سمجھے تو اس پالیسی کو ترک کردے اور پھر دکیلانہ دانشمندی یہ کی کہ اپنے مذکورہ بالا بیان کے ساتھ

اس خط کو بھی شائع کر دیا جو ہٹلر کے نام لکھا تھا۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کانگریس کے اسی اصول اور گاندھی جی کے اسی عقیدہ نے ۱۹۴۲ء کی باغیانہ تحریک میں کانگریس کے زعما اور حامیانِ کانگریس کو اس سزا سے بچا لیا جو پیر پگارو اور اس کے مریدین یعنی "حروں" کے لئے تجویز کی گئی اور نہایت بہیمیت اور سنگدلی کے ساتھ جس پر عمل کیا گیا۔ پیر پگارو کو تختہ دار پر لٹکایا گیا اور سیکڑوں حروں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔

بہر حال یہ تو گاندھی جی کی طرف سے وائسرائے کی عیاری کا جواب تھا جو درحقیقت نہایت موزوں تھا۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مولانا آزاد کو بھی بحیثیت صدر کانگریس وائسرائے نے دعوت دی مگر مولانا آزاد نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ مولانا آزاد کی اس خوددارانہ پالیسی کو قوم پرور طبقہ نے بہت پسند کیا۔

اس کے بعد ہم جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کی تجاویز کو نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۶ ستمبر ۱۹۳۹ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس میرٹھ میں طلب کیا گیا۔ ارکان مجلس عاملہ کے علاوہ جماعت کے دوسرے اہل الرائے حضرات کو اس اجلاس میں مدعو کیا گیا۔ نیز مسٹر جناح صدر مسلم لیگ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب صدر مجلس احرار اسلام کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی کہ مسلمانوں کی تمام جماعتیں متفقہ طور پر ایک فیصلہ صادر کریں اور ان کی پالیسی میں انتشار نہ پیدا ہو۔ مگر افسوس مسٹر جناح کے لئے کب ممکن تھا کہ وہ اس جماعت کی دعوت

پر التفات کریں۔ جس کے اقتدار ختم کرنے کا وہ ایک سال پہلے اعلان کر چکے تھے چنانچہ مسٹر جناح نے دعوت نامہ کا جواب بھی نہیں دیا۔ (اخبار انصاف میرٹھ مورخہ ۲۰ر ستمبر ۱۹۳۹ء)

البتہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب صدر احرار اسلام ہند حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی رحمۃ اللہ اور دیگر اکابر نے اس اجلاس میں شرکت فرمائی۔

تین روز کے غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد مجلس عاملہ نے مندرجہ ذیل بیان شائع کیا۔ دار الاسلام بنگال کی حکومت اس کو برداشت نہ کر سکی اور اعلاء کلمۃ الحق کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اس کو ضبط کر لیا۔ (مدینہ ۵ ۲ر اکتوبر ۱۹۳۹ء)

"جرمنی اور پولینڈ کی جنگ کی وجہ سے یورپ کی فضا میں پریشانی اور اضطراب تو پیدا ہونا ہی تھا مگر موجودہ زمانہ میں روئے زمین کی حکومتوں اور دنیا کی قوموں کے باہمی اقتصادی اور سیاسی تعلقات کی نوعیت نے تمام بنی نوع انسان کو مختلف الجھنوں میں ڈال دیا ہے۔ آزاد حکومتیں اور خود مختار قومیں اپنے نقطۂ نظر سے غور کر رہی ہیں کہ ان کو اس جنگ میں کس فریق کی حمایت و امداد کرنی چاہئے اور محکوم حکومتیں اور غلام قومیں اپنے اپنے آقاؤں کے اشاروں پر ان کی امداد کے ساز و سامان تیار کرنے میں مصروف ہیں اور ہر قسم کی جانی و مالی قربانیاں پیش کرنے کا یقین دلا دلا کر اپنے خداوندان نعمت کی خوشی اور رضامندی حاصل کرنے کی کوشش میں منہمک ہیں۔

جرمنی کا پولینڈ کے خلاف جارحانہ اقدام کن اسباب پر مبنی ہے اور اس کے

حقیقی وجوہ کیا ہیں۔ صحیح طور پر خدا کو اور اقدام کرنے والوں کو معلوم ہے مگر جہاں تک قرائن اور شواہد کا تعلق ہے کہا جا سکتا ہے کہ جارحانہ اقدام کرنے میں جرمنی کے مختارِ کل ہر ہٹلر کی تعدی ہے۔

خون کی ہولی جرمنی اور پولینڈ کے متنازع فیہ قضیہ کے حل کرنے کے لئے دوسرے مصالحانہ طریقے بھی ہو سکتے تھے جو کام میں نہیں لائے گئے اور مساعی قیام امن کو آخری درجہ تک پہنچانے سے پہلے ہی انسانی خون کے ساتھ ہولی کھیلی جانے لگی مگر سوال یہ ہے کہ یہ معاملہ جرمنی اور پولینڈ کا تھا۔ برطانیہ اور فرانس نے جرمنی اور پولینڈ تک اسے محدود رکھنے اور صرف ان دو قوموں کے اندر کشت و خون ہونے کے بجائے برطانوی اور فرانسیسی قوموں کو بھی اس آگ میں کیوں ڈھکیل دیا اور خونریزی کے ایک محدود حلقے کو وسعت دیکر بیشمار انسانی جانوں کو خطرہ میں کیوں ڈالدیا؟

جنگ بہر حال جنگ ہے اور تباہی اور بربادی اور انسانی خون کی ارزانی اس کے لازمی نتائج ہیں۔ اس سوال کے جواب میں برطانیہ کی طرف سے کئی عذر بیان کئے گئے ہیں اور برطانیہ کی شرکت جنگ کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری بتایا گیا ہے

پہلا عذر یہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ برطانوی قوم اقوام کی آزادی کی حامی ہے اور آزادی کی حمایت اس کا ایک حتمی فریضہ ہے اور ہر ہٹلر پول قوم کی آزادی سلب کر کے ان کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ اسلئے برطانیہ کا فریضہ تھا کہ وہ پول قوم کی آزادی کی حفاظت کیلئے برطانوی قوم کو بھی جنگ کی آگ میں دھکیل دے

اور پول کی آزادی برقرار رکھنے کے لئے برطانوی قوم کا خون بہادے۔

دوسرا عذر یہ بتایا گیا ہے کہ پولینڈ کی حکومت جمہوری حکومت ہے اور جرمن کی حکومت ڈکٹیٹری اور آمریت کی حکومت ہے۔ برطانیہ جمہوریت پسند ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ جمہوریت کی حفاظت اور ڈکٹیٹری کی بیخ کنی کرے اور اس راہ میں اگر برطانوی قوم کا خون بہانا ضروری ہو تو بہادے۔

تیسرا عذر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہر ہٹلر نے جارحانہ اقدام کرنے میں تعدی کی ہے اور وہ ظالم ہے اور پولینڈ مظلوم ہے اور برطانیہ مظلوم کی حمایت کو انسانی فرض سمجھتی ہے اسلئے وہ پولینڈ مظلوم کی نصرت و اعانت کی راہ میں برطانوی قوم کا خون بہا دینے کے لئے مجبور ہے۔

چوتھا عذر یہ کہا گیا کہ چونکہ جمعیۃ اقوام نے پولینڈ کو ایک آزاد حکومت قرار دے کر اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی اور حکومت برطانیہ بھی جمعیۃ اقوام کی رکن ہے۔ اسلئے برطانیہ پر فرض ہے کہ پولینڈ کی حفاظت کے لئے جس قدر بھی قربانیاں دینی پڑیں دے اور اس کو جرمنی کی غلامی سے محفوظ رکھے۔

بہانوں کا سہارا ان وجوہ کا سہارا لیکر برطانوی حکومت جرمنی اور پولینڈ کی جنگ میں اپنی شرکت کو جائز ثابت کرتی اور پھر اپنی ماتحت یا زیر اثر حکومتوں اور قوموں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ آزادی جمہوریت، مظلوم کی حمایت اور عہد و مواعید کے احترام کے نام پر برطانیہ کی امداد کریں ہز اکسیلنسی وائسرائے نے بھی ہندوستانیوں سے انہیں وجوہ کی بنا پر اپیل کی ہے کہ

تمام ہندوستانی اس جنگ میں آزادی اور جمہوریت اور مظلوم کی حمایت اور مواعید کے احترام کی خاطر برطانیہ کی معاونت کریں۔

مذہبی اخلاقی اور سیاسی غور

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اس نازک موقعہ پر اعلیٰ ترین اسلامی اور وطنی اور اخلاقی اصول کو پیش نظر رکھ کر غور کیا اور مسئلہ کے اس پہلو کو جانچا کہ اگر جرمن اور پولینڈ کی جنگ کی آگ میں برطانیہ نے اپنی قوم کو ڈھکیل دیا تو کیا ہمارا اسلامی یا وطنی یا اخلاقی فرض ہے کہ ہم بھی برطانیہ کی حمایت کے لئے ہندوستانیوں کو اس آگ میں کود پڑنے اور اپنا خون بہا دینے کا مشورہ دیں؟

اس مرحلہ پر ہمیں برطانیہ کی طرف سے بیان کئے ہوئے عذروں پر تفصیلی نظر ڈالنا پڑی تاکہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں آسانی ہو۔ جہاں تک برٹش مدبرین اور وزراء کی نیتوں کا تعلق ہے وہ علام الغیوب ہی بہتر جانتا ہے لیکن جہانتک عمل اور نتائج کا تعلق ہے ہمیں افسوس ہے کہ اس میں ہندوستانیوں کیلئے یقین و اطمینان کی کوئی روشنی نہیں ملتی۔

بہانوں کا تار و پود اور حقیقت آشکارا

پہلے عذر یعنی اقوام کی آزادی کی حمایت پر نظر ڈالی جاتی ہے تو جیکوسلاویکیا اور آسٹریا اور ابی سینیا اور البانیہ کے واقعات ہمارے سامنے آجاتے ہیں کہ برطانوی حکومت کی آنکھوں کے سامنے ان اقوام کی آزادی سلب کی گئی اور ڈکٹیٹروں نے قتل و غارت کے بازار گرم

کئے اور ہر قسم کی تعدی، خونریزی سے آزاد انسانوں پر ہلاکت ڈال کران کو غلام بنایا گیا، اور اگر یہ بات صحیح بھی نہ ہو کہ حبش کی تباہی اور بربادی طائفی مواعید حمایت کا نتیجہ ہے تاہم اس میں تو شبہ نہیں کہ برطانیہ ان اقوام کی آزادی کی حمایت کیلئے کھڑی نہیں ہوئی اور اس کی آنکھوں کے سامنے یہ قومیں جرمنی اور اطالوی ڈکٹیٹروں کی غلام بنالی گئیں

ہندوستان فلسطین وغیرہ کی غلامی

نیز برطانیہ خود بہت سی قوموں کو غلام بنائے بیٹھی ہے اور ملکی جدو جہد آزادی کو دبانے کے لئے ہر قسم کے مظالم اور تشدد سے کام لے کر ان کا خون بہاتی اور غلامی کی زنجیروں کو مستحکم کرتی رہتی ہے۔

خود ہندوستان اور فلسطین کے ہولناک واقعات نظر کے سامنے ہیں۔ وزیرستان ودیگر آزاد قبائل پر بمباری اور حضرموت پر جابرانہ قبضہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اگر فی الحقیقت برطانیہ اقوام کی آزادی کے اصول کو پسند کرتی ہے اور آزاد قوموں کی آزادی کی محافظ ہے تو اس کے ان تمام اعمال وافعال کی کوئی صحیح تادیل نہیں ہوسکتی

دوسرے عذر یعنی جمہوریت کی حفاظت اور ڈکٹیٹری کے استیصال پر غور کیا جاتا ہے تو یہ بات کسی پہلو سے ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ ڈکٹیٹری یا جمہوریت کا تعلق جرمنی قوم سے ہے اگر جرمنی قوم اپنے ڈکٹیٹر کی حکومت کو پسند کرتی ہے تو یہ اسکی اپنی مرضی ہے۔ اگر جرمنی میں جمہوری حکومت ہوتی اور پولینڈ کی آزادی سلب کرنے کے لئے وہ اس قسم کی تعدی کرتی تو کیا محض اس وجہ کہ

جرمنی کی حکومت بھی جمہوری ہوتی اسکی یہ تعدی جائز قرار دی جاتی۔ اگر ڈکٹیٹرانہ پولینڈ پر قابض ہوگیا تو اس کی تباہی اور بربادی اس سے زیادہ ہوگی جو جمہوریت برطانیہ کی طرف سے بالفورازم نے فلسطین میں برپا کی اور کیا وزیرستان اور آزاد قبائل میں جمہوریت کی طرف سے برپا کی ہوئی تمام بربادیاں اور بیباکیاں محض اس وجہ سے جائز سمجھی جائیں گی کہ ان کی مرتکب برطانوی جمہوریت ہے۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو سب سے پہلے ہمارے سامنے برطانیہ کی جمہوریت پسندی کا یہی مظاہرہ ہے کہ ہندوستان کی رائے عامہ معلوم کئے بغیر وائسرائے نے خود رائی کے ساتھ اس جنگ میں ہندوستان کی شرکت کا اعلان کردیا۔

بہرحال ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر برطانوی حکومت نے پولش قوم کی جمہوریت کی حفاظت کی غرض سے برطانیہ کو جنگ کی بربادیوں اور ہلاکت خیزیوں میں مبتلا کیا ہے تو اسپین کی جمہوریت کی حفاظت کیوں نہ کی اور خود اپنے زیر اثر ممالک اور اقوام کے اندر جمہوریت قائم کرنے میں وہ کسی مستعدی کا اظہار کیوں نہیں کرتی؟

جمعیۃ علماء جمہوری اصول کو پسند کرتی ہے اور اس کے نزدیک اسلامی جمہوریت کا جوہر یہ ہے کہ وہ یوروپین جمہوریت کے اصول سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ اسلامی جمہوریت میں اکثریت اور اقلیت پورے اطمینان اور تحفظ حقوق کے ساتھ زندگی بسر کرسکتی ہیں۔ جمعیۃ یوروپین ڈکٹیٹرازم کو غلط سمجھتی ہے مگر افسوس ہے کہ اس کو برطانیہ کے اس اقدام جنگ میں جمہوریت پسندی کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا

طرابلس۔ البانیہ چیکوسلاویکیہ وآسٹریا وغیرہ کی غلامی

تیسرے عذر یعنی مظلوم کی حمایت کی حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو طرابلس الغرب۔ شام۔ ابی سینا۔ البانیہ۔ چیکوسلاویکیا۔ فلسطین پولینڈ سے کم مظلوم نہیں تھے ان کی حمایت کیوں نہیں کی گئی اور کیوں ان کو ظالموں کا نشانہ رہ جانے دیا گیا۔؟

چوتھا عذر وعدوں کا ایفاء اور عہدناموں کا احترام ہے اس کی حقیقت بھی ہمارے سامنے ملکہ وکٹوریہ اور سابقہ تمام شاہی مواعید ۱۴ء کی جنگ کے دوران میں برطانیہ کے وعدوں اور ان کی پیہم خلاف ورزیوں کی صورت میں آجاتی ہے۔ برطانیہ کے ذمہ دار مدبرین کے بار بار اعلان کے باوجود کہ جنگ کا نتیجہ کچھ بھی ہو مگر سلطنتوں کی حدود میں کوئی فرق نہ آنے دیا جائے گا۔ اور مقامات مقدسہ کے احترام اور حفاظت کی ذمہ داری لی گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد فاتحین نے مفتوحہ سلطنتوں بالخصوص ترکی سلطنت کے جو حصے بخرے کئے اور مقامات مقدسہ کے اہم اجزاء کو جس طرح پامال کیا وہ سب ہماری آنکھوں کے سامنے ہے

برطانیہ کے خوشامدیوں کی بے سبب حمایت بہرحال یہ تمام وجوہ ہیں جو ہمارے پیش نظر ہیں اور ہمیں افسوس ہے کہ ہم ان عذروں کو حقائق واقعیہ کی طرح یقین کرنے سے قاصر ہیں جن حکومتوں یا قوموں یا جن افراد نے سیاسی مصالح یا ذاتی اغراض کی بناء پر برطانیہ کی امداد کرنے کا اعلان کر دیا ہے وہ

ان مفسدوں کو اچھال اچھال کر بیان کر رہے ہیں۔ مگر ہم نہیں سمجھتے کہ وہ مسلمانوں کے دلوں سے ان تمام واقعات کو جو جنگ عظیم کے زمانہ سے اس وقت تک متواتر ہوتے چلے آئے ہیں کس طرح محو کر سکتے ہیں اور کسی سچے مسلمان یا محب وطن کو کس طرح برطانیہ کی امداد پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ پھر اگر ہم اسکو ہندستان یا مسلمانوں کے مفاد کے نقطہ نظر سے دیکھیں کہ آیا ہمارا برطانیہ کے ساتھ تعاون کرنا ہندوستان یا مسلمانوں کے اپنے لئے مفید ہو گا یا نہیں تو جہاں تک واقعات اور شواہد کا تعلق ہے ہمارے سامنے کوئی روشنی نہیں ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم میں ہندوستان نے ہر قسم کی تباہی اور بربادی اٹھا کر اور بیش از بیش

بے اعتمادی کا سبب

جانی و مالی قربانیاں پیش کر کے برٹش امپیریلزم کو مضبوط کیا اور اپنی غلامی کی مدت بڑھالی تو اب انہیں کیسے اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس موقعہ پر برطانیہ کی حمایت ان کو آزادی سے بہرہ ور کرے گی۔ یا برٹش امپیریلزم کی فتح اور قوت برطانیہ کی مزید خود سری اور جمہوریت کے پردہ میں استعماریت کے استحکام کا باعث نہ ہو جائیگی۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی ترمیم جس کے ذریعہ سے صوبوں کی ادھوری آزادی کو بھی مجروح کیا یا واپس لے لیا گیا ہے ہمارے لئے خطرہ کا الارم ہو سکتی ہے۔

مکمل آزادی کا نصب العین

جمعیۃ علماء کا نصب العین ہمیشہ سے مکمل آزادی رہا ہے اور وہ اس کو اپنا شرعی سیاسی اور اخلاقی حق سمجھتی ہے اور کوئی چیز جو اس حق کے راستہ میں مزاحم ہو اس کے نزدیک قابل برداشت نہیں ہے۔

خلاصہ بیان اور عدم تعاون کا اظہار | بہر حال جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کسی نقطۂ نظر سے بحالت موجودہ جنگ میں برطانوی امپریلزم کی امداد کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں پاتی۔ نیز اس کے نزدیک لازمی اور ضروری ہے کہ موقع کی ہندوستان کی آزادی کے لئے ایک راہ | اہمیت اور نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام مسلمان بلکہ تمام ہندوستانی مل کر ہندوستان کی طرف سے اپنی خودداری اور وقار کے لحاظ سے ایک فیصلہ کریں اور سب مل کر ایک ہی راستہ اختیار کریں کہ یہ ان کی نجات اور آزادی کا حقیقی مدار ہے۔"

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا بیان

۱۴ ستمبر ۱۹۳۹ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس نے مندرجہ ذیل بیان شائع کیا

"یورپ میں اعلان جنگ کی وجہ سے جو خطرناک جمود پیدا ہو گیا ہے اس پر کانگریس ورکنگ کمیٹی نے سچے دل کے ساتھ غور کیا۔ جنگ کے حالات میں جن اصولوں پر قوم چلا کرتی ہے ان کو کانگریس بار بار دہرا چکی ہے۔ ایک ہی مہینہ ہوا کہ اس کمیٹی نے ان اصولوں کا اعادہ کیا تھا اور ہندوستان میں برطانوی حکومت رائے عامہ کو جو ٹھکرا رہی ہے۔ اس پر غیر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ برطانوی حکومت کی اس پالیسی سے قطع تعلق کرنے کے لئے پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ کمیٹی نے مرکزی اسمبلی کی کانگریس پارٹی کے ممبروں کو ہدایت کی کہ وہ اسمبلی کے آئندہ سیشن میں شریک نہ ہوں۔ اس کے بعد سے برطانوی حکومت نے

ہندوستان کو جنگ آور ملک قرار دیدیا- آرڈیننس نافذ کردیے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ترمیمی بل پاس کردیا اور دوسری دوررس تدبیریں اختیار کیں جن کے ہندوستانی باشندوں پر بنیادی اثرات پڑے اور انھیں باندھ دیا گیا اور صوبجاتی حکومتوں کے اختیارات اور سرگرمیاں محدود ہوگئیں

"یہ سب کچھ ہندوستان کے باشندوں کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہے جن کی اعلان کردہ خواہشات کو برطانوی حکومت نے اس قسم کے معاملات میں دیدہ دانستہ نظرانداز کیا ہے۔ ورکنگ کمیٹی کو ان تمام حالات کو نہایت تشویشناک نظر سے دیکھنا چاہئے۔

فیسزم اور نازی ازم کے اصولوں اور ان کے طریقۂ کار کے خلاف کانگریس بار بار اعلان کر چکی ہے۔ اور جنگ تشدد اور انسانی جذبات کے دبانے کے خلاف کانگریس اظہار رائے کر چکی ہے اور انھوں نے بار بار جو حملے کئے ہیں اور قائم شدہ اصولوں اور باتہذیب برتاؤ کے تعلیم شدہ معیار کی جو خلاف ورزی کی ہے۔ اس کی بھی کانگریس مذمت کر چکی ہے۔ فیسزم اور نازی ازم کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ سامراج کے اصولوں کو زیادہ شدید کر دیا جائے۔ جن کے خلاف ہندوستانی برسوں سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اسلئے ورکنگ کمیٹی کو چاہئے کہ وہ بلا کسی پس و پیش کے جرمنی کی نازی حکومت کے اس حملہ کی مذمت کرے جو پولینڈ کے خلاف کیا گیا ہے اور جو حکومتیں اس حملہ کی مدافعت کر رہی ہیں۔ ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرے۔

کانگریس نے مزید قرار دیا ہے کہ ہندوستان کے امن اور جنگ کے معاملہ کا فیصلہ خود ہندوستانیوں کو کرنا چاہئے اور کوئی باہری طاقت اس فیصلہ کو ان پر ٹھونس نہیں سکتی اور نہ ہی ہندوستانی سامراجی مقاصد کے لئے اپنے وسائل سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ اگر ہندوستان پر کوئی فیصلہ ٹھونسا گیا یا ان کے وسائل کو ان مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا جن کو وہ پسند نہیں کرتے تو لازمی طور پر انہیں مخالفت کرنی پڑے گی۔ اگر اعلیٰ درجہ کے کاز کے لئے تعاون کی ضرورت کی خواہش ہے یہ زبردستی کرنے اور ٹھونسنے سے حاصل نہیں ہو سکتی اور کمیٹی اس بات سے ہرگز اتفاق نہیں کر سکتی کہ ہندوستانی باہری طاقت کے جاری کئے ہوئے احکامات پر عمل کریں۔

ہندوستانیوں نے ماضی قریب میں بڑے بڑے خطروں کا مقابلہ کیا ہے اور اپنی آزادی حاصل کرنے اور ہندوستان میں آزاد جمہوری حکومت قائم کرنے کے لئے رضامندی کے ساتھ بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں اور قطعی طور پر ان کی ہمدردیاں جمہوریت اور آزادی کے ساتھ ہیں۔ مگر ہندوستان ایسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتا جس کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ وہ جمہوری آزادی کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ لیکن ہندوستان کو اس آزادی سے محروم رکھا گیا ہے اور جو محدود آزادی اسے ملی ہوئی تھی۔ وہ بھی چھین لی گئی ہے کمیٹی کو اس بات کا علم ہے کہ حکومت برطانیہ اور فرانس نے اعلان کیا ہے کہ وہ جمہوریت اور آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں اور جنگ کرنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ جارحانہ کارروائیوں کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن ماضی قریب کی تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے کہ

۱۹۱۴-۱۸ء کے درمیان جو جنگ جاری رہی اس میں قول و فعل اعلان کردہ آدرشوں اور حقیقی نیت اور خلاصہ میں مسلسل اختلاف رہا۔ جنگ کا ظاہرہ مقصد تو جمہوریت، آتم نرنے اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں کی آزادی کی حفاظت کرنا تھا لیکن انھیں حکومتوں نے جنہوں نے پاکبازی کے ساتھ ان مقاصد کا دعویٰ کیا تھا دولت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کے لئے سامراجی نوعیت کا خفیہ معاہدہ کرلیا۔

پانچ قوتوں نے یہ کہتے ہوئے کہ وہ علاقہ حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ وسیع علاقہ کو اپنی نو آبادیات میں شامل کرلیا۔ یورپ کی موجودہ جنگ نے معاہدہ ورسیلز اور اس کے بنانے والوں کی قطعی ناکامی کو آشکارا کردیا۔ جنھوں نے مفتوح قوموں پر سامراجی امن تھوپ دیا اور اپنے عہد کی خلاف ورزی کی۔ جمعیۃ الاقوام کی شکل میں اس معاہدہ کا جو امید افزا نتیجہ برآمد ہوا تھا اس کا منھ باندھ دیا گیا۔ پہلے اس کا دم گھونٹا گیا اور بعد میں سرپرست حکومتوں نے اسے مردہ بنادیا۔ بعد کی تاریخ سے یہ ظاہر ہوا کہ کس طرح جیتے جاگتے اعلانوں کو نظر انداز کیا گیا۔ منچوریا میں حکومت برطانیہ نے حملہ کی طرف سے چشم پوشی کی۔ حبش میں بھی یہ حکومت علیحدہ رہی۔ زیکوسلاواکیہ اور اسپین میں جمہوریت خطرہ میں تھی لیکن اسے دیدہ دانستہ دھوکہ دیا گیا اور اجتماعی تحفظ کا پورا سسٹم انھیں طاقتوں نے خراب کردیا جو کہ پہلے اس میں آپ کے عقیدہ کا اعلان کرچکی تھیں۔

دوبارہ پھر کہا گیا کہ جمہوریت خطرہ میں ہے اور اس کی حفاظت کرنی چاہیئے

اس بیان سے کمیٹی کو پورا پورا اتفاق ہے۔ کمیٹی یقین رکھتی ہے کہ مغرب کے باشندوں نے اس آدرش اور اس مقصد کو سامنے رکھ کر حرکت کی ہے اور ان کے لئے قربانیاں کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن بار بار عوام کے آدرشوں اور جذبات اور ان لوگوں کو جنہوں نے خوجد وجہد میں قربانیاں کی ہیں نظر انداز کیا جا چکا ہے اور ان کے ساتھ ایمانداری کا سلوک نہیں کیا گیا ہے۔

اگر سامراجی مقبوضات نو آبادیوں اور مخصوص مفاد کے موجودہ حیثیت کے لئے یہ جنگ لڑی جا رہی ہے تو پھر ہندوستان کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا لیکن اگر کسی طرح معاملہ جمہوریت کا ہے اور اس کا نظام جمہوریت پہ مبنی ہے تو پھر ہندوستان کو اس میں انتہائی دلچسپی ہے کمیٹی کو یقین ہے ہندوستان کی جمہوریت کے مفادوں کی برطانوی جمہوریت کے مفادوں یا دنیا کی جمہوریت کے مفادوں سے ٹکر نہیں ہوتی۔ لیکن ہندوستان اور دوسرے ملکوں کی جمہوریتوں کی فیسزم اور سامراج سے اشد مخالفت ہے۔ اگر برطانوی حکومت جمہوریت کو برقرار رکھنے اور اسکو وسیع کرنے کے لئے لڑ رہی ہے تو اسے لازمی طور پر اپنے مقبوضات سے سامراجیت کا خاتمہ کر دینا چاہئے اور ہندوستان میں مکمل جمہوریت قائم کرنی چاہئے اور ہندوستانیوں کو پورا پورا اختیار ہونا چاہئے کہ وہ باہری مداخلت کے بغیر کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے ذریعہ خود اپنا قانون بنائیں اور اپنی پالیسی چلائیں۔ آزاد جمہوری ہندوستان حملے کے خلاف باہمی ڈیفنس کے لئے اور اقتصادی تعاون کے لئے بڑی خوشی کے ساتھ دوسری آزاد قوموں کا ساتھ دے گا۔ ہم ایک ایسے حقیقی عالمگیر نظام کے لئے کام کریں گے۔ جو آزادی اور

جمہوریت پر مبنی ہو اور جس میں انسان کی تدریج و ترقی کے لئے دنیا کی معلومات
اور وسائل سے فائدہ اٹھایا جائے۔

یورپ پر جمود چھایا ہوا ہے وہ صرف یورپ کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ وہ
انسانیت کے لئے ہے اور یہ دوسرے جمودوں اور جنگوں کی طرح دنیا کے
موجودہ لازمی نظام کو صحیح و سالم چھوڑ کر نہیں گذر جائیگا۔ ممکن ہے یہ جمود دنیا کو
بہتری کی طرف لے جائے۔ سیاسی اور اقتصادی طور پر یہ جمود سماجی اور سیاسی
جھگڑوں اور وعدہ خلافیوں کا جو گذشتہ جنگ عظیم کے بعد خطرناک طریقہ
پر بڑھ گئی ہیں لازمی نتیجہ ہے جبتک وعدہ خلافیوں اور جھگڑوں کو دور نہیں کیا
جائیگا اور ایک نئی مساوات قائم نہیں کی جاویگی۔ اس وقت تک یہ جمود لفظی
طور پر ختم نہیں ہوگا۔ جبتک حکمرانی اور ایک ملک کا دوسرے ملک سے ناجائز
فائدہ اٹھانے کو ختم نہیں کیا جائے گا اور سب کے مشترکہ مفاد کے لئے اقتصادی
تعلقات کو دوبارہ قائم نہیں کیا جائیگا اس وقت تک یہ مساوات قائم نہیں ہوسکتی
ہندوستان اس مسئلہ کا سب سے نمایاں پہلو ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں جدید
سامراجیت کی نمایاں مثالیں موجود ہیں۔ اس اہم مسئلہ کو نظر انداز کرنے کے بعد
دنیا کی کوئی نئی تنظیم کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ہندوستان کے اپنے بیشمار وسائل
کے ساتھ دنیا کے نئے نظم کی ترتیب میں اہم حصہ لینا چاہیئے مگر وہ ایک آزاد قوم
کی حیثیت سے یہ کرسکتا ہے۔ جبکہ اس کی تمام قوتیں ایک عظیم تر مقصد کے لئے
کام کرنے کے واسطے آزاد کردی جائیں۔ اس وقت آزادی ناقابل تسلیم ہے اور
دنیا کے کسی حصہ میں سامراجی غلبہ کو برقرار رکھنے کی ہر ایک کوشش لازمی طور پر ایک

تازہ سانحہ کا موجب بنیگی۔

ورکنگ کمیٹی کو معلوم ہوا ہے کہ بہت سے ہندوستانی والیان ریاست نے اپنی خدمات اور وسائل پیش کئے ہیں اور انہوں نے یورپ کی جمہوریت کے کاز کی حمایت کی خواہش ظاہر کی ہے اگر وہ باہر کی جمہوریتوں کی حمایت میں اپنی خدمات پیش کرتے ہیں تو کمیٹی تجویز کرتی ہے کہ پہلے انہیں خود اپنی ریاستوں میں جمہوریت قائم کرنی چاہیے۔ جہاں کہ آج کل مطلق العنانی کا راج ہے۔ اس مطلق العنانی کے لئے برطانی حکومت زیادہ ذمہ دار ہے۔ یہ پالیسی اور خود والیان ریاست جمہوریت کے بالکل منافی ہیں جس کے لئے برطانیہ یورپ میں جنگ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے یورپ کے گذشتہ حالات افریقہ اور ایشیا اور بالخصوص ہندوستان کے پچھلے اور موجودہ واقعات کو دیکھنے کے بعد ورکنگ کمیٹی کو کوئی ایسا ثبوت نہیں ملا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ جمہوریت یا اختیارات کامل کی ترقی کے لئے کوشش کی گئی ہے یا برطانیہ موجودہ جنگ میں جو وعدے کر رہی ہے ان کی کوئی شہادت ملتی ہو۔ سچی جمہوریت کا صحیح پیمانہ سامراج اور فیسیزم کے خاتمہ کے مترادف ہے اور ان جارحانہ کارروائیوں کا بھی خاتمہ ہو جائیگا جو اس کے ساتھ وابستہ رہی ہیں صرف اس بنیاد پر نیا نظام قائم ہو سکتا ہے اگر اس نئے عالمگیر نظام کے لئے جنگ لڑی جائیگی تو اس میں ہندوستان بڑے شوق اور خوشی کے ساتھ ہر طرح امداد کرے گا۔ لیکن جو جنگ سامراجی اصولوں پر لڑی جائے گی یا اس کا مقصد ہندوستان یا کہیں اور سامراج کا استحکام ہوگا تو اس میں کمیٹی ساتھ نہیں دے سکتی اور کوئی تعاون نہیں کر سکتی

موقع کی نزاکت کے لحاظ سے اور اس حیثیت کے پیش نظر کہ گذشتہ چند روز میں حالات کی رفتار، لوگوں کے تخیل کے مقابلہ میں بھی زیادہ تیز رہی ہے۔ اس لئے کمیٹی اس موقع پر کوئی انقطاعی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی تاکہ زیر نظر مسئلہ کی تفصیل حقیقی نیست اور ہندوستان کی موجودہ اور آئندہ وضاحت کا موقع ملتا رہے۔ لیکن فیصلے میں تاخیر نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ ہندوستان روز بروز اس پالیسی کی طرف گھسیٹا جا رہا ہے۔ جس میں اس کی کوئی آواز نہیں ہے اور جس کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ لہذا ورکنگ کمیٹی برطانوی حکومت کو دعوت دیتی ہے کہ وہ واضح الفاظ میں اعلان کر دے کہ جمہوریت اور سامراج کے بارے میں اس کے کیا جنگ کے مقاصد ہیں اور ان مقاصد کا ہندوستان پر کس حد تک اطلاق ہوگا اور موجودہ حالات میں انہیں کہاں تک عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ کیا وہ اپنے ان مقاصد میں سامراج کا خاتمہ اور ہندوستان کے ساتھ ایک آزاد قوم کا سا سلوک بھی شامل کریں گے؟ آخر میں ورکنگ کمیٹی ہندوستانیوں سے سچے دل کے ساتھ امید کرتی ہے کہ انہیں تمام اندرونی جھگڑے ختم کر دینے چاہئیں اور اس نازک دور میں تیار رہنا چاہئے اور ایک متحدہ قوم کی حیثیت سے مل جل کر کام کرنا چاہئے اور دنیا کی وسیع آزادی کے ساتھ ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے لئے پختہ ارادہ رکھنا چاہئے۔"

اس تجویز کے بعد دوسرے اجلاسوں میں کانگریس نے اپنے مطالبات کو زیادہ واضح طور پر بیان کیا جن کا حاصل یہ تھا۔

(الف) ہندوستان کی آزادی کا اعلان کیا جائے۔

(ب) آزادی ہند کے لئے بعد از جنگ ایک مدت مقرر کردی جائے
(ج) سردست مرکز میں بااختیار قومی حکومت قائم کردی جائے۔ (جو آزادی ہند کے لئے پیش خیمہ ہو اور ایفاء عدہ کیلئے وثیقۂ اطمینان ہو۔)
(د) حق رائے دہندگی بالغان کے اصول پر ایک کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی (دستور ساز مجلس) منتخب کی جائے۔

جمعیۃ علماء اور کانگریس کی بے لاگ اور دلیرانہ تجاویز اور پر تحریک جنگ میں مسلم لیگ اس وقت عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھی۔

عوام کے جذبات وہ تھے جن کی ترجمانی کانگریس اور جمعیۃ علماء کی تجاویز کر رہی ہیں۔ لیکن اراکین لیگ کی ازلی وفاداری کا تقاضا اس کے خلاف تھا۔ جو جماعت "آرمی بل"[1] پاس کرکے ٹوڈیت پر مہر لگا چکی اس کے لئے جنگ

---

[1] ۱۹۳۶ء میں یہ بل مسلم لیگ کی حمایت سے پاس کیا گیا اس بل کا منشا یہ تھا کہ فوجی بھرتی کے لئے گورنمنٹ جو صورت بھی اختیار کرے ان کی مخالفت قانونی طور پر مستحق سزا قرار دی جائے۔ گویا یہ بل آئندہ جنگ کے پیش نظر ایک احتیاطی تدبیر تھی۔ کانگریس پارٹی نے اس بل کی شدت سے مخالفت کی۔ مسٹر جناح اور ان کی لیگ نے چند جزوی ترمیمیں پیش کیں۔ ڈیفنس سکرٹری مسٹر اوگلوی نے سب کو بغیر عذر منظور کر لیا۔

مسٹر جینا نے بعد میں اقرار کیا کہ انہوں نے اپنی حمایت کا ان شرطوں پر سودا کر لیا تھا مسٹر اوگلوی ڈیفنس سکرٹری نے مسٹر جناح کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا۔ "میں نے اپنی تقریر میں اختصار کیا وہ ناقص رہی لیکن میں اپنے دوست مسٹر جینا کا خاص طور سے شکر گذار ہوں کہ انہوں نے قانونی پہلو سے خاطر خواہ مدد کی جس کے بغیر میرا کام ادھورا رہ جاتا" (باقی ص۶۱ پر)

کی مخالفت ناممکن تھی۔ چنانچہ لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے مشہور ممبر "سر سکندر حیات خان[۱] وزیر اعظم پنجاب اسمبلی نے ۳ ستمبر کو شملہ سے ایک بیان جاری کیا۔ جس میں آپ نے فرمایا۔

"میں اپنے پنجابی بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہمیں وطن، تہذیب، انصاف کی حفاظت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اس مرتبہ گذشتہ جنگ کے مقابلہ میں ہمیں آدمیوں روپیہ اور سامان کی زیادہ قربانی دینی ہوگی۔ اس لئے میں اپنے پنجابی بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آج ہی سے وہ اپنے سامان خورد نوش اور دیگر وسائل پر رضاکارانہ پابندی عائد کر لیں تاکہ اس مشترکہ کاز کے لئے زیادہ سے زیادہ بچت ہو سکے۔

ہماری حب الوطنی کا پہلا ثبوت یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے تمام ذرائع ملک معظم اور ملک کے سپرد کر دیں" (مدینہ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۹ء)

سر عبد الحلیم غزنوی نے ایک بیان میں تحریر فرمایا۔

مسلم لیگ کونسل نے حال ہی میں جنگ کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے

---

(۱) (حاشیہ صفحہ ۵۹ سے) یہ بل کانگریس اور وطن دوستوں کی ۵۵ رایوں کے مقابلہ میں سرکاری اور لیگ کے ۶۳ ووٹوں سے منظور ہو گیا۔

(سرکاری رپورٹ لیجسلیٹو کارروائی مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۴۹۴ (و) انڈین اینول رجسٹر ۱۹۳۹ء جلد دوم صفحہ ۲۳۳ مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۳۹ء)

اس پر اسے نظر ثانی کرنی چاہئے کیونکہ یہ وقت سودا کرنے کا نہیں ہے۔" (مدینہ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۹ء)

سر محمد یعقوب صاحب نے ایک طویل بیان میں ارشاد فرمایا:۔

کانگریس کی تقلید میں انضباطی کارروائی کرنے کا فعل خود مسلم لیگ کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اسکے علاوہ اشتعال انگیز اور توہین آمیز قرارداد یں منظور کرنا بھی لیگ کے مفاد کے منافی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلم لیگ غیر ذمہ دار اور ناشائستہ لوگوں پر مشتمل رہجائیگی

برطانیہ کی طرفداری اور حمایت کے منطقی دلائل پیش کرنے کے بعد آپ نے فرمایا

کونسل کے اجلاس میں بعض مقررین نے بنیاپن کا ثبوت دیتے ہوئے حکومت برطانیہ سے سودا کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ بیحد مذموم ہے۔ ہمیں غیر مشروط طور پر حکومت کی مدد کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ہم جہاں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے لڑیں گے وہاں ہماری یہ کوشش برطانوی ایمپائر کو محفوظ رکھنے پر منتج ہوگی۔ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے متین طبقہ سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ کے وقار اور عزت کو غیر ذمہ دار لوگوں سے بچانے کی کوشش کریں۔ (مدینہ۔ ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء)

ارکان مسلم لیگ میں سب سے زیادہ آزاد بیان مسٹر جناح کا تھا۔ آپ اس کوشش میں کامیاب رہے کہ آپ کے بیان سے برطانیہ پرستی کا مظاہرہ

نہ ہو۔ آپ نے بیان فرمایا۔

میں نے ۴ ستمبر کو وائسرائے سے ملاقات کی۔ انھوں نے موجودہ صورت حالات کی وضاحت کی۔ میں لازمی طور پر ان کی بات چیت کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ ابر آلود آسمان میں ہمیں کسی ستارے کی امید کرنی چاہئے۔

کوئی شخص اسلحہ جات کو ہاتھ میں لینے اور وحشیانہ طاقت کو استعمال کرنے کی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی باوقار سمجھوتہ نہ ہو سکا تو یورپ اس کے لئے فخر نہیں کر سکتا۔

اس وقت برطانیہ کی پالیسی کی مذمت کرنے کا موقع نہیں۔ بحران پیدا ہو گیا ہے اور ہمیں اس کا حتی المقدور مقابلہ کرنا ہے۔

لازمی طور پر میری ہمدردی پولینڈ، انگلینڈ اور فرانس کے ساتھ ہے اگر برطانیہ اس جنگ کو کامیابی کے ساتھ لڑنا چاہتا ہے تو اسے مسلم لیگ کی وساطت سے ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے اعتماد میں لینا چاہئے اور اسے ایسی پالیسی اختیار کرنی چاہئے جو ان اصولوں پر حاوی ہو جن کا ذکر وائسرائے نے جنگ کے اعلان کے فوراً بعد اپنی براڈکاسٹ تقریر میں کیا تھا۔ مسلمان صرف انصاف چاہتے ہیں۔ میں وائسرائے کے خیالات کو آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں جو ۸ ستمبر کو دہلی میں منعقد ہو گی پیش کروں گا۔ اس اثنا میں میں مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے متحد

ہو کر اکٹھے ہو جائیں ۔" (مدینہ بجنور ۱۳ ستمبر ۱۹۳۹ء)
اس قسم کے بیانات کے افتتاحیہ کے بعد مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۱۸ ستمبر ۱۹۳۹ء کو دہلی میں نواب زادہ لیاقت علی خاں کی کوٹھی پر زیر صدارت جناب مسٹر محمد علی صاحب جناح ہوا ۔ اس اجلاس میں بقول مدیر اخبار مدینہ مسلم لیگ نے وہی فیصلہ کیا جس کی توقع سروں اور خان بہادروں کی جماعت سے ہو سکتی تھی ۔ یعنی سرکار ابدمدار کی خوشامد کے بعد جو کچھ کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضور ہم تو وفادار ازلی ہیں بھلا کب حضور کا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں اب بھی دل و جان سے خدمت کے لئے حاضر ہیں ۔ لیکن اگر گستاخی معاف ہو تو اتنی عرض ہے کہ ہم بندگان بے مقدار کو ہندوؤں سے سخت شکایت ہے ۔ اسلئے اگر حضور نے ان کی گوشمالی کر دی تو پھر مسلمانوں کے دل بہت بڑھ جائیں گے اور اس وقت ان کی امداد زیادہ موثر اور کامل ہو گی ۔ (مدینہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۹ء ۹ شعبان ۱۳۵۸ھ)

بقول مدیر مدینہ اس تجویز کا آغاز اس سجدہ نیاز سے ہوتا تھا کہ :-

آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی حضور والسرائے کے اس طرز عمل کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے کہ انھوں نے مسٹر ایم ۔ اے جناح پریسیڈنٹ آل انڈیا مسلم لیگ کو شرف ملاقات بخشا اور ان کو مسلم لیگ تک پہونچانے کے لئے وہ تمام بین الاقوامی حالات بتائے جو جنگ پر منتج ہوئے ۔ نیز موصوف کو اپنی رائے عالی سے بھی باخبر کیا ۔

اس تجویز کے مندرجہ ذیل فقرے خاص طور پر اہمیت رکھتے ہیں۔

۱۔ یہ کمیٹی ملک معظم کی حکومت اور وائسرائے سے نہایت پرزور لفظوں میں یہ اصرار کرتی ہے کہ وہ گورنروں کو ہدایت کریں کہ جب مسلمانوں کے ساتھ بے انصافی ہو یا جب ان پر ظلم کیا جائے یا ان کے سیاسی معاشی، معاشرتی اور تہذیبی مفاد کو برطانیہ عظمیٰ کے مقدس وعدوں اور تیقنات کے باوجود گزند کیا جائے تو وہ مداخلت کریں۔ اس لئے گورنروں کے مخصوص اختیارات آئین میں اسی لئے رکھے گئے ہیں

۲۔ کمیٹی یہ محسوس کرتی ہے کہ اس موقع پر مسلمانوں کی حقیقی اور ٹھوس امداد انگریزوں کو اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ملک معظم کی حکومت اور وائسرائے کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ پورا پورا انصاف نہ کرائیں۔ جہاں آج ہماری آزادی جان و مال اور عزت و آبرو سب خطرے میں ہیں حتیٰ کہ وہاں ہمارے بہت سے ابتدائی حقوق تک بے دردی سے کچلے جا رہے ہیں۔

۳۔ اگر برطانوی حکومت اس نازک موقع پر مسلمانوں کی مکمل، موثر اور باعزت امداد چاہتی ہے اور اگر وہ چاہتی ہے کہ اس نازک حالت کو کامیابی کے ساتھ ختم کر دیا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو مطمئن کرے اور انہیں یہ محسوس کرائے کہ وہ یہاں محفوظ ہیں نیز اسے چاہئے کہ مسلم لیگ پر اعتماد کرے، جو ہندوستان میں مسلمانوں کی طرف سے بولنے والی واحد جماعت ہے۔

(مدینہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۹ء - ۱۲ شعبان ۱۳۵۸ھ)

بہرحال لیگ کی پوری تجویز میں ہندوستان کی سیاسی آزادی کے متعلق کوئی ایک مطالبہ بھی نہیں تھا۔ جو کچھ تھا وہ ہندوؤں اور کانگریس کا شکوہ اور حکومت سے یہ مطالبہ کہ وہ ان کانگریسیوں کی گردن دبائے۔ اخبار مدینہ نے اس تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

> تجویز کے ان الفاظ کا (فقرہ ۳ کے الفاظ کا) مطلب صاف طور سے یہ ہے کہ مسلمان امداد تو ضرور دیں گے جیسا کہ بنگال کے وزیر اعظم مسٹر فضل حق اور پنجاب کے وزیر اعظم سر سکندر حیات خاں اس تجویز کے پاس ہونے سے پہلے ہی بانگ دہل اعلان کر چکے ہیں۔ لیکن ہم حقیقی، ٹھوس، موثر اور باعزت امداد اسی وقت دے سکتے ہیں جبکہ ہمارے ساتھ کانگریسی صوبوں میں جو بے انصافیاں ہو رہی ہیں ان کا ازالہ کیا جائے۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر ہماری امداد مصنوعی منتشر، غیر موثر اور بے عزتی کی امداد ہوگی۔ مگر ہوگی ضرور۔ یہ ہے بندگی اور غلامی کا نتیجہ کمال۔

دوسری چیز جو اس تجویز میں نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ کانگریسی صوبوں میں یعنی ہندوستان کے آٹھ صوبوں میں بلکہ سارے ہندوستان میں مسلمانوں کی آزادی، جان، مال، عزت، آبرو سب خطرے میں ہے لیکن اس کے باوجود نو کروڑ مسلمانوں کی اس واحد نمائندہ جماعت نے آج تک مسلمانوں کے جان، مال عزت اور آبرو بچانے کے لئے کوئی موثر کارروائی کی اور نہ نو کروڑ مسلمانوں

ہی کی غیرت و حمیت آج تک جوش میں آئی۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کے آٹھ نو صوبوں میں مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے اور پھر بھی مسلمان اس طرح خاموش بیٹھے ہیں کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں اور چند تقریروں اور تجویزوں کے سوا، اور وہ بھی ایسی کہ قانون کی زد میں نہ آسکیں مسلمانوں نے آج تک اس حالت کو دور کرنے کے لئے اپنے دست و بازو کو حرکت نہیں دی۔ تو پھر ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ یا تو نو کروڑ مسلمانوں کی یہ واحد نمائندہ جماعت جھوٹی ہے۔ اور ظلم و ستم کے افسانے سراسر غلط ہیں۔ اور یا نو کروڑ مسلمانوں کی جو بیئر ملکشمیر سے لے کر راس تک آباد ہے۔ اُس کی غیرت و حمیت کا جنازہ ہمیشہ کے لئے نکل چکا ہے۔ جس قوم کے افراد اتنے بزدل، کاہل، پست ہمت، پست حوصلہ، اتنے بے غیرت و بے حمیت ہوں کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن کی جان و مال اور عزت و آبرو کی متاع گرانمایہ سربازار لٹتی رہے اور وہ صرف ملک معظم کی حکومت اور وائسرائے کی خدمت میں درخواست پیش کرنے کے سوا اور کچھ نہ کریں نہ اُن کے بدن میں جہد و عمل کی حرارت پیدا ہو۔ اور نہ اُن کی رگوں میں سرفروشی و جانبازی کا خون جوش میں آئے۔ اُس قوم کو کیا حق حاصل ہے کہ اس کے ساتھ جد و جہد اور دنیا کی [illegible] میں زندہ رہنے کا مدعی ہو۔ جو قوم اپنے [illegible] سے نہیں رہ سکتی وہ دوسروں کے سہارے [illegible] زندگی [illegible] اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی

وہ ملک معظم اور وائسرائے سے کوئی پاؤں مستعار مانگ کر بھی کھڑی نہیں ہو سکتی۔

کانگریس کو عنان حکومت ہاتھ میں لئے ہوئے تین سال کے قریب ہو چکے ہیں اس دوران میں ایک بار نہیں ہزار بار مسلم لیگ نے گورنروں سے مداخلت کی درخواستیں کی ہیں۔ پیرپور کمیٹی کی رپورٹ اسی غرض سے ترتیب دی گئی تھی۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ آج تک کسی ایک صوبہ کے گورنر نے بھی اس طرف توجہ نہ کی۔ لیکن اس کے باوجود بھی مسلم لیگ کے بندگان بے درم کی نظریں اسی دربار پر جمی ہوئی ہیں اور جب کبھی اُن کی زبان سے کوئی لفظ نکلتا ہے تو اس میں گورنروں ہی کی دُہائی دی جاتی ہے۔ یہ ہے وہ قوم جسے اپنی فوجی قوتوں پر ناز ہے۔ اور جو ہندو کے مقابلہ میں خود کو مذہب۔ تہذیب۔ معاشرت جسمانی طاقت اور تاریخی اہمیت کے لحاظ سے برتر اور بہتر ہونے کے ہزار دعوے ہر روز کرتی رہی ہے۔ اگر اسلام کی حقیقت یہی ہے جو ان "محافظین اسلام" میں نظر آتی ہے اور اگر مسلمان کی شان یہی ہے جو اس تجویز سے ظاہر ہوتی ہے تو پھر ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ اب وہ وقت آگیا کہ کفر اسلام پر خندہ زن ہو۔ اور مدعیان اسلام کی گردنیں بے عزتی اور بے غیرتی کے ساتھ جھکی ہوئی نظر آئیں۔

گر مسلمانی ہمیں ست کہ اینہا دارند وائے گر در پس امروز بود فردائے

مدینہ ۲۲ر شعبان ۱۳۵۸ھ - ۲۸ر ستمبر ۱۹۳۹ء۔

فطرت کی نیرنگیاں بھی کس قدر عجیب ہیں کہ جو قوم اپنی فوجی طاقت پر نازاں ہے۔ جو خود کو میدان جنگ کا دھنی سمجھتی ہے اور جو عدم تشدد کا مذاق اُڑا کر تشدد کو جائز سمجھتی ہے وہ تو آج گردن جھکائے اور ہاتھ باندھے انگریز کے آستانہ پر مودب کھڑی ہے۔ اور جو قوم نہ فوجی ہے نہ فوجی ہونے کی مدعی۔ جو عدم تشدد کی قائل ہے۔ جو جنگ و خونریزی سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔ جو جانوروں کے ذبیحہ تک کی قائل نہیں۔ وہ سینہ تانے اور گردن اُٹھائے انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر رہی ہے۔ مدینہ ۸ ؍ ستمبر ۱۹۳۹ء

تازیانہ عبرت

آپ جمعیۃ علماء اور کانگریس کی تجویزیں پہلے مطالعہ کر چکے۔ اُن میں انگریز سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ پہلے اپنے اس دعوے کی صداقت پیش کرے کہ وہ واقعی جمہوریت اور آزادی کے لئے لڑ رہا ہے اور ہندوستان اور ہندوستان کے علاوہ تمام مقبوضات کو رہا کر دے اس تصدیق کے بعد اس کی امداد کی جائے گی۔

اور لیگ نے نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے صرف ایک مطالبہ کیا کہ کانگریسی وزارتوں کے مظالم سے مسلمانوں کو نجات دلائی جائے۔ ان دو متضاد طرز عمل سے برطانوی حکومت نے کیا اثر لیا۔ اس کا اندازہ کلکتہ کے نیم سرکاری اخبار سٹیٹسمین کے حسب ذیل دو مقالوں سے ہو سکتا ہے۔

جمعیۃ العلماء اور کانگریس کے مطالبوں کے متعلق اخبار مذکور نے اپنی ۸ ؍ ستمبر ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ مطالبہ کو بیان کیا ہے کہ وہ اس مسئلہ

پر وسیع القلبی کے ساتھ غور کرے اور فوراً غور کرے۔ یہی وہ وقت ہے
جب ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات میں باہمی اعتماد پیدا ہو سکتا
ہے۔ جیسا کہ کناڈا وغیرہ دوسری برطانوی مقبوضات میں پایا جاتا
ہے ہمیں یقین ہے کہ اگر اس موقع کو ہاتھ سے کھو دیا گیا تو مشترک
مفاد کے لئے لڑنے کا جو پروپیگنڈا ہم نے کر رکھا ہے اُسے تمام
ملکوں میں ناقابل تلافی نقصان پہونچے گا۔ ہمارے بلند مقاصد اور
ہمارے حقیقی عمل کے درمیان کوئی نمایاں خلا نہ ہونا چاہئے۔ اگر اس
موقع کو ہاتھ سے دیدیا گیا تو پھر تاریخ بار بار ایسے موقعے نہیں دہرائیگی
اس وقت ہندوستان کو ایک فاتحانہ جنگ کے لئے منظم کرنا ہے
اور یہ تنظیم خالص دفتری قسم کی حکومت کی طرف لوٹنے سے ہرگز نہیں ہو سکتی
اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اُن لیڈروں کا تعاون حاصل کریں۔
جو عوام کی طرف سے بولنے کا حق رکھتے ہیں۔

۱۸ر ستمبر ۳۹ء بحوالہ مدینہ ۲۸ر ستمبر ۳۹ء

آپ اُس تبصرہ کو ملاحظہ فرمائیے جو مسلم لیگ کی تجویز پر اسی اخبار نے ۲۱ر ستمبر ۳۹ء
کی اشاعت میں کیا تھا۔ اس اخبار نے لکھا تھا۔

اگر کوئی وزارت واقعی مسلمانوں کے سیاسی۔ معاشی۔ معاشرتی
اور تہذیبی حقوق میں ظالمانہ دست اندازی کرتی ہے تو یقیناً
گورنروں کو اپنے مخصوص اختیارات استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔
لیکن جیسا کہ ہمارا خیال ہے اس سلسلہ میں لیگ کی ساری کائنات

پیرپور کمیٹی کی رپورٹ ہے مگر اس رپورٹ میں کوئی ایسا ثبوت نہیں جس کی بنا پر گورنر کانگریسی وزارتوں کے کام میں مداخلت کرے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ وزارتیں استعفا دیدیں گی اور صوبجاتی خودمختاری ختم ہوکر رہ جائے گی۔ ہم اس بات پر یقین نہیں کرسکتے کہ کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں پر ظلم کرنے یا اُنکی کلچر (تہذیب) کو تباہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے لیگ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ اگر اس قسم کی حالت پیدا ہوجائے تو آئین کی رو سے اُن کے روکنے کا مقدس وعدہ کیا گیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ برطانیہ نے یہ مقدس وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ سیاسی خوداختیاری کو ترقی دے گی۔ مدینہ ۲۸ ستمبر ۳۹ء

لیگ کی اس تجویز کو لیگ کے ترقی پسند طبقہ نے بھی ناپسند کیا۔ چنانچہ نیشنل ہیرلڈ کے نامہ نگار نے لکھا تھا کہ مسٹر ظہیرالحسن صاحب لاری نے مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ریزولیشن کے متعلق جو حال ہی میں دہلی کے جلسہ میں منظور کیا گیا ہے۔ ایک بیان اخبارات میں دیا ہے اس میں موصوف لکھتے ہیں کہ اس ریزولیوشن سے سر سکندر حیات، جیسے حضرات کی فتح ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ورکنگ کمیٹی سر سکندر حیات خاں سے مرعوب ہوگئی۔ اور ایسا رویہ اختیار کیا گیا جس سے

---

۵ مسلم لیگ نے کانگریسی وزارت کے دور حکومت میں نواب محمد یوسف صاحب آف پیرپور کی زیر سرکردگی ایک کمیٹی بنائی تھی۔ اسکو پیرپور کمیٹی کہا جاتا ہے اس نے یو۔پی۔ سی۔پی اور بہار کے مظالم کی ایک طویل فہرست مرتب کر کے شائع کی۔ مگر اس کے متعلق کوئی قابل اطمینان ثبوت نہ پیش کرسکی تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہو

مادرِ ہند کی توہین ہوئی لاری صاحب نے فرمایا ریزولیوشن میں پہلے وائسرائے کی بڑی تعریف کی گئی۔ کیا لیگ کے لئے یہ ضروری تھا۔؟ سر سکندر حیات خاں نے برطانیہ کے ساتھ غیر مشروط اشتراکِ عمل کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن لیگ نے ۲۰ اگست کو اس سے اظہار بیزاری کیا تھا۔ کیا ورکنگ کمیٹی نے اپنے فیصلہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔ لیگ کونسل کو سوچنا چاہئے۔ اور اپنے ریزولیوشن میں مسلمانوں کے جذبات اور خواہشات کے بموجب ترمیم کرنا چاہئے۔ کانگریس کے چیلنج کا ضرور جواب دینا چاہئے یہ وقت ایسا نہیں کہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر یا خودداری کو ٹھکرا دیا جائے

(مدینہ ۵ر اکتوبر ۱۹۳۹ء)

بہرحال ان تجاویز نے اگرچہ یہ ثابت کر دیا تھا کہ مسلم لیگ برطانوی گروپ میں رہنا پسند کرتی ہے۔ اور جواہر لال نہرو کے اس حقیقت افروز بیان کی کھلی ہوئی شہادت پیش کر دی تھی کہ ہندوستان میں دو پارٹیاں ہیں۔ ایک آزادی خواہ جماعت جس میں کانگریس پیش پیش ہے دوسری۔ آزادی کی دشمن شہنشاہیت اور سرمایہ داری کی ہوا خواہ۔ اس میں نوکر شاہی حکومت اور وہ تمام پارٹیاں اور جماعتیں شامل ہیں جو اس کی ہمنوائی کرتی ہیں تاہم چونکہ ملک بمانیر جنگ کے موقع پر برطانوی سامراج کا مفاد یہ تھا کہ ہندوستان کی تمام جماعتیں متحد ہو جائیں۔ لہٰذا سوباش چندر بوس جیسے نمایندگان حریت۔ اور سر سکندر حیات جیسے کاسہ لیسانِ حکومت کی طرف سے لیگ اور

کانگریس میں مفاہمت کی کوشش کی گئی۔ (مدینہ ۹ر اکتوبر ۱۹۳۹ء)

چنانچہ ۴ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مسٹر جناح اور پنڈت جواہر لال کی ملاقات ہوئی۔ دوستانہ گفتگو ہوئی اور سلسلہ آگے بڑھانا طے پایا اسکے بعد تقریباً ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ یہ قیاس کیا جانے لگا کہ لیگ اور کانگریس کا کوئی متفقہ فارمولا تیار ہو جائے گا

۳ر نومبر کو جو گاندھی۔ جناح و جواہر لال وغیرہ کی ملاقات ہوئی اس کے بعد فرقہ وارانہ مسئلہ کے متعلق اخبارات نے ظاہر کیا کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے یہ واضح کر دیا ہے کہ آزادی اور جمہوریت کے اصولوں کو محفوظ رکھتے ہوئے جو کہ کانگریس کی جان ہیں۔ مسٹر جناح کو مطمئن کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں کانگریس اتحاد کے لئے بڑی سے بڑی قیمت دے سکتی ہے فقط آزادی اور جمہوریت کو قربان نہیں کر سکتی۔ (مدینہ ۹ر نومبر ۱۹۳۹ء)

مگر اس بدقسمتی کا کیا علاج کہ آزادی اور جمہوریت ہی وہ دو نقطے تھے جن کو برطانوی سامراج برداشت نہیں کر سکتا تھا اور یہی دو وہ اصل تھے جن سے لیگ کو وحشت ہوتی تھی اور ان کی بنیاد پر لیگ اور کانگریس مفاہمت بھی اتنی ہی ناممکن تھی جتنی کانگریس اور برطانیہ۔ مفاہمت چنانچہ مسٹر جناح صاحب نے ۴ر نومبر ۱۹۳۹ء کو وائسرائے کے نام حسب ذیل خط لکھا۔

یکم نومبر کو مسٹر گاندھی۔ ڈاکٹر راجندر بابو۔ صدر کانگریس اور میں نے

آپ سے جو بات چیت کی تھی اُس کے سلسلہ میں نیز آپ کے ۲۰/ نو / والے خط کے جواب میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی تجویز کے مطابق میں نے کانگریس لیڈروں سے ملاقات کی اور انھوں نے مجھے قطعی طور پر بتا دیا کہ ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اس وقت تک مرکز اور صوبوں کے متعلق وائسرائے کی تجویزوں پر غور نہیں کریں گے جب تک برٹش حکومت ہمارے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ریزولیشن میں مندرج ہمارے مطالبہ کے مطابق اعلان نہیں کرتی۔ ان حالات میں ہر دونوں مسائل پر مزید غور نہیں کیا گیا۔ (مدینہ ۱۳ رنومبر ۳۹ء)

کانگریسی وزارتوں کا استعفا

اس سے پیشتر کہ ہم اس عنوان پر گفتگو کریں چند امور پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ مذکورہ بالا تجاویز کا خلاصہ مختصر ہو جائے اور نتائج اخذ کرنے میں سہولت ہو۔

جمعیۃ علماء اور کانگریس

نے جو مفصل تجویزیں منظور کی تھیں جن کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اُن کا خلاصہ یہ تھا کہ

(۱) حکومت برطانیہ اور اُس کے حلیفوں کے مقاصد جنگ و امن کیا ہیں۔ اگر علاقے اور خصوصی ترجیحات حاصل کرنا مقصود ہے تو ہندوستان کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور تجویز جمعیۃ العلماء کے الفاظ میں شرکت جنگ کے جواز کی کوئی وجہ نہیں۔

(۲) اگر جنگ عالمگیر اصولوں کی خاطر لڑی جا رہی ہے یعنی حملوں کی روک تھام کرنے، اقوام کے مابین رسم و راہ کا طریقہ رائج کرنے۔ جمہوریت اور قومی آزادی کو مستحکم طور پر رواج دینے کے لئے یا اسی قسم کے دوسرے مقاصد سامنے ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان

اصولوں پر ہندوستان میں کس طرح عمل کیا جائے گا۔ یعنی ہندوستان۔ جب پولینڈ
اور زیکوسلاویکیہ کی آزادی کے لئے لڑے گا تو کیا یہ جنگ خود اُس کی اپنی آزادی
کیلئے بھی ہوگی یا اپنی غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کرے گا۔

(۳) اگر جنگ دنیا میں ایک بہتر اور اصولی فضا پیدا کرنے کے لئے لڑی جا رہی
ہے اور ہندوستان بھی دیگر اقوام کے ساتھ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا
مستحق ہے تو اس اصول کے ماتحت فوری صورتیں کیا اختیار کی جائیں گی۔

مسلم لیگ نے جنگ میں امداد دینے کے لئے صرف دو شرطیں پیش کی تھیں
ایک تو یہ کہ کانگریسی حکومتوں نے جو مظالم ڈھا رکھے ہیں اُن کا
سد باب کیا جائے۔

دوسری شرط۔ خود وسیرائے کے الفاظ ہیں

> اقلیتوں کے نمائندوں نے دوران گفتگو میں بلند طریقہ پر مجھ سے
> کہا کہ آئین میں جو بھی ترمیم کی جائے۔ اس میں ان کے نظریہ اور مفاد
> کو پورا وزن دینے کا صاف طور پر وعدہ کیا جائے۔

مختصر یہ کہ دوسری شرط یہ تھی کہ آئندہ اگر ہندوستان کا آئین از سر نو مرتب کیا جاوے
یا اس میں کوئی تبدیلی کی جائے تو مسلم لیگ کی منظوری ضروری قرار دی جائے۔

برطانوی شہنشاہیت کا مفاد برطانیہ کی اغراض مشئومہ کا فائدہ اس میں
تھا کہ زیادہ سے زیادہ پروپیگنڈا کر کے تمام
دنیا میں ڈھونڈورا پیٹا جائے کہ

(۱) ہندوستان کے مختلف فرقوں میں حد سے زیادہ بے اعتمادی ہے اکثریت اقلیت

کو تباہ کر دینا چاہتی ہے۔

(۲) کانگریس تمام ہندوستان کی نمائندہ نہیں۔ نہ وہ تمام فرقوں کی مشترک جماعت ہے۔ وہ ایک ہندو جماعت ہے۔ جو اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کو ملک پر ساوی کرنا چاہتی ہے۔

(۳) کانگریس کے مطالبات پورے کرنے کے یہ معنے ہیں کہ ہندوستان کو آزادی دیدی جائے جس کا وہ اہل نہیں۔ جس کے نتیجہ میں اکثریت اقلیت کو تباہ کر ڈالیگی کانگریس کو آزادی دیدینا برطانیہ کے لیے اُن وعدوں کے خلاف ہوگا جو اس نے اقلیتوں کے ساتھ کئے ہیں۔ اس صورت میں اقلیتوں کی حفاظت کی جو ذمہ داری برطانیہ پر عائد ہوتی ہے۔ وہ اس کی ادائیگی سے قاصر رہے گا۔ جو آئین جہانبانی کے لحاظ سے بدترین جرم ہے۔

(۴) ہندوستان جمہوری طرز حکومت کا اہل نہیں۔

لہذا جمہوریتوں کی حفاظت جو اس جنگ کا مقصد قرار دیا گیا ہے ہندوستان اُس سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جمہوریت کا جو معمولی ناکہ قائم کیا گیا ہے اُس پر بھی پردہ ڈال دینا چاہئے۔

ان امور کی توضیح کے بعد ہر ایک جماعت کے کارناموں پر نظر ڈالئے اور فیصلہ فرمایئے کہ کس جماعت نے آزادی ہند کے لئے قربانیاں پیش کیں اور کس جماعت نے برطانوی سامراج کو فائدہ پہونچانا اپنا مقدس نصب العین قرار دیا۔

ہمیں نہایت افسوس اور دلی رنج کے ساتھ یہ لکھنا پڑتا ہے کہ مسلم لیگ اور اس کے قائد اعظم نے برطانوی سامراج کی صدائے بربط پر رقص کر کے تاریخ حریت میں اسلامیان

ذلیل و خوار کر دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔
اگر جمعیۃ العلماء ہند اور قوم پرور مسلمانوں کی خدمات نہ ہوتیں تو شرم و حیا رکھنے والے مسلمانوں کو سر اٹھانے کا موقع نہیں تھا۔ آئندہ صفحات میں لیگ کی تاریخی خدمات ملاحظہ ہوں۔
جمعیۃ علماء کانگریس اور مسلم قوم پرور جماعتوں کے مطالبات و سوالات کے جواب میں ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو وائسرائے نے ایک مفصل اور طویل بیان[۵۵] شائع کیا جس میں آپ نے فرمایا۔

(۱) میں نے باون[۵۲] آدمیوں کی کثیر تعداد سے واضح اور کھلے ہوئے دل سے گفتگو کی جیسے کہ توقع کی جاتی تھی۔ مختلف مفادوں اور زاویہ نگاہ کے نمائندوں سے بات چیت کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ ان کے زاویہ نگاہ میں اختلاف تھا۔ ان کے مطالبے مختلف تھے اور ہمارے سامنے جو مسئلے در پیش ہیں۔ ان کا وہ بالکل مختلف حل پیش کرتے تھے پھر ایک اور بات تھی۔ اور اس کی بھی توقع کی جاتی تھی کہ جہاں ایک فریق کی طرف سے کافی تحفظ کے لئے مطالبات یا تحفظات طلب کئے گئے۔ ان کا توازن ان تجویزوں سے کیا گیا جب کہ دوسرے فریق کی جانب سے نمایاں آئینی تبدیلیاں طلب کی گئی ہیں۔ میں کہوں گا کہ نظریوں کے اس اختلاف کو جو بہت گہرا اور مخلصانہ ہے موجودہ مسئلوں پر غور کرتے وقت ذہن میں نہیں رکھنا چاہئے۔

---

[۵۵] تمام اقتباسات مدینہ مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء مطابق ۱۱ رمضان ۱۳۵۸ھ سے ماخوذ ہیں ۱۲

(یعنی اگرچہ اختلاف اپنی جگہ پر بالکل درست ہے۔ مگر گوشش جنگ میں شرکت کرنے پر سب کو متفق ہو جانا چاہیے تاکہ برطانوی سامراج جنگ میں فتح حاصل کر سکے۔)

(۲) کانگریس کے سوالات کا جواب ان فقروں سے دیا۔

سب سے پہلے اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ موجودہ حالات میں اس نوبت پر جس پر کہ جنگی جدوجہد اس وقت پہونچی ہوئی ہے۔ کیا کوئی واضح اور اطمینان بخش جواب دیا جا سکتا ہے کہ ہمارا مقصد کیا ہے۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے میں ہندوستان کے متعلق اس مقصد کی وضاحت کو چھونا نہیں چاہتا۔

ملک معظم کی حکومت نے خود بھی ابھی تک ان مقصدوں کو مفصل طور پر واضح نہیں کیا جن کے لئے وہ جنگ کر رہی ہے۔ اس قسم کی وضاحت لڑائی کے بعد ہی ہو سکتی ہے ان حالات میں ابتدائی مرحلہ پر مقاصد کی وضاحت غیر دانشمندانہ اور ناقابل عمل ہے اتنی بات بہر حال ظاہر ہے کہ ہم جارحانہ کارروائی کے مقابلے کے لئے لڑ رہے ہیں ہمارے عام مقصدوں کو چند روز ہوئے برطانوی وزیر اعظم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں واضح کر دیا ہے۔ ہم اپنے لئے کسی قسم کا کوئی مادی نفع نہیں چاہتے صرف فتح ہی ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ہم ایک بہترین بین الاقوامی سسٹم کی بنیاد ڈالنا چاہتے ہیں۔ جس کا یہ مطلب ہوگا کہ پھر آنے والی نسل کو جنگ سے دوچار ہونا نہ پڑے۔

"ہم یورپ کے سب لوگوں کی طرح امن چاہتے ہیں لیکن وہ امن حقیقی اور مستحکم ہونا چاہیے۔ اور کوئی ایسی صلح نہیں ہونی چاہیے جسے مستقل طور سے خدشے اور دھمکیاں لاحق رہیں اور ہمیشہ ان دھمکیوں سے اُس امن میں خلل پڑتا ہے۔"

میرے خیال میں یہ بیان اُس کاز کی نوعیت کو واضح کر دیتا ہے جس کے لئے ہم لڑ رہے ہیں اور اگر کسی جواز کی ضرورت ہے تو اس کاز کی خاطر ہندوستان کا اپنی اخلاقی ہمدردی اور رواداری پیش کرنا بالکل جائز اور حق بجانب ہے۔

ہندوستان کی آئینی حیثیت کے متعلق آپ نے ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے اور اس ایکٹ کے ماتحت صوبجاتی خود مختاریوں کو نعمت عظمٰے کے طور پر پیش کرتے ہوئے۔ صوبجاتی وزارتوں کے کاموں کی تعریف کی۔ آل انڈیا فیڈریشن جو ایکٹ ۱۹۳۵ء کا ایک اہم جزو ہے اور جس کو مسلم لیگ اور کانگریس دونوں جماعتیں مسترد کر چکی تھیں اُس کے قیام کی ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ

صفحہ ۵۔ یہ لفظ جمعیۃ علماء ہند کے بیان پر چسپاں ہوتا ہے جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ شرکت جنگ کیلئے جواز کی کوئی وجہ نہیں اور پھر حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وائسرائے کے نام ایک خط میں وجہ جواز کی توضیح کی تھی وائسرائے بہادر اس فقرہ میں مفتی کی حیثیت اختیار کر کے وجہ جواز بیان فرما رہے ہیں مگر افسوس ہے اس وجہ جواز سے جمعیۃ علماء کے بیان کردہ عدم جواز کی تائید ہوتی ہے جمعیۃ علماء ہند ۲

خطرہ [illegible] یعنی [illegible] ہے اُنکی [illegible] وجہ جواز لغو اور بے معنی ہے ۱۲ محمد میاں

مجھے یقین ہے کہ فیڈرل اسکیم اپنے عملدرآمد میں اتنی ہی اطمینان بخش ثابت ہو سکتی ہے جیسا کہ ہم صوبجاتی خود مختاری کو اطمینان بخش خیال کرتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ چونکہ فیڈرل اسکیم کے متعلق ہمارا کام معطل ہو گیا ہے۔ اس لئے اس وقت اس مضمون پر اس سے زیادہ بحث کرنی بے محل ہے۔ مگر چونکہ اس اسکیم کے ذریعے اتحاد ہند کا اہم مقصد حاصل ہوتا ہے۔ لہذا ہماری کوشش یہی ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ہندوستان کی تمام پارٹیوں کے اتحاد و اتفاق کو حاصل کرتے ہوئے اس اسکیم کو نافذ کیا جائے۔ ہندوستان کے مستقبل کے متعلق آپ نے فرمایا۔

ملک معظم کی حکومت کی طرف سے اور اُن کے پورے اختیار سے گذشتہ وزیر ہند نے دارالعوام میں ۶ ؍ فروری ۱۹۳۵ء کو بیان دیا تھا۔ اس بیان سے پوزیشن اتنی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس میں ۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے دیباچہ کا حوالہ دیا تھا۔ اس میں یہ واضح کر دیا تھا کہ ملک معظم کی حکومت کی اسکیم کا ایسا کوئی حصہ نہیں ہے کہ اس عہد کو منسوخ کر دیا جائے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ملک معظم کی حکومت نے مجھے مئی ۱۹۳۶ء میں بحیثیت گورنر جنرل جو وثیقہ ہدایات عنایت فرمایا تھا اس میں مجھ پر یہ ذمہ داری رکھی گئی ہے کہ میں ایسا رویہ اختیار کروں کہ ان کی

اور برطانیہ کے درمیان تعلق کی توضیح ہو اور ہندوستان کو ہماری نوآبادیوں میں مناسب جگہ مل جائے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ جب ہندوستان کی آئندہ فیڈرل حکومت کے نظریہ پر اور اس خاکہ پر غور شروع ہوگا جس کا مقصد ان وعدوں کو جو پارلیمنٹ میں سابق وزیر ہند نے کئے ہیں پورا کرنا ہے تو اس وقت کے حالات کی روشنی کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے خاکہ کی تفصیلات کس حد تک باقی ہیں۔ اب مجھے ملک معظم کی حکومت کی طرف سے یہ کہنے کا اختیار دیا گیا ہے کہ لڑائی کے ختم ہونے پر حکومت۔ ہندوستان کے مختلف مفادوں۔ طبقوں اور پارٹیوں کے نمایندوں کے ساتھ اور ہندوستانی رجواڑوں کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے بہت خواہشمند ہوگی۔ تاکہ فیڈرل آئین میں مناسب تبدیلیاں کرنے کے لئے ان کا تعاون اور امداد حاصل کی جائے۔

مختصر یہ کہ کانگریس اور جمعیۃ علماء کے سوالات کے جواب میں الفاظ کا [illegible] پیش کیا گیا جن کا خلاصہ صرف یہ تھا کہ

(۱) مقصد جنگ اس وقت واضح کرنا دانشمندی کے خلاف ہے۔

(۲) فیڈرل اسکیم کو قبول کرنا چاہئے۔

(۳) انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء ہندوستانیوں کے لئے وثیقہ کامرانی اور ترقی کا بہترین زینہ ہے۔

(۴) جنگ کے بعد فیڈرل آئین اسکیم میں مناسب تبدیلیاں اور انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی تفصیلات پر ہندوستان کی مختلف پارٹیوں اور ریاستوں سے مشورہ کیا جائے گا۔ تاکہ اُن کا تعاون حاصل ہو سکے۔

کانگریس کے آخری سوال

یعنی اس مطالبہ کے متعلق کہ فوری طور پر کیا کیا جائے گا۔ وائسرائے نے فرمایا

ایک مشاورتی گروپ قائم کیا جائے گا۔ جس میں ہندوستان کی بڑی بڑی سیاسی جماعتوں اور ہندوستانی والیان ریاست کے نمائندے شامل ہوں گے اور گورنر جنرل خود اس کی صدارت کریں گے اور اُن کی ہی دعوت پر وہ گروپ بلایا جائے گا۔ اور اس گروپ کا مقصد یہ ہو گا کہ جنگ چلانے کے معاملہ میں اور جنگی سرگرمیوں کے متعلق ہندوستان کی رائے عامہ حاصل رہے۔ عملی وجوہ کی بنا پر یہ گروپ ناگزیر طور پر محدود ہو گا۔ مگر ملک معظم کی حکومت کا ارادہ یہ ہے کہ اس گروپ کو پوری طرح نمایندگی حاصل ہو۔ اور بالخصوص اُن کے افراد۔ گورنر جنرل۔ پارٹیوں کی بتائی ہوئی بڑی بڑی فہرستوں میں سے چنا کریں کہ کون کون لوگ شریک ہوں گے۔

مختصر یہ کہ فوری طور پر یہ ہو گا کہ ایک مختصر گروپ بنے گا جسے کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہ ہو گا نہ اُس کی رائے کی کوئی وقعت کرنا ضروری ہے۔ بلکہ یہ گروپ بھیڑوں کا ایک غول ہو گا جسے چرواہا جہاں اور جب چاہے گا ہانک کرلے جائیگا۔ اور اس گروپ کے ارکان منتخب کرنے کے لئے ہندوستان کی بڑی بڑی پارٹیوں کو یہ بیگار اپنے سر لینی

پڑے گی وہ اپنے لیڈروں کی فہرست پیش کیا کریں جس میں سے وائسرائے بہادر اپنی مرضی سے کسی کو منتخب فرمالیا کریں گے۔

مسلم لیگ کے مطالبات وہ اہم مطالبہ جس کا شور بہت مچایا گیا تھا یعنی کانگرسی وزارتوں کے مظالم اور اُن کے انسداد کی صورت۔ اس کے متعلق (انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے مناقب کا تذکرہ کرتے ہوئے) وائسرائے نے فرمایا۔ تقریباً ڈھائی سال سے یہ صوبے اس ایکٹ کی اسکیم کے ماتحت اپنا نظم و نسق چلا رہے ہیں۔ اور مجموعی حیثیت سے انہیں اس میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے اگرچہ کبھی کبھی اس میں مشکلیں بھی پیدا ہوگئی ہیں ان صوبوں میں خواہ کوئی جماعت برسر اقتدار ہو۔ اس پر کوئی حرف گیری نہیں کرسکتا۔ اور گذشتہ ڈھائی سال کی کامیابی کے اس ممتاز رکارڈ پر ہر شخص اطمینان ظاہر کرسکتا ہے۔"

رہ گیا دوسرا مطالبہ کہ آئندہ آئین ہند میں جو تغیر و تبدل ہو اس میں مسلم لیگ کی منظوری کو ضروری قرار دیا جائے۔ اس کے متعلق وائسرائے نے فرمایا۔

میں اس سے زیادہ کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھتا۔ کہ پچھلے بیس سال سے زیادہ عرصہ میں گول میز کانفرنسیں ہوئیں اور جوائنٹ پارلیمنٹری سب کمیٹی بیٹھی سب میں ملک معظم کی حکومت نے تمام پارٹیوں کے نمائندوں سے مشورہ کیا۔ اور ملک کے تمام مفادوں کے مشورے اسمیں شامل ہیں یہ بات بالکل قابل غور ہے کہ اب ہم کوئی نیا طریق اختیار کریں گے اور ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے کسی بھی حصہ میں کسی لحاظ سے بھی ان لوگوں کے مشورہ کے بغیر ترمیم کریں گے جو ماضی قریب میں

اس قسم کے کاموں میں ملک معظم کی حکومت اور پارلیمنٹ کو قریبی مشورے
دیتے رہے ہیں۔

مذکورہ بالا بیان میں حریت پسند قوم پرور جماعتوں کے جملہ مطالبات کی تردید کر دی۔ اور لیگ کی ایک شرط بظاہر تسلیم کر لی گئی۔ جو برطانوی سامراج کے لئے مفید بلکہ تحفظ شاہنشاہیت کا سنگ بنیاد ہے یعنی آئندہ دستور کی ترتیب میں اقلیتوں کے حقوق اور مفاد کے تحفظ کا وعدہ۔ کیونکہ اس شرط کا مفید پہلو برطانیہ کے حق میں ہوتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے اقلیت کے مفاد کو آڑ بنا کر بڑے سے بڑے ملکی مفاد کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ شاہنشاہیت کی رسم بد کے لئے اقلیت کا تحفظ بہترین حیلہ ہے باقی رہی دوسری شرط یعنی کانگرسی وزارتوں کے مظالم کا انسداد اُس کو قطعاً نظر انداز کر کے کانگریس کے ڈھائی سالہ دورِ وزارت پر کلی اطمینان کا اظہار کر دیا۔ اور نہ صرف اظہار اطمینان بلکہ اس کو کامیابی کا ممتاز ریکارڈ قرار دے کر ہر شخص سے مطالبہ کر لیا کہ وہ اطمینان ظاہر کرے۔

اب جن جماعتوں نے ملک ملت کے حقیقی مفاد کو سامنے رکھ کر اپنے مطالبات پیش کئے تھے انہوں نے وائسرائے کے اس اعلان کو چیلنج سمجھا۔ اور حکومت سے ٹکر لینے پر آمادہ ہو گئیں۔

لیکن غریب مسلم لیگ اور اس کے قائدین و زعما کی حقیقت یہ ہے کہ جب تک برٹش سامراج کی غرض وابستہ رہتی ہے وہ ان کی حوصلہ افزائی کرتی اور ان کے مطالبات کو سراسر تقاضاء عدل و انصاف قرار دیتی ہے۔ اور جب اس کی غرض پوری ہو جاتی ہے یا اپنی مصلحت کے پیش نظر غرض میں کوئی تبدیلی کرنی پڑتی ہے تو عدل و انصاف کے فیصلہ میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے۔

اور لیگ اور اُس کے زعما و قائدین کی یہ سعادتمندی ہے کہ اُن کی جبین نیاز اُسی طرف سجدہ ریز ہو جاتی ہے جس طرف اغراض حکومت کا مرغ قبلہ نما رُخ کرتا ہے۔ برطانوی سامراج کی ہر ایک ادا اُن کو محبوب۔ ہر ایک انداز پسند۔ اور اُس کے ہر ایک مشورہ پر متاع جان قربان۔ اُس کے ہر ایک جبر و استبداد کے سامنے سر نیاز خم اور اُس کے ہر ظلم و ستم کی تاویل واجب۔

لیکن اپنے ہم وطنوں۔ ہم جنسوں بلکہ اُن ہم مذہبوں کے مقابلہ میں جو قوم و ملت کا حقیقی درد رکھنے کے باعث نظر حکومت میں معتوب ہیں یہ قائدین و زعما شیر نیستاں اور فرعون بے سامان۔

چنانچہ کانگریس اور جمعیۃ علماء کے مقابلہ میں اگرچہ وہی طعن و تشنیع الزامات اور بہتانوں کا سلسلہ جاری رہا لیکن حکومت کی نوائے تلخ کو ہضم کر لیا گیا کہ گویا وہ جرعۂ زلال ہے جس نے تشنہ لبوں کو سیراب کر دیا۔

چنانچہ وائسرائے کے اس اعلان سے صرف پانچ روز بعد ۲۲ر اکتوبر ۳۹ء کو دہلی میں نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب کی کوٹھی پر مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے حسب ذیل

۵؎ برطانوی ایجنٹ صوبائی خود مختاری سے خوش نہیں ہو سکتے تھے کانگریسی وزارتوں کا اسلوب گستاخانہ تھا۔ لہٰذا مظالم کے افسانے پیش کر کے لیگ نے رائل کمیشن کا مطالبہ کیا کہ اس دستور ہی پر از سر نو غور کرے۔ اور ہندوستان کو خود مختاری کے ناقابل قرار دے کر دیئے ہوئے اختیارات بھی سلب کر لے۔ مگر دفعۃً جنگ کے پیش آجانے نے انگریز کے رُخ کو بدل دیا۔ لہٰذا کانگریسی مظالم کی مرتب شدہ داستان نور پیر پور کمیٹی کی مکمل رپورٹ اپنی جگہ رہ گئی۔ اور رائل کمیشن کی تحقیق و تفتیش کے بجائے انڈیا ایکٹ ۳۵ء کے محامد اور اُس کے کامیاب تجربے بیان کر کے لیگ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرنی پڑی۔ لیگ نے سر تسلیم خم کر دیا

ایک تجویز منظور کی۔

ہز ایکسیلنسی وائسرائے کے بیان مورخہ ۱۸ اکتوبر ۳۹ء پر احتیاط کیساتھ غور کرنے کے بعد ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ اس کی قدر کرتی ہے کہ ملک معظم نے پُر زور طریق پر کانگریس کے اس بے بنیاد دعوے کو مسترد کر دیا ہے کہ تنہا کانگریس ہی تمام ہندوستان کی نمائندہ جماعت ہے۔ اور اُس کو اطمینان کے ساتھ نوٹ کیا ہے کہ ملک معظم کی حکومت اس واقعہ کو تسلیم کرتی ہے کہ تنہا آل انڈیا مسلم لیگ ہی صحیح معنے میں مسلمانانِ ہند کی نمائندہ ہے اور اُن کی طرف سے بول سکتی ہے۔ نیز یہ کہ اقلیتوں کے حقوق و فوائد اور دیگر متعلقہ اہم مفادات کو واجبی طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

مگر یہ کمیٹی اپنے آپ کو یہ کہنے پر مجبور پاتی ہے کہ مسلم لیگ نے اپنے بیان مورخہ ۱۸ ستمبر ۳۹ء میں جو نہایت اہم نکتے پیش کئے تھے۔ اُنکا ٹھیک ٹھیک اور صراحت کے ساتھ جواب نہیں دیا گیا۔ اور انہیں پورا نہیں کیا گیا ہے۔ لہذا یہ کمیٹی تجویز پیش کرتی ہے کہ برابری کے درجہ پر تعاون حاصل کرنے کے لئے جس کی خواہش ہز ایکسیلنسی نے کی ہے۔ ان معاملات کی مزید وضاحت اور اُن کے متعلق مزید تبادلۂ خیالات ضروری ہے۔ جو مشتبہ چھوڑ دیئے گئے ہیں اور ناقابل اطمینان طور پر پورے نہیں کئے گئے تاکہ مکمل مفاہمت ہو جائے کہ صرف ایسی مفاہمت ہی کے ذریعے سے مسلم لیگ اس معاملہ میں تعاون کر سکے گی۔ جو

نہ صرف مسلمانانِ ہند سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ کُل ملک سے تعلق رکھتا
ہے۔ تجویز کے آئندہ فقرہ میں نہایت ادب کے ساتھ مطالبہ پیش کیا ہے
کہ ہندوستان کے آئندہ دستور کے کل مسئلہ پر از سرِ نو غور کیا جائے۔
اور مسلم لیگ کی پوری پوری رضامندی کو ضروری سمجھا جائے۔
تجویز کے آخری فقرہ میں مشاورتی گروپ کا خیر مقدم کرتے ہوئے اُس
کے متعلق اظہارِ رائے سے اُس وقت تک اجتناب ظاہر کیا جب تک
اُس کے متعلق دستور۔ اختیارات۔ میدانِ عمل۔ اور فرائض پورے
طور پر معلوم نہ ہوں۔

بہرحال تجویز میں سب سے زیادہ مسرت اُس چیز پر ظاہر کی گئی جو مسلم لیگ کی نسبت خود
برطانیہ کے لئے زیادہ مفید تھی یعنی مسلم لیگ کے لئے واحد نمایندگی کی سند اور کانگریس
کو تمام ہندوستان کی نمایندہ نہ تسلیم کرنا۔

کیونکہ واحد نمایندگی کے بلند بانگ دعووں اور برطانیہ کے اس سارٹیفکٹ کے
باوجود آج تک مسلمانوں کو تو کوئی ایک مفاد بھی حاصل نہیں ہوا ہے کہ کانگریسی مظالم کی
تحقیق کی طرف بھی کسی قسم کی کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ البتہ برٹش کو یہ فائدہ ضرور حاصل ہوا کہ احد
نمایندہ جماعت کی ناراضی کی سند پیش کرتے ہوئے آج سنہ ۴۲ء تک ہندوستان کو سیاسی
ترقی سے محروم رکھا گیا۔ اٹلانٹک چارٹر کا بھی اُس کو مستحق نہ قرار دیا گیا اور تحفظ مسلم
کے بہانہ سے تمام دنیا میں اپنی معصومیت اور اسلامی دنیا میں اپنی مسلم نوازی کا پروپیگنڈا
دل کھول کر کیا جاتا رہا اور کیا جا رہا ہے۔

کانگریس کا اقدام اور وزارتوں سے استعفا

مسلم لیگ کے کمزور اور خوشامدانہ رویہ کے خلاف آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ورکنگ کمیٹی نے اپنے اجلاس موّرخہ ۲۳ر اکتوبر بمقام واردھا میں حسب ذیل تجویز پاس کی اور اُس کے اگلے دن یعنی ۲۴ر اکتوبر کو کانگریس کے پارلیمنٹری بورڈ نے اعلان کر دیا کہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۳۹ء تک تمام کانگریسی وزارتیں مستعفی ہو جائیں۔ البتہ صوبہ سرحد کی وزارت کو اس وقت مستثنیٰ کر دیا گیا۔

(تجویز) ورکنگ کمیٹی کی رائے ہے کہ برطانیہ کے جنگی مقاصد بالخصوص ہندوستان کی پوزیشن کی شرح کرنے کی دعوت کے جواب میں وائسرائے نے جو بیان دیا ہے وہ بالکل ناتسلی بخش ہے۔ اور اُس سے اُن تمام لوگوں میں بیزاری ہو گئی جو ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ یہ دعوت نہ صرف ہندوستان کے لوگوں کی طرف سے تھی۔ بلکہ دنیا بھر کے اُن کروڑہا آدمیوں کی طرف سے تھی جو جنگ و تشدد سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ اور محسوس کرتے ہیں کہ امپریلزم اور فیسی ازم لوٹ کھسوٹ جاری رکھ کر جنگ کا باعث بنتے ہیں۔ یہ اپیل اُن تمام لوگوں کی طرف سے تھی جو دنیا میں امن اور آزادی لانا چاہتے ہیں۔

وائسرائے کے بیان میں صرف پرانی ملوکیت پسندی کا اعادہ کیا گیا ہے۔ کمیٹی کا خیال ہے کہ وائسرائے کے بیان میں مختلف پارٹیوں کا ذکر اسلئے کیا گیا ہے کہ برطانیہ کے حقیقی ارادوں کو اس پردے میں چھپایا جائے کمیٹی نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ مخالف پارٹیوں کے طرز عمل سے قطع نظر

برطانیہ اپنے جنگی مقاصد اور ہندوستان کے متعلق اپنی نیک نیتی کا ثبوت پیش کرے۔

کانگریس ہمیشہ اقلیتوں کی حفاظت کی علم بردار رہی ہے۔ کانگریس جس آزادی کا دعویٰ کرتی ہے وہ کانگریس یا کسی دوسرے خاص گروپ یا قوم کی آزادی نہیں بلکہ ہندوستان کے اُن تمام فرقوں کی آزادی ہوگی جن سے پوری ہندوستانی قوم بنتی ہے۔

اس آزادی کو قائم کرنے اور قوم کی خواہش معلوم کرنے کا واحد طریقہ جمہوری نظام ہے اس طرح سب کو پورے مواقع حاصل ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ کمیٹی وائسرائے کے بیان کو نہایت افسوسناک تصور کرتی ہے۔ اور ان معاملات میں برطانیہ کو پوری امداد نہیں دے سکتی۔ کیونکہ ایسا کرنا امپیریلزم کو مضبوط کرنے کے مترادف ہے۔

حالانکہ کانگریس ملوکیت پسندانہ پالیسی کو ہمیشہ ختم کرنے کی داعی رہی ہے اس وقت پہلے قدم کے طور پر ورکنگ کمیٹی تمام وزارتوں کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ اپنے استعفے داخل کر دیں۔

کمیٹی تمام ملک سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے اندرونی جھگڑوں کو ختم کر دیں اور اس نازک وقت میں ہندوستان کی آزادی کے لئے متحد ہو جائیں۔

(مدینہ مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

مسٹر جناح کا شرمناک بیان	ہنگامی حوادث و حالات کا تموّج جماعتوں کے احساس و شعور کو بسا اوقات مفلوج کر دیا کرتا ہے بہت ہی

تھوڑے انسان اُس تموج کے اثرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ البتہ جب وہ تلاطم ختم ہو جاتا ہے تو بسا اوقات جماعتوں کو اپنی شعوری مغلوبیت کا احساس ہوتا ہے آج دنیا اُس قوم کو بہت ہی بُرا سمجھتی ہے جس نے موسٰے علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون کی اور سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ابوجہل و ابو لہب کی حمایت و تائید کی اور حق کے مقابلہ میں باطل کے لئے اپنی جانیں تک قربان کر ڈالیں لیکن درحقیقت اپنے اپنے زمانہ میں یہ قومیں اپنے احساسات و ادراکات کو اُس پروپیگنڈے کے حوالہ کر چکی تھیں جس کی آفرینش طاغوتی طاقتوں نے کی اور جو سیاہ بادلوں کی طرح فضا پر چھا گیا۔

کانگریس کے اس ریزولیشن کے جواب میں ۲۴ر اکتوبر کو مسٹر جناح نے اخبار "مانچسٹر گارڈین" کو جو بیان اشاعت کے لئے دیا۔ اُس کی ذلت اور رسوائی کو اس وقت جذباتی انسان نہیں محسوس کر سکے۔ جو "مسلم لیگ" کے نقطہ مسلم پر مفتون اور از خود رفتہ تھے۔ لیکن آج یقیناً وہ اس بیان کو پڑھ کر شرم محسوس کریں گے مسٹر جناح نے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو اخبار "مانچسٹر گارڈین" میں یہ بیان شائع کرایا۔

> "میں مانچسٹر گارڈین کی اس نوازش کا مشکور ہوں کہ اُس نے مجھے برطانی رائے عامہ کے اوپر اپنے خیالات پیش کرنے کا موقع دیا۔ ہر اوسط انگریز کے لئے اُس پوزیشن کو اچھی طرح سمجھنا مشکل ہے۔ جو کہ آج ہندوستان میں ہم ہندوستانیوں کے روبرو پیش ہے۔ لیکن میں چند خاص باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں اِن سے اُن مشکلات کا ایک تصور بندھ جائے گا جو ہمارے روبرو پیش ہیں۔

مسلمانوں کو ہندوستان میں نمائندہ طرز حکومت تک سے ہمیشہ خوف اور ڈر رہا ہے۔ اور جمہوری طرز حکومت تو اُن کے لئے اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ۱۹۰۶ء کے منٹو مارلے ریفارم اور ۱۹۱۶ء میں ہندو اور مسلمانوں کے تاریخی معاہدہ لکھنؤ کے بعد سے مسلمانوں کی جانب سے جداگانہ انتخاب[1] و پنج اور آئینی تحفظات کا مطالبہ برابر جاری رہا ہے جس سے اُن کے اُن اندیشوں کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن جب سے صوبوں میں صوبجاتی خود مختاری قائم ہوئی ہے۔ اس بارے میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ کانگریس ہائی کمانڈ جس طریقہ پر اپنی پالیسی اور پروگرام پر عمل کر رہا ہے اُس سے یہ بات صاف ہے کہ کانگریس کا واحد مقصد یہ ہے کہ ملک کی ہر دوسری انجمن کو ختم کر دیا جائے۔ اور خود کو بدترین قسم کی نازسسٹ اور مطلق العنان ارگنا تریش کے طور پر قائم کیا جائے۔ ساڑھے تین کروڑ ووٹروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے (جن میں ہماری اکثریت مکمل طور پر جاہل۔ ان پڑھ۔ غیر تربیت یافتہ اور ناسمجھ ہے اور جن پر صدیوں سے پرانی اور بدترین قسم کی توہم پرستی غالب ہے جو تمدنی اور سماجی طور پر ایک دوسرے کے خلاف ہیں) اُنہیں پر

[1] پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جداگانہ انتخاب مسلمانوں کا اپنا مطالبہ نہیں تھا بلکہ [illegible] اور [illegible] کے ذریعے سے ہی یہ مسلمانوں کا مطالبہ تصور کیا گیا۔ اس کے بعد ہندو مسلمانوں میں جو کشیدگی بڑھی۔ اور جو اختلافی مسائل پیدا ہوئے وہ اسی تخم خبیثہ کے برگ و بار ہیں۔ ۱۲ محمد میاں

عمل درآمد سے یہ صاف طور پر ثابت ہوگیا ہے کہ ہندوستان میں پارلیمنٹری قسم کی حکومت کا چلنا ناممکن ہے۔ اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اکثریت والے فرقہ کی حکومت اقلیتوں پر ہمیشہ کے لئے قائم ہوگئی ہے۔ جو کہ اپنے اختیارات کو نیز حکومت کی مشنری کو اقلیتوں پر اپنے فرقہ کا غلبہ قائم کرنے کے لئے استعمال کرتی ہے۔

اس لئے میرے خیال میں دیگر اسباب کے علاوہ جن کے بارے میں میں کسی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ ہندوستان میں جمہوری حکومت کے معنے ہندو راج کے ہوں گے یہ ایک ایسی پوزیشن ہے جس کو مسلمان ہرگز منظور نہیں کریں گے ان کے علاوہ چھ کروڑ اچھوت اور دیگر اقلیتیں ہیں جیسے عیسائی، یہودی۔ پارسی وغیرہ۔ اس لئے بڑے غور و خوض کے بعد مسلم لیگ اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ ہندوستان کے آئندہ آئین کے مسئلہ پہ بالکل نئے سرے سے غور کیا جائے۔ اور ملک معظم کی حکومت کی جانب سے مسلم لیگ کی منظوری کے بغیر کوئی اعلان یا وعدہ نہ کیا جائے۔ جو کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ اور با اختیار جماعت ہے۔

(اس شدومد سے جمہوری طرز حکومت کی تردید کے بعد جو لارڈ زٹلنڈ جیسے فرعون منش وائسرائے اور چرچل۔ زٹلینڈ۔ اور ایمری جیسے ابوجہل و ابولہب کی مرضی اور منشا کے عین مطابق تھی۔ مسلم نوجوانوں کو خوش کرنے کے لئے مسٹر جناح نے ارشاد فرمایا۔)

برطانی پبلک اس مغالطہ میں نہ رہے کہ مسلمان ہندوستان کی آزادی کے خلاف ہیں۔ ہم آزادی چاہتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس قسم کی آزادی۔ مسلم ہندوستان مکمل طور پر آزادی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اور وہ اپنی منشاء کے مطابق اپنی۔ سیاسی اقتصادی سوشل اور تمدنی آزادی چاہتا ہے۔ وہ کسی کا غلبہ نہیں چاہتا۔ اور وہ ہندو ہندوستان کے لئے بھی ایسا ہی چاہتا ہے۔ (مدینہ مورخہ ۷ راکتوبر ۱۹۳۹ء)

مسلم لیگ اور کانگریس کے ریزولیشنوں اور دونوں پارٹیوں کے زعماء کے بیانات سے متاثر ہو کر مدیر مدینہ نے لکھا تھا۔

کانگریس کے ریزولیشن کے ساتھ ایک نظر مسلم لیگ کے ریزولیشن پر بھی ڈال لینی چاہیئے۔ اس لئے نہیں کہ اس کے اندر کوئی خاص بات ہے۔ بلکہ اس خیال سے کہ دونوں پر ایک ساتھ نظر ڈالنے سے ان دونوں جماعتوں کے سمجھنے میں کافی امداد مل سکتی ہے۔ کانگریس ملک کے جانباز، مخلص، اور سرفروش مجاہدین کی جماعت ہے۔ اس لئے اس نے اول تو حکومت برطانیہ کے سامنے مطالبات ایسے پیش کئے جو ہر لحاظ سے قابل قدر اور ایک زندہ اور باوقار جماعت کے شایان شان تھے۔ اور جب حکومت برطانیہ نے اپنی ناواقفیت اور جہالت سے بانشہ قوت میں انہیں ٹھکرا دینا چاہا تو اس جماعت نے اس کے جواب میں وہی قدم اٹھایا جو اس کے شایان شان تھا یعنی اس نے ایک لمحہ کے توقف اور تردد کے بغیر ان کے ساتھ ترک لینے کی ٹھان لی۔

اور اس کے برعکس مسلم لیگ نے جنگ شروع ہونے پر جو ریزولیشن پاس کیا تھا وہ بھی انتہائی ذلیل۔ اور مسلمانوں کے لئے صد درجہ توہین انگیز تھا۔ اور اب جو دوسرا ریزولیشن اس کے سلسلہ میں برطانوی جواب کے بعد پاس کیا ہے وہ بھی ایسا ہی شرمناک اور توہین انگیز ہے۔ ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے مسلم لیگ نے اپنے اجلاس میں مکمل آزادی کا ریزولیشن پاس کیا تھا لیکن بھلا سروں، خان بہادروں، یعنی کاسہ لیسان حکومت کو آزادی سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس نے جو ریزولیشن اعلان جنگ کے بعد پاس کئے ان میں بھولے سے بھی آزادی کا نام نہیں آنے دیا۔ اور اسکے بجائے اپنی پوری قوت اپنے آقایان ولی نعمت کی خوشامد اور ہندوؤں کی بے وجہ مذمت میں صرف کر دی ہے۔ اس جتن کے بعد بھی جب ان کے ذلیل ترین مطالبات شرف پذیرائی حاصل نہیں کر سکے تو بجائے اس کے کہ ان کے اندر کچھ حمیت و غیرت پیدا ہوتی وہ اور زیادہ گڑگڑا کر برطانیہ کے قدموں میں گر پڑے اور اپنے ساتھ اُن تمام غیور اور عزت مند مسلمانوں کو ذلیل کیا جن کے وہ خود ساختہ نمایندے بن بیٹھے ہیں۔

حکومت برطانیہ کے نمایندوں نے ہندوستان کے متعلق جو تقریریں کی ہیں ان کا سب سے زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ حکومت برطانیہ موجودہ جنگ میں ہندوستان کے جان و مال کی قربانیوں کی تو بہت زیادہ

خواہشمند ہے۔ لیکن جمہوریت اور آزادی کے بلند بانگ دعاوی
کے باوجود وہ ہندوستان کو جنگ کے بعد بھی معمولی اختیارات تک
دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ اگر مسلم لیگ اپنے دعوے آزادی میں سچی
ہوتی۔ تو کانگریس کی طرح اُسے بھی ان اعلانات کے اس پہلو کی
تحریری اور عملی مخالفت کرنا فرض سمجھنا چاہئے تھا۔ لیکن اعلانات کے
اس پہلو کی طرف اسے توجہ کرنے کی بھی کوئی ضرورت محسوس نہیں
ہوئی ہاں جو چیز اس کے لئے ان اعلانات اور برطانوی حکومت کے
رویہ میں قابل تسکین اور موجب اطمینان نظر آئی وہ یہ تھی کہ اُس نے
مسلم لیگ کو کانگریس اور دیگر جماعتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی نمائندہ
جماعت تسلیم کر لیا۔ چنانچہ ریزولیشن کی ابتدائی سطور ہی میں اس
مزعومہ نمائندگی کے مسلم ہونے کا پُر فخر انداز میں تذکرہ کیا گیا حالانکہ
اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حکومت نے مسلم لیگ کو یہ اعزاز واقعی
بخشدیا ہے تو یہ کچھ زیادہ خوش ہونے کی بات نہیں تھی ممبران مسلم
لیگ نے جنگ کے سلسلہ میں برطانیہ کی جو خدمات انجام دی ہیں
اور دینے والے ہیں کیا اُن کی قیمت اتنی بھی نہیں کہ مسلم لیگ کو مسلمانوں
کی نمائندگی کی سند دیدی جائے۔ درآنحالیکہ اس وقت برطانیہ
کا فائدہ بھی اسی میں ہے۔ (زمزم ۲۸ اکتوبر ۳۹ء)

حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے (جو اُس وقت جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ
تھے) ایک بیان میں فرمایا۔

وائسرائے ہند کے مایوس کن اعلان اور وزیر ہند کے اس بے موقعہ تبصرہ نے تمام ہندوستان کے آزادی پسند طبقے کے دلوں کو مجروح کر دیا ہے۔ کانگریس نے اس بیان کا جس طرح خیر مقدم کیا وہ کانگریس کی پچاس سالہ روایات کے بالکل مطابق ہے۔

لیگ کے فیصلہ پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس نازک موقع پر وائسرائے کو مسلمانوں کی ایک جماعت کی ضرورت تھی۔ جس کو وہ اپنا آلہ کار بنا کر کانگریس کو شکست دیں اور مسلمانوں کے کاندھوں پر رکھ کر بندوق چلائیں۔ اگر مسلم لیگ اس وقت اس خدمت کے انجام دینے کے لئے تیار نہ ہوتی اور مسٹر جینا واحد نمائندگی کے جال میں نہ پھنس جاتے تو وائسرائے ہند سر سکندر حیات وغیرہ سے ایک مسلم کانفرنس کی تشکیل کراتے۔ اور اس کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کے لقب سے سرفراز کرتے لیکن گورنمنٹ کو اس قسم کی دشواری پیش نہ آئی اور مسٹر جینا اس جال میں پھنس گئے۔

اب ہندوستان کی ترقی اور آزادی کی راہ میں ہر موقع پر وائسرائے ہند مسٹر جینا اور ان کی لیگ کو استعمال کریں گے۔

آخر میں آپ نے فرمایا۔ میں نہایت صفائی کے ساتھ اس امر کو ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ مسٹر جینا نے اگر وائسرائے کو مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں امداد اور تعاون کا یقین دلایا تو وہ نہ صرف

اپنے آپ کو دھوکہ دیں گے بلکہ وائسرائے کو بھی غلطی میں مبتلا کرنے کی کوشش کریں گے۔

(مدینہ ۵ ر نومبر ۱۹۳۹ء)

تجویز استعفا کانگریسی وزارتوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ۳۱ ر اکتوبر تک استعفے کی تجویز اسمبلی میں منظور کرا کر گورنروں کے پاس بھیجدیں۔ چنانچہ پورے جوش اور ولولے کے ساتھ تمام وزارتوں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ ہم ذیل میں صرف وہ تجویز نقل کرتے ہیں جو یو۔پی۔ کے وزیر اعظم مسٹر ولبھ پنتھ نے ۲۷ ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو یو۔پی۔ اسمبلی میں پیش کی۔ دوسری وزارتوں کی تجاویز بھی اسی مفہوم کو ادا کرتی ہیں مگر اتنی جامع اور واضح نہیں۔

جناب والا — میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ یہ اسمبلی اس امر پر اظہار افسوس کرتی ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ نے ہندوستان کے لوگوں کی رضامندی حاصل کئے بغیر ہندوستان کو اُس جنگ میں شریک کر لیا ہے جو برطانیہ اور جرمنی کے مابین ہو رہی ہے۔ اور ایسی تدبیریں اختیار کی ہیں جن سے صوبجاتی حکومتوں کی کارروائیاں محدود اور اُن کے اختیارات کم ہو گئے ہیں۔

یہ اسمبلی گورنمنٹ سے سفارش کرتی ہے کہ وہ حکومت ہند کو اور اُس کے توسط سے حکومت برطانیہ کو اس امر سے مطلع کر دے کہ ہندوستان کے لوگوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے یہ امر بے حد ضروری ہے کہ اُن مقاصد جنگ کے مطابق جن کا اعلان برطانیہ کی جانب سے بار بار ہوا ہے۔ جمہوریت کے اصول کا اطلاق

ہندوستان پر بھی اس طرح کیا جائے جس طرح اور اقوام پر کیا جا رہا ہے۔ نیز ہندوستان کی پالیسی ہندوستان کے باشندے ہی طے کریں۔ نیز ہندوستان ایک آزاد ملک تسلیم کیا جائے جس کو اس امر کا حق حاصل ہو کہ وہ اپنا نظام حکومت خود وضع کرے۔ اور یہ بھی کہ جہاں تک ہو سکے جلد از جلد ہندوستان کے موجودہ طریق حکومت پر اس اصول کو منطبق کرنے کے لئے مناسب کارروائی کی جائے۔ اس اسمبلی کو افسوس ہے کہ ملک معظم کی حکومت نے اس بیان کو صادر کراتے وقت جو اس کی جانب سے ہندوستان کے بارے میں کیا گیا ہے ہندوستان کی حالت کو ٹھیک طرح نہیں سمجھا۔ ہندوستان کے مطالبہ کو پورا کرنے میں گورنمنٹ برطانیہ نے جو کوتاہی کی ہے اُس کی وجہ سے اس اسمبلی کی رائے ہے کہ یہ گورنمنٹ برطانوی پالیسی سے اپنے کو وابستہ نہیں کر سکتی۔ (مدینہ ۹ نومبر ۱۹۳۹ء)

اس موقعہ پر اگر برطانوی سامراج انصاف اور ہوشمندی سے کام لیتا اور وہ پیشکش جو دو سال بعد ۱۹۴۲ء میں کرپس کے ذریعہ پیش کی اس وقت پیش کر دیتا تو کانگریس یقیناً منظور کر لیتی۔ اُس وقت تک حالات اتنے نازک نہ ہوئے تھے۔ اور نہ مطالبات نے شدت اختیار کی تھی۔

چنانچہ سر اسٹیفورڈ کرپس نے کانگریس کے بیان کو معقول قرار دیا۔ مگر پارلیمنٹ کی اکثریت اس کے خلاف تھی۔ چنانچہ وزارتوں کے استعفے سے متعلق کانگریس کی تجویز جو ۲۳ر اکتوبر کو پاس ہوئی تھی اُس کے جواب میں ۲۶ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو "سر سموئل ہور" پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

جہاں تک مرکز میں براہ راست اور فوری ذمہ داری کا تعلق ہے۔ سو جب تک ہندوستان کے طبقوں اور قوموں کے درمیان اختلافات باقی ہیں۔ اس وقت تک کسی تاریخ مقررہ کو مرکز میں فوری اور مکمل ذمہ دار حکومت قائم کرنے کا مطالبہ منظور کرنا ناممکن ہے۔ آپ نے کانگریس کا ارادہ عدم تعاون کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ ملک معظم کی حکومت ضرور چلائی جائے گی۔ اور اُسے قابلیت طاقت اور انصاف سے چلایا جائے گا۔ اور وسیرائے کو پوری پوری امداد دی جائے گی۔ (مدینہ یکم نومبر ۳۹ء)

اس عزم والدادہ کی تکمیل کے لئے ضرورت تھی کہ ہندو مسلم اختلافات کو اور اُچھالا جائے۔ وزارتوں کے استعفٰے سے جو ہمہ گیر اثر ملک پر پڑ سکتا تھا اُس کے ردعمل کے لئے ہمہ گیر شکل بھی اختیار کی جائے۔ اور کانگریس کو زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے۔

چنانچہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسٹر جناح اور اُن کی لیگ نے نہایت عمدگی سے دانستہ یا نادانستہ طور پر "یوم نجات" مناکر شاہنشاہیت پرستوں کے اس مقصد کو پورا کر دیا

مسٹر جناح کی تاریخی ستم ظریفی۔ یوم نجات

دہلی میں مسٹر جناح اور پنڈت نہرو کی جو ملاقات ہوئی تھی اُس کے بعد پنڈت نہرو کو توقع تھی کہ یہ سلسلہ جاری ہوگا اور سمجھوتہ کی کوشش بار آور ہوگی چنانچہ یکم دسمبر کو پنڈت نہرو نے مسٹر جناح کو الہ آباد سے خط لکھا۔ کہ جب دہلی میں ہماری ملاقات ہوئی تھی تو یہ فیصلہ ہوا تھا کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بات چیت کرنے کے لئے ہم پھر ایک دوسرے سے ملیں گے۔ میں آپ کے خط کا منتظر ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ جوں ہی آپ کوئی تاریخ

مقرر کر سکیں گے تو مجھے مطلع کر دیں گے۔ مگر پنڈت نہرو اور عام اہل ملک کی توقعات کے برخلاف مسٹر ایم ۔ اے جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے ۶ر دسمبر کو بمبئی سے مندرجہ ذیل بیان شائع کیا۔

میری خواہش ہے کہ ۲۲ر دسمبر کو جمعہ کے دن مسلمانان ہند یوم نجات منائیں اور بطور اطمینان خدا کا شکریہ ادا کریں کہ بالآخر کانگریسی حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تمام ہندوستان کی صوبجاتی۔ ضلع اور ابتدائی مسلم لیگیں اس دن عام جلسے کر کے مندرجہ ذیل ریزولیشن پاس کریں گی۔ اس عام جلسہ کی رائے ہے کہ کانگریسی حکومتوں نے اپنی فیصلہ کن غیر مسلم پالیسی سے کانگریس کے اس دعوے کو بالکل غلط ثابت کر دیا کہ وہ منصفانہ طریقہ پر ایمانداری کے ساتھ تمام مفادوں کی نمایندگی کرتی ہے۔ اس جلسہ کی قطعی رائے ہے کہ کانگریسی وزارت مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کی حفاظت کرنے میں ناکامیاب رہی ہیں ۔ لہٰذا یہ جلسہ مختلف صوبوں میں کانگریس کے راج کے خاتمہ پر گہرے اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔ اور آج کے دن کو یوم نجات منانے میں بڑی مسرت محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ ڈھائی سال تک جو ظلم زیادتی اور ناانصافی ہوتی رہی ہے اُس سے نجات مل گئی۔

یہ جلسہ ہز ایکسیلنسی گورنر (صوبہ) اور اُن کے مشیروں کی کونسل سے درخواست کرتا ہے کہ مسلمانوں کی جائز شکایتوں اور اُن کے ساتھ سابق کانگریسی حکومتوں نے جو ناانصافیاں کی ہیں اُن کی تحقیقات کی جائے۔ اور گورنروں

نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۹۳ کے ماتحت مختلف صوبجاتی حکومتیں
اپنے ہاتھ میں لیتے وقت جو اعلان کئے تھے اُن کی رُو سے مسلمانوں کی ان
جائز شکایتوں کو جلد سے جلد دور کر کے عوام کو یقین دلایا جائے کہ نئی حکومت
تمام اقلیتوں اور متعلقہ مفادوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہتی ہے۔

(مدینہ ۹/۲۸ ۱۳ دسمبر ۳۹ء)

• **تبصرہ** کانگریسی وزارتوں نے بطور احتجاج استعفا دیا تھا۔ برطانوی حکومت نے تو اُن
سے استعفا طلب کیا تھا نہ بظاہر یہ اُس کی خواہش تھی۔
جس معاملہ پر استعفا دیا تھا اُس کا تعلق صرف ہندوؤں سے یا صرف کانگریس پارٹی سے
نہیں تھا بلکہ پورے ملک کی حمیت۔ خودداری، اور پورے ملک کے مفاد سے اور حکومت
برطانیہ کی اُس غلط پالیسی سے اُس کا تعلق تھا جس کے نتیجہ میں قحط بنگال جیسا حادثہ پیش
آسکتا تھا۔ چنانچہ نمونہ محشر بن کر یہ تباہ کن سانحہ پیش آیا۔
یہ بہت ممکن تھا کہ کانگریس اور برطانوی حکومت کا اُسی زمانہ میں سمجھوتہ ہو جاتا۔ اور وہی
وزارتیں چند روز بعد برسر اقتدار آجاتیں جن کے استعفے پر یہ خوشیاں منائی جا رہی تھیں
اور یہ بھاجڑ اغان کئے جا رہے تھے۔ ورنہ انڈیا ایکٹ ۳۵ء کی موجودگی میں یہ تو یقینی امر
تھا کہ جب بھی جنگ کے بادل چھٹ جائیں گے اور حالات اعتدال پہ آئیں گے تو اقتدار
انہیں وزارتوں کے سپرد ہوگا ان حالات میں کانگریسی وزارتوں کے استعفا دینے اور
انگریزی ہاتھوں میں اقتدار پہونچ جانے پر یوم نجات منانے کو اگر انتہا درجہ حماقت۔
ناعاقبت اندیشی۔ کم ظرفی۔ اور تنگ نظری نہ کہا جائے۔ تو پھر اس کے سبب دو ہی ہو سکتے ہیں
(۱) یہ اعتماد کہ برطانوی سامراج اس بہانہ سے انڈیا ایکٹ ۳۵ء کو یک قلم منسوخ کر کے پھر

ہندوستان کو سرزمین بے آئین بنا دے گا۔ اور ربع صدی پیشتر کی بوسیدہ اور دفن شدہ سامراج نواز سیاست کو پھر زندہ کرے گا۔

(۲) یہ اعتماد کہ بے جا تعلق۔ چاپلوسی اور ذلیل ترین کاسہ لیسی اور خوشامد کے صلہ میں انگریز کوئی ایسا دستور آئین ہندوستان کو عطا کرے گا جس میں اکثریت نظر انداز ہو۔ اور اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ ورنہ کم از کم کوئی ایسی صورت ہو کہ کانگریسی وزارت لازمی طور پر لیگ کی محتاج ہو مسٹر جناح کے ساتھ اگر ہم حد درجہ حسن ظن سے کام لیں تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ دوسری صورت ہی اُن کے پیش نظر تھی مگر افسوس اس سے مسٹر جناح کی ہوشمندی اور سیاست دانی کا پتہ نہیں چلتا بلکہ اُن کی انتہا درجہ سادہ لوحی کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ انقلاب پذیر سیاست کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں کیونکہ انقلابات عالم کی تاریخ کا یہ کھلا ہوا فیصلہ ہے کہ طوفان انقلاب معاف کرنا نہیں جانتا۔ وہ صرف اُسی کے سامنے جھکتا ہے جو انقلاب کا علم بردار ہو۔ عدالت انقلاب میں جو حکم فرعون و ہامان کو دیا جاتا ہے وہی حکم اون کے جنود۔ اُن کے اعوان و انصار کے لئے بھی صادر ہوتا ہے۔ نری فرعون وھامان وجنودھما ما کانوا یحذ رون (ع ۱ سورہ قصص) ۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ فرعون و ہامان اور اُن کے اعوانُ انصار کے تمام لشکروں کو (اُس انقلاب کا تماشہ) دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔

لہذا انگریز کی خوشامد کر کے مسلمانوں کے فلاح و بہبود کی توقع رکھنا۔ ریت کے تودہ پر بنیاد قائم کرنے کے مرادف ہے۔ علاوہ ازیں جب کہ مسٹر جناح اور انکی لیگ دیکھ چکی تھی کہ وائسرائے نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں کانگریسی وزارتوں کے مظالم کے متعلق لیگ کے مطالبہ کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے۔ تو اس کے باوجود انگریز کو خوش کرنے

اور کانگریس کو ذلیل کرنے کی کوشش کرنا۔ اور ہندو مسلم منافرت کے جذبات کو ہوا دینا کسی طرح بھی دانشمندی کا کام نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہی خیال درست ہوسکتا ہے کہ عام مسلمانوں کی قیادت۔ اور شوق لیڈری نے مسٹر جناح سے وہ حرکتیں کرائیں جو مفاد ملک وملت کے بھی مخالف تھیں اور خودداری اور غیرت مندی کے بھی مخالف۔

حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِم۔ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا کر دیتی ہے۔

کانگریسی مظالم کا واویلا اور شرمناک انجام

مندرجہ ذیل امور سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(۱) تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی (جو تقریباً ڈیڑھ سو برس کے برطانوی سامراج کا سنگ بنیاد بنی ہوئی ہے) ہندوستانیوں کے دماغوں پر بہت کافی اثر کر چکی ہے۔

جمعیۃ علماء اور کانگریس جو اس زہریلے اثر کو اٹھانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اب تک پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکیں۔ اور نہ تیسری طاقت کی موجودگی میں اُن کو مکمل طور پر کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔

(۲) جداگانہ انتخاب اس تفرقہ انگیز سامراجی پالیسی کا سب سے بہتر حربہ اور سب سے زیادہ تیز اور دھاردار آلہ ہے ہندو اور مسلمانوں کی دائمی منافرت اس تخم خبیث کا پھل ہے اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے لیجسلیچر اور قانون ساز اسمبلیوں میں مذہبی بنیادوں پر پارٹیاں بنتی ہیں۔ اور ایک مذہبی جماعت۔ حزب الاختلاف (اپوزیشن) ہوتی ہے۔

دور حاضر کی دنیا سیاست میں یہ طرفہ تماشہ انگریزی ڈپلومیسی کی برکت سے ہندوستان کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہندوستان کے علاوہ دنیا بھر میں کسی ملک میں بھی مذہبی بنیاد پر سیاسی پارٹیاں نہیں قائم ہوتیں۔ حالانکہ مذہبی اختلاف ہر ملک میں موجود ہیں۔

یہ طرز انتخاب ہندو کو مسلمانوں سے قطعاً بے نیاز رکھتے ہوئے اُس کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اکثریت کے بل بوتے پر جو قانون چاہے منظور کرے۔ اور مسلمانوں کے مطالبہ کو اپوزیشن پارٹی۔(حزب الاختلاف) کا نظریہ قرار دے کر اس طرح نظر انداز کردے جس طرح برطانوی پارلیمنٹ کی برسر اقتدار جماعت اپنے مخالف پارٹی کو نظر انداز کر دیتی ہے۔

(۳) کانگریس کے مقابلہ میں اگر ہندو مہاسبھا کامیاب ہوتی تو انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی رو سے اُس کو حق تھا کہ وہ خالص ہندو منسٹری بنا لیتی۔ اور کھلے طور پر ہندو کلچر اور ہندو جذبات کو لیجسلیچر پر مسلط کر دیتی مگر مسلمانوں کی خوش قسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔ ہندو مہاسبا رجعت پسند رہی۔ اور ہندوؤں کے بڑھتے ہوئے جذبہ حریت کو وہ برداشت نہ کر سکی۔ البتہ کانگریس نے جذبات حریت کی قدر کی اور اپنی حریت پرور قربانیوں کے باعث وہ کامیاب ہوگئی۔ چونکہ کانگریس کسی خاص مذہب کی نمائندہ نہیں بلکہ وہ پورے ہندوستان کی تمام اقوام کی مشترک جماعت ہے۔ لہٰذا اُس کی وزارت بھی ہندو وزارت نہیں بلکہ مشترک وزارت ہے۔ کانگریس کی کامیابی نے مسلمانوں کو موقع دیا کہ وہ کانگرسی وزارتوں میں مسلمانوں کی شرکت کا مطالبہ کریں۔ اور کانگریس گورنمنٹ سے یہ توقع رکھ سکیں کہ وہ اُن کے حقوق کی بھی ایسی ہی محافظ ہوگی جیسے ہندوؤں کے حقوق کی۔

(۴) مذکورہ بالا حقیقت کے پیش نظر کانگریسی وزارتوں کو ختم کرنے اور ناکام کرنے کے دوسرے معنے صرف یہ ہیں کہ اپنے حقوق کو ختم کیا جائے اور ہندو مہاسبا کی ہندو وزارت کو کامیاب کرنے کی کوشش کی جائے۔ مگر افسوس لیگ نے اس حقیقت پر کبھی نظر نہیں ڈالی اُس نے عوام کے جذبات کو اپنی اغراض کا کھلونا بنایا۔

(۵) یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ کانگریس منسٹری کی حقیقت کو عام ہندو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے۔ اور چونکہ جداگانہ انتخاب کی بنا پر صرف ہندوؤں کے ووٹ نے ہندوؤں کو وزیر بنایا تھا لہذا ایک متعصب اور شرارت پسند طبقہ کو یہ خیال ہو گیا کہ وزارت اُن کے منہ وانہ جذبات کی حمایت کرے گی۔ کانگریس منسٹری کے لئے یہ پوزیشن انتہا درجہ تشویش ناک اور پریشان کن تھی۔ اس طبقہ نے کانگریس منسٹری کو مسلم پرست اور مسلمانوں کے خوشامدی کہکر ہندو حلقہ میں اُس کے اعتماد کو ختم کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اور اگر جنگ کے امتحان گاہ میں بلا تامل استعفے پیش کر کے کانگریسی وزارتوں نے اپنی حریت پسندی اور ایثار و خلوص کا حیرت انگیز ثبوت نہ دیدیا ہوتا تو کانگریسی وزارتوں کی پوزیشن اور بھی زیادہ کمزور ہو جاتی۔

(۶) جداگانہ انتخاب کی موجودگی میں لیگ کی کامیابی کا آسان راستہ یہی تھا کہ وہ ہندو مسلم منافرت کی خلیج کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرتی رہے۔ اس راستہ کے اختیار کرنے میں کسی قربانی کی ضرورت نہ تھی۔ صرف پروپیگنڈے کی ضرورت تھی جس کو لیگ نے بخوبی انجام دیا۔ اور چونکہ یہ راستہ برطانیہ کے مفید مطلب تھا لہذا برطانیہ کی پوری امداد قدرتی طور پر لیگ کی حامی اور پشت پناہ رہی۔ اور تمام سرکار پرست طبقہ لیگ کا دل و جان سے مؤید بن گیا۔

کانگریسی وزارتوں کے قیام کے بعد لیگ نے اپنی بقاء اور ترقی کے لئے اسی راستہ کو اختیار کیا۔ اور قربانی۔ باجا۔ اذان وغیرہ کے سلسلہ میں جو ہندو مسلم فسادات جداگانہ انتخاب کے بعد سے آجتک ہر سال روز افزوں تعداد میں ہوتے رہے تھے۔ اور جن کے متعلق ہر ایک ہندوستانی کو معلوم ہے کہ ہندو مسلمانوں کے بجائے اُن کی اصل

تحریک اور اصل تخم ریزی کسی اور طاقت کی طرف سے ہوتی تھی۔ انہیں فسادات کی بنیاد پر کانگریسی مظالم کے افسانوں کی تصنیف شروع ہوگئی۔ ہر قسم کی دروغ بافی اور رنگ آمیزی سے کام لے کر ایک الف لیلہ تیار کر لیا گیا۔

لیکن اس داستان الف لیلہ کی حقیقت کی نقاب کشائی کے لئے مندرجہ ذیل دلچسپ اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) مسٹر جناح نے اپنے ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء کے بیان میں ارشاد فرمایا۔

کانگریسی وزارتوں کے متعلق شکایات کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ مسلم لیگ کونسل کو ان شکایات کے احصاء اور تحقیقات کے لئے مارچ ۱۹۳۸ء میں پیرپور کمیٹی مقرر کرنا پڑی جس نے کامل تحقیق و تفتیش کے بعد تمام کانگریسی وزارتوں کے اعمال و افعال کی روئداد مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں پیش کیں جو ۱۹۳۸ء میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس میں حسب ذیل ریزولیشن پاس کیا گیا۔

ان مظالم کے پیش نظر جو کانگریسی صوبوں میں ڈھائے گئے ہیں اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ ان صوبوں میں مسلمان باشندوں کے ابتدائی حقوق منظم طریق پر پامال کئے گئے ہیں نیز اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ ان صوبوں کی حکومتیں مسلمانوں کی تمام آئینی کوششوں کے باوجود اُن کی شکایات دور کرنے اور اُن کی حفاظت کرنے سے قاصر رہی ہیں آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس اپنی اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ وقت آگیا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو اختیار دے دیا جائے کہ جب اور

جہاں ضرورت پیش آئے وہ سول نافرمانی کرنے کا فیصلہ اور اس کا اجراء
کرے۔

(مدینہ مورخہ ۲۱ر دسمبر ۳۹ء)

اس تجویز کے بعد مسلم لیگ کے واویلا کے پیش نظر توقع کی جاتی تھی کہ سول نافرمانی شروع کر دی جائے گی۔ مگر ایک سال سے زائد عرصہ ہو گیا مجلس عاملہ کو اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ سول نافرمانی کے لئے کوئی جگہ اور تاریخ متعین کرے۔ کیونکہ اس کا تعلق عمل سے تھا۔ اور لیگ کو عمل سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور اس کو صرف جھوٹے پروپیگنڈے سے دلچسپی ہے۔

اسی بیان میں مسٹر جناح صاحب سول نافرمانی شروع نہ کرنے کی معذرت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> اسی عرصے کے دوران میں سول نافرمانی کی جانب رجوع کرنے سے احتراز کے لئے گورنروں اور گورنر جنرل پر بالمشافہ اور بذریعہ نامہ و پیام بار بار زور دیتا رہا کہ وہ اپنے خاص اختیارات کو کام میں لاکر اقلیتوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ کریں جن کو دستور اساسی کے ماتحت ان کی حفاظت میں دیا گیا ہے۔ میرے اس مطالبہ کے جواب میں وائسرائے نے مجھے ۱ر اپریل ۱۹۳۹ء کو مطلع کیا کہ وہ اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں۔

(مدینہ مورخہ ۲۱ر دسمبر ۳۹ء)

(۲) پیرپور رپورٹ کی اشاعت کے بعد مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے مسٹر جینا اور لیگ کو چیلنج کیا۔

ف ۱۔ یہ ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ قوم پرور علماء کو تبرا کے سلسلہ میں شکایت پیدا ہوئی تو انہوں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی زیر قیادت یو۔ پی کی کانگریسی منسٹری کے مقابلہ میں سول نافرمانی شروع کر دی اور چند ماہ کی جد و جہد میں اپنا مطالبہ تسلیم کرا لیا ۱۲ محمد میاں

میں متعدد بار اعلان کر چکا ہوں اور پھر اپنی پوری ذمہ داریوں کے احساس
کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ کانگریس وزارتوں کے خلاف تمام متذکرہ
الزامات قطعاً بے بنیاد اور جھوٹ کے پہاڑ ہیں۔ مسٹر جینا یا کوئی اور شخص
جو ایسے الزامات عائد کرتا ہے۔ اُس کا فرض ہے کہ دنیا میں جو طریقے رائج
ہیں اُن میں سے کسی ایک طریقہ سے کام لے کر ان الزامات کو صحیح ثابت
کرے۔ اور اگر ایسا کوئی نہیں کر سکتا تو پھر دنیا میں ہر سمجھدار شخص اُن سے
یہی توقع کرے گا کہ وہ اپنی زبان اور قلم کو قابو میں رکھیں۔ اس سلسلہ میں
میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسٹر جینا نے جو الزامات عائد کئے ہیں اگر ان کا
کوئی ادنیٰ جز بھی ثابت کر دے تو میں اس کے بعد کانگریس وزارتوں کو
چوبیس گھنٹے بھی قائم رکھنے کی مہلت نہ دوں گا (اقتباس از انیول
رجسٹر ۱۹۳۹ء صلا تا ۵۰) (وبیان امرت بازار پتریکا بحوالہ انیول رجسٹر
۱۹۴۵ء ص ۳۳)۔

(۳) ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو گاندھی جی نے "ہریجن" اخبار میں "اکثریت کا افسانہ" کے
عنوان سے ایک بیان شائع کیا۔ آپ نے اُس بیان میں فرمایا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ جناب جناح صاحب نے صدر کانگریس کی اس تجویز کا
کہ کانگریسی وزارتوں کے خلاف اقلیتوں کی مبینہ شکایات کی تحقیقات
کسی غیر جانبدار ثالثی ٹریبونل سے کرائی جائے جواب دیا ہے کہ انھوں نے
اقلیتوں کا کیس وائسرائے ہند کے سامنے رکھدیا ہے۔ اور درخواست
کی ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت اس سلسلہ میں ضروری

کارروائی کریں۔ اُنھوں نے یہ بھی لکھا کہ معاملہ اب ویسرائے کے زیر غور ہے۔ اور وہ ایسے معاملات کے متعلق کارروائی کرنے کے مجاز ہیں۔ اور یہ امید ظاہر کی ہے۔ کہ وہ ان صوبوں کے متعلق جن کا نظم و نسق کانگریس منسٹریوں کے ہاتھ میں ہے۔ مسلمانوں کا اطمینان کرائیں گے اور اُن کی جان و مال کی حفاظت کا انتظام کرکے مسلمانوں کے دل میں پیدا شدہ شکوک کو رفع کریں گے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ مسٹر جناح صاحب نے صدر کانگریس کی جائز اور مناسب تجویز رد کر دی ہے۔

بہرکیف مسٹر جناح صاحب کی نیت خواہ کچھ ہو۔ کسی شخص کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا کہ وائسرائے ہند ان الزامات کی تحقیقات کرائیں۔ جو مسلم اقلیت کی طرف سے کانگریس گورنمنٹوں پر لگائے گئے ہیں۔

برعکس اس کے ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ اس قسم کی تحقیقات جلد از جلد شروع ہو جائے گی۔

مسلمان اکثریت میں ہیں یا اقلیت میں اُن کے اور دوسرے تمام فرقوں کے مذہبی۔ سیاسی۔ مجلسی اور تمدنی حقوق اور مراعات ایک مقدس ٹرسٹ ہیں جس کی نہایت اچھی طرح حفاظت ضروری ہے۔ کیونکہ جب ہندوستان کی آزادی کا چارٹر مرتب کیا جائے گا۔ تو مسلمانوں اور دوسری حقیقی یا مبینہ اقلیتوں کی رائے بھی اس پر اثر انداز ہو گی۔

(مدینہ مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء ۱۴ رمضان ۱۳۵۸ھ)

پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

گذشتہ سال دو سال کے عرصہ میں مجھے کسی اور بات سے زیادہ حیرانی اور دکھ نہیں ہوا جتنا اس بات سے کہ مسلمانوں کی طرف سے کانگریسی وزارتوں پر جیران کن الزامات لگائے جا رہے ہیں اور یہ کہا جا رہا ہے کہ کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہے ہیں۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ کانگریسی گورنمنٹوں سے بھی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں اور ہوئی ہیں لیکن میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ جہاں تک اقلیتوں کے ساتھ سلوک کا تعلق ہے۔ کانگریسی وزارتوں نے ہر ممکن احتیاط کی ہے کہ ان کی کسی کارروائی سے اقلیتوں کے حقوق اور مراعات میں دست اندازی نہ ہونے پائے۔ ہم نے کئی بار کہا ہے کہ ان الزامات کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائے۔ لیکن الزامات لگانے والوں نے آج تک ہماری پیشکش کو شرف قبولیت نہیں بخشا۔ اور بے بنیاد الزامات در الزامات کا لامتناہی سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ (مدینہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۹ء)

سردار پٹیل صدر کانگریس پارلیمنٹری بورڈ نے مسٹر جناح کو ایک خط میں لکھا۔ میری ہدایت پر ہر وزیر اعظم نے اپنے صوبے کے گورنر سے یہ درخواست کی کہ جب کبھی گورنر یہ سمجھیں کہ وزارت صحیح راستہ پر نہیں وہ بلا پس و پیش ایسے معاملات میں جن کا اثر اقلیتوں کے مفاد یا حقوق پر پڑنے کا امکان ہو مداخلت کریں۔ حال ہی میں جب مسٹر جناح نے الزامات لگائے تھے میں نے ہر وزیر اعظم کو دوبارہ ہدایت کی کہ وہ ہر گورنر کی توجہ الزامات کی طرف بھی مبذول کرائیں کیونکہ اس کا ان سے بھی تعلق ہے۔ لیکن مجھے یہ اطلاع ملی کہ گورنر ان الزامات کو بے بنیاد قرار دے رہے ہیں۔ (بیان مسٹر محمد علی جناح مدینہ ۱۷ دسمبر ۱۹۳۹ء)

مسٹر جناح صاحب نے ان بیانات کے جواب میں اپنے بیان مورخہ ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۹ء میں فرمایا۔

بابو راجندر پرشاد (صدر انڈین نیشنل کانگریس) نے ۱۵ر اکتوبر کو خط لکھا کہ کانگریس سر مارس گائر۔ (چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف انڈیا) یا کسی دوسرے موزوں اور مناسب شخص سے یہ درخواست کرنے کے لئے تیار ہے کہ وہ کانگریسی وزارتوں کے خلاف لگائے ہوئے الزامات میں سے خاص خاص الزام کی تحقیق عمل میں لائیں۔ لیکن میں نے (مسٹر جناح نے) حسب ذیل وجوہ سے اس تجویز کو غیر معقول اور ناقابل عمل قرار دیا۔

(۱) قانون اور آئین کی رو سے کانگریس ورکنگ کمیٹی کو کانسٹی ٹیوشن میں کوئی حق اور اختیار حاصل نہیں ہے۔

(۲) مسلمان اور دوسری اقلیتوں کی شکایات بعض صوبجات کی گورنمنٹ کے خلاف تھیں کہ جو اپنے افعال کی جوابدہ قانون ساز جماعتوں اور منتخب کنندگان کے سامنے تھیں نہ کہ ورکنگ کمیٹی کے روبرو۔

(۳) ورکنگ کمیٹی کا مجوزہ ریزولیشن اس خیالی ٹریبونل کو گواہان کے طلب کرنے اور ان سے سچ بولنے کا حلف اٹھوانے کا اختیار نہیں دے سکتا تھا۔ نہ ٹریبونل ضروری کاغذات ثبوت کے پیش کرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

(۴) یہ ٹریبونل اپنی رپورٹ کس کے روبرو پیش کرے گا۔ اور اگر ضرورت پڑی تو ریزولیشن کے خلاف کارروائی کرنے کا کون مجاز ہوگا۔

اگر خود ورکنگ کمیٹی یہ آخری عدالت مجاز ہوگی تو میں اس رائے کا اظہار پہلی ہی مرتبہ کر چکا ہوں کہ ناانصافیوں اور زیادتیوں کی پہلی ذمہ داری خود اس ورکنگ کمیٹی پر عائد ہوتی ہے۔ اور میری سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ کوئی مؤثر کارروائی وزارتوں کے خلاف کیونکر کر سکے گی جب کہ ورکنگ کمیٹی اس کا فیصلہ کر چکی کہ تمام شکایتیں بے بنیاد ہیں۔ چنانچہ میں نے بابو راجندر پرشاد کو اطلاع دیدی کہ میں یہ کل مسئلہ گورنر جنرل کے روبرو اس درخواست کے ساتھ پیش کر چکا ہوں کہ وہ اقلیتوں کے حقوق کی محافظت اور اُن کے ساتھ انصاف کرانے کے مسئلہ میں بلا تاخیر اقدام کریں۔ (مدینہ بجنور مورخہ ۲۱ر دسمبر ۱۹۳۹ء)

بیشک برطانوی پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کے بموجب وزارتوں پر کانگریس ورکنگ کمیٹی کو قانونی اختیار حاصل تھا۔ مگر خود کانگریس کے دستور و آئین کے بموجب یہ وزارتیں نہ صرف ورکنگ کمیٹی بلکہ اُس کے بنائے ہوئے پارلیمنٹری بورڈ کے سامنے جواب دہ اور اُس کے احکام کی پابند تھیں چنانچہ مسٹر جناح خود دیکھ چکے تھے کہ مجلس عاملہ کی ایک تجویز پر بلا تردد و تامل۔ صرف ایک ہفتہ کے اندر تمام منسٹروں نے وزارت کے قلمدانوں کو توڑ دیا۔ کرسیوں پر لات ماردی۔ اور گورنمنٹ ہاؤس اور کونسل ہاؤس کے عالیشان اور پُر تکلف محلات کو چھوڑ کر جیل خانوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں پہنچ گئے۔ علاوہ ازیں یہ ممکن تھا کہ مسٹر جناح کانگریس ہائی کمانڈ کے سامنے ان دشواریوں کو پیش کر کے متفقہ طور پر حل تجویز کر لیتے۔ اگر بالفرض کانگریس ہائی کمانڈ حل پیش کرنے سے قاصر رہتا تب وائسرائے ہند کی طرف رجوع

کرتے اور رائل کمیشن کا مطالبہ کرتے مگر مسٹر جناح نے ان تمام صورتوں پر نخوت و غرور کی ٹھوکر مار کر وائسرائے ہند کے آستانہ پر سر نیاز خم کر دیا۔

اور جب کہ وائسرائے ہند اپنے بیان مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں کانگریسی وزارتوں کے کام پر اظہار اطمینان کر چکے ہیں تو پھر وائسرائے کے آستانہ پر سجدہ ریزی کی کوئی معقول وجہ پیش نہیں کی جا سکتی۔

اس کے بعد مسٹر جناح اسی بیان میں ارشاد فرماتے ہیں۔

> میں درخواست کرتا ہوں کہ حکومت برطانیہ ایک رائل کمیشن مقرر کرے جس کے صدر پریوی کونسل کے لارڈ ہوں۔ اور ممبران میں ہز مجسٹی کی ہائی کورٹ کے جج ہوں۔ (مدینہ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۹ء)

یہ معاملہ ہندوستان کے فیڈرل کورٹ کا چیف جسٹس مسٹر جناح کی نظر میں یہ صلاحیت نہیں رکھتا تھا کہ ایسے معاملہ کا فیصلہ کرتے۔ رائل کمیشن پر فیصلہ کو معلق کرنے کے یہ معنے تھے کہ اس کو مہینوں کے لئے بلکہ سال کے لئے ملتوی کر دیا جائے اور ہندو مسلم منافرت کو ہوا دی جاتی رہے تاکہ انگریز کے مقابلہ پر کوئی متحدہ محاذ نہ قائم ہو سکے لیکن بھلا کوئی مسٹر [illegible] نے مسٹر جناح کی ان تمام موشگافیوں و نکتہ چینیوں سے کیا اثر لیا۔ اس کی تفصیل اینول رجسٹر نمبر ۲ ۱۹۳۹ء کا بیان ملاحظہ فرمایئے۔

> مسٹر جینا نے تحریک کی کہ ان مظالم کی تحقیقات کے واسطے رائل کمیشن مقرر کیا جائے۔ اس پر کانگریس ہائی کمانڈ نے خودداری۔ وطن دوستی۔ اور غیرت سے کام لیکر تجویز کیا کہ فیڈرل کورٹ کے ججوں پر مشتمل کمیشن تحقیقات کرلے۔ مگر مسٹر جینا نے اس تجویز کو نہ مانا۔ اور وائسرائے سے درخواست

کی کہ ایک رائل کمیشن مقرر کرائے۔ لیکن لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند نے اس مطالبہ کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ جس کے بعد مسٹر جناح نے سکوت اختیار کیا۔ (ص ۴۴ تا ص ۵۰)

(انیول جسٹر ۱۹۴۲ء) کا بیان ہے کہ پروفیسر کپلینڈ (جنکو اکسفورڈ یونیورسٹی نے ۱۹۴۱ء میں ہندوستانی مسائل کی تحقیقات کے لئے بھیجا تھا اور جو تحقیقات ختم کیے سر اسٹیفورڈ کرپس کے عملہ مشیہ ان کے رکن ہو گئے تھے) اپنی یادداشت کے ساتویں باب میں لکھتے ہیں کہ پیرپور رپوٹ میں مندرجہ داستانہائے مظالم جو کانگریس وزارتوں کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ کوئی وزن نہیں رکھتے ہیں مسٹر جناح سے ان کے سلسلہ میں جس قدر گفتگو کی میں سمجھتا ہوں کہ وہ ان کو یا کانگریس کی اسلامی دشمنی کو ثابت نہیں کر سکے۔ (انیول رجسٹر ۱۹۴۲ء)

مولانا سید طفیل احمد صاحب نے اس تمام واقعہ کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے۔

مسلم لیگ نے حکومت سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ ایک شاہی کمیشن مقرر کیا جائے جو مسلمانوں پر کانگریس کے مظالم کی تحقیقات کرے۔ مگر اس پر کوئی توجہ نہ کی گئی۔ بلکہ بعض گورنروں نے کہدیا کہ ان کے صوبہ میں کوئی مظالم نہیں ہوئے۔ تاہم کانگریس کے خلاف مسلم لیگ کا پروپیگنڈا جاری رہا۔ (روشن مستقبل ص ۲۲۳)

یہ ہے کارنامہ قائد اعظم کا۔ آپ نے جذبات کو مشتعل کیا۔ مشتعل جذبات سے

اپنی قیادت کو تو چار چاند لگا لئے۔ مگر مسلمانوں کے لئے کوئی مفید خدمت انجام نہ دے سکے۔ جن مظالم کا یہ شور و غوغا تھا۔ ان کے انسداد کی کوئی کارروائی نہ کانگریس سے کرا سکے۔ نہ اپنے پشت پناہ۔ وائسرائے ہند اور برطانوی وزرا سے۔
نتیجہ یہی ہوا کہ مسلمان نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ اور جذبات نفرت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ مسٹر جناح کی قیادت کو مسلمانوں کے لئے کس طرح رحمت قرار دیں۔

قائد اعظم کے بعد شیر بنگال

اُس زمانہ کی لیگ کے شیر بنگال۔ اے۔ کے فضل حق صاحب وزیر اعظم صوبہ بنگال نے ۲۷ اکتوبر کو اجمیر سے ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا۔

کانگریسی راج میں مسلمانوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ اور اُن کی حفاظت کے لئے کچھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ میں اس قسم کی درجنوں مثالیں دے سکتا ہوں۔ پنڈت جی۔ "پنڈت جواہر لال نہرو" کوئی وقت مقرر کر کے میرے ساتھ چلیں۔ اور میں اُن کو ایسے ایسے واقعات دکھاؤں گا کہ اُن کا دل بھی کانپ اُٹھے گا۔ اگر الزامات غلط ہوئے تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔ ورنہ کانگریسی وزارتیں مستعفی ہو جائیں۔

(مدینہ ۵ رنومبر ۱۹۳۹ء)

پنڈت نہرو نے یہ چیلنج منظور کر لیا۔ اور وقت مقرر کرنے کے لئے خط و کتابت شروع کر دی۔ ابھی یہ خط و کتابت جاری تھی کہ شیر بنگال نے ۱۰ دسمبر ۱۹۳۹ء کو کلکتہ سے ایک بیان جاری کیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "۔

کانگریسی مظالم کے سلسلہ میں میں نے جو مواد فراہم کیا ہے وہ میں جواہرلال کے سامنے نہیں بلکہ رائل کمیشن کے سامنے پیش کروں گا جس کا مسٹر جناح نے اپنے بیان میں اظہار کیا ہے (مدینہ ۲۱ ردسمبر ۱۹۳۹ء)

چنانچہ پنڈت جواہرلال نہرو نے بھی اعلان کر دیا۔

اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر فضل الحق نے اس قسم کی تحقیقات کرنے اور وہ ثبوت جو اُن کے پاس ہوں گے مجھے بھیجنے کا ارادہ چھوڑ دیا ہے۔ اور اب اُنکا یہ ارادہ ہے کہ وہ اپنے مسالے کو رائل کمیشن کے سامنے جس کی تجویز مسٹر جناح نے کی ہے پیش کریں گے۔ اس کا مطلب میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسٹر فضل الحق نے مجھے جو چیلنج دیا تھا وہ اب ختم ہو گیا۔ مگر جہاں تک میرا تعلق ہے میں اب بھی حاضر ہوں اور مسٹر فضل الحق کے ساتھ اُن کی تجویز کے مطابق کسی بھی جگہ تحقیقات کیلئے جانے کو تیار ہوں۔ (مدینہ ۲۵ ردسمبر ۱۹۳۹ء)

اس سلسلہ کے جملہ خطوط کا نقل کرنا دور از کار ہے۔ صرف آخری خطوط ایک اندازہ قائم کرنے کے لئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

پنڈت جواہرلال نہرو۔ از آنند بھون الہ آباد۔ یکم دسمبر ۱۹۳۹ء

ڈیر مسٹر فضل الحق۔ کانگریس کے مظالم کے متعلق آپ نے تحقیقات کے لئے جو تجویز کی تھی۔ اس کے متعلق آپ کے مزید خط کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہا ہوں مجھے امید ہے کہ جلد از جلد اس معاملہ کا حل کیا جائیگا۔ اپنے سابقہ خط میں میں نے درخواست کی تھی کہ

کانگریسی وزارتوں کے خلاف الزامات کی تفاصیل جو آپ کے پاس
موجود ہیں مجھے بھیجدیں اپنے پہلے بیان میں آپ نے کہا تھا کہ میرے پاس
اس بات کے لئے قطعی ثبوت موجود ہیں کہ بے پناہ مظالم توڑے گئے ہیں
میں پھر درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے یہ ثبوت مہیا کریں۔

آپ کا صادق (جواہر لال)

مولوی فضل حق کا جواب۔ پارک سرکس کلکتہ ار دسمبر۔

ڈیئر مسٹر جواہر لال نہرو۔ آپ کے ۸ دسمبر کے خط کے لئے شکریہ۔
میں اُن مختلف سوالات کے متعلق جن پر ہماری تحقیقات کا دارومدار
ہوگا واقعات اکٹھے کر رہا ہوں۔ جوں ہی یہ رپورٹیں تیار ہوگئیں۔
میں آپ کو اُن کی نقول بھیجدوں گا۔ مجھے امید ہے کہ کرسمس سے پہلے
کاغذات مہیا کر سکوں گا۔ میں اس معاملے کے متعلق بہت فکرمند ہوں
اور مجھے یقین ہے کہ مستقبل قریب میں چند قطعی ثبوت آپ کے ہاتھوں میں
پہونچا سکوں گا۔ (آپ کا صادق۔ اے۔ کے فضل الحق)

پنڈت نہرو کا تار۔ ۱۲ر دسمبر۔ آنریبل مسٹر فضل الحق وزیر اعظم۔ کلکتہ۔
مسٹر عبداللہ ہارون نے نہایت ہی عجیب و غریب بیان دیا ہے۔ کہ
میں آپ کی تجویز کردہ تحقیقات سے ہٹ گیا ہوں اس لئے میں ضروری
سمجھتا ہوں کہ ہماری خط و کتابت شائع کرائی جائے۔ براہ کرم اپنی
رضامندی سے بذریعہ تار مطلع کیجئے۔ (جواہر لال نہرو۔ کارلیل رود دہلی)
مولوی فضل الحق صاحب کا تار۔ مجھے خط و کتابت شائع کرنے پر کوئی اعتراض نہیں (فضل الحق)

پنڈت نہرو کا خط - بمبئی ۱۶ر دسمبر - ڈیر مسٹر فضل الحق
آپ کے ۱۵ر دسمبر کے تار کا شکریہ - جس میں لکھا ہے کہ آپ کو ہماری خط و کتابت کے شائع ہونے پر کوئی اعتراض نہیں - آپکی رضامندی سے میں یہ خط و کتابت ایک مختصر سے نوٹ کے ساتھ اخبارات میں بھیج رہا ہوں - اور اس نوٹ کی نقل اخبارات کو بھیج رہا ہوں -
آپ نے اپنے ۷ر دسمبر کے خط میں لکھا تھا کہ میں بہت شدت سے محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں پر کانگریس کی مبینہ زیادتیوں کا سوال ہمیشہ کے لئے حل کر دینا چاہئے -
اس لئے میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپنے تحقیقات میں شامل ہونے کی میری دعوت منظور کر لی ہے اگر یہ مشترکہ جد وجہد دیانتداری اور نیک اسپرٹ سے کی جائے تو اس سے خوش گوار نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے - اب اخبارات میں آپ کے شائع شدہ ایک بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جہانتک میرے نام آپکے چیلنج کا تعلق ہے - آپ مزید کوئی کارروائی کرنا نہیں چاہتے - اور اب آپ مسٹر جناح کی تجویز کردہ رائل کمیشن کے سامنے اس شہادت کو پیش کریں گے جو آپکے پاس موجود ہے - یا جو آپ اکٹھی کریں گے - میں نہیں جانتا کہ کیا یہ رائل کمیشن مقرر بھی کیا جائے گا یا نہیں اور اگر مقرر کیا جائے گا - تو اس کا کیا حشر ہو گا لیکن کچھ بھی ہو یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ آنے والی بہت عرصہ تک اس بارے میں کچھ بھی نہیں کیا جائے گا -

اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ جہاں تک آپ کی سابقہ پیشکش کا تعلق ہے معاملہ یہاں پر ہی ختم ہو گیا ہے۔ مجھے اس پر بہت افسوس ہے کیونکہ آپ کی پیشکش کو منظور کرتے ہوئے مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ اور آپ کی طرح مجھے بھی یہ امید تھی کہ مبینہ زیادتیوں کا سوال ہمیشہ کیلئے حل ہو جائے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی سابقہ تجویز کے مطابق اب بھی میں آپ کے ساتھ تحقیقات میں شامل ہونے کے لئے تیار ہوں۔

آپ کا صادق - جواہر لال۔

(مدینہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۹ء)

مسٹر فضل حق جب پنڈت جواہر لال نہرو کے سامنے مظالم کی رپورٹ نہ پیش کر سکے۔ اور نہ اپنے چیلنج کے بموجب پنڈت نہرو کو ساتھ لیکر کوئی واقعہ دکھلا سکے۔ تو شرم و حیا کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ خاموش ہو جاتے۔ مگر شیر بنگال کے نزدیک شرم و حیا، عقل و انصاف۔ بزدلی کی باتیں ہیں آپ نے پوری دیدہ دلیری کے ساتھ مفروضہ اور مبالغہ آمیز واقعات کی داستان۔ شائع کر دی۔ اس کو شائع کرتے ہوئے مدینہ نے جو نوٹ لکھا تھا وہ قابل توجہ ہے۔

ہم ان تمام واقعات کو صحیح مان کر اُن لیڈروں سے جو مسلم لیگ کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ان ہولناکیوں کو دیکھنے اور سننے کے بعد انھوں نے کیا کیا۔ آنریبل وزیر اعظم نے جو مظالم کی تفصیل بیان کی وہ اتنی زہرہ گداز ہے کہ اُس کے بعد اسلام اور اسلام کے فرزندان کی حفاظت کے مدعیوں پر خواب و خور

حرام ہو جانا چاہئے تھا۔ اور اُن کے عمل کی تمام طاقتوں کو ایک زبردست بے تابی و بے قراری کے ساتھ بیدار ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن کیا ایسا ہوا۔ یہ لوگ ڈھائی سال تک خاموش بیٹھے۔ اِن ہولناک حالات کو دیکھتے رہے۔ اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ حکومت کی اصل ذمہ داری خصوصیت کے ساتھ اُن کو سونپی گئی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو برطانیہ کے آستانہ پر سجدہ ریز ہونے کی ترغیب دی اگر اس قسم کے مظالم کے بعد بھی ہمارے لیڈروں کی رگ عمل نہیں بھڑک سکتی۔ اور اگر ان مناظر کو دیکھنے کے بعد بھی اُن کو میدان عمل میں نہیں دیکھا جا سکتا تو پھر آخر وہ کونسا وقت آئے گا۔ جب یہ سراپا ناز و سراپا نزاکت لیڈر اپنی عشرت گاہوں سے باہر آئیں گے۔ افسوس ہے اُس بدنصیب قوم پر جس کو ایسے لیڈر ملیں اور حیرت ہے اُن سادہ لوح افراد پر جو ان لیڈروں کے پیچھے بھیڑ اور بکریوں کے گلہ کی طرح دوڑے چلے جائیں۔

اگر آنریبل مسٹر فضل حق اور اُن کے ساتھیوں کو اس امر کا یقین ہے کہ مظالم کی یہ تفصیلات صحیح ہیں تو پھر حیرت ہے اُن کی اور اُن کے رفیقوں کی اس غیرت و حمیت پر جو ان مظالم کو صرف ایک ناول نویس کی طرح کاغذ پر لکھ دینے کو کافی سمجھتی ہے اور جو ڈھائی سال تک دم بخود بیٹھی یہ انتظار کرتی رہتی ہے کہ کانگریسی وزارتیں اپنی خوشی سے استعفے دیں تو وہ یوم نجات منا کر تبرابازی کریں

نفاؔ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

(مدینہ ۹ر جنوری سنہ ۱۹۴۰ء)

مختصر یہ کہ اگر یہ واقعات صحیح تھے تو ان کی تحقیقات سے کیوں گریز کیا گیا اور اگر یہ واقعات غلط تھے تو شورِ محشر بلا وجہ کیوں بپا کیا گیا۔ دونوں صورتوں میں ملک و ملت کے ساتھ انتہائی خیانت اور آخری درجہ کی غداری کی گئی مسلمانوں کی وقعت و عزت کو اپنی وطن کی نگاہ میں ذلیل کیا گیا۔ انگریز کی نظر میں حقیر کیا گیا۔ تحریک حریت کو نقصان پہونچایا گیا۔ خداوند عالم ایسے خود غرض خائن اور غدار خود ساختہ لیڈروں کے پنجہ سے قوم کو نجات بخشے۔ مگر جب تک قوم خود ان کو قیادت کے اسٹیج سے نہ دھکیل دے اس کو نجات نہیں حاصل ہو سکتی

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ٭ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

۵ر فروری سنہ ۱۹۴۰ء کو وائسرائے نے پھر گاندھی جی۔ مسٹر جناح وغیرہ سے ملاقات کی مگر یہ ملاقات بے سود رہی۔ گاندھی جی نے ملاقات کے بعد بیان دیا کہ

کانگریس اور وائسرائے کے نظریہ میں بنیادی فرق ہے۔ وائسرائے ہند پارلیمنٹ کی نظر التفات کا وعدہ کرتے ہیں۔ اور کانگریس کا نظریہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو اپنی قسمت کا مالک تسلیم کیا جائے۔ اُن کی نمایندہ اسمبلی اپنے ملک کا دستور بنائے۔ اقلیتوں کے مسئلہ کا اطمینان بخش حل اس نمایندہ اسمبلی کا پہلا کام ہوگا۔ (ملخصاً۔ مدینہ ۱۳ر فروری سنہ ۱۹۴۰ء)

گورنمنٹ کے ایک کمیونک نے ظاہر کیا کہ مسٹر جناح نے وائسرائے سے ملاقات کی۔ وہ اقلیتوں کے مفاد کے متعلق بہت متردد تھے۔ وائسرائے

نے یقین دلایا کہ برطانیہ اقلیتوں کے مفاد کی ذمہ دار ہے۔ اقلیتوں کے تحفظات کے بغیر کوئی آئین ہندوستان میں نافذ نہیں کر سکتی۔

(مدینہ ۱۳؍ فروری ۱۹۴۶ء)

اس کے بعد مسٹر جناح نے ایک مفصل مضمون شائع کیا جس میں پوری قوت بیان کے ساتھ نمائندہ اسمبلی کی مخالفت کی۔ اور اعلان کیا کہ جمہوریت ہندوستان کے لئے قطعاً ناموزوں ہے۔ ہندوستان پر جمہوریت کا عائد کرنا۔ ہندوستان کے جسد سیاسی میں ایک بیماری پیدا کر دیتا ہے۔ وغیرہ۔ (مدینہ ۲۵؍ فروری ۱۹۴۶ء)

مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء میں سمجھوتہ کی کوشش

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے اصرار پر حضرت علامہ مولانا کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم۔ وصدر جمعیۃ علماء ہند۔ مسٹر جناح سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے ذریعہ یہ طے ہو چکا تھا کہ کسی جماعت کے توڑنے یا کسی ایک کو دوسرے میں مدغم کرنے کا سوال نہ ہوگا۔ بلکہ ایسی صورتوں پر بحث کی جائے گی کہ جن کے ذریعہ ان دونوں جماعتوں کے اختلاف کی خلیج پاٹی جائے اور ایک کو دوسری سے زیادہ سے زیادہ قریب کیا جا سکے۔

مگر اخبار خلافت کے نامہ نگار کی اطلاع کے بموجب مسٹر جناح نے مفاہمت کے لئے یہ شرط پیش کی کہ ارکان جمعیۃ علماء ہند کانگریس سے استعفا دیدیں اور مسلم لیگ کے ممبر بن کر اس کے فیصلہ پر عمل کرتے رہیں۔

(نامہ نگار مذکور کا بیان ہے کہ) مفتی صاحب نے مسٹر جناح کی یہ شرط منظور کر لینے پر آمادگی ظاہر کی۔ البتہ یہ شرط لگائی کہ مسلم لیگ ایک معینہ مطالبہ برطانیہ کے سامنے پیش کرے۔ جو آزادی کامل پر مبنی ہو اور اگر حکومت اسے منظور نہ کرے تو لیگ جارحانہ اقدام شروع کر دے مسٹر جناح نے معین پروگرام اور جارحانہ اقدام کے متعلق وعدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ (ماخوذ از مدینہ ۱۳ر مارچ ۱۹۴۰ء ۳ر صفر ۱۳۵۹ھ ۱۸ / ۲۴۴)

اس گفتگو میں کانگریس سے استعفاء دینے کا سوال اہم نہیں تھا۔ کیونکہ جمعیۃ علماء کے بیشتر ارکان کانگریس کے ۴ر والے ممبر بھی نہیں ہوتے۔ حتیٰ کہ حضرت مفتی صاحب موصوف تو شاید کبھی بھی چار آنے والے ممبر نہیں بنے۔ دو چار کے سوا مجلس عاملہ کے زیادہ ممبروں کا بھی طرز عمل ہے۔

جمعیۃ علماء کا کانگریس سے صرف اتنا اشتراک رہا ہے۔ کہ جب کبھی کانگریس نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک چلائی تو تحریک حریت کی شرکت کو جمعیۃ علماء نے بھی ایک فریضہ سمجھا۔ اور لائق جمعیۃ نے اس فریضہ کی ادائیگی اپنی مخلصانہ قربانیوں سے کی۔ اور اپنی نظیر پیش کر کے عام مسلمانوں کو عمل کی دعوت دی۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہی جارحانہ اقدام لیگ اور بالخصوص مسٹر جناح صاحب کے لئے وحشت ناک سوال تھا جس سے وہ ہمیشہ گریز کرتے رہے۔

لیگ کا اجلاس لاہور اور تجویز پاکستان

۲۲ / ۲۳ / ۲۴ر مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں مسلم لیگ کا ستائیسواں اجلاس ہوا۔

مسلم لیگ کے صدر مستقل جناب مسٹر محمد علی صاحب جناح صدر اجلاس تھے۔

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل تجویز پاس ہوئی جس کو تجویز پاکستان[۵] کہا جاتا ہے۔

مسلم لیگ کی یہ پختہ رائے ہے کہ کوئی دستور حکومت بغیر اس کے کہ وہ ذیل کے اصول پر مبنی نہ ہو نہ قابل عمل ہو سکتا ہے اور نہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول۔

۱۔ یہ کہ جغرافیائی حیثیتوں سے متصل وحدتوں کی ایسے علاقوں میں حد بندی کر دی جائے جو اس طرح بنائے جائیں اور ان میں ضرورت کے مطابق ایسی سرحدی تبدیلیاں کی جائیں کہ وہ رقبے جہاں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے۔ مثلاً ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقے۔ ایک مستقل ریاست بن جائیں۔ اور اس ریاست کے اجزاء ترکیبی اندرونی طور پر خود مختار اور مطلق العنان ہوں۔

۵ہ ہندوستان میں پاکستان کا سب سے پہلا اطلاق سنہ ء میں ہوا جب کہ ۲۹ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء کو مسلم لیگ کے اجلاس بیست و یکم منعقدہ الٰہ آباد کی صدارت کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا۔ جہاں تک میں نے مسلمانان ہند کا مطالعہ کیا ہے میں اس بنا پر یہ اعلان کرتا ہوں کہ اگر یہ اصول فرقہ داری کے مستقل فیصلہ کی اساس قرار دے دیا جائے کہ ہندی مسلمان کو پورا پورا حق ہے کہ وہ اپنے ہندی علاقوں میں اپنی ثقافت و روایات کو برقرار رکھتے ہوئے پورے طور پر آزادانہ ترقی کرنے کا حق ہے۔ تو مسلمان ہندوستان کی آزادی کی خاطر اپنی عزیز ترین متاع بھی قربان کرنے کیلئے تیار رہے۔ (تاریخ مسلم لیگ مصنفہ مہر حسن صحابی۔ ایم بی) نیز ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ جہاں تک وحدانی نظام حکومت کا تعلق ہے وہ تو میرے نزدیک تمام ہندوستان میں قابل التفات ہی نہیں۔ باقی رہی فیڈریشن تو وہ اس قسم کی ہونی چاہئے کہ اس میں باقی ماندہ اختیارات کلیتہً خود مختار ریاستوں کے ہاتھ میں رہیں اور مرکزی فیڈرل حکومت صرف انہیں اختیارات کے استعمال کی اہل ہو جو مختلف آزاد ریاستیں اپنی رضامندی سے اس کی تحویل میں دیدیں۔ میں مسلمانان ہند کو بھی ایسے نظام کے منظور کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا جس میں حقیقی فیڈریشن کا اصول ناپید ہو۔ یا جس میں (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

۲۔ یہ کہ ان علاقوں اور منطقوں کے اجزاء ترکیبی میں اقلیتوں کے مذہبی ثقافتی۔ اقتصادی۔ سیاسی۔ اسلامی اور دوسرے حقوق و مفاد کے تحفظ کے لئے آئین میں معقول اور مؤثر اور واجب التعمیل تحفظات درج کئے جائیں۔ نیز ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد کم ہے مسلمانوں کے لئے نیز دوسری اقلیتوں کے لئے ایسے معقول اور مؤثر اور واجب التعمیل تحفظات معین طور پر دستور میں شامل کر دیئے جائیں جن سے ان کے مذہبی۔ ثقافتی۔ اقتصادی اور سیاسی اور دوسرے حقوق و مفاد کی حفاظت ہو جائے۔

۳۔ یہ اجلاس ورکنگ کمیٹی کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ دستور کی ایک اسکیم مرتب کرے جو ان بنیادی اصولوں پر مبنی ہو اور وہ اس قسم کی ہو کہ اس میں گنجائش ہو کہ ان علاقوں کو اس قسم کے اختیارات مل جائیں جیسے دفاع۔ امور خارجہ۔ رسل و رسائل۔ کروڑ گیری۔ اور نیز ایسے ہی دوسرے امور جو ضروری ہوں۔ (انجمن ۳۰ مئی ۱۹۴۰ء)

مولانا سید طفیل احمد صاحب مرحوم نے اس اجلاس کے متعلق فرمایا۔

یہ اجلاس مجمع کے اعتبار سے نہایت کامیاب رہا۔ اور بیان کیا جاتا

(بقیہ صفحہ ۱۲۳) مسلمانوں کی انفرادی۔ ملی ہستی تو تسلیم نہ کی جائے خواہ وہ نظام برطانوی الاصل ہو۔ یا ہندی الاصل (پاکستان اور ہندوستان صفحہ ۲۰ مرتبہ عبدالقدوس صاحب ہاشمی مطبوعہ حیدرآباد دکن)

ڈاکٹر صاحب کا مجوزہ پاکستان صوبجاتی خود مختاری کا مطالبہ کرتا ہے جس کو بھی انکار نہیں دو جمعیۃ علماء کے فارمولے نے اس مقصد کو بہت ہی بہتر طرح ادا کیا ہے۔ مسٹر جناح نے پاکستان کی تفسیر میں دو قوموں کی تھیوری ہندوستان کی تقسیم اور ہندوستان کے دو فیڈریشن کا بھی اضافہ کر دیا۔ اور مصالحت کی ہر ایک گفتگو کے موقع پر ملک م

تھا کہ اُس میں پچاس ہزار سے زیادہ مجمع تھا۔ مگر نوعیت کے اعتبار سے
ہندوستان کے تمام جلسوں سے اس وجہ سے بالکل مختلف تھا کہ اس
میں یورپ کی موجودہ جنگ اور انگلستان اور ہندوستان کے باہمی
سمجھوتہ کا یا ہندوستان کی آزادی کا کوئی تذکرہ نہ تھا۔ جب کہ آزاد
خیال مسلمان ملک کی آزادی کے لئے جیلوں میں جا رہے تھے۔ اور
فارورڈ بلاک اور کانگریس والے نافرمانی کی تیاریاں کر رہی تھی۔
مسلم لیگ نے مسٹر جناح کی قیادت میں ہندوستان کو مسلم اور غیر مسلم
حصوں میں تقسیم کرنے کا نظریہ پیش کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔
بالخصوص اس وجہ سے کہ سنہ ۱۹۱۶ء میں خود مسٹر جناح نے کانگریس اور
مسلم لیگ کے سمجھوتہ کے وقت پنجاب اور بنگال کی کونسلوں میں مسلم
اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا تھا جس کا خمیازہ وہاں کے
مسلمان آج تک اٹھاتے ہیں اور سنہ ۱۹۲۹ء میں کلکتہ کے اجلاس
کنونشن میں صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا تھا کہ اکثریت کے
صوبوں میں مسلمان ممبروں کی تعداد بڑھانے کے یہ معنی ہوں گے کہ
امیر لوگوں کو زیادہ امیر بنایا جائے۔ بہتر یہ ہو گا کہ مسلم اقلیت کے
صوبوں میں مسلمان ممبروں کی تعداد اور زیادہ بڑھا دی جائے۔

(دہلی روشن مستقبل ۱۹۴۰ء)

بہر حال مسٹر جناح اور مسلم لیگ نے پاکستان کے لفظ سے مسلمانوں کو مسحور کر لیا۔
وارفتگی کی اس سے بدتر مثال تاریخ دنیا میں نہیں مل سکتی کہ ایک ایسے لفظ کو معاذ اللہ

شرط اسلام اور جزو ایمان کی حیثیت دیدی گئی جس کے معنے واضح نہ تفسیر معین۔

جب اپنا دامن عمل سے خالی ہو تو مصنوعی سرخروئی کی آسان صورت یہ ہے کہ دوسرے کے عمل کو کج عملی۔ اور ظلم و ستم کہا جائے۔ لیگ نے اس زرین اصول سے پوری طرح کام لیا۔ وہ اپنی کسی وزارت کی کوئی اسلامی خدمت پیش نہیں کر سکتی تھی۔

انگریز کی کٹھ پتلی بنکر اپنے ہم مذہب و ہم جنس انسانوں کو برطانوی اغراض کے مقتدر پر بھینٹ چڑھانا۔ اس کا طرۂ امتیاز تھا۔

لیگی وزارت کی موجودگی میں حرّوں کی (سندھ میں) تباہی۔ اُن کے رہنما "پیر پگاڑو" کو پھانسی۔ لیگی وزارت کے حکم سے پنجاب میں خاکساروں کا قتل عام۔ لیگی وزارت کے زیر سایہ بنگال میں لاکھوں فاقہ زدہ انسانوں کی دردناک موت۔ لیگی وزارتوں کے نمایاں کارنامے ہیں۔

جب کہ برطانیہ کو اپنے سامراجی اغراض کے لئے ضرورت تھی کہ دوران جنگ میں ایران میں اپنی فوجیں داخل کرے۔ رضا شاہ پہلوی صدر جمہوریہ ایران کو جلاوطن کر کے غربت کی موت پر مجبور کر دے۔ عراق میں جذبہ آزادی کو کچل دے فلسطین پر پنجہ استبداد کو زیادہ مضبوط کر دے۔

اور جب کہ ہندوستان کا قوم پرور طبقہ قومی حکومت کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اور تیاری کر رہا تھا کہ انگریز کو "کوئٹ انڈیا" "ہندوستان خالی کرو" کا چیلنج دے کر "ڈو آر ڈائی" "انقلاب یا موت" پر آمادہ ہو جائے تو اس وقت برطانوی شاہنشاہیت کی بہترین خدمت یہی ہو سکتی تھی کہ۔

مسلمانوں کو غیر مفید[1] اور لایعنی جھگڑوں میں اُلجھا کر اسلامی ممالک کی ہمدردی سے

---

[1] پاکستان کی صاف الفاظ میں تردید کر کے تقسیم بنگال کی تاریخ کو دہرا دیا۔ مگر بظاہر نواب وقار الملک نادانستہ طور پر ... مسٹر جناح کے رویے نے واضح کر دیا کہ انہوں نے دانستہ طور پر انگریزی ڈپلومیسی کی وکالت کی۔ ۱۲

اُن کی توجہ ہٹادی جائے۔ ڈیفنس آف انڈیا رولس کی نازل کردہ مصائب سے اُن کو غافل کردیا جائے۔

اور حریت ملک وملت کے جذبات سے اُن کو متنفر بنا دیا جائے چنانچہ کانگریسی مظالم کی داستانیں تصنیف کی گئیں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہندو ہے۔ ہندو اور مسلمان دو "نیشن" ہیں ہندوستان کو دو مرکزوں میں تقسیم کیا جائے۔

اس قسم کے سوالات کو مسٹر جناح نے اُبھارا۔ سرکار پرست اور ملازمت پیشہ طبقہ نے لبیک کہا۔ عام مسلمان مسحور ہو گئے۔

قابل داد ہیں مسٹر جناح کہ آپ نے برطانیہ کی وکالت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اور مستحق مبارکباد ہے برطانوی سامراج کہ اُس کو مسٹر جناح جیسا بیرسٹر۔ اور لیگ جیسا نظام ہاتھ لگ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی اکثریت وجود انگریز کو اپنی پناہ گاہ سمجھنے لگی۔ کانگریس۔ انقلاب اور آزادی کے نام سے بھی نفرت کرنے لگی۔

ایثار شیوہ۔ جفاکش۔ لیڈر جو ملک وملت کے لئے تقریباً ایک بعد کی سے مصائب برداشت کر رہے تھے۔ دشمن اسلام گردان دیئے گئے۔ حسین احمد مدنی مفتی کفایت اللہ۔ ہندو پرست۔ اسلام کو دشمن (معاذ اللہ) اور مسٹر جینا (خوجہ) راجہ محمود آباد۔ (شیعہ) سر ظفر اللہ (قادیانی) حامیان دین۔ خادمانِ اسلام۔ قائدین ملت۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز + بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

انگریزی ڈپلومیسی کا یہ عجیب و غریب شاہکار تاریخ انقلاب میں محفوظ رہنا چاہیے۔

تجویز پاکستان کا پس منظر

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ تخیل پاکستان ہندی الاصل نہیں ہے لیکن عام طور پر خیال کیا جاتا ہے اور یہی مشہور بھی ہے کہ چودھری رحمت علی صاحب اس کے مصنف اول ہیں۔ کیونکہ جب وہ یورپ میں تعلیم پا رہے تھے تو پاکستان پر ایک پمفلٹ ان کے نام سے شائع کیا گیا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انگریز ان دنوں پاکستان کی تصنیف سے دو تین سال پیشتر کر چکے تھے۔ اور تقریباً اسی زمانہ میں ڈاکٹر اقبال مرحوم اپنے خطبہ صدارت میں پاکستان کی تلقین فرما رہے تھے۔ انگریزی مدبرین تقسیم ہند کا ایک خاکہ تیار کر رہے تھے۔

ذیل میں اخبار مدینہ مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۳۱ء کا ایک شذرہ درج کیا جاتا ہے۔ جو اس تمام حقیقت کی پردہ دری کرتا ہے۔ شذرہ ملاحظہ ہو:-

> گذشتہ اخبار میں ہم نے یہ خبر لکھی تھی کہ ہز ہائینس سر آغا خاں ایک کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے بدیشی پارچہ کو فروغ دینے کی غرض سے ایک کمپنی قائم کرنے والے ہیں۔ اخبار الامان سے اب معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف سر آغا خاں نے بلکہ ملا سیف الدین طاہر صاحب بوہرہ قوم کے مقتدا، اور اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے اکثر ممبروں نے دس کروڑ روپے کے سرمایہ سے ایک کمپنی قائم کی ہے جس کا صدر دفتر دہلی ہوگا۔ اس کمپنی کے قیام کا اصل محرک کون ہے اور اس کے اصل مقاصد کیا ہیں؟ اس کے صحیح حالات اب تک صیغۂ راز میں ہیں تاہم اس کے قیام پر اس خط سے کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔ جو مسٹر ملوڈن جج ممالک

متحدہ نے کسی تقریر کے جواب میں لندن بھیجا تھا۔ اور اتفاقاً سنڈے گرافک کے ہاتھ پڑ جانے سے شائع ہو گیا تھا۔ اور اسی غرض سے ہم اس خط کا متن ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"مدت سے ہندوستان کی صورت حالات قابو سے باہر ہو رہی ہے ہم نیم پارلیمنٹری حکومت کا حتمی وعدہ کر چکے ہیں۔ جو برطانوی افسروں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ برطانوی افسر زیادہ عرصہ تک نہیں رہیں گے۔ سول سروس کے تمام شعبے یہاں تک ہندوستانیوں سے بھر دیئے گئے ہیں یا بھرے جا رہے ہیں کہ آئندہ چند سال میں ان میں ڈھونڈنے سے بھی انگریز کا نام نہیں ملے گا۔ میں ان حالات میں ہندوستان کے مسئلہ کا ایک ہی حل دیکھتا ہوں کہ اسے ہندو اور مسلمان دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ آئرلینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کا تنازعہ ختم کرنے کے لئے ۳۵ سال کی مسلسل پارلیمنٹری جنگ کے بعد ایسا ہی کرنا پڑا تھا۔ ہندوؤں نے ہمیں ہندوستان کے ساتھ کاروبار کرنے سے روک دیا ہے۔ اب ہمیں مالیہ معاف کرنا پڑا ہے تاکہ کاشتکار زندہ رہ سکیں یہ ایک نہایت ہی یاس انگیز صورت حالات ہے۔ اور اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس تعفن کو پھیلنے سے روکا جائے اور قدرتی تقسیم کے مطابق ملک کے حصے کر دیئے جائیں۔ اگر ہندو کاروبار تجارت نہیں کریں گے تو بمبئی کی جگہ کراچی شہر بندرگاہ کا کام دے سکتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ مزید ۲۵ یا ۳۰ سال کے لئے ہندوستان پر ہمارا اثر و

اقتدار قائم ہے۔ اب برطانوی حکومت کے پرانے طریقہ کار کی طرف عود کرنا ناممکن ہے۔ ہمارے پاس اب کارکن اصحاب موجود نہیں ہیں۔ اب دور ماضی کو قائم نہیں کر سکتے۔ نیز ہم نے اپنا کام بھی کر لیا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں ریلیں اور نہریں قائم کر دی ہیں اب ایسا طرز حکومت مدید و جو اس کے لئے قدرتی اور موزوں ہو۔ لیکن جب تک ہندوستان میں ہمارا اثر و اقتدار قائم ہے ہمیں تحریک مقاطعہ کو پورے زور سے روکنا چاہئے۔

جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس جونپور

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر مستقل کی حیثیت سے

۲۸، ۲۹، ربیع الثانی و یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ مطابق ۷، ۸، ۹، جون ۱۹۴۰ء کو مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند کا بارھواں سالانہ اجلاس جونپور میں ہوا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اجلاس کے صدر تجویز کئے گئے اور جدید دستور العمل کے بموجب حضرت موصوف ہی آئندہ کے لئے مستقل صدر قرار دیئے گئے حضرت علامہ الحاج مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند۔ جو تقریباً بیس سال سے جمعیۃ علماء ہند کے فرائض انتہائی تدبر و علم و وقار۔ اور مستعدی سے انجام دے رہے تھے اپنی دائمی علالت کے باعث آئندہ صدارت کے لئے تیار نہ تھے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے ایک مبسوط خطبہ صدارت ارشاد فرمایا جو ۴۸ صفحات پر

منتقل تھا۔ اس خطبہ صدارت میں اگرچہ وقت کے تمام ضروری اور اہم مسائل پر روشنی ڈالی گئی تھی مگر ہم ذیل میں اس خطبہ کا صرف وہ حصہ نقل کرتے ہیں جو ان سوالات سے متعلق تھا جو جنگ کے باعث پیدا ہو گئے تھے۔

اور جس کے ذریعہ سے حضرت موصوف نے اس پر خطر دور میں افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جابر۔ کے صبر آزما فریضہ کو حیرت انگیز جراءت کے ساتھ ادا فرمایا۔

حضرت موصوف نے اُن تمام اعلانات اور وعدوں کا اور پھر اُن کی خلاف ورزیوں کا مستند حوالوں کے ساتھ مفصل تذکرہ فرمایا جو ہندوستان میں برطانوی شہنشاہیت کی ابتداء سے جون ۱۹۴۰ء تک صادر ہو چکے تھے ان اعلانات و مواعید کے تذکرہ کے بعد فرمایا۔

موجودہ حالت میں برطانیہ کی امداد و اعانت کا سوال

ہمارے بہت سے کوتاہ عقل بے سمجھ بھائی کہتے ہیں کہ ایسی مصیبت کے وقت میں برطانیہ کو پریشان نہ کرنا چاہئے۔ یہ بالکل غلط فلسفہ ہے۔ ایسے ہی وقت میں برطانیہ کی خیرخواہی اور محبت کا مظاہرہ لازم ہے۔ برطانیہ نے اپنے فرائض کو عرصہ دراز سے چھوڑ رکھا ہے اُن کے ادا کرنے میں کوتاہی اور ٹال مٹول کر رہی ہے۔ خدا کی پینتیس ۳۵ کروڑ بندوں کو انتہائی ذلت اور تکلیف میں ڈالے ہوئے ہے مظلوم قلوب سسک رہے ہیں۔ خدائے قدوس کا غضب اسی وجہ سے جوش میں آرہا ہے۔ وہ اپنے مظلوم بندوں کے انتقام پر تلا ہوا ہے۔ اور جس طرح اُس نے ظالم قوموں اور بادشاہوں کو اپنے ضعیف بندوں کی امداد اور اُن کی آہ وزاری کی دادرسی میں ہلاک

اور نیست و نابود کر دیا۔ اسی طرح اُن یورپین ظالم بادشاہوں انگلینڈ و فرانس پر قہر کی
بجلی گرا رہا ہے ہم پر لازم ہے کہ اس خیر خواہی اور ہمدردی کی بنا پر جو ہم کو تاج برطانیہ
اور اس کی قوم سے چلی آتی ہے اس کو ان موجبات قہر الٰہی اور اسباب غضب غیر
متناہی سے روکیں اگر وہ کہنا نہ مانے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور قوت کو استعمال کریں۔
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ انصر اخاک ظالما او مظلوما قیل یا رسول اللہ کیف انصرہ
ظالما قال تکفہ عن الظلم۔ جس طرح ہم اپنے عزیز و قریب کو جب کہ وہ برائی کرتا ہے
زبان سے روکتے ہیں اور اگر نہیں مانتا تو ہاتھ سے روکتے ہیں اور اگر نہیں رکتا تو
طاقت اور قوت کا استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور یہ سب اس کی خیر خواہی
میں ہوتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ضروری ہے۔ بلکہ اگر ہم نے حسب استطاعت برطانیہ
کو نہیں روکا تو خوف ہے کہ ہم پر بھی کہیں عتاب الٰہی نہ آ پڑے۔ قال النبی صلی اللہ
علیہ وسلم۔ ان الناس اذا رأوا الظالم فلم یاخذوا علی یدیہ اوشک اللہ ان
یعمھم بعقاب فیدعونہ فلا یستجیب لھم۔

اس لئے نہایت ضروری ہے کہ جس طرح ممکن ہو برطانیہ اور اس کی قوم کو اللہ تعالےٰ
کے غضب سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ اور اس کو خلق خدا کے ستانے سے
روکا جائے۔ جو کہ باعث غضب الٰہی ہوا ہے۔ ورنہ ہم نہ روکنے والے بھی موجب
غضب ہو جائیں گے۔

؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کی امداد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم
عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! جب وہ ظالم ہو تو اس کی امداد کس طرح کر سکتے ہوں۔ فرمایا۔
اس کو ظلم سے روک دو۔ ۱۲

برطانیہ کی امداد و اعانت کا صحیح طریقہ

آج بہت سے ناعاقبت اندیش یہ کہتے ہیں کہ برطانیہ کی امداد و اعانت اس میں ہے کہ اُس کو لڑنے کے لئے سپاہ اور مال دیا جائے۔ اور اُن کی فتح مندی کی کوشش کی جائے۔ جو اُن کے خیال میں حسب نصوص شرعیہ ہے۔ یہ لوگ برطانیہ کے سخت ترین دشمن ہیں۔ اور اُس کو اور اُس کی قوم کو قعر جہنم میں جھونکنا چاہتے ہیں۔

وہ برطانیہ جس نے دنیا کی قوموں کی آزادی سلب کر لی ہو۔ جو انسانی امتوں کو غلامی کے شدائد و مصائب میں مبتلا کرتی اور رکھتی ہو۔ جو بجز یوروپین اقوام کے تمام ایشیائی اور افریقی اقوام وغیرہ کو انسانیت سے خارج اور مثل بہائم سمجھتی ہو۔ جو کہ خدا کے کروڑوں بندوں پر مظالم کے پہاڑ نہایت سنگدلی سے ڈھاتی رہتی ہو۔ جو کہ قوموں کی تجارت، دستکاری، دولت، حکومت، رفاہیت، عزت، علوم، زراعت، صنعت وغیرہ وغیرہ چھین چھین کر اپنا پیٹ پالتی ہو۔ جو کہ جعلسازی، فریب، مکر و دغابازی، جھوٹے وعدوں اور عہد شکنیوں سے خدا کی پیدا کی ہوئی قوموں کو ستاتی رہتی ہو۔ اس کی امداد یہی ہے اور صرف اسی میں ہے کہ اُس کو ان افعال شنیعہ سے روکا جائے۔ اور اگر خدانخواستہ اس کی امداد مال یا فوج یا رسد وغیرہ سے کی گئی تو اس کے یہ معنے ہیں کہ یہ امداد کرنے والے ان تمام مظالم اور گناہوں کے مؤید اور نشر کرنے والے ہیں۔ وہ خلق خدا کو اور ستانا چاہتے ہیں۔ بے شک ایسے لوگ خدا کے قہر عظیم کے مستحق ہوں گے۔ اور سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

ہم کو برطانیہ کا ہمدرد اور خیر خواہ ہونا چاہئے۔ اس میں ہماری اپنی خیر خواہی ہے

بدخواہ نہ ہونا چاہئے کہ اس میں اپنی ہی بدخواہی ہے۔

اگر کسی شخص میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ حسب طریقہ مذکورہ برطانیہ کی مدد قول یا فعل سے کر سکے۔ تو کم از کم دل میں اُس کی سنگدلی اور بربریت کو برا سمجھتے ہوئے سکوت کو عمل میں لائے۔

من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ۔ فان لم یستطع فبقلبہ وذالك اضعف الایمان۔

اسی بناء پر میرٹھ کے جلسہ میں جمعیۃ نے اپنا اعلان موجودہ جنگ کے متعلق صاف اور واضح الفاظ میں شائع کر دیا تھا جس کا حرف حرف صحیح اور قابل عمل تھا۔

آزادئ ہند کے متعلق ہماری جدوجہد

محترم بزرگو۔ حالات موجودہ اور زیادہ مجبور کرتے ہیں کہ آزادی ہند کے لئے اپنی مساعی میں زیادہ سے زیادہ سرگرمی عمل میں لائی جائے۔ اور تمام خلق خدا کو عموماً اور اہل ہند کو خصوصاً اسی ذریعہ سے ہر قسم کے عذاب الیم سے نجات دلائی جائے۔ ہماری غلامی نہ صرف ہمارے لئے باعث مصائب و آفات ہے۔ بلکہ بہت سی غیر ہندوستانی قومیں بھی اس کی وجہ سے انتہائی تکالیف میں مبتلا ہیں

مسلمانوں پر آزادئ ہند کا فریضہ سب سے زیادہ ہے

اگرچہ یہ فرض تمام ہندوستان کے باشندوں کا ہے مگر مسلمانوں پر یہ فریضہ سب سے زیادہ ہے۔ چند وجوہ سے (۱) ہندوستان مسلمانوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے آبائی وطن ہے (۲) مسلمانوں کو مرنے کے بعد بھی اسی سرزمین سے نفع اٹھانا ہے۔ (ج) ہمارے پیغمبر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہاں بہت سے پیغمبر گذرے ہیں

ان سب کا دین اسلام ہی تھا۔ اگرچہ لوگوں نے اُس میں تحریف و تبدیل کر دی ہے۔
(د) انگریزی حکومت نے اس ملک کو مسلمانوں سے چھینا ہے۔
(ہ) اس ملک کی آزادی میں قرب و جوار کے اسلامی ملک مثل یاغستان افغانستان ایران۔ وغیرہ بہت سے مصائب اور خطرات سے محفوظ ہو جائیں گے۔
(و) مقامات مقدسہ اور دیارِ عرب۔ مصر و شام فلسطین۔ سوڈان۔ شمالی ہند۔ وغیرہ جن میں اسلامی آبادی ہے۔ اور ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے یہ سب غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے گئے ہیں۔ آزاد ہو سکیں گے۔
(ز) موجودہ حکومت نے تمام باشندگانِ ہند سے زیادہ مسلمانوں کو برباد کیا ہے۔
(ح) یہ آزادی خواہ اسلام راج کی طرف ہو۔ یا اھون البلیتین مشترک راج کی طرف۔ (بہر حال) مسلمانوں کا فریضہ ہے۔
(ط) آزادی کے بغیر یہ ہلاک کرنے والا افلاس۔ قحط اور گرانی زائل نہیں ہو سکتے اور بغیر ان کے زوال کے نہ دنیاوی زندگی بہتر ہو سکتی ہے اور نہ دینی فرائض و واجبات پوری طرح ادا ہو سکتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات دیانت کی حفاظت ہی نہیں ہو سکتی۔ کاد الفقر ان یکون کفرا (معاذ اللہ) بہت سے مسلمان شدت فقر و افلاس کی وجہ سے مرتد ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں۔
(ی) بغیر آزادی بیکاری اور بے روزگاری کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر اسکے ازالہ کے ہر قسم کی دینی اور دنیوی مصائب سے چھٹکارا غیر ممکن ہے۔
بہر حال مسلمانوں کے لئے موجودہ غلامی سے آزاد ہونا۔ اور اس کے لئے انتہائی جدوجہد عمل میں لانا تمام باشندگانِ ہند سے زیادہ تر ضروری اور لازم ہے۔

پاکستان کے متعلق

آپ نے فرمایا۔ اس زمانہ میں پاکستان کی تحریک زبان زد عوام ہے۔ اگر اس کا مطلب اسلامی حکومت علی منہاج النبوۃ (جس میں تمام احکام اسلامی حدود قصاص وغیرہ جاری ہوں۔) مسلم اکثریت والے صوبوں میں قائم کرنا ہے۔ تو ماشاء اللہ نہایت مبارک اسکیم ہے۔ کوئی بھی مسلمان اس میں گفتگو نہیں کر سکتا۔ مگر بحالات موجودہ یہ چیز متصور الوقوع نہیں۔ اور اگر اس کا مقصد انگریزی حکومت کے ماتحت کوئی ایسی حکومت قائم کرنا ہے جس کو مسلم حکومت کا نام دیا جا سکے۔ تو میرے نزدیک یہ اسکیم محض بزدلانہ اور سفیہانہ ہے جو ایک طرف برطانیہ کے لئے "ڈیوائیڈ اینڈ رول" کا موقع بہم پہنچا رہی ہے اور یہی عمل برطانیہ نے ہر جگہ جاری کر رکھا ہے۔ ٹرکی کو اسی طرح تقسیم کیا گیا۔ عربی ممالک کو اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کرکے بانٹا گیا۔ اور یہی عمل ہندوستان میں مختلف پیراؤں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس کی بھی وحی لندن۔ اکسفورڈ۔ کیمبرج شملہ۔ نئی دہلی وغیرہ سے ہوئی ہو۔ جیسا کہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔

اور دوسری طرف اسلامی ہمہ گیری کے آگے سخت روڑہ بلکہ چٹان ہے۔ مدافعت دشمن کے متحدہ محاذ کے راستہ میں بہت بڑی خندق ہے۔ فرقہ وارانہ جنگ و جدال کے لئے نہایت زہریلا سفوف ہے۔ ہندوستانی امن و امان۔ خوش حالی اور فارغ البالی کے لئے سم قاتل ہے۔ مسلم اقلیت والے صوبوں کے لئے موت کا پیغام ہے۔ جو جو بھلائیاں آج تک اس میں دکھائی گئی ہیں۔ ہم ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ لیڈروں نے مسلم عوام کو جذب کرنے کے لئے ایک

ڈھونگ نکالا ہے۔ کیونکہ کانگریسی حکومت کے استعفاء سے ان کی جاذبیت کم ہوگئی تھی (واللہ اعلم)۔

متحدہ قومیت کے متعلق اگرچہ حضرت صدر رسالہ متحدہ قومیت اور اسلام میں اپنی تحقیقی رائے تفصیل کے ساتھ پیش فرما چکے تھے۔ اور ہندوستان بھر کے تمام علماء نے اُس تحقیق کو تسلیم کیا اور کسی ایک مستند اور قابل اعتماد عالم نے اُس کی تردید نہیں کی۔ مگر مسلم لیگ جن کا مقصود تحقیق و تفتیش نہیں بلکہ ایجی ٹیشن اور پروپیگنڈہ ہوتا ہے۔ اب بھی برابر اعتراض کر رہے تھے۔ لہٰذا حضرت صدر نے اس خطبہ صدارت میں متحدہ قومیت کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالنی ضروری سمجھی۔ آپ نے فرمایا۔

> ہم باشندگانِ ہندوستان بحیثیت ہندوستانی ہونے کے ایک اشتراک رکھتے ہیں۔ جو کہ اختلاف مذاہب اور اختلافات تہذیب کے ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے۔ جس طرح ہماری صورتوں کے اختلافات، ذاتوں اور صفتوں کے تباین۔
> رنگتوں اور قامتوں کے افتراقات سے ہماری مشترکہ انسانیت میں فرق نہیں آتا۔ اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی اختلافات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہیں۔ ہم سب وطنی حیثیت سے ہندوستانی ہیں۔ لہٰذا وطنی منافع کے حصول اور مضرتوں کے ازالہ کا فکر اور اُس کے لئے جد وجہد مسلمانوں کا بھی اسی طرح فریضہ ہے جس طرح دوسری ملتوں اور غیر مسلم قوموں کا۔ اس کے لئے سب کو

مل کر پوری طرح کوشش کرنی از بس ضروری ہے۔ اگر آگ لگنے کے وقت تمام گاؤں کے باشندے آگ نہ بجھائیں گے۔ سیلاب آنے کے وقت تمام گاؤں کے بسنے والے بند نہ باندھیں گے تو تمام گاؤں برباد ہو جائے گا۔ اور سبھی کے لئے زندگی وبال ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک ملک کے باشندوں کا فرض ہے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان سکھ ہوں یا پارسی کہ ملک پر جب کوئی عام مصیبت پڑ جائے تو مشترکہ قوت سے اس کے دور کرنے کی جدوجہد کریں۔ اس اشتراک وطن کے فرائض سب پر یکساں عائد ہوتے ہیں۔ مذاہب کے اختلاف سے اس میں کوئی رکاوٹ یا کمزوری نہیں ہوتی۔ ہر ایک اپنے مذہب پر پوری طرح قائم رہ کر ایسے فرائض کو انجام دے سکتا ہے۔ یہی اشتراک میونسپل بورڈوں۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں کونسلوں اور اسمبلیوں میں پایا جاتا ہے۔ اور مختلف المذاہب ممبر فرائض شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک کو انجام دیتے اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی معنی اس جگہ متحدہ قومیت کے ہیں اس کے علاوہ دوسرے معنے جو لوگ سمجھے ہیں وہ غلط اور ناجائز ہیں۔ اسی معنی کی بنا پر کانگریس نے فنڈامنٹل میں ہر مذہب اور ہر تہذیب اور ہر زبان اور رسم و رواج کے تحفظ کا التزام کیا ہے۔ اس کے خلاف یورپین لوگ قومیت متحدہ کے جو معنے مراد لیتے ہوں اور کانگریسی اشخاص انفرادی طور پر کانگریس کے فنڈامنٹل کے مفہوم کے خلاف معنے بیان کرتے ہوں انہوں نے یقیناً جمیعۃ علماء سے اور تیری کری ہے

مسٹر جناح بے نقاب جمعیۃ علماء اور اُس کے صدر محترم کے اعلان حق کے ساتھ۔ قائد اعظم کے بے حجابانہ انداز پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تو شجاعت۔ اور بزدلی۔ خودداری۔ اور چاپلوسی۔ کا ایک مرقع صاف ہو کر سامنے آجائے گا۔

انہیں تاریخوں میں مسٹر جناح نے ایک بیان صادر فرمایا جس میں آپ نے جنگ کے سلسلہ میں مسلم لیگ کے رویہ پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ تصریح فرمائی کہ مسلم لیگ نے نہ صرف یہ کہ حکومت کی راہ میں کسی قسم کی دشواری پیدا نہیں کی ہے۔ بلکہ اس کے بجائے اس نے سکندر حیات خاں اور مسٹر فضل حق کو حکومت کے ساتھ تعاون کے لئے آزاد چھوڑ دیا ہے اور کانگریس کے راستہ میں اس طرح حائل ہو کر کہ وہ سول نافرمانی نہیں کر سکتی۔ برطانیہ کی نہایت قابل قدر خدمت انجام دی ہے اس کے ساتھ آپ نے حکومت کو آئندہ کے لئے بھی اطمینان دلادیا کہ نہ ہم نے براہ راست کوئی عمل کرنے کا فیصلہ کیا ہے نہ آئندہ کسی وقت سول نافرمانی کے لئے ہم کوئی تیاری کر رہے ہیں۔

(مدینہ ۵ رجون سنہ ۴۲ء ملخصاً)

اخبار زمیندار کا ایک مضمون جس کے خاص خاص اقتباسات درج ذیل ہیں۔ اس وقت کی مسلم لیگ کی ذہنیت کو بے نقاب کر دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

زمیندار۔ مورخہ ۲ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء۔

ہم مسلم لیگی بھی اس ملک کی دوسری جماعتوں کی طرح برطانیہ ہی کی

فتح چاہتے ہیں۔ ہم انگلستان کو مظفر و منصور دیکھنا چاہتے ہیں ہم صدیوں سے برطانیہ کے ساتھ وابستہ ہیں اور اُس کا رویہ خواہ کتنا ہی سخت اور تند کیوں نہ ہو۔ اُس کے قوانین کتنے ہی مطلق العنانہ کیوں نہ ہوں پھر بھی ہم مدتوں سے لپٹے رہتے آئے ہیں (ص ۲ کالم ۵)

اس کے بعد ارشاد ہے۔

مسلم لیگ ایسے وقت میں برطانیہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی جب کہ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اور نہ فوجی بھرتی میں رکاوٹ بننا چاہتی ہے اور نہ اُس نے سول نافرمانی کا حربہ استعمال کیا۔ بلکہ وہ غیر جانبدار ہے۔ اگرچہ اُس کی غیر جانبداری بھی جانبدارانہ کی نہیں۔ اُس نے چھوٹوں کو اجازت دیدی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو برطانیہ کی مصیبت کے وقت کام آسکتے ہیں۔ سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب نے جو مسلم لیگ کے ایک سر برآوردہ رکن ہیں اتنی زبردست فوجی امداد کی ہے کہ جس کی مقدرت کسی دوسرے کو نہیں ہوسکتی۔ ص۲ کالم ۶۔

اس کے بعد ص۲ کالم ۱ میں فرماتے ہیں۔

اور ہم ہندی مسلمان بھی خواہ ماضی میں ہمیں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رہا ہو۔ انگریزوں کے ساتھ ہیں اور اس وقت بھی ہم تمہاری امداد کرنا چاہتے ہیں۔

قائداعظم کی شرافت

سنہ ۴۰ء کے وسط (جون تک) جرمنی اور اٹلی کی فوجیں دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو تہ و بالا کر چکی تھیں اور اُن کے اعصابی حملوں کی رفتار دنیا کے بڑے سے بڑے جرنیلوں کو حواس باختہ کئے ہوئے تھی۔

ہٹلر اور اُس کے ساتھیوں کا چہرہ ڈراؤنے خواب کی طرح ہر وقت خوف زدہ انسانیت کے سامنے تھا۔ ہر طرف ایک شور محشر بپا تھا۔ اور دنیا کی بڑی سے بڑی شاہنشاہیت۔ اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لئے آخری طاقت صرف کر رہی تھی۔ ایسی حالت میں ہندوستان کے لئے سب سے اہم کام یہ تھا کہ سختی اور تشدد کے اس طوفان زار میں اپنی سلامتی کے سوال پر غور کرے۔

چنانچہ صدر آل انڈیا کانگریس کمیٹی (مولانا ابوالکلام صاحب آزاد) نے مسٹر جناح صاحب سے بذریعہ تار دریافت کیا کہ کیا وہ اس پر آمادہ ہو سکتے ہیں کہ صوبوں میں۔ نیز مرکز میں کسی ایک پارٹی کی وزارت کے بجائے مخلوط وزارت بنائی جائے مولانا نے تار کے شروع میں لکھا تھا کہ "میں یہ تار آپ پر اعتماد کر کے بھیج رہا ہوں۔"

اس مخلصانہ پیشکش اور شریفانہ طرز خطاب کے جواب میں قائداعظم نے جو انداز اختیار کیا۔ وہ سوقیانہ اخلاق کا حیرت انگیز شاہکار تھا۔

آپ نے تحریر فرمایا۔ (اور احساس کا انتہائی فقدان یہ کہ ساتھ ساتھ پریس کو بھی دیدیا)

آپ کے اعتماد کے جواب میں میں آپ پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ اور نہ خط و کتابت سے یا کسی بھی اور ذریعے سے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو کانگریس نے دکھلاوے کے نمائشی لڑکے (شو بوائے)

کی طرح کانگریس کا صدر بنا دیا ہے۔ (مدینہ ۱ر جولائی سنہ ۴۰ء)

قائد اعظم نے بجز ان غرور اور فرط نخوت میں یہ لکھ تو دیا۔ مگر ملک کے سنجیدہ طبقہ اور انصاف پسند اخبارات نے قائد اعظم کے اس ذلیل جواب پر جس برہمی کا اظہار کیا۔ وہ ایک باحیا انسان کے لئے عبرتناک سزا تھی۔

مدیر مدینہ نے تحریر کیا:۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو۔ اور نو کروڑ مسلمانوں کے ہادی کے یہی اخلاق ہیں جن پر مسلم لیگ کے ممبروں کو ناز ہے۔ قائد اعظم کو اگر خدا نے فطری شرافت نہیں دی ہے اور وہ اینگلو انڈین اور کرسچن لوگوں میں رہتے رہتے نہ صرف اپنی بیٹی کو بلکہ اپنی شرافت کو بھی غیروں کے سپرد کر چکے ہیں تو کم از کم مسلمانوں کا تو یہ فرض ہے کہ وہ اُن سے محاسبہ کریں اور پوچھیں کہ یہ کونسی شرافت ہے جس کا اظہار انھوں نے مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے اس طرح کیا ہے۔

(مدینہ ۷ ر جولائی سنہ ۴۰ء)

کانگریس کی پیشکش
مولانا آزاد کی قیادت میں
عدم تشدد سے انکار۔

سقوط فرانس کے بعد جرمنی کی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ امریکہ اور روس اُس وقت تک میدان میں نہیں اترے تھے۔ صرف برطانیہ ہٹلر کے مقابلہ پر باقی رہ گیا تھا۔ اُس وقت کانگریس نے ان جدید حالات پر غور و خوض کرنے کے لئے واردھا میں ۲۱ رجون سنہ ۴۰ء کو مجلس عاملہ کا اجلاس کیا۔ اور ایک بیان تجویز کیا جس کے چند فقرے درج ذیل ہیں۔

اب قومی آزادی کو حاصل کرنے کے مسئلے کے ساتھ ساتھ آزادی کو برقرار رکھنے بیرونی حملے اور اندرونی بدنظمی سے ملک کو بچانے کے سوال پر بھی غور کرنا ہے۔

بلاشک و شبہ یہ ظاہر ہوگیا ہے کہ جنگ امن اور آزادی نہیں لا سکتی اب دنیا کے سامنے دو چیزیں ہیں۔ یا تو وہ جنگ سے انتہائی ذلت اور تباہی مول لے لے یا تمام قوموں کی آزادی کی بنیاد پر امن اور اہنسا کا راستہ اختیار کرے۔ مہاتما گاندھی نے منظم اہنسا کی شکل میں مسلح حملے سے عوام کے حقوق اور آزادی کو بچانے کے لئے ایک ہتھیار پیش کیا ہے جسے جنگ کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔

ورکنگ کمیٹی قرار دیتی ہے کہ کانگریس کو جدوجہد آزادی میں عدم تشدد کے اصول سے سختی کے ساتھ وابستہ رہنا چاہئے۔

(مگر دوسرا عنصر یعنی جو مسئلے پیدا ہوئے ہیں) کمیٹی نے ان پر غور کیا۔ اور وہ اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ وہ گاندھی جی کے ساتھ پوری حد تک نہیں جا سکتی۔

اس لئے بیرونی حملے اور داخلی بدنظمی کے متعلق ہندوستان اور دنیا میں اس وقت جو حالات پائے جاتے ہیں۔ اُن کے ماتحت کانگریس جس پروگرام اور عمل کی پیروی کرتی ہے اس سے کمیٹی گاندھی جی کو بری الذمہ قرار دیتی ہے۔

(مدینہ — ۲۸ جون ۱۹۴۰ء)

اس کے بعد ۷ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء کو ورکنگ کمیٹی کا دوسرا اجلاس دہلی
میں پانچ روز تک ہوتا رہا۔ اس اجلاس میں ایک مختصر ریزولیوشن
پاس کیا جس میں برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ ہندوستان کی مکمل
آزادی کے متعلق غیر مبہم صورت میں اعلان کردے۔ اور اس جانب پہلے
قدم کے طور پر مرکز میں ایک عارضی نیشنل گورنمنٹ قائم کردے جسے
مرکزی اسمبلی کے منتخب ممبروں کا اعتماد اور صوبوں کی ذمہ دار حکومتوں
کا پورا پورا تعاون حاصل ہو۔ کیونکہ جب تک مذکورہ بالا توضیح نہیں
کی جاتی اور بالآخر مرکز میں قومی حکومت نہیں قائم ہوتی ملک کے
مادی اور اخلاقی وسائل کو ڈیفنس کے لئے جمع کرنے کی تمام کوششیں
کسی بھی لحاظ سے رضا کارانہ نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے وہ غیر مؤثر ہونگی
کانگریس ورکنگ کمیٹی یہ اعلان کرتی ہے کہ اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے
تو کانگریس ہندوستان کے ڈیفنس کی مؤثر تنظیم کے لئے تمام کوششوں
میں اپنا پورا پورا ساتھ دے گی۔ (مدینہ بجنور - ۱۳ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء)

۲۷ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا کانگریس کے اجلاس پونا کے موقع پر
مولانا آزاد نے افتتاحی تقریر میں واردھا ریزولیشن کی حمایت کرتے
ہوئے فرمایا تقریباً دو سال سے زیادہ سے یہ کشمکش جاری ہے کہ گاندھی
جی چاہتے ہیں کہ کانگریس اعلان کرے کہ وہ بیرونی حملوں کی مدافعت
اور اندرونی بدامنی کے مقابلہ کے لئے عدم تشدد (اہنسا) کی
پابند رہیگی ورنہ گاندھی جی کو کانگریس کی رہنمائی سے سبکدوش

کردیا جائے۔ مگر گاندھی جی کے اس اصرار کو ہم ٹالتے رہے۔ لیکن
اب ان کا اصرار حد سے بڑھ چکا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا
ہم یہ جانتے ہیں کہ انسانی برادری اس مرحلہ پر پہنچ چکی ہے کہ مسلح
مدافعت کی بے سودگی کا احساس ہوتے ہوئے بھی وہ تشدد کو
چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم یہ اعلان نہیں کرسکتے کہ ہم ملک
میں ایسا نظام حکومت رائج کریں گے جس میں مسلح فوج کی ضرورت
نہیں پڑے گی۔ اگر ہم ایسا اعلان کردیں تو یہ ہمارے لئے ٹھیک
نہیں ہمیں ہندوستانی قوم کے نمائندے کی حیثیت سے اپنی
پوزیشن کو بھی دیکھنا ہے۔" (مدینہ یکم اگست سنہ ۴۰ء)

چنانچہ اس اجلاس پونا منعقدہ ۲۷ جولائی میں جو تجویز پاس ہوئی
اس کا پہلا حصہ یہ تھا کہ اگرچہ اہنسا کانگریس کا بنیادی اصول ہے۔ لیکن
بحالات موجودہ وہ ملک کی اندرونی بدامنی اور بیرونی حملہ کے مقابلہ کے
لئے اس ہتھیار پر بھروسہ نہیں کرسکتی۔ دوسرا حصہ یہ تھا کہ اگر حکومت برطانیہ
ہندوستان کی آزادی کا غیر مبہم الفاظ میں اعلان کردے اور اسے عملی
جامہ پہنانے کے لئے پہلے قدم کے طور پر مرکز میں ایک قومی حکومت چند
شرائط کے ساتھ قائم کی جائے تو کانگریس ہندوستان کے دفاع کی مؤثر
تنظیم کے واسطے تمام کوششوں میں پوری طرح ساتھ دینے کے لئے تیار ہے
(مدینہ مورخہ ۵ اگست سنہ ۴۰ء مقالہ افتتاحیہ)

مسٹر جناح نے اس ریزولیوشن پر بھی اپنا فرض بخوبی انجام دیا۔ اور

قائد لیگ نے ایک بیان میں انہیں چیزوں کا اعادہ کیا کہ

> قومی حکومت کے معنی ہیں ہندو اکثریت کی حکومت۔ اس پوزیشن کو لیگ ہرگز منظور نہیں کر سکتی۔ ہندوستان میں ایک قوم نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ (مدینہ ۱۷ر جولائی ۱۹۴۰ء)

۸ر اگست ۱۹۴۰ء کا اعلان لیکن مسٹر جناح اور ان کی لیگ کی بد قسمتی یہ تھی کہ ہندوستان میں انگریزوں سے نفرت اور آزادی کا جذبہ روز افزوں تھا۔ اور بین الاقوامی پوزیشن برطانیہ کے لئے دن بدن خطرناک ہوتی جا رہی تھی۔ لہذا کانگریس کی پیشکش کے جواب میں ۸ر اگست ۱۹۴۰ء کو برطانوی سامراج نے اپنے ہندوستانی ایجنٹ (وائسرائے ہند) کے ذریعہ سے اعلان کیا۔

> حکومت برطانیہ نے مجھے اس بات کا اعلان کرنے کا اختیار دیا ہے کہ وہ جنگ کے خاتمہ پر ہندوستان کے نئے آئین کا ڈھانچہ تیار کرنے کے لئے فوراً ایک ایسی جماعت قائم کرنے کی منظوری دیدیگی جو ہندوستان کی قومی چیدہ عناصر کی نمائندہ ہو اور حکومت تمام متعلقہ مسائل کا جلد سے جلد تصفیہ کرانے میں حتی المقدور ہر طرح مدد دیگی۔ دریں اثنا حکومت ہر ایسے مخلصانہ اور عملی اقدام کا خیر مقدم کرے گی اور اُسے پایہ تکمیل تک پہونچانے میں ہر طرح کی مدد کرے گی جو ہندوستان کے نمائندہ لیڈر اپنے طور پر دوستانہ سمجھوتہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کے متعلق کریں گے۔
>
> (۱) جنگ کے بعد جو نمائندہ جماعت قائم کی جائے اسکی شکل کیا ہو

اور وہ متعلقہ مسائل کا فیصلہ کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرے

(مدینہ مورخہ ۱۳ راگست ۱۹۴۰ء)

(۲) خود آئین کے اصول اور طریق کیا ہوں -

عارضی گورنمنٹ کے متعلق یہ اعلان کیا کہ

حکومت نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں ہندوستان کے کچھ نمائندہ لیڈروں کو اپنی ایگزیکیٹو کونسل میں شمولیت کے لئے دعوت دوں حکومت نے مزید مجھے ایک جنگی مشاورتی کونسل قائم کرنے کا اختیار دیا ہے جو مقررہ اوقات پر اجلاس کریگی اور جس میں ہندوستانی ریاستوں اور مجموعی طور پر ہندوستان کی قومی زندگی کے دوسرے مفاد کے نمائندے شامل ہونگے - (مدینہ ۱۳ راگست ۱۹۴۰ء)

اس اعلان میں مسٹر جناح کی بار بار کی چیخ پکار کے برخلاف کانگریس کے نمائند اسمبلی کے مطالبہ کو منظور کر لیا گیا - مگر قومی گورنمنٹ یعنی دوران جنگ میں ہندوستانیوں کی با اختیار کیبینٹ کے مطالبہ سے پہلو تہی کی گئی - لہذا کانگریس نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا - صدر کانگریس مولانا آزاد کو وائسرائے نے ملاقات کی دعوت دی تو آپ نے ملاقات بھی گوارا نہیں کی اور صاف انکار کر دیا - اور مسٹر جینا اور ان کی لیگ نے اپنے تمام مطالبات چھوڑ کر اس پیش کش کی مدح سرائی شروع کر دی -

مگر جمعیۃ علماء ہند کا فیصلہ چونکہ بقول حضرت ابو المحاسن مولانا سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند) "صداقت و دیانت کی حکمت پر

تو تھا البتہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ چنانچہ حضرت موصوف نے ۱۴ راگست ۱۹۴۰ء کو ایک طویل بیان اخبارات کو دیا۔ جس کے خاص خاص فقرے درج ذیل ہیں۔

گذشتہ ستمبر کے وسط میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے جنگ یورپ کے متعلق ملکی اور مذہبی نقطۂ نظر سے جو فیصلہ کیا تھا وہ صداقت و دیانت کی حکمت پر مبنی تھا اس نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ جنگ میں مدد کے لئے کوئی وجہ جواز معلوم نہیں ہوتی۔ اس کا یہ اعلان واضح غیر مبہم قطعی تھا اور کسی شرط کے ساتھ مشروط نہ تھا۔ اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے وزیر ہند اور وائسرائے کے ان بیانوں اور پیشکشوں کی طرف کبھی کوئی دھیان نہیں دیا۔ جو وقتاً فوقتاً منظر عام پر لائے گئے۔ کیونکہ ہندوستان کی مکمل آزادی ہمارا فطری اور مستقل حق ہے جس کو ہمیں حاصل کرنا ہے۔ اس کا جنگی مدد سے کوئی تعلق نہیں۔ مکمل آزادی کے اعلان کے بعد بھی اس وقت تک مدد کرنا ضروری نہیں ہے۔ جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہماری آزادی کا اعلان حقیقت پر مبنی ہے اور ہم مدد کرنے نہ کرنے میں خود مختار ہیں۔ نیز یہ کہ جنگ صرف مظلوموں اور کمزوروں کی مدد کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ سامراجی مقاصد کو پورا کرنے کیلئے نہیں ہے۔

بیان کے آخر میں فرمایا تھا۔

بلاشبہ کانگریس کے آٹھ صوبوں کی حکومت سے دست بردار ہونے اور کامل آزادی کے اعلان اور قومی حکومت کے مطالبہ سے متاثر ہو کر وائسرائے

ہند مرکزی حکومت میں توسیع پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ جس سے رجعت پسند
لیڈروں کے منہ میں پانی آ رہا ہے کہ جس طرح ممکن ہو وہ اس اسکیم کو عمل
میں شامل کرلئے جائیں اور قرائن بتا رہے ہیں کہ شاید ان کی یہ مرادیں پوری
بھی ہو جائیں گی۔ مگر انہیں سوچنا چاہئے کہ ان کے اس طرز عمل سے ملک کو اور
ان کی ملت کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ غلامی کی زنجیریں مضبوط ہوں گی یا کمزور۔ اس
موقع پر مسلمانوں کو خصوصیت سے سوچنا چاہئے کہ وہ قانون الٰہی کے ماتحت
جنگ و صلح اور مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کے بجائے صرف عہدوں اور
دنیوی عزت کے لئے کسی سامراجی طاقت کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر بیٹھیں گے
تو اس کا آخری نتیجہ کس قدر ہولناک ہوگا۔ اور خدا کے نزدیک وہ کس درجہ کے مستحق
ہوں گے۔ (مدینہ ۱۷؍ اگست ۱۹۴۰ء)

۹ و ۱۰؍ دسمبر ۱۹۴۰ء مطابق ۲۷، ۲۸؍ شعبان ۱۳۵۹ھ کو مجلس عاملہ جمعیۃ
علماء ہند کا اجلاس زیر صدارت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب منعقد
ہوا۔ اس اجلاس میں حسب ذیل اعلان مرتب کیا گیا۔ برطانیہ کی طرف سے
اس نازک ترین تاریخی موقع پر بھی ہندوستان کی آزادی کو تسلیم نہ کرنا اور بعداً
جنگ ہندوستانیوں کی آزادی کا اعلان نہ کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ
ہندوستان کو اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق اور کسی قسم کا اقتدار دینا ہی نہیں
چاہتا اور اس صورت میں یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کا جنگ
میں برطانیہ کے ساتھ جس قدر تعاون اور امداد ہے وہ رضاکارانہ ہرگز نہیں
ہے۔ ان کی طرف سے ان کی مرضی کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا گیا ہے

جمعیۃ علماء ہند اپنے وطن ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے۔ یہی اس کا مطمح نظر اور نصب العین ہے۔ نہ وہ نازی ازم کو ہندوستان پر مسلط دیکھنا چاہتی ہے نہ فیسیزم کو نہ اشتراکیت کو پسند کرتی ہے۔ نہ جاپانی پالیسی اور اقتدار کو۔ وہ اپنے اوپر خود حکومت کرنے کا حق چاہتی ہے اور بس۔

لہٰذا وہ علیٰ رؤس الاشہاد اعلان کرتی ہے کہ اس کی پالیسی ستمبر ۱۹۳۹ء میں میرٹھ کی تجویز کی شکل میں شائع ہو چکی ہے اور جس کی تصریح مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب اپنے مکتوب مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۹۴۰ء (بنام وائسرائے ہند) میں کر چکے ہیں۔ باوجود ایک سال گذر جانے اور مختلف مدارج و منازل سے گذر چکنے کے بعد آج بھی بدستور قائم ہے اور وہ یہی ہے کہ برٹش سامراج کی اس تحفظ شہنشاہیت کی جنگ میں شریک ہونے کی کوئی وجہ جواز نہیں باقی۔

علماء حق کی گرفتاریاں جمعیۃ علماء ہند کے محترم اراکین اپنی اس پالیسی کی اشاعت تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے کر رہے تھے۔ مگر افسوس حکومت نے ان کی پر صداقت صدا کی طرف منصفانہ توجہ دینے کی بجائے جبر و تشدد کے ذریعہ سے اس آواز حق کو دبانا چاہا۔ چنانچہ جابجا "کلمۃ الحق" کو سربلند کرنے والے مجاہد علماء کرام کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں اور ان پر مقدمات چلائے گئے اور ان کو سزائیں دی گئیں۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل علماء کرام کے اسماء گرامی خاص طور قابل تذکرہ ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام المسلمین لاہور جو تفسیر و ترجمہ قرآن کے درس میں غیر فانی شہرت کے مالک ہیں۔ اور جن کے تلامذہ

اور مستفیضین کی تعداد جو تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہزاروں سے بھی متجاوز ہے۔

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب جو سیاسی تدبر، علمی تبحر، تحریر اور تقریر کی اعلیٰ عبارت میں ممتاز ترین درجہ رکھتے ہیں۔

سالار اعظم انصار اللہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہانپوری

حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہاں پوری صدر جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ۔

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری الہ آبادی۔ سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل صاحب الہ آباد رکن مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند

مولانا الحاج محمد انیس صاحب (ایم۔ایل۔اے) استاد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد۔

مولانا سید اختر اسلام صاحب استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد۔

وغیرہ وغیرہ بے شمار علماء کرام جن کی فہرست کی طوالت اوراق کتاب کی وسعت کے لئے غیر قابل برداشت ہے۔

کانگریس نے اسی زمانہ میں گاندھی جی کی زیر قیادت انفرادی ستیہ گرہ کا پروگرام مرتب کیا۔ سب سے پہلے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اراکین، اور صوبجاتی حکومتوں کے وزراء جنگ کی مخالفت کا اعلان کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ اس کے بعد صوبجاتی اسمبلیوں کے ممبر۔ پھر صوبہ کانگریس کمیٹی کے اراکین، اس کے بعد مقامی کانگریس کمیٹیوں کے صدر سکرٹری اور پھر وہ

خواص خاص حضرات جن کے نام کی مقامی کانگریس کمیٹی سفارش کرتی تھی اور گاندھی جی اس کو منظور کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک دوسرے پر سبقت و پیش دستی کی مثالیں مشاہدہ میں آئیں جو تاریخ میں عجیب ... کی یادگار ہیں۔

کانگریس کی دوبارہ پیشکش
اور
گاندھی جی کا استعفا

انفرادی ستیہ گرہیوں کی زیادہ تعداد ۱۹۴۱ء کے اوسط تک رہا ہو گئی۔ اکتوبر ۱۹۴۱ء میں حکومت نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی مجلس عاملہ کے باقی ارکان کو بھی رہا کر دیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو جن کو گورکھپور کی ایک تقریر پر ستیہ گرہ شروع ہونے سے پہلے ہی گرفتار کر کے چار سال قید بامشقت کی سزا دی گئی تھی، وہ بھی رہا کر دیئے گئے۔

یہ حکومت کی جانب سے ایک مصالحانہ اقدام تھا۔ کانگریس نے اس اقدام کو پسند کیا۔ مگر گاندھی جی کی قیادت اس اقدام کی ترقی کے راستہ میں حائل ہو رہی تھی۔

گاندھی جی اہنسا کے 'معتقد' اور حکومت فوجی امداد کی خواہاں۔ لہذا تقاضائے سیاست تھا کہ گاندھی جی کو قیادت کے فرض سے سبکدوش کر دیا جائے۔ چنانچہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی منعقدہ جنوری ۱۹۴۲ء بمقام باردولی نے گاندھی جی کو اُن کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔ چونکہ یہ تاریخ کانگریس کا ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ لہذا ہم اس پوری تجویز کو نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ یہ تجویز اس امر کی بین شہادت ہے کہ کانگریس عدم تشدد کو

ایک پالیسی کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہے۔ عقیدہ کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتی۔ کانگریس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ عدم تشدد اور اہنسا کا معتقد ہو۔ ہاں جب تک کانگریس عدم تشدد کی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے اس کی پابندی بحیثیت پالیسی اس پر لازم ہوگی۔

گاندھی جی کے بارہ میں کانگریس کا ریزولیشن

کانگریس ورکنگ کمیٹی کو گاندھی جی کی طرف سے حسب ذیل خط موصول ہوا ہے۔

اور وہ اُن کے نکتے کی معقولیت کو تسلیم کرتے ہوئے اُنہیں اس ذمہ داری سے سبکدوش کرتی ہے جو بمبئی کے اجلاس میں پاس شدہ تجویز کے مطابق اُن پر ڈالی گئی تھی۔ لیکن کمیٹی انہیں یقین دلاتی ہے کہ ان کی رہنمائی میں سوراج حاصل کرنے کے لئے کانگریس نے اہنسا کی جو پالیسی اختیار کی تھی اور جو عوام میں بیداری پیدا کرنے میں اسی قدر کامیاب رہی تھی اس پر کانگریس بدستور عمل کرے گی۔ ورکنگ کمیٹی انہیں مزید یقین دلاتی ہے کہ وہ ایک آزاد ہندوستان میں بھی جہاں تک ممکن ہو سکا عدم تشدد کے دائرہ کو وسیع کرنا چاہتی ہے۔ کمیٹی کو امید ہے کہ کانگریس گاندھی جی کو اپنے مشن کو جس میں سول نافرمانی بھی شامل ہے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں پوری پوری امداد دیگی۔

(زمزم لاہور ۔ ۱۱ جنوری ۴۲ء)

تجویز میں گاندھی جی جس خط کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کا اختصار حسب ذیل ہے:

ورکنگ کمیٹی کی میٹنگوں میں بحث و تمحیص کے دوران میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں نے بمبئی ریزولیوشن کا مطلب سمجھنے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔ میں اس ریزولیشن کا مطلب یہ لیتا تھا کہ کانگریس عدم تشدد کی بنا پر موجودہ لڑائی اور دوسری لڑائیوں میں شرکت کرنے سے انکار کر دے گی۔ لیکن یہ دیکھ کر مجھے حیرانی ہوئی ہے کہ بہت سے ممبر ریزولیشن کے معنے لینے میں مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ جنگ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ لازمی طور پر عدم تشدد نہ ہونی چاہئے۔ بمبئی ریزولیشن کو دوبارہ پڑھنے کے بعد مجھے واضح ہو گیا کہ اختلاف رائے رکھنے والے ممبر درست تھے اور میں نے ریزولیشن کے وہ معنی لئے جو الفاظ میں نہیں تھے۔ ....

یہ میرا قطعی یقین ہے کہ صرف عدم تشدد ہی ہندوستان کو اور دنیا کو تباہی سے بچا سکتا ہے جب ایسی حالت ہو تو مجھے اپنا مشن جاری رکھنا چاہئے۔ چاہے میں اکیلا ہوں یا کوئی آرگنائزیشن یا انفرادی اشخاص میرے ساتھ ہوں۔ اسلئے مہربانی کرکے آپ مجھے اُس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیں جو بمبئی ریزولیشن کے ذریعہ مجھ پر پڑی ہوئی ہے۔ الخ

(زمزم لاہور ۱۰ جنوری ۱۹۴۲ء ص ۹ ج ۱۵)

گاندھی جی کے استعفے کے بعد خان عبدالغفار خان نے بھی ورکنگ
کمیٹی سے استعفا دیا۔ اس اجلاس میں کانگریس نے جو تجویز منظور کی۔ اگرچہ
وہ طویل ہے مگر چونکہ وہ اس دور کے متعدد واقعات پر روشنی ڈالتی ہے
اس لئے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت سے ہم اس کو بجنسہ نقل کر دینا
مناسب سمجھتے ہیں۔

۱۴ ر مہینے ہوئے کہ ورکنگ کمیٹی کا آخری اجلاس ہوا تھا۔ اس
عرصہ میں دنیا جنگ بڑے گڑھے کی زیادہ گہرائی میں چلی گئی ہے
اور اپنی تباہی کی طرف تیزی سے دوڑی جا رہی ہے۔ ورکنگ
کمیٹی کے ممبران جیل سے رہائی کے بعد ایک بار پھر جمع ہوئے ہیں
اور اس عرصہ میں جو ملکی اور بین الاقوامی حالات پیدا ہوئے
ان پر اچھی طرح غور و خوض کیا گیا ہے۔ کانگریس اور قوم کی اس
نازک مرحلہ پر رہنمائی کا بوجھ ورکنگ کمیٹی اس صورت میں اپنے
کندھوں پر اٹھا سکتی ہے اگر ہندوستان کے لوگوں کا صدق دلانہ تعاون
اسے حاصل رہے۔

کانگریس کے مقاصد

ورکنگ کمیٹی نے صورت حالات پر غور و خوض کرتے وقت ان
اصولوں اور مقاصد کو مدنظر رکھا ہے جن کے حصول کے لئے
کانگریس عالم وجود میں لائی گئی تھی اور جن کے لئے وہ اتنے لمبے
عرصہ سے جدوجہد کرتی آرہی ہے۔ کمیٹی کا وشواس ہے کہ موجودہ

حالات میں جبکہ دنیا ایک نئے دور میں سے گذر رہی ہے ہندوستان کے لوگوں کے لئے مکمل آزادی نہ صرف ہندوستان کی بہبودی کے لئے بلکہ دنیا بھر کی بہبودی کے لئے اور بھی ضروری ہو گئی ہے۔ کمیٹی کا یہ عقیدہ ہے اور وہ اس کا اعادہ کرتی ہے کہ دنیا میں حقیقی امن اور آزادی صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتی ہے جبکہ اس کی بنیاد اقوام عالم کی آزادی اور باہمی تعاون پر رکھی جائے۔

موجودہ جنگ اور کانگرس

کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ۱۴ ستمبر ۱۹۳۹ء کے ریزولیوشن کے ذریعہ موجودہ جنگ کے متعلق اپنے رویہ کی پوری پوری وضاحت کردی تھی جس میں اس نے نازی اور فیسسٹ طاقتوں کے جارحانہ اقدام کی مذمت کرتے ہوئے آزادی اور جمہوریت کے کاز کی اس خطرہ پر امداد کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی کہ برطانوی حکومت اپنے جنگی مقاصد کی وضاحت اور اگر اس نے جمہوریت اور آزادی کی حفاظت کے لئے اعلان جنگ کیا ہے تو ان پر حالات موجودہ جہاں تک ممکن ہو سکے پورا پورا عمل کیا جائے۔

کمیٹی نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ اگر برطانیہ جمہوریت اور آزادی کی حفاظت کے لئے لڑ رہا ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ثبوت ہندوستان میں بھی دے اور سب سے پہلا کام یہ کرے کہ

ہندوستان میں امپیریلزم کو ختم کر دے اور ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کرے۔

برطانیہ کے اعلانات

کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اس ریزولیوشن کے بعد برطانیہ کی طرف سے جو اعلانات ہوئے اور اس کے نمائندوں نے ہندوستان میں جس رجعت پسندانہ اور سخت گیرانہ پالیسی پر عمل کیا۔ اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ گورنمنٹ برطانیہ ہندوستان پر اپنا امپیریلسٹ تسلط نہ صرف قائم رکھنا چاہتی ہے بلکہ اسے مضبوط کرنے اور ہندوستان کے لوگوں کی لوٹ کھسوٹ کو جاری رکھنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔ برطانیہ نے ہندوستان کے متعلق جو پالیسی روا رکھی وہ ہندوستان کی جان بوجھ کر توہین کرانے کے مترادف تھی۔ اس نے نہ صرف ہندوستان میں مطلق العنانی کو جاری رکھا بلکہ ان عناصر کی حوصلہ افزائی کی جو ہندوستان کی قومی زندگی میں انتشار ڈالنے کے درپے تھے۔ نہ صرف یہ کہ آبرومندانہ سمجھوتہ کے لئے کانگریس کی ہر پیشکش ٹھکرا دی گئی بلکہ ہندوستان کے ان سیاسی عناصر کے مطالبات کو بھی رد کر دیا جنہیں ماڈریٹ کہا جاتا ہے۔

ستیا گرہ کرنا پڑا

ان حالات میں ہندوستان کے لوگوں کی عزت اور ابتدائی حقوق کی حفاظت کے لئے کانگریس مجبور ہو گئی اور اس نے گاندھی جی سے

درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں کارروائی کرنے کے لئے کانگریس کی رہنمائی کریں چونکہ گاندھی جی اپنے مخالفوں کو جبکہ وہ مشکل میں پھنسے ہوں پریشان کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ اسلئے انہوں نے انفرادی ستیہ گرہ کی اجازت دی۔ اور وہ بھی نہایت محدود شکل میں۔ انہوں نے ستیاگرہیوں کے انتخاب کے سلسلہ میں ایسی شرائط عائد کر دیں جن کو محدود اشخاص ہی پورا کر سکتے تھے۔ یہ ستیاگرہ پچھلے چودہ مہینہ سے ہو رہا ہے۔ اس دوران میں پچیس ہزار کانگریسی جیل میں گئے۔ صوبہ سرحد اور بعض دوسرے صوبوں کی حکومتوں نے ستیاگرہیوں کو گرفتار نہ کرنے کی پالیسی اختیار کی ورنہ یہ تعداد بہت زیادہ ہوتی۔

مہاتما جی کی خدمات کا اعتراف

کمیٹی مہاتما گاندھی کی لیڈرشپ کا نہایت ادب سے احترام کرتی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے کہ ان کی لیڈرشپ سے ہندوستان کی تحریک آزادی بہت مضبوط ہو گئی ہے۔ لیکن موجودہ جنگ کی تباہ کاریوں سے بھی برطانیہ متاثر نہیں ہوا اور اس کا ہندوستان کے متعلق رویہ نہیں بدلا۔

سیاسی قیدیوں کی رہائی

ان حالات میں ستیاگرہیوں اور سیاسی قیدیوں کی محدود رہائیوں کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔ خصوصاً ان سرکاری اعلانات کے

میش نظربہ رہائیاں بے معنی ہو جاتی ہیں۔جن میں بتایا گیا ہے کہ ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ برطانیہ نے ہندوستان سے متعلق اپنی پالیسی میں تبدیلی کرلی ہے۔ ابھی تک ہزاروں اشخاص نظر بند ہیں اور اُن کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ محب وطن ہیں۔ اور ہندوستان کو برطانوی امپیریلزم سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔تازہ گرفتاریوں سے صاف ظاہر ہے کہ برطانیہ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

موجودہ صورت حالات

لیکن برطانیہ کے اس رویہ کے باوجود ورکنگ کمیٹی کو بین الاقوامی حالات میں کئی تبدیلیوں پر غور کرتا ہے جن کی وجہ سے جنگ ہندوستان کے نزدیک پہنچ گئی ہے۔ کانگرس کی ہمدردی یقیناً ان ممالک اور لوگوں کے ساتھ ہے جو جارحانہ اقدام کا شکار ہوئے ہیں اور اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ لیکن آزاد اور خود مختار ہندوستان ہی قومی لائنوں پر اپنی حفاظت کی ذمہ داری لے سکتا ہے اور اس وسیع کاز کو تقویت پہنچا سکتا ہے کہ موجودہ جنگ کے طوفان میں سے اٹھ رہے ہیں۔ ہندوستان کا سارا پس منظر برطانیہ کی طرف اس کی مخالفت اور بدگمانی سے بھرا پڑا ہے اور حالات اس حد تک خراب ہو گئے ہیں کہ دور رس وعدے بھی اس پس منظر میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔ کمیٹی کی رائے ہے کہ غلام

ہندوستان گستاخ امپیریلزم کو امداد نہیں دے سکتا۔ ایڈ کمیٹی یہ اعلان کرتی ہے کہ ۱۶ ستمبر ۱۹۴۰ء کا بمبئی ریزولیوشن بحال رہنا چاہیئے۔ اور اس میں کانگریس کی پالیسی کی جو وضاحت کی گئی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔

مسٹر جناح کا انتباہ مسٹر جناح اس موقعہ پر بھی غافل نہیں رہے مصالحت کے راستہ پر ایک سنگ گراں ڈالدیا۔

آپ نے ۲۱ جنوری ۱۹۴۲ء کو ایک انٹرویو کے دوران میں فرمایا :۔

میری توجہ باردولی میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ریزولیوشنوں کی طرف منعطف کرائی گئی۔ (منعطف کرانے والا کون تھا؟) میرے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ان ریزولیوشنوں کا مطلب کیا ہے کانگریس ان ریزولیوشنوں میں اپنی پہلی پوزیشن سے بال بھر بھی ادھر ادھر نہیں ہوئی۔ کانگریس نے وہی پہلا مطالبہ کیا ہے کہ ہندوستان کی فوری آزادی کا غیر مشروط اعلان کیا جائے۔ (سب سے بڑا جرم) ہندوستانیوں کو کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے ذریعہ سے اپنا آئین مرتب کرنے کا حق دیا جائے۔ (گناہ عظیم) اور کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے ممبروں کو متحدہ ہندوستان میں ہر بالغ کے حق ووٹ دہی کی بنا پر منتخب کیا جائے۔ (دعوے جمہوریت کے ساتھ اس سے بڑا جرم اور کیا ہو سکتا ہے؟)

ان مطالبات کو منظور کرنے کا مطلب ہندو راج قائم کرنا ہے

جسے مسلم ہندوستان کبھی منظور نہیں کر سکتا...................

مسلم لیگ نے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر ۸ راگست کی پیشکش سے مختلف کوئی اعلان کیا گیا تو اس نازک مرحلہ پر نہایت خطرناک حالات پیدا ہو جائینگے اور یہ مسلمانوں کے ساتھ بھاری غداری ہو گی۔ جہاں تک جنگی کوششوں کا تعلق ہے مسلم لیگ اکیلی یا دوسری پارٹیوں کے ساتھ مل کر ملک کی حفاظت کا بوجھ اپنے کندھوں پر لینے کے لئے تیار ہے۔ بشرطیکہ مسلمانوں کو مرکز اور صوبوں میں حقیقی حصہ دیا جائے لیکن گورنمنٹ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ (ضرورت کیا تھی دینا جانتی ہے مسلم لیگ انگریزی کاسہ لیس ہے)

زمزم ۱۷ر جنوری ۴۲ء

مسٹر جناح کی تضاد بیانی قابل عبرت ہے۔ وہ ۸ راگست والے اعلان کو لیگ کے لئے اطمینان بخش قرار دے رہے ہیں۔ اس سے ایک انچ ہٹنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ اس میں تقسیم ہندوستان کا کوئی تذکرہ نہیں۔ بلکہ دوسرے متحدہ ہندوستان کا رجحان ہی نمایاں ہے۔ مزید برآں ابھی مسٹر جناح کے یہ الفاظ فضا میں گونج رہے تھے کہ سر اسٹیفورڈ کرپس اپنی تجویز لیکر ہندوستان پہونچ گئے جو ۸ راگست ۴۰ء کے اعلان سے میلوں ہٹی ہوئی تھی۔ اب مسٹر جناح جذبہ وفاداری میں ۸ راگست کی تجویز فراموش کر کے تجاویز کرپس میں مصروف و مشغول ہو گئے۔ مسلم لیگ کی طرف سے خطرناک حالات تو کجا کوئی ایک بھی خطرہ نہ پیدا ہوا۔

حلقۂ در گردنم افگندہ دوست
می کشد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

سر اسٹیفورڈ کرپس کی آمد اور کانگریس و مسلم لیگ

کانگریس کی یکم جنوری والی پیش کش بیکار نہیں گئی۔ مزید براں حالات جنگ نے غیر معمولی تبدیلی اختیار کرلی۔ جاپانی فوجوں کا سیلاب بڑی تیزی سے ہندوستان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مشرق کا مضبوط ترین پھاٹک یعنی سنگاپور (جس کے استحکام پر برطانوی سامراج کو ناز تھا۔) ۱۵ر فروری ۱۹۴۲ء کو جاپانی فوجوں کے قدموں میں گرچکا تھا اور صرف ۲۴ روز بعد یعنی ۹ر مارچ ۴۲ء کو رنگون بھی نذر طوفان ہوچکا تھا۔ چنانچہ ۱۱ر مارچ ۴۲ء کو وزیر اعظم برطانیہ نے اعلان کیا کہ سر اسٹیفورڈ کرپس اہل ہند سے گفتگو کرنے ہندوستان جارہے ہیں اور ۲۲ر مارچ ۴۲ء کو کرپس بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچ گئے۔

اسی ہفتہ میں ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲ر مارچ ۴۲ء ۲ر ۳ر ۴ر ربیع الاول ۱۳۶۱ء کو مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی لاہور میں ہورہا تھا۔

اجلاس جمعیۃ علماء نے کرپس مشن سے متعلق جو تجویز اس وقت پیش کی۔ وہ اگرچہ پیشین گوئی کی حیثیت رکھتی تھی مگر بعد کے واقعات نے واضح کردیا کہ یہ پیشین گوئی مستقبل کا مرقع تھی۔

تجویز یہ تھی۔

ہندوستان کی آزادی کے متعلق سر اسٹیفورڈ کرپس برطانوی حکومت کا کوئی نظریہ لائے ہیں معلوم نہیں وہ نظریہ کیا ہے اس لئے اسکے متعلق

اظہار رائے کا کوئی موقع نہیں۔ تاہم یہ امر بھی یقینی ہے کہ برطانوی حکومت نے اس کام کا بہترین وقت اپنی ناعاقبت اندیشی اور مغرورانہ بڑائی سے ضائع کردیا۔ اندیشہ ہے کہ موجودہ نازک لمحات میں کوئی ایسی تجویز بھی جو اگر بروقت ہوئی تو مناسب سمجھی جاتی لیکن بعد از وقت کی مشہور مثل کی مصداق نہ بن جائے۔

تاہم ان نازک لمحات میں ہندوستانیوں کے فرائض بہت اہم ہوگئے ہیں۔ جمعیۃ علماء تمام مسلمانان ہند اور مسلم اداروں کو پرزور توجہ دلاتی ہے کہ اس وقت تمام مسلم ادارے اور جماعتیں اشتراک عمل سے کام لیں اور پورے غور و فکر اور تبادلۂ خیالات کے بعد کسی متحدہ فیصلہ پر سب متفق ہوجائیں۔ (رپورٹ اجلاس لاہور ۱۹۴۲ء)

اس تجویز میں کرپس مشن کے متعلق پیشین گوئی کرتے ہوئے تمام مسلم اداروں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ ایک متحدہ فیصلہ پر متفق ہوجائیں۔

عام اجلاس میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نے اس تجویز کو سناتے ہوئے خاص طور پر مسلم لیگ کو دعوت دی۔ مگر افسوس کرپس مشن کی طرح وہ دعوت اتحاد بھی ناکام ثابت ہوئی۔ وہاں انگریز کا غرور کارفرما تھا یہاں انگریز پرستوں کی نخوت سد راہ۔

جمعیۃ علماء نے آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے صحیح موقف کے متعلق ایک فارمولا بھی پیش کیا جس کے اعتدال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چار سال بعد جب سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں کو معتدل فارمولے کی

تلاش ہوئی تو جمعیۃ علماء ہند کا یہی فارمولا تھا جو رہنا ثابت ہوا۔ حتیٰ کہ مسٹر جناح اور ان کی لیگ کو بھی اس فارمولے کے اصول کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ مگر افسوس جمعیۃ علماء ہند کے راستہ سے نہیں بلکہ کیبنٹ مشن کے راستہ سے۔

کاش اس وقت جمعیۃ علماء ہند کی دعوت اتحاد منظور کر لی جاتی تو آج ہندوستان کا آسمان حکومت بدل چکا ہوتا اور زمین ہندوستان ہندوستانیوں کے زیر نگیں ہوتی۔ فارمولا یہ تھا:۔

> جمعیۃ علماء بارہا اس امر کا اعلان کر چکی ہے کہ اس کا نصب العین آزادی کامل ہے۔ اس پر تمام مسلمانان ہند متفق ہیں اور اسی کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ جمعیۃ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے۔ اُن کا مذہب آزاد ہوگا اور مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہوگی۔ وہ کسی ایسے آئین کو ہرگز قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔
>
> جمعیۃ علماء ہند ہندوستان میں صوبوں کی کامل خود مختاری اور آزادی کی زبردست حامی ہے۔ جس میں غیر مصرحہ اختیارات بھی صوبوں کے ہاتھ میں ہوں، نہ مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالہ کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو۔ ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ ہوگی۔ یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

(رپورٹ اجلاس لاہور ۱۹۴۲ء
جمعیۃ علماء کیا ہے حصہ دوم)

اس فارمولے میں چار اصول پیش کئے گئے ہیں:۔

(۱) آزادی کامل۔

(۲) ایسی وطنی آزادی کہ مسلمان اپنے مذہب۔ کلچر۔ تہذیب ثقافت کے لحاظ سے بھی آزاد ہوں۔

(۳) صوبے کامل خود مختار ہوں۔ مرکز کو صرف وہی اختیارات حاصل ہوں جن کو صوبے طے کردیں باقی غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں۔

(۴) ہندوستان کا ایک وفاق ہو مگر وہ اس طرح مرتب کیا جائے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔ وہ کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر مجبور

نہ ہوں۔

اس اجلاس سے ایک ہفتہ بعد یعنی ۲۹ مارچ ۱۹۴۲ء کو سر اسٹیفورڈ کرپس کی تجویز شائع کردی گئی۔ چونکہ آئندہ تجاویز اور فارمولوں کے سلسلہ میں یہ تجویزیں کافی اہمیت رکھتی ہیں۔ لہذا ہم ان تجاویز کے پورے مسودے کو نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

تجاویز کرپس اس ملک میں اور ہندوستان میں ان وعدوں کی تکمیل کے متعلق ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں کئے گئے ہیں جو فکر ظاہر کی جارہی ہے اس پر غور کرنے کے بعد ملک معظم کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان تدبیروں کو صاف اور واضح لفظوں میں پیش کردیا جائے جو ہندوستان میں جلد سے جلد سیلف گورنمنٹ قائم کرنے کے لئے وہ اختیار کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ایک نئی "انڈین یونین" قائم کی جائے جو ایک ڈومینیں ہوگی۔ یہ ڈومینیں برطانیہ اور دوسری ڈومینیوں سے ایک رشتہ میں منسلک ہوگی۔ یہ رشتہ ہوگا تاج برطانیہ سے مشترکہ وفاداری۔ مگر ہر اعتبار سے ہندوستانی ڈومینین برطانیہ اور دوسری ڈومینیوں کے برابر ہوگی اور اپنے داخلی اور خارجی معاملوں کے کسی پہلو کے لحاظ سے کسی طریق پر ماتحت نہ ہوگی۔ لہذا ملک معظم کی حکومت حسب ذیل اعلان کرتی ہے:-

(الف) لڑائی ختم ہوتے ہی ہندوستان کا نیا آئین بنانے کی

خاطراس طریقہ سے جو آگے چل کر واضح کیا گیا ہے۔ ایک منتخب پنچایت قائم کرنے کے لئے قدم اٹھائے جائیں گے۔

(ب) آئین بنانے والی پنچایت میں ہندوستانی ریاستوں کی شرکت کا بندوبست کیا جائے گا۔ جو ذیل میں واضح کیا گیا ہے:۔

(ج) ملک معظم کی حکومت اقرار کرتی ہے کہ اس طریق سے جو آئین بنایا جائے گا وہ اسے منظور کرے گی اور اسے عملی جامہ پہنائے گی صرف ان شرطوں کے ساتھ کہ

(۱) برطانی ہند کا جو صوبہ نیا آئین منظور کرنے کو تیار نہ ہو۔ اسے اپنی موجودہ آئینی حیثیت قائم رکھنے کا حق ہوگا۔ مگر یہ گنجائش رکھی جائے گی کہ اگر وہ چاہے تو بعد میں اس آئین میں شریک ہو سکے گا۔ جو صوبے (نئی انڈین یونین میں) شریک نہ ہوں۔ اگر وہ جائیں گے تو ملک معظم کی حکومت اُن کے لئے ایک نیا آئین منظور کرنے کو تیار ہوگی۔ جس میں انہیں انڈین یونین جیسی مکمل حیثیت حاصل ہوگی اور اُن کا آئین جس ضابطہ سے بنے گا وہ اس کے مطابق ہوگا جو یہاں درج کیا گیا ہے

(۲) ملک معظم کی حکومت اور آئین بنانے والی جماعت کے درمیان گفت وشنید کے ذریعہ ایک معاہدہ کیا جائیگا۔ اس معاہدہ میں وہ تمام ضروری باتیں شامل ہونگی جو ذمہ داری کو برطانوی ہاتھوں سے ہندوستانی ہاتھوں میں

مکمل طور پر منتقل کرنے سے پیدا ہونگی۔

ملک معظم کی حکومت کے اقراروں کے مطابق اس معاہدہ میں نسلی اور مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کی شرطیں رکھی جائینگی۔ مگر برٹش کامن ویلتھ کے دوسرے ممبروں سے (یعنی اُن علاقوں سے جو برٹش کامن ویلتھ میں شامل ہیں۔) انڈین یونین کو اپنا رشتہ طے کرنے کا جو اختیار ہوگا اس پر معاہدہ کوئی پابندی عائد نہ کرے گا۔ خواہ کوئی ہندوستانی ریاست اس آئین (انڈین یونین کے آئین) میں شامل ہونا پسند کرے یا نہ کرے۔ اس کے اور ملک معظم کی حکومت کے درمیان جو معاہدے ہیں ان پر نئی صورت کے تقاضہ کے مطابق نظرثانی کرنا ضروری ہوگی

(د) آئین بنانیوالی جماعت کی ترتیب حسب ذیل ہوگی۔ بشرطیکہ ہندوستان کے مختلف فرقوں کی رائے کی نمائندگی کرنے والے لیڈر لڑائی کے خاتمہ سے پہلے کوئی دوسری سکیم طے نہ کریں۔

صوبجاتی انتخابات کا جو لڑائی کے خاتمہ کے بعد لازما ہوں گے۔ نتیجہ معلوم ہوتے ہی صوبجاتی لیجسلیچرز کے زیرین ایوانوں (صوبجاتی اسمبلیوں) کو واحد انتخابی حلقہ سمجھا جائے گا۔ یہ حلقہ تناسب نمائندگی (تعداد کے تناسب سے نمائندگی) کے طریقہ سے آئین بنانے والی پنچایت کو چنے گا۔ اس پنچایت کے ممبروں کی تعداد ان ممبروں کی کل تعداد یعنی صوبجاتی ممبروں کی کل تعداد کا دسواں حصہ ہوگی۔ ہندوستانی ریاستوں کو دعوت دی جائے گی کہ وہ اپنے نمائندے مقرر کریں۔ جن کی تعداد کا ان کی آبادی سے وہی تناسب ہوگا جو

برطانوی ہند کے سارے نمائندوں کا برطانوی ہند کی آبادی سے۔ اور ریاستی نمائندوں کے اختیارات وہی ہوں گے جو برطانوی ہند کے نمائندوں کے ہوں گے۔

(ڈ) اب جو نازک وقت ہندوستان کے سامنے ہے اُس میں اور اس وقت تک کے لئے جب تک نیا آئین تیار نہ ہو جائے یہ لازمی ہے کہ ملک معظم کی حکومت اپنی عالمگیر جنگی کوشش کے جز کے طور پر ہندوستان کے ڈیفنس کی ذمہ داری اور اس کا کنٹرول اور اُس کی نگرانی اپنے ہاتھ میں رکھے گی۔ مگر ہندوستان کے فوجی۔ اخلاقی اور مادی ذرائع کو ہندوستان کے لوگوں کے تعاون سے پوری طرح منظم کرنے کا کام حکومت ہند کے ذمہ ہوگا۔ ملک معظم کی حکومت چاہتی ہے اور ہندوستان کے لوگوں کے خاص طبقوں کے لیڈروں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ ہندوستان برٹش کامن ویلتھ اور اتحادی قوموں کے صلاح مشوروں میں فوری اور موثر حصہ لیں۔ اس طرح وہ ایک ایسے کام کی انجام دہی میں اپنی عملی اور تعمیری مدد دے سکیں گے جو ہندوستان کی آئندہ آزادی کے لئے اہم اور لازمی ہے۔

ضمیمہ تیج مورخہ ۳۰ر مارچ ۱۹۴۲ء

پریس کانفرنس میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے سر اسٹیفورڈ کرپس نے مندرجہ ذیل امور کی توضیح کردی۔

(۱) انڈین یونین کو برطانوی کامن ویلتھ سے علیحدگی کا حق ہوگا۔ انڈین یونین پوری طرح آزاد ہوگی کہ کامن ویلتھ کے دوسرے ممبروں سے جن میں سے

ایک برطانیہ ہے۔ اپنے آئندہ رشتہ کا جو چاہے فیصلہ کرے۔ اسے کلی اختیار ہوگا کہ کامن ویلتھ میں رہے یا اس سے باہر چلی جائے۔

(۲) حکومت کی تشکیل کے متعلق ساری تفصیلات کا فیصلہ گورنر جنرل کے ہاتھ میں ہے اور ہم نے یہ ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لینے کی کوشش نہیں کی نہ ہم ایسا کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) موجودہ آئین اس وقت نہیں بدلا جا سکتا۔ اس کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہندوستان کے لوگوں کو جس قدر اختیار سونپا جا سکے۔ سونپ دیا جائے۔ اگزیکٹیو کونسل میں وائسرائے کوئی تبدیلی کرنے کے پابند نہیں۔ البتہ اگر وہ چاہیں تو اپنی اگزیکٹیو کونسل کو خالص ہندوستانی بنا سکتے ہیں۔

(۴) اگر ہندوستان کی سب پارٹیاں متفقہ طور پر مطالبہ کریں۔ تب بھی ڈیفنس (دفاع) ہندوستانی ہاتھوں میں نہیں دیا جائے گا۔ یہ ہندوستان کے بچاؤ کے لئے بدترین بات ہوگی۔

(۵) آئین بنانے والی پنچایت میں شریک ہونا سب صوبوں پر فرض ہوگا۔ آئین تیار ہوتے ہی مکمل ذمہ داری ہندوستان کو سونپ دی جائے گی جو صوبے انڈین یونین میں شریک نہیں ہوں گے۔ وہ اپنی الگ یونین بنا سکیں گے۔ مگر اس یونین کی تشکیل کا ڈھنگ وہی ہوگا جو پہلی انڈین یونین کا رکھا گیا ہے۔

(۶) کسی صوبہ کے انڈین یونین میں شامل ہونے یا نہ ہونے کی خواہش کا علم اس طرح ہوگا کہ جس صوبہ میں اسی فیصدی کی اکثریت سے انڈین یونین

میں شمولیت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ وہاں عام رائے شماری کی ضرورت نہ ہوگی مگر جہاں اسمبلی کی ساٹھ فیصدی اکثریت نے شمولیت کے حق میں فیصلہ نہیں کیا۔ وہاں اقلیت کو حق ہوگا کہ وہ سارے بالغوں کی رائے لینے کا مطالبہ کرے۔ بالغوں کی رائے شماری پر کثرت رائے کا فیصلہ مانا جائے گا۔

(۷) سر کرپس نے یہ ماننے سے انکار کیا کہ برطانوی تجویزیں ہندوستان کو تقسیم کرنے کے خیال پر مبنی ہیں۔ اس کے برخلاف انہوں نے دعوے کیا کہ برطانیہ ہندوستان کو متحد اور آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ مگر ہندوستانی آپس میں مل کر متفقہ آئین نہ بنا سکیں تو تقسیم کو کون روک سکتا ہے۔ سر کرپس نے کانگریس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس کے حلقوں میں بھی یہ اصول مانا جا چکا ہے کہ اگر مسلمانوں کی رائے عامہ علیحدگی کے حق میں ہوگی تو اُسے نہیں روکا جا سکتا۔

(۸) برطانوی حکومت ان صوبوں کو جو انڈین یونین سے الگ ہینگے الگ یونین بنانے میں کوئی مالی امداد نہیں دے گی۔ یہ اُن صوبوں ہی کو طے کرنا ہوگا جو الگ رہیں گے کہ آیا وہ اپنی الگ یونین کی مالی ضروریات پوری کر سکیں گے۔

(۹) سوال کیا گیا کہ کیا اس اسکیم کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان مان لیا گیا سر کرپس نے جواب دیا یقیناً نہیں۔

(۱۰) ہندوستان کا آئین بنانے والی پنچایت اور برطانوی حکومت میں جو معاہدہ ہوگا اس میں برطانوی سرمایہ داروں کے مفاد کے تحفظ کے لئے کوئی

شرط نہیں رکھی جائے گی۔ اس سلسلہ میں ہندوستانی یونین کو وہ سب کچھ کرنے کا اختیار ہوگا جو ایک آزاد اور خود مختار حکومت کو ہوتا ہے۔

(ضمیمہ تیج مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۴۲ء)

سر کرپس کی ان تجویزوں میں وعدۂ فردا کے سوا کچھ نہ تھا۔

تشکیل حکومت کا کلی اختیار وائسرائے کو دیا گیا تھا۔ ڈیفنس اور دفاع کسی صورت سے اور کسی طرح بھی ہندوستانیوں کو نہیں مل سکتا تھا۔ موجودہ آئین کا سکہ رائج الوقت ہر ایک تغیر و تبدل سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ گویا ہندوستان سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ ایک سبز باغ کے تصور پر جان اور مال کی ہر ایک پونجی قربان کر دے۔ در انحالیکہ تقریباً ڈیڑھ سو سال کے بیشمار تجربات یہی ثابت کر رہے تھے کہ برطانیہ کے وعدے کام نکالنے کے لئے ہوتے ہیں پورا کرنے کے لئے نہیں ہوتے۔

خود اس زمانہ میں بھی کہ برطانیہ ہر طرح امداد کا محتاج تھا۔ مسٹر چرچل کی تنگ نظری کو گوارا نہ تھا کہ ہندوستان اٹلانٹک چارٹر سے بہرہ اندوز ہو سکے انتہا یہ کہ اس نے اعلان کر دیا کہ ہندوستان اُن ممالک میں داخل نہیں جن کے لئے اٹلانٹک چارٹر وضع کیا گیا ہے اور پھر وہ دور بھی آیا کہ پریذیڈنٹ روزویلٹ نے اٹلانٹک چارٹر کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔

مزید براں جنگی پوزیشن یہ تھی کہ جرمن اور اٹلی کی فوجیں ایک طرف کاکیشیا تک پہونچی ہوئی تھیں اور خطرہ تھا کہ ایران میں گھس کر ہندوستان پر حملہ کر دیں۔ دوسری جانب۔ العالمین (مصر) پر اٹلی کی فوجیں قابض ہو چکی

ہیں۔ جاپان برما کے بیشتر حصہ کو فتح کر چکا تھا اور عنقریب آسام کی
سرحد تک پہونچنے والا تھا۔ ایسی صورت میں بقول مسٹر گاندھی کرپس کی
پیشکش "دیوالیہ بنک کی چک تھی اور وہ بھی سادہ" تاہم وطن عزیز کی حفاظت
کے لئے کانگریس تیار تھی کہ اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لاکر برطانیہ کی
امداد کرے لیکن لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند کی حکومت (جس نے ہندوستان
میں لوٹ کھسوٹ اور جبر و قہر کا وہ تباہ کن طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ جس
کے نتیجہ میں چند ماہ بعد ہی بنگال میں وہ قحط پڑا جس کی نظیر پوری دنیا کی
تاریخ بھی پیش نہیں کر سکتی) کسی طرح بھی اس قابل نہ تھی کہ اس کا جزء بن کر
خود کو ظلم کا آلۂ کار بنا دے۔ ہندوستانیوں کی رائے عامہ رضاکارانہ طور
پر برطانیہ کا ساتھ اسی وقت دے سکتی تھی جب اس کو یہ محسوس ہوتا کہ ہندوستان ان کا
اپنا ہے۔ اس کی حفاظت اپنی حفاظت ہے۔ تحفظ ہند کے نام پر برطانوی
سامراج کی حفاظت نہیں کی جا رہی۔ لیکن کرپس کے فارمولے میں ان
جذبات کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔

تقریباً دو ہفتہ تک کرپس۔ وائسرائے۔ مولانا آزاد۔ جواہر لال اور
گاندھی جی کے درمیان کانفرنسیں ہوتی رہیں۔ کانگریس کا مطالبہ یہ تھا کہ فی
الحال بااختیار قومی حکومت قائم کر دی جائے۔ اس کے بغیر ملک رضاکارانہ
طور پر قربانی کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

معلوم ہوا تھا کہ کرپس نے کانگریس کے مطالبہ کی معقولیت کو محسوس
کیا اور اسکی دلیل کی قوت سے متاثر ہوا۔ چنانچہ ڈیفنس کے مسئلہ میں کسی

قدر ترمیم کے ساتھ بقیہ اختیارات قومی حکومت کے سپرد کر دینے پر بے ضابطہ سمجھوتہ بھی ہو گیا۔ مگر لارڈ لنلتھگو اور اور اس کے دونوں مربی خناس چرچل اور ایمرے اختیارات کے سلسلہ میں کسی تبدیلی پر آمادہ نہ ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سر کرپس ہندوستان اور برٹش کے درمیان اختلاف کی خلیج کو کچھ زیادہ وسیع کر کے واپس تشریف لے گئے۔ اور اب وقت آیا کہ لارڈ لنلتھگو اپنی مغرور اور خبیث طینت کا مظاہرہ جبر و تشدد کی شکل میں کریں چنانچہ چند روز بعد ہی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو بالآخر ایک ایسی ہولناک تحریک کا سبب بن گیا کہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان نے ایسی تحریک نہیں دیکھی تھی۔

مسلم لیگ اور کرپس پیش کش وائسرائے ہند اور کرپس کی ستم ظریفی کا جسقدر شکرہ کیا جائے کم ہے کہ ان دونوں نے مولانا آزاد۔ جواہر لال نہرو۔ اور مسٹر گاندھی کی چاپلوسی میں تو ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ رات دن کانفرنسیں کیں۔ ڈنر اور چائے اور ناشتہ میں شرکت کی۔ مگر مسٹر جناح سے صرف ایک دو مرتبہ ہی ملاقات فرمائی اور بس۔

بہر حال سر کرپس کی پیش کش میں اگرچہ پاکستان سے انکار تھا صوبوں کے علیحدگی کے اختیار کو بھی اسی حد تک تسلیم کیا تھا۔ جس حد تک کانگریس تسلیم کر چکی تھی (دیکھو صـ ۔ وصـ ۱) ہندو اور مسلمان کو دو قوم (ٹو نیشن) بھی تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ نہ ہندو اور مسلم سوال پر کوئی یونٹ اور کوئی حلقہ مقرر کیا تھا۔ کثرت رائے معلوم کرنے کے متعلق بھی بلا تفریق مذہب ہر بالغ کو

حق رائے دہندگی دیدیا تھا

ان میں سے ہر ایک ایسا بنیادی سوال تھا کہ مسٹر جناح اور ان کی لیگ پر لازم تھا کہ کانگریس سے پہلے بلکہ جیسے ہی یہ تجاویز شائع ہوئی تھیں۔ فوراً ہی ان تجاویز کو ٹھکرا دیتے مگر یورپ زدہ ذہنیت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنے ہم جنسوں کے مقابلہ میں انتہا درجہ مغرور اور جابر اور انگریز کے مقابلہ میں گربہ مسکین سے بھی زیادہ ذلیل اور عاجز۔ چنانچہ مسٹر جناح اپنی کمیٹی کے ڈائرکٹروں کے ساتھ سرگوشیاں کرتے رہے اور جب کانگریس نے کرپس پیشکش کو لات ماردی تو آپ نے بھی پاکستان کا صور پھونکتے ہوئے کرپس تجاویز سے انکار کر دیا۔

کانگریس اور حق خود ارادیت

حق خود ارادیت (یا) سیلف ڈیٹرمینیشن یعنی اپنے متعلق آزادانہ فیصلہ کا حق۔ اگرچہ آزادی کے لئے لازم ہے اور جب کسی قوم یا کسی صوبہ کو خود مختار تسلیم کیا جائے تو قدرتاً اُس کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے تعلقات کے متعلق بھی فیصلہ کرے کہ اس کو کس کے ساتھ رشتہ قائم رکھنا ہے اور کس سے تعلق منقطع کرنا ہے. کانگریس جب جمہور کے لئے آزادی کی خواہاں ہے تو وہ لامحالہ جمہور کے لئے یہ حق بھی تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ سر اسٹیفورڈ کرپس نے ایک سوال کے جواب میں کانگریس کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ:۔

> اس کے حلقوں میں بھی یہ مانا جاچکا ہے کہ اگر مسلمانوں کی رائے عامہ علیحدگی کے حق میں ہوگی تو اُسے نہیں رد کا

جا سکتا۔ (ضمیمہ تیج مورخہ ۳۰ر مارچ ۴۲ء)

چنانچہ جمعیۃ علماء ہند نے جب اجلاس لاہور میں مذکورہ بالا فارمولا منظور کیا تو ہندوؤں کے متعصب اور تنگ نظر اخبارات نے اس کو دوسرے عنوان سے "پاکستان" کا مطالبہ قرار دیا تھا۔ کیونکہ اس فارمولے میں مکمل اختیارات کا مالک صوبوں کو قرار دیا گیا تھا

مگر یہ درست ہے کہ کانگریس نے اس مفہوم کی کوئی تجویز اب تک پاس نہیں کی تھی۔ صرف گاندھی جی اور کانگریس کے لیڈروں کے بیانات میں یہ تسلیم کیا گیا تھا جس کا کریس نے حوالہ دیا۔

کریس کی واپسی پر ۱۰ر اپریل ۴۲ء کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس دہلی میں ہوا۔ اس میں مندرجہ ذیل تجویز پاس کی گئی۔

> کانگریس ہندوستان کی آزادی اور اتحاد کی حامی رہی ہے اور اس اتحاد میں کوئی رخنہ بالخصوص جدید دنیا میں جبکہ لوگوں کے دماغوں میں وسعت پذیر فیڈریشنوں کا تصور بندھا ہوا ہے سب متفقہ فریقوں کے لئے نقصان دہ ہوگا اور اس کا خیال کرنا بھی تکلیف دہ ہے۔ پھر بھی کانگریس کسی علاقہ وارانہ واحدے کے لوگوں کو ان کی علانیہ اور مسلمہ مرضی کے خلاف انڈین یونین میں رہنے پر مجبور کرنے کا خیال دل میں نہیں لاسکتی۔ ہر علاقہ وارانہ واحدے کو انڈین یونین میں پوری پوری خود اختیاری حاصل ہونی چاہئے۔

(تیج مورخہ ۱۲ر اپریل ۴۲ء ص ۹۹ ج ۲۰ و تیج مورخہ ۲ر اکتوبر ۱۹۴۲ء ص ۶۵ جلد ۲۳)

کانگریس نے اس تجویز کے ذریعہ حق خودارادیت کو باضابطہ تسلیم کرلیا اگرچہ تجویز کے الفاظ میں وحدت ہندوستان کے جذبات نمایاں ہیں اور ان کو غلبہ حاصل ہے اور اسی کو ہندوستان کی حفاظت اور ترقی کے لئے ضروری اور مفید سمجھا جارہا ہے مگر تاہم کسی علاقہ کی رائے کو ان سب پر ترجیح دی گئی ہے۔

کانگریس جمعیۃ علماء ہند کے فارمولے کی تائید میں

مذکورہ بالا طویل تجویز سے کانگریس نے جمعیۃ علماء ہند کے فارمولے کے ان فقروں کو اپنا اصول بنالیا

(۱) جمعیۃ علماء ہند ہندوستان میں صوبوں کی کامل خودمختاری اور آزادی کی زبردست حامی ہے۔

(۲) جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے۔

اس کے بعد کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۶ اگست ۱۹۴۲ء (بمقام بمبئی) میں ایک طویل ریزولیشن منظور کیا۔ جس میں تسلیم کیا کہ:-

> کانگریس کے نظریہ کے مطابق یہ آئین (جو نمائندہ اسمبلی مرتب کرے گی) فیڈرل (وفاقی) ہونا چاہئے اور اس فیڈرل میں شریک ہونے والی یونٹوں کے لئے زیادہ سے زیادہ آزادی ہونی چاہئے اور اختیارات مابقی انہیں یونٹوں کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں

اگرچہ جمعیۃ علماء ہند نے کانگریس سے مطالبہ نہیں کیا تھا کہ وہ جمعیۃ علماء کے فارمولے کو تسلیم کرے۔ مگر حالات اور رفتار زمانہ ہر ترقی پذیر اور ملک کی ہر بہبودی خواہ جماعت کو ان اصولوں کی طرف لا رہے تھے جو جمعیۃ علماء ہند اپنی بصیرت کی روشنی میں چند ماہ پہلے طے کر چکی تھی۔

مسٹر جناح کی پہلو تہی | حق خود ارادیت کو باضابطہ تسلیم کرنے کے بعد کانگریس لیگ کے مطالبہ پاکستان کے بہت قریب آچکی تھی۔ کیونکہ علیحدگی کے حق کو تسلیم کرنا پاکستان کو بطور حق تسلیم کرنا تھا۔ الفاظ اور تعبیر میں جو فرق تھا اس کو افہام و تفہیم کے ذریعہ درست کیا جا سکتا تھا۔ مگر افسوس مسٹر جناح اور ان کی لیگ نہ بہبودی قوم کی فکر میں تھی۔ نہ ملک کی فلاح اور آزادی اس کے پیش نظر تھی۔

مارشل چیانگ کائی شیک نے احتجاج کیا کہ ہندوستان کے مطالبہ آزادی کو تسلیم کر لینا ضروری ہے۔ آزاد ہندوستان سے چین کو بہت مدد ملے گی اور اتحادی اپنے مقصد میں جلد از جلد کامیاب ہو جائیں گے تو مسٹر جناح صاحب نے فوراً بیان شائع فرما دیا کہ مسلمان آزادی پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے حقوق فوت ہو جائیں گے۔

کبھی یہ اعلان کر دیا کہ اگر کانگریس کے مطالبات منظور ہو گئے تو دس کروڑ مسلمان بغاوت کر دینگے وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے پارلیمنٹ کے ممبروں کو خط لکھے کہ ہندوستان کو اگر آزادی دیدی گئی تو مسلمان بغاوت کر دیں گے۔

تیج وغیرہ ۶ / مارچ ۴۲ء

مولانا آزاد[1] نے پیش کش کی کہ پانچ نمائندے لیگ کے اور پانچ نمائندے کانگریس کے مل کر ایک فارمولا مرتب کرلیں۔ مگر مسٹر جناح نے نہایت حقارت سے اس کو ٹھکرا دیا۔

۲۹ رجولائی ۱۹۴۲ء کو مولانا آزاد نے بحیثیت صدر آل انڈیا کانگریس کمیٹی ایک بیان پریس کو دیا کہ :-

کانگریس کو قطعی افسوس نہ ہوگا اگر گورنمنٹ مسلم لیگ کو بلائے اور اسے طاقت دیدے۔ لیکن حقیقی آزادی ہونی چاہئے۔ کانگریس کو صرف اس ہی سے تعلق ہے۔ ہمارا جھگڑا یہ نہیں ہے کہ کن ہاتھوں میں دی جارہی ہے بلکہ کیا چیز دی جارہی ہے۔ اگر لیگ کو طاقت دی بھی گئی تو وہ کانگریس کو ضرور ملے گی۔ میں نے مسلم لیگ کا خاص طور پر اسلئے ذکر کیا ہے کہ موجودہ کشمکش میں اس کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ کانگریس کو اس میں بھی اعتراض نہ ہوگا کہ طاقت تان پارٹی کے لیڈر سر سپرو وغیرہ کو دیدی

[1] ۲ رجولائی ۱۹۴۲ء کو مولانا آزاد نے ایک بیان میں فرمایا۔ جب سے مسلم لیگ کے اجلاس کانگریس کے موقع پر سر سکندر کے ذریعہ کہلوایا کہ کانگریس مسلم لیگ کے پانچ پانچ نمائندے آپس میں مل کر فیصلہ کرلیں لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ پاکستان کی تفصیلات موجود نہیں۔ سر سکندر کچھ کہتے ہیں مسٹر جناح کچھ ہم کس بات پر غور کریں۔

تیج

مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۴۲ء

جائے۔ تیج سورنہ ۳۰ رجولائی ۴۲ء ۲۱۶ تا ۲۰۷

گاندھی جی نے اجلاس بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ میں صدق دل سے مولانا آزاد کی اس پیش کش کی تصدیق کرتا ہوں کہ برٹش حکومت ہندوستان کی حکومت کسی قوم کے حوالہ کردے اگرچہ حکومت مسلم عوام کے حوالہ کردی جائے تو کبھی مجھے افسوس نہ ہوگا۔ ہندوستان ہندوستان کے مسلمانوں کا گھر ہے۔

تیج سورنہ ۱۲ راگست ۴۲ء ۲۲۰ ۲۱۶

آپ نے ایک بیان میں فرمایا:۔

معترض کہتے ہیں کہ انگریز دست برداری کے وقت کنجیاں کس کے سپرد کریں۔ یہ ایک اچھا سوال ہے میں آپ کے سامنے مولانا ابوالکلام آزاد کا جواب پیش کرتا ہوں۔

(۱) کانگریس جمہوری ممالک سے ہمدردی رکھتی ہے (۲) برطانیہ کو پریشان کرنا اور کوشش جنگ میں رخنہ انداز ہونا نہیں چاہتی (۳) اس کا مقصد جاپانی استبداد کا مقابلہ ہے۔

صدر کانگریس نے فرمایا۔ اگر برطانیہ مسلم لیگ یا کسی اور پارٹی کو قوت سونپ دے۔ بشرطیکہ وہ حقیقی آزادی ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس پارٹی کو دوسری پارٹیوں تک رسائی حاصل کرنی ہوگی جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بغیر تذبذب کے مکمل کنٹرول ہمارے حوالہ کردیا جائے۔ سوا اس کے کہ دوران جنگ میں جاپان اور جرمنی کا مقابلہ کرنے کے لئے اتحادی فوجیں یہاں

رہیں گی۔ لیکن ہندوستان کے معاملہ میں دخل اندازی کا انہیں
کوئی حق نہ ہوگا اور ہندوستان اتنا ہی آزاد ہوگا جتنا برطانیہ۔
تیج سورنہ ۵ اگست ۱۹۴۲ء

مولانا آزاد کی اس پیش کش کی ڈاکٹر عبداللطیف بانی تحریک پاکستان اور ہندوستان کے ہر سنجیدہ فرد اور جماعت نے تعریف کی۔ اور مسٹر جناح سے مطالبہ کیا کہ وہ کانگریس کی اس پیش کش کو منظور کریں۔ آنجہانی مہادیو ڈیسائی نے گرفتاری سے چند گھنٹے پہلے ٹائمز آف انڈیا کے نامہ نگار کو اس خط وکتابت کے اقتباسات نوٹ کرائے جو گاندھی جی اور بمبئی کے ایک شہری مسلمان کے درمیان ہوئی تھی۔ گاندھی نے اپنے خط میں تحریر کیا تھا

میں نہایت صاف الفاظ میں یہ کہدینا چاہتا ہوں کہ جب ہریجن کے ایک مضمون میں میں نے مولانا آزاد کی پیش کش کا ذکر کیا تھا تو میرا مطلب یہ تھا کہ یہ پیش کش ہر طرح سے سنجیدگی کی حامل ہے میں دوبارہ آپ کی تسلی کے لئے اس کی تشریح کرتا ہوں۔ اگر مسلم لیگ کانگریس کے اس مطالبہ میں پوری طرح تعاون کرلے کہ ہندوستان کو فوری آزادی ملنی چاہیے اور اگر مسلم لیگ اس بات کے لئے کوئی گنجائش رکھے کہ آزاد ہندوستان میں اتحادی فوجیں محوری حملہ کو روکنے اور روس اور چین کی مدد کرنے کے لئے رہ سکیں تو کانگریس کو اس بات میں کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ حکومت برطانیہ اپنے موجودہ اختیارات تمام ہندوستان کی طرف

ہے جس میں ہندوستانی ریاستیں بھی شامل ہیں مسلم لیگ کے ہاتھوں میں سونپ دے۔ ہندوستان کے لوگوں کی طرف سے مسلم لیگ جو حکومت بنائیگی کانگریس اس میں مزاحم نہ ہوگی۔ بلکہ آزاد ہندوستان کے نظام کو چلانے میں شرکت کریگی۔ تمام خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ یہ کہا جارہا ہے۔

(انصاری مورخہ ۲۲ر اگست ۱۹۴۲ء ۱۳۵۸ھ ج ۱۳)

مگر مسٹر جناح اور مسلم لیگ نے جس بھدے اور بھونڈے طرز سے اس کا جواب دیا۔ وہ آئندہ صفحات میں (زیر عنوان مسٹر جناح اور مسلم لیگ) ملاحظہ فرمائیے۔

اگست ۱۹۴۲ء کی تحریک کرپس کی ناکامی بالفاظ دیگر کانگریس اور کرپس کے زیادہ سے زیادہ قریب ہوجانے کے بعد ایک کو دوسرے سے بعید کردینے کا منشا بظاہر یہ تھا کہ چرچل اینڈ کو کی ٹوری پارٹی (جس کا ایجنٹ لنلتھگو تھا) یہ طے کر چکی تھی کہ دنیا کے سامنے کرپس پیشکش کی نمائش کرکے آزادی کی آواز کو قوت سے دبادیا جائے۔ چنانچہ کرپس کی واپسی کے بعد دارو گیر کی رفتار تیز کردی گئی۔

زعماء ہند کو گرفتار کیا جانے لگا۔ ۲۵ر جون ۱۹۴۲ء کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو گرفتار کرلیا گیا اور ایک وسیع پیمانہ پر گرفتاریوں کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ہر ایک حلقہ کے کانگریسی اور قوم پرور مسلمانوں کی فہرستیں مرتب کرلی گئیں۔

کانگریس نے بھی ان حالات کے پیش نظر ایک آخری جدوجہد کے طور پر تحریک کا ارادہ کر لیا۔

جمعیۃ علماء ہند نے بھی جو آزادی وطن کی جدوجہد کو جہاد سمجھتی رہی ہے۔ تقاضا وقت نیز اپنے صدر محترم کی گرفتاری کے باعث برطانوی سامراج کے چیلنج کو منظور کر لیا اور نبرد آزمائی کے لئے تیاری میں مصروف ہوگئی۔ چنانچہ ۵ر اگست ۴۲ء کو حضرت علامہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء اور مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی ناظم جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے مندرجہ ذیل بیان شائع کیا گیا۔

جنگ آزادی۔ کانگریس مسلم لیگ اور مسلمان

اکابر جمعیۃ علماء کا حقیقت افروز بیان

ہندوستان کی مکمل آزادی تمام ہندوستانیوں کا متحدہ و متفقہ مطالبہ ہے حکومت برطانیہ نے اس متحدہ و متفقہ مطالبہ کو تسلیم کرنے اور حکومت کے اختیارات ہندوستانیوں کی طرف منتقل کرنے میں جس تساہل اور شہنشاہیت کی ضد اور ہٹ سے کام لیا ہے وہ تمام ہندوستانیوں پر روشن ہے .... اس نازک ترین دور میں بھی جبکہ ہر طرف سے مصیبتوں کے بلاخیز طوفان امڈے چلے آرہے ہیں۔ حکومت استعمار کے نشہ سے اسی طرح سرشار ہے جس طرح کہ ۳۹ء سے پہلے تھی۔

متعلقہ ممالک جنگو اس ناگہانی آفت نے لرزہ براندام کر رکھا ہے
اپنی حفاظت کے سلسلہ میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں بدقسمت
ہندوستان بھی انہیں ممالک میں شامل ہے جو اس تباہ کن جنگ کی مصیبت
سے نجات کا راستہ تلاش کر رہے ہیں۔ بلکہ اس کو بہت زیادہ خطرات
در پیش ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی حفاظت اور نجات کا خاطر خواہ سامان کرنے کے
لئے بھی آزاد نہیں ہے۔ اس کے لامحدود وسائل اور وسیع قدرتی ذخائر غیروں
کے کام آرہے ہیں اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھی انہیں اپنی مرضی اور
اپنے اختیار سے کام میں نہیں لا سکتا۔؟

اسلئے قدرتی طور پر ہندوستان کا ہر بچہ، بوڑھا، جوان، اور عورت و
مرد اپنی زندگی کی خاطر آزادی حاصل کرنے کے لئے مضطرب اور بے چین
ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس قیامت خیز اور ہلاکت انگیز
دور میں آزادی کامل کے سوا نجات کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

کانگریس نے اس حقیقت کے پیش نظر آزادی کے مقصد عظیم کے
حصول کے لئے ایک عالمگیر اور فیصلہ کن جنگ کی تیاری کی ہے جو عنقریب
منظر پر آنے والی ہے۔ یہ جنگ غلام ہندوستان اور اس پر جبری قبضہ رکھنے
والے سفید فام آقاؤں کی جنگ ہوگی۔

مگر اس تاریخی جنگ کو کامیابی تک پہنچانے کے ذرائع پر غور کر لینا
دانشمندوں اور بالغ النظر مدبروں کا اہم ترین فرض ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ
اس جنگ آزادی میں کامیابی کی شرط اولین تمام ہندوستانیوں کا اتحاد اور

متحدہ محاذ ہے۔ اگر تمام ہندوستانی متحد ہو کر حکومت کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے تو فتح یقینی ہے اور حکومت کے پاؤں اکھڑنے میں زیادہ دیر نہ لگے گی۔ ۔۔۔۔۔۔!!۔۔۔۔۔۔ اور جبکہ ہندوستان کی آزادی کامل کے مقصد عظیم اور نصب العین میں کانگریس، مسلم لیگ، جمعیۃ علماء، احرار اور دیگر تمام جماعتیں متحد و متفق ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آزادی کی جنگ سے علیحدہ رہنا اور محض تماشائی بن کر دور سے تماشا دیکھتے رہنا پسند کریں۔ اگر ان میں باہمی بے اعتمادی اور شبہات ہوں تو ان کو باہمی سمجھوتہ سے جلد سے جلد دور کر دینا وقت کا اہم ترین فریضہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صدر انڈین نیشنل کانگریس کا یہ بیان کہ "ہم آزادی چاہتے ہیں اور ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ انگریز حکومت کے تمام اختیارات ہندوستانیوں کو دیکر خود دست بردار ہو جائیں۔ اگر وہ ہندو مسلم یا کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلاف کو بہانہ بنائیں تو کانگریس کو اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ وہ حکومت کے اختیارات مسلم لیگ کو دے دیں۔ کیونکہ ہمارا مقصد اس صورت میں بھی پورا ہو جاتا ہے کہ حکومت ہندوستانیوں کو مل گئی، اور انگریز علیحدہ ہو گئے"۔ نہایت دانشمندی اور حب وطن اور عشق آزادی پر مبنی ہے۔ اگر مسلم لیگ اس حد تک جانے پر آمادہ نہ ہو تو نہ ہو۔ لیکن بہرحال اس پر یہ فرض تو عائد ہوتا ہے کہ وہ اس بہترین وقت اور نازک ترین لمحات کو ضائع نہ کرے اور پوری سرگرمی اور انتہائی جدوجہد کر کے باہمی سمجھوتہ کی راہ نکالے اور پھر جنگ آزادی میں شریک ہو کر اپنا

ملی و وطنی و قومی فریضہ ادا کرے۔

ہمیں امید ہے کہ مسلم لیگ اور اس کے محترم صدر مسٹر جناح وقت کی نزاکت کا پورا احساس فرمائیں گے اور اس تاریخی موقعہ کو ضائع نہ ہونے دینگے اور مسلمان قوم کو دشمنان آزادی کے کیمپ میں شامل ہونے اور فداکاران وطن کے مقابلہ پر آنے کی رسوائی اور ذلت سے بچانیکی کوشش کریں گے۔

ہمیں یہ بھی توقع ہے کہ کانگریس بھی وسعت قلب اور دانشمندی سے کام لیگی اور آل انڈیا کانگریس کے اجلاس بمبئی میں وہ ان تمام شبہات کو رفع کردیگی جو مختلف جہات سے پیش کئے جاتے ہیں۔

ہندوستان کی آزادی کا مقصد اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اس کی خاطر کانگریس کو اپنی طرف سے ایسا صاف صاف اعلان کردینا ضروری ہے جس سے مسلم لیگ اور تمام متعلقہ جماعتیں مطمئن ہوجائیں اور کسی کے دل میں کوئی شبہ اور خدشہ باقی نہ رہے۔ ایسی صورت میں باہمی سمجھوتہ ہونے میں کوئی چیز مانع نہ رہیگی۔

دستخط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

فقیر احمد سعید کان اللہ لہٗ محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہ

عبد الحلیم الصدیقی

دہلی ۔ ۵ راگست ۴۲ء

مگر تمام اپیلیں۔تمام تجویزیں۔تمام درخواستیں اکارت ہو گئیں۔
مسٹر جناح اور لارڈ لنلتھگو دونوں ایک ناؤ پر سوار تھے۔مسٹر جناح کا آلۂ سماعت لارڈ صاحب کی گونگی بہری بارگاہ میں مقفل کر دیا گیا تھا۔البتہ آزادی خواہ ہندو اور مسلمانوں کی فہرستوں کا صندوق لارڈ صاحب نے کھول کر پولیس کے سامنے رکھ دیا اور جلد سے جلد تعمیل کی ہدایت کر دی۔
طے یہ تھا کہ ۸ راگست ۴۲ء کو جبکہ آل انڈیا کانگریس کا اجلاس بڑے کروفر سے بمبئی میں ہو رہا تھا۔آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے تمام ممبران کو گرفتار کر لیا جائے۔مگر بمبئی گورنمنٹ نے اس ذمہ داری سے انکار کر دیا لہذا صرف آل انڈیا ورکنگ کے موجودہ اراکین کو ۹ راگست ۴۲ء کی صبح کو گرفتار کر لیا گیا۔۴ بجے صبح سے ۸ بجے تک بمبئی ٹیلیفون کے تمام کنکشن کاٹ دیئے گئے تھے۔شہر کو شوکت و قوت سے مرعوب کرنے کے لئے پولیس فوج اور ہوائی جہازوں کے مظاہرے کئے گئے۔
اسی تاریخ کو صوبائی کانگریس کمیٹیوں کے ارکان، مقامی کانگریس کمیٹیوں کے صدر اور سکرٹری اور تمام قوم پرور کارکن جنکی فہرستیں پہلے سے مرتب تھیں اور وارنٹ تیار تھے گرفتار کر لئے گئے۔
جیلخانوں کی برکیں جو خاص خاص اہتمام سے چند روز پہلے سے خالی کرائی گئیں تھیں آج پُر ہو گئیں۔
ورکنگ کمیٹی کے اراکین کو غیر معلوم مقام پر پہنچا دیا گیا۔
اگر کانگریس تحریک چلاتی تو وہ اضطراب اور بے چینی قیامت تک

پیدا نہیں ہو سکتی تھی جو گورنمنٹ کی اچانک توہین آمیز مغرورانہ اور جابرانہ طرز عمل سے تمام ملک میں پیدا ہو گئی۔

سارا ملک مشتعل ہو گیا اور جب کہ اس کا رہنما کوئی نہ تھا تو مشتعل ہجوم نے جہاں جو کچھ ہو سکا کر ڈالا۔

بہار، سی پی، اور مدراس تحریک میں سب سے آگے رہے۔ ریلوں کی پٹریاں اکھاڑ دی گئیں۔ تار کاٹ دیئے گئے۔ سرکاری عمارتوں کو نقصان پہنچایا۔ جگہ جگہ پنچایتی حکومتیں قائم کر لی گئیں اور گورنمنٹ کے ملازمین کو خدمات سے سبکدوش کر دیا۔ بعض بعض موقعوں پر پولیس کو بھی کافی نقصان پہونچا۔ ۱۱ر اگست کو دہلی میں تار کاٹ دیئے گئے۔ بیلی کوٹھی جس میں پلوں کا پچاس سالہ ریکارڈ تھا جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ ٹاؤن ہال کو بھی آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔

لطف یہ ہے کہ ان ہنگاموں میں مسلم عوام نے مسٹر جناح کی قیادت کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور ہندو مسلمان دوش بدوش انگریز کے اور انگریزی فوج اور پولیس کے مقابلہ میں سینہ سپر تھے۔

حکومت نے (جو جبر و تشدد کا پہلے سے تہیہ کئے ہوئے تھی) اپنے شوق کو اچھی طرح پورا کیا۔ پولیس نے خاص طور پر حق وفاداری ادا کیا۔ وطن عزیز کی غداری اور آزاد ہند کی بلیک لسٹ میں نام لکھوانے کی کوشش پوری پوری کی۔ ہر ایک سب انسپکٹر وقت کا گورنر تھا۔ جب تھانہ داری کی برکت سے ہی جیبیں گرم رہتی ہیں تو گورنری کے اختیارات نے تو دولتوں کے انبار

لگادیئے۔ عافیت پسند عوام کو فرضی دولت دکھا کر یا ڈرا دھمکا کر اُن کا خون چوسا گیا۔

فوجیوں نے بھی مال غنیمت کے فراہم کرنے میں کمی نہیں کی۔ اگر آزاد ہند فوج نے ہندوستان کا سر بلند نہ کر دیا ہوتا تو بھاڑے کے ٹٹوؤں کی یہ جماعت بھی پولیس کی برابر ہی بلیک لسٹ کی مستحق تھی۔ اس تمام جبر وتشدد کے باوجود نہتے ملک نے کم وبیش چھ ماہ تک مقابلہ کیا۔

پنجاب میں تحریک تمام ہندوستان سے کمزور رہی۔ صوبہ سرحد میں حکومت نے انتہا سے زیادہ نرم پالیسی اختیار کی۔ اُن کی قانون شکنی اور سول نافرمانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ مسلمانوں کے متعلق حکومت کی پالیسی یہی تھی کہ ان کی گرفتاری میں زیادہ سے زیادہ پہلو تہی کی جائے۔ تاہم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا نور الدین صاحب بہاری۔ مولانا عبد الماجد صاحب، مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی۔ مولانا داؤد صاحب غزنوی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی مولانا قاری عبد اللہ صاحب مرحوم مراد آبادی۔ مولانا عبد الوہاب صاحب بستوی۔ مولانا محمد شاہد صاحب فاخری الہ آباد۔ مولانا منیر الزماں صاحب اسلام آبادی۔ مولانا عبد الباری صاحب عباسی۔ مولانا منظور النبی صاحب رضا سہارنپوری جیسے سینکڑوں بزرگان ملت نظر بند کیے گئے اور اُن کے ساتھ عام مسلمانوں کی تعداد تو ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

صوبہ آسام کی جمعیۃ علماء کی پیش قدمی یہاں تک بڑھی کہ آسام

جمعیۃ علماء کو خلاف قانون قرار دیدیا گیا۔
گاندھی جی نے گرفتاری کے بعد وائسرائے سے خط و کتابت شروع کی جو فروری ۱۹۴۳ء تک جاری رہی مگر وائسرائے ٹس سے مس نہ ہوئے۔ بالآخر گاندھی جی نے ۲۱ روز کا برت رکھا جو ۱۰ فروری سے شروع ہو کر ۳ مارچ ۱۹۴۳ء کو ختم ہوا۔ دہلی میں اس موقعہ پر ایک صلح کانفرنس کا انتظام کیا گیا۔ جس میں گاندھی جی کے اس برت پر احتجاج بھی کیا گیا۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب چونکہ اس کی قیادت فرما رہے تھے۔ لہذا مولانا موصوف کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اسی طرح کی بہت سی کانفرنسیں ملک کے مختلف طبقوں اور مختلف جماعتوں کی طرف سے ہوئیں۔ مگر لارڈ لنلتھگو اور چرچل ایمری کی پالیسی میں تبدیلی نہ آئی۔ پریذیڈنٹ روزویلٹ کے خاص فرستادہ (فلپس[1]) انہیں ایام میں ہندوستان پہنچے۔ ہندوستان کے

---

[1] مسٹر فلپس نے ہندوستان سے واپس ہو کر پریسیڈنٹ روزویلٹ کو خط لکھا جس میں ہندوستان کے حالات کا مرقع پیش کیا۔ یہ خط ۲ ستمبر ۱۹۴۴ء کو امریکی سینٹ کے ایک ممبر مسٹر جانسن نے سینٹ کے اجلاس میں سنا دیا جب یہ خط اخبارات میں شائع ہوا تو مسٹر چرچل اور ان کی پارٹی چراغ پا ہو گئی۔ حکومت ہند کے ایک رکن "سر اولاف کیرو" سکرٹری امور خارجہ نے لندن تار بھیجا کہ مسٹر فلپس کو ہندوستان واپس نہ بھیجا جائے۔ وہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں وغیرہ وغیرہ)

مسٹر فلپس کے خط کا خلاصہ یہ تھا "ہندوستان کے عام باشندے (بقیہ صفحہ ۱۹۱ پر)

حالات کا بچشم خود معائنہ کیا۔ اُس میں اس نے گاندھی جی سے ملاقات کرنی چاہی مگر وائسرائے نے اجازت نہیں دی۔

(بقیہ صفحہ ۱۹) اس لڑائی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے قحط اور فاقہ کشی نے ان کے دل ہماری طرف سے کھٹے کر دئیے ہیں۔ ہندوستانی فوج کے سپاہی دل سے نہیں لڑتے بلکہ کرائے کے ٹٹو کی طرح محض پیٹ کی خاطر۔ فوجی افسروں میں جوش اور جذبہ برائے نام ہے۔ ہندوستانی عوام یہ نہیں سمجھتے یہ لڑائی اُن کے فائدہ کیلئے لڑی جارہی ہے اس کے برعکس وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ فسطائیت اور شہنشاہیت کی لڑائی ہے۔ ایک طرف ڈکٹیٹری غرور کا بھوت ہے اور دوسری طرف شہنشاہی جلال کا دیو۔

ہندوستانی یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ حکومت میں ان کی کوئی آواز نہیں۔ اسلئے لڑائی چلانے کی کوئی ذمہ داری بھی ان پر نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آخر ہم کس لئے لڑیں۔ جبکہ ہمیں یہ یقین ہے کہ جنگ کے جو مقاصد بتائے جاتے ہیں اُن کا اطلاق ہم پر نہیں کیا جائیگا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ برطانوی وزیر اعظم صاحب یہ ارشاد فرما بھی چکے ہیں کہ اٹلانٹک چارٹر ہندوستان میں نافذ نہیں ہوگا۔ اسلئے قدرتی طور پر ہندوستانی لیڈر حیرت سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ لڑائی صرف گورے نسل کے انسانوں کے فائدے کیلئے لڑی جارہی ہے

مسٹر فلپس نے سفارش کی۔ شہنشاہ برطانیہ کو باضابطہ طور سے یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد فوراً ایک ایسی مدت کے اندر جس کا تعین تصریح کے ساتھ کر دیا جائے، ہندوستان آزاد کر دیا جائے گا اور اسی امر کی ضمانت کے لئے کہ یہ اعلان ایمانداری کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مرکز میں ایک عارضی نمائندہ حکومت جو سب پارٹیوں پر مشتمل ہو فوراً بنا دی جائے اور اسے محدود قسم کے اختیارات (صفحہ ۱۹۲ پر)

کہا جاتا ہے کہ عدل و انصاف حکومت کی ہر ایک چیرہ دستی سے بلند رہتا ہے مگر افسوس ہندوستان کا فیڈرل کورٹ بھی دنیا کے اس آئین سے مستثنیٰ رہا۔ اپریل ۴۳ء میں "سر مورلین گوائر" چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف انڈیا نے فیصلہ دیا کہ ڈیفنس آف انڈیا رولس کا قاعدہ ۲۶ (جس کے ماتحت تمام نظر بندیاں عمل میں لائی جاتی تھیں) خلاف ضابطہ ہے۔ کیونکہ فیڈرل کورٹ کی رائے میں قاعدہ ۲۶ موجودہ شکل میں ان اختیارات سے بہت آگے بڑھ جاتا ہے جو کہ لیجسلیچر نے مرکزی حکومت کو تفویض کرنا مناسب سمجھا تھا۔

۲۲ر اپریل کو کلکتہ ہائیکورٹ کے اسپیشل بنچ نے قرار دیا کہ آرڈیننس ۱۱ مجریہ ۱۹۴۲ء کی وہ دفعات جو ملزمان کے خلاف اسپیشل فوجداری عدالتوں کے بارے میں ہیں خارج از اختیارات اور کالعدم ہیں۔

مگر قانون عدل کی تنفیذی طاقت مسٹر چرچل اور امیری کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ ۲ر اپریل ۴۳ء کو انڈیا آفس سے سرکاری بیان شائع ہو گیا فیڈرل کورٹ نے اس قاعدہ کی عبارت میں کچھ اصطلاحی خامیاں بتائی ہیں جن کی وجہ سے یہ قاعدہ خلاف قانون ہو جاتا ہے۔ عدالت نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ اگرچہ حکومت کو عارضی طور پر یہی دشواری اور پریشانی

(ص ۱۹۱ سے) تفویض کردئیے جائیں۔ مدینہ ۱۲ ستمبر ۴۲ء

یہی ملک کی حقیقی آواز جسکو حکومت ٹھکرا رہی تھی اور افسوس مسٹر جناح بھی اسکی مخالفت کر کے حکومت کی نمائندگی اور ترجمانی کا پورا پورا حق ادا کر رہے تھے۔　محمد میاں

ضرور ہوگی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت کو یہ توقع تھی کہ اس قانون میں فوراً ترمیم کر دی جائیگی۔ معلوم ہوا ہے کہ ان اصطلاحی خامیوں کو دور کرنے کے لئے ایک آرڈی نینس پر ذرا ہی غور کرنا شروع کر دیا گیا ہے۔ نظربندوں کو چھوڑنیکا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تیج ۲۸ اپریل ۱۹۴۳ء

چنانچہ ۲۷ اپریل ۱۹۴۳ء کو حکومت ہند کے محکمۂ ڈیفنس نے ایک کمیونک شائع کر دیا کہ

فیڈرل کورٹ نے ڈیفنس آف انڈیا رولس کے قاعدہ ۲۶ کے متعلق جو فیصلہ حال ہی میں صادر کیا تھا۔ حکومت ہند نے اس پر غور کیا ہے۔ اور وہ اس صورت حال پر جسکا ذکر فیڈرل کورٹ نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے۔ قابو پانے کے لئے فوری تدبیریں اختیار کر رہی ہے ایک نیا آرڈی نینس نافذ کیا جا رہا ہے۔ اس کے ذریعہ ضروری اختیارات حاصل کر لئے جائینگے۔

نیز ڈیفنس آف انڈیا رولس کے قاعدہ ۲۶ کے ماتحت اب تک جو کارروائی کی گئی ہے اسکو اس نئے آرڈی نینس کے ذریعہ جائز قرار دیا جائیگا۔

حکومت فیڈرل کورٹ کے اس مشورہ پر بھی مناسب دھیان دے رہی ہے کہ لوگوں کو بلا سماعت نظربند رکھنے کے اختیارات کا استعمال بھی احتیاط سے کیا جائے۔

بہرحال جبر و تشدد۔ ظلم و ستم وقتی طور پر کامیاب ہو جاتا ہے۔ مگر اس کی

عمر زیادہ نہیں ہو سکتی۔ مجبوراً حکومت کو اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنی پڑی۔

لارڈ ویول جدید وائسرائے ہند نے چارج سنبھالنے کے بعد مصالحانہ پالیسی اختیار کی۔ رہائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

جمعیۃ علماء ہند کی تجویز

جمعیۃ علماء کے اکابر ۵ اگست ۴۲ء کے بیان میں حامیان جمعیۃ علماء کو آنے والے جنگ کی خبر دے چکے تھے۔ گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد ورکنگ کمیٹی کے ان حضرات سے جو جیل سے باہر تھے۔ ۱۷، ۱۸ اگست ۴۲ء ۳، ۴ شعبان ۶۱ھ کو دہلی میں زیر صدارت حضرت مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیۃ علماء ہند مجلس عاملہ کا اجلاس کیا۔ ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کے تار جا بجا کاٹے جا رہے تھے۔ ہڑتالیں ہو رہی تھیں، پٹریاں کاٹی جا رہی تھیں، جگہ جگہ فوج اور پولیس کی گولیاں موت کی بارش برسا رہی تھیں اور قدرتی طور پر مسلسل بارش نے سفر کو اور بھی دشوار کر دیا تھا۔ ان تمام خطرات اور دشواریوں سے بڑھ کر خود اپنی گرفتاری کا خطرہ ہر دم لگا ہوا تھا۔ لیکن جملہ صعوبتوں اور خطرات کو برداشت کرتے ہوئے مجلس عاملہ کے اراکین نے سفر طے کیے۔ اور اجلاس میں شرکت کی۔

مجلس عاملہ نے مندرجہ ذیل تجویز پاس کی جس کی طباعت و اشاعت خود ایک خطرۂ عظیم تھی۔ لیکن بحمد اللہ عز اسمہ و عم نوالہ نے خدام جمعیۃ العلماء کو ہر ایک خدمت کی توفیق بخشی۔ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں یہ تجاویز طبع کرا کر ملک کے تمام گوشوں میں پہنچائی گئیں۔

تجویز: ہندوستان کے محبان آزادی وطن نے گورنمنٹ برطانیہ کے سامنے انتہائی مصالحانہ طریق پر اپنے حق و انصاف پر مبنی مطالبہ کو پیش کیا۔

اس وقت تک کوئی ایسی بات نہیں کی جو حکومت کو اس مصیبت کے
دور میں پریشان کرنے والی ہو۔ برطانیہ کی کامیابی اور ہندوستانی دفاع
کا مدار ہندوستان کی کامل آزادی پر موقوف تھا اور حکومت برطانیہ
کی دانشمندی اسی میں تھی کہ وہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کرکے
ہندوستان کو بھی ذلت سے بچنے کا موقع دیتی۔ اور خود بھی مجبوریوں کی
وسعت پر شدت سے عہدہ برآ ہونے کا ایک مستحکم طریقہ بہم پہنچاتی۔ مگر
افسوس کہ حکومت برطانیہ نے اس کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔ اور
اس کا نشہ استعمار اترنا تو درکنار ہلکا بھی نہ ہوا۔ بالآخر فدائیان حریت
نے بالکل اضطرار اور مجبوری کے عالم میں اپنی منزل مقصود کا راستہ
متعین کیا۔ جو عام سول نافرمانی کی تحریک عدم تشدد پر مبنی تھا۔

ظاہر ہے کہ ہندوستان کے حقیقت شناس مدبروں اور
صاحب بصیرت لیڈروں کے لئے اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار
بھی نہ تھا۔ اس پر بھی برطانوی حکومت کی آنکھیں نہ کھلیں اور وہ
اپنی ضد سے باز نہیں آئی۔ اور نہ صرف یہ کہ اس نے حق و انصاف پر
مبنی ہندوستانی مطالبہ کو منظور نہیں کیا۔ بلکہ مزید براں نتائج اور
عواقب سے بے نیاز ہو کر انتہائی استبداد کے ساتھ عاجلانہ اقدام
کرکے فدائیان آزادی کو گرفتار کر لیا۔

گورنمنٹ کی اس ناعاقبت اندیشانہ حرکت پر جو لازمی نتیجہ ظاہر
ہونا تھا وہ ہوا اور ہندوستان کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ

تک آگ لگ گئی۔ ہندوستانیوں کے قلب نفرت و عداوت سے لبریز
ہوگئے۔ اور عوام کے جذبات قابو سے باہر ہوگئے۔

اس سلسلہ میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں آگ لگانا۔ تار کاٹنا
عمارتوں اور دفتروں کو نقصان پہنچانا وغیرہ ایسے واقعات ہیں جن کو
کوئی سمجھدار اور محب وطن ان پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔
ان واقعات پر جس قدر افسوس کیا جائے بجا ہے۔ لیکن سب سے
زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ یہ سب کانگریس کے نام پر کیا جارہا ہے
حالانکہ کانگریس کے مستحکم اصول "عدم تشدد" کے قطعی خلاف ہے۔ مگر
اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت کے ناعاقبت اندیش اقدام پر ہے کہ اس نے
معتمد اور ذی اثر رہنماؤں کو گرفتار کرکے عوام کو ان کی رہنمائی سے
محروم کردیا۔

کانگریس کی تحریک پُرامن اور غیر متشدد سول نافرمانی کی ہے جو
انتہائی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں بطور واحد علاج اور آخری طریقہ
کار کے اختیار کی گئی ہے۔ ہر کوئی ہندوستانی جس کو آزادی سے محبت
ہو۔ اور ہندوستان کا خیرخواہ ہو۔ اور وطن کی حفاظت کا مقصد اسکے
پیش نظر ہو۔ اور غیر ملکی جارح حملہ آوروں کے خلاف کامیاب مدافعت کی
تمنا رکھتا ہو۔ اس تجویز سے اختلاف نہیں کرسکتا۔

اس موقع پر ہم یہ بھی واضح کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر جمعیۃ العلماء کو
اس امر کا ذرہ بھر بھی وہم ہوتا کہ جدوجہد آزادی کا نتیجہ ہندوستان میں ہندو راج

قائم کرنا ہے تو وہ ایک لمحہ توقف کے بغیر اس کی شدید مخالفت کریں۔

ہم آزاد ہندوستان سے وہ آزاد ہندوستان مراد لیتے ہیں جس میں مسلمانوں کا مذہب ان کی اسلامی تہذیب اور قومی خصوصیات آزاد ہوں اور مسلمانوں میں حصول آزادی کے لئے یہی قوی خیال غالب ہو اور اپنی ذاتی قوت سے آزادی کی حفاظت کرسکیں۔

مسلمان جو انگریز کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے بیش از بیش ایثار اور قربانیاں کریں گے ان کی نسبت ہندوؤں کی غلامی قبول کرنے کا تصور بھی ان کی سخت ترین توہین ہے۔

"ہماری قوم کی سخت بدقسمتی ہوگی اگر وہ توہمات و خطرات میں مبتلا رہے اور موقع کی نزاکت اور بہترین فائدہ اٹھانے کے لئے اپنی غفلت سے اسے ضائع کردے۔ (جمعیۃ العلماء کیا ہے حصہ دوم صفحہ ۱۲) ۲۵۳

جمعیۃ علمائے کیمبل پور سے مندرجہ ذیل پوسٹر شائع کیا گیا

موجودہ تحریک آزادی اور جمعیۃ علماء کا پروگرام

قرآن شریف اور احادیث مقدسہ کی روشنی میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

افضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر (ترمذی شریف) — یعنی ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات سب سے بڑا جہاد ہے۔

آزادی وطن کی جدوجہد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ آزادی وطن ہی آزادی ملت کا ذریعہ ہے۔ آزادی وطن کے بعد ہی اسلامی احکام نافذ کیے جا سکتے ہیں۔ مغلوب و مقہور

رہکر غلامانہ زندگی پر قناعت کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے قطعاً حرام ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

من مات ولم یغزو ولم یحدث به نفسه مات علی شعبة من نفاق ۔ (مسلم شریف)

یعنی جس شخص نے اپنی زندگی میں جہاد نہیں کیا اور نہ جہاد کا جذبہ اسکے دل میں پیدا ہوا اور اسی حالت میں وہ مر گیا تو ایک قسم کے نفاق کی حالت میں مر رہا ہے ۔

اسلام اس لئے ہے کہ دنیا میں بلند و بالا ہو کر رہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے ۔

الاسلام یعلوا ولا یعلی علیه

اسلام بلند رہتا ہے پست نہیں ہوتا ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

لا تخافوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ۔ (قرآن حکیم)

یعنی خوف مت کھاؤ اور غمگین مت ہو تم ہی سب سے بلند ہو اگر تم ایمان و یقین رکھتے ہو ۔

مسلمان اس لئے ہے کہ اپنی خدمات اور قربانیوں سے تمام انسانوں کو فائدہ پہنچا کر عدل و انصاف کے بہترین احکام و قوانین دنیا میں نافذ کرے ۔ فسق و فجور اور ظلم و تعدی کی جڑیں اکھاڑ دے ۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے ۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعرو

یعنی تم سب سے بہتر جماعت ہو جو انسانوں کے نفع کے لئے پیدا کی گئی اچھی باتو

وتنھون عن المنکر	کا حکم کرتے ہو۔ بری باتوں سے روکتے ہو
تؤمنون باللہ۔	اور اللہ پر ایمان و یقین رکھتے ہو۔

نیز خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

ان اللہ یأمر بالعدل و	یعنی خدا عدل احسان۔ اور رشتہ داروں
الاحسان وایتاءِ ذی	کی امداد کا حکم کرتا ہے
القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاءِ	اور فحش اور بری باتوں سے
والمنکر۔ (قرآن حکیم)	روکتا ہے۔

برطانوی شاہنشاہیت غاصبانہ اور ظالمانہ طور پر عرصہ سے ہندوستان پر اپنا فولادی پنجہ گاڑے ہوئے ہے۔ بلا تفریق ہندو مسلمان تمام ہندوستانیوں کے ذرائع معاش اپنے قبضہ میں کر کے ان کو بھوک اور افلاس کی آخری حد تک پہنچا دیا ہے خدا کی پناہ۔ حد ہوگئی کہ آج ہندوستان جیسے زرخیز ملک میں غلہ پر بھی لیسنس ہے اور پھر بھی روٹی کا ملنا دشوار ہے۔ پھر ایک ہندوستانی کو تہنا کر کے مجبور اور بے بس کر دیا ہے۔ ہندوستانیوں کے تمام علوم و فنون ختم کر کے اپنی زبان، اور اپنے ملحدانہ خیالات کالجوں، اور اسکولوں میں رائج کئے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ خود ہندوستانیوں کو اپنے اپنے مذہبوں سے بیزار کر کے تمام مذاہب کو فنا کے قریب پہنچا دیا ہے۔ اور پھر بھی تعلیم یافتہ کو زندگی گذارنی دوبھر ہے۔ بلا تفریق مذہب و ملت ہر ایک ہندوستانی کو ذلیل، اور اس کے مقابلہ میں گورے چمڑے والے بدیشیوں کو بلند اور برتر مانا جاتا ہے ان کی تنخواہیں، اور ان کے بھتے دو چند سہ چند، اور دیگر ذرائع آمدنی بھی ان کے لئے بیشہا وسیع۔ اور لطف یہ ہے کہ خود ہندوستانیوں کے روپیہ سے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے

کلے ہندوستانیوں کے پیٹ کا ٹکڑا ان کے بچوں کو بھوک، مرض اور جہالت میں مبتلا کرکے اپنی ناپاک خواہشات پوری کیجا رہی ہیں۔ ہندوستانیوں کی نہ عزت محفوظ ہے۔ نہ آبرو نہ دولت۔ نہ انکی جان کی کوئی قیمت ہے۔ نہ انکی وفاداری کی قدرومنزلت۔ یہ کتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔

پھر شاہنشاہیت کی انھیں ظالمانہ اور وحشیانہ اغراض کو محفوظ رکھنے کے لئے برطانوی شاہنشاہیت تین سال سے دوسری حکومتوں سے برسرپیکار ہے۔ اور ہندوستانیوں کو ان کی مرضی کے برخلاف طرح طرح سے مجبور کرکے اس وحشیانہ جنگ میں شرکت پر مجبور کیا جارہا ہے۔ مثلاً ہندوستان کا کروڑوں من غلہ جو ہندوستانیوں کو کم از کم دو سال کے لئے افراط کے ساتھ کافی ہوسکتا تھا۔ غیر معلوم مقدار میں باہر بھیجدیا گیا تو چند سرمایہ داروں کے سوا۔ آج ہر ایک ہندوستانی قحط اور رفاقہ میں مبتلا ہے۔ اور پیٹ کے جہنم کو بھرنے کے لئے جنگ کے کاروبار میں شرکت پر مجبور ہے۔

ان انسانیت سوز وحشیانہ اور سفاکانہ حرکتوں سے بے چین اور بے قرار ہوکر اگر کوئی ہندوستانی بھی آواز بلند کرتا ہے تو گولی، پھانسی۔ یا قید و بند کے ذریعہ سے اس کو دبا دیا جاتا ہے۔ وہ بڑے بڑے پیشوا اور لیڈر جنکی ہندوستانی بیحد عزت کرتے ہیں کہ ان کا نام لیتے وقت امیر الہند۔ شیخ الاسلام یا مہاتما جی جیسے خطابات کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کو نہایت مغرورانہ۔ ظالمانہ اور وحشیانہ انداز میں جیل خانوں میں ٹھونس دیا گیا ہے۔ اور اس طرح ہندوستانیوں کی ذلت و خواری پر مہر لگا دی گئی ہے۔

ہندوستان کے علاوہ۔ افغانستان، ایران، عراق، حجاز، فلسطین، شام مصر وغیرہ اسلامی ممالک بھی انھیں مصیبتوں کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ اور افسوس یہ کہ ان تمام

ممالک کی یہ مصیبت ہندوستان کی غلامی اور صرف ہندوستان کی غلامی کے سبب سے ہے۔ لہٰذا ہر ایک مسلمان کا مذہبی اور اسلامی فرض ہے کہ اس ظالم شاہنشاہیت کے پیس ڈالنے والے بارگراں کو جلد از جلد ہندوستان کے سر سے ہٹا کر عدل و انصاف کی حکومت قائم کرے۔ اس جدوجہد میں اگر اسکی جان بھی کام آ جائے تو سراسر سعادت اور نص حدیث کے بموجب شہادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من قتل دون مالہ فھو	یعنی جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا
شھید۔ ومن قتل دون	جائے وہ شہید ہے جو اپنے خون (جان)
دمہ فھو شھید ومن	کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید
قتل دون دینہ فھو	ہے جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے
شھید۔ ومن قتل	وہ شہید ہے۔ اور جو اپنے گھر والوں کی
دون اھلہ فھو شھید	حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے

(ترمذی شریف ص۱۸۲ و ص۱۸۳)

ہندوستان کی اسی زبوں حالی، تباہی اور بربادی اور برطانوی شاہنشاہیت کی جابرانہ اور سفاکانہ چیرہ دستیوں سے تنگ آکر ہندوستان کی سب سے بڑی مشترک سیاسی جماعت یعنی "انڈین نیشنل کانگریس" نے ہندوستانیوں کے تمام مذاہب اور ہر ایک مذہب کے کلچر، معاشرت، زبان، اور رسم الخط کی آزادی تسلیم کرتے ہوئے برطانوی شاہنشاہیت کو ہندوستان سے نکالدینے کی جدوجہد شروع کر دی ہے۔ ۷ اگست ۱۹۴۲ء تا ۸ اگست ۱۹۴۲ء کے اجلاس بمبئی میں کانگریس نے یہ اصول بھی

طے کر لیا ہے کہ جملہ صوبجات آزاد ہوں گے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات دیئے جائیں گے جو صوبجات طے کر دیں۔ باقی تمام مصرحہ اور غیر مصرحہ اختیارات صوبجات کو حاصل ہونگے نیز یہ کہ اگر کسی صوبہ کی اکثریت اپنے صوبہ کو مرکز سے علیحدہ کرنا چاہے تو اُس کو یہ حق ہے۔ اور ایسے علیحدہ ہونے والے صوبجات اپنا علیحدہ مرکز بھی بنا سکتے ہیں۔

طرح طرح کے بیانوں سے مسلمانوں کو بزدل بنا کر جدوجہد آزادی سے علیحدہ رکھنے کی کوشش عرصے سے کیجا رہی ہے۔ لیکن حالات مذکورہ بالا کے پیش نظر کسی مسلمان کے لئے بھی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ جدوجہد آزادی میں دوسری قوموں کے دوش بدوش زیادہ سے زیادہ قربانیاں پیش کرنے میں تامل کرے۔ بلکہ اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ برطانوی شاہنشاہیت کے ہندوستانی نظام کو بیکار کرنے میں پوری جدوجہد صرف کرے۔ یعنی عدم تشدد کے اختیار کردہ اصول کی پابندی کرتے ہوئے۔ ایسی رکاوٹیں پیدا کریں کہ موجودہ حکومت کا کوئی کام نہ چل سکے۔ مثلاً۔ اسکول۔ کالج۔ سرکاری دفاتر۔ سرکاری کارخانے۔ فیکٹریاں۔ کچہریاں۔ بند کر دی جائیں۔ ملازمین ہڑتال کر دیں۔ اور ایسا نہ کریں تو اُن پر پکٹنگ کیا جائے۔ اور جو ملازمین آڑے آئیں اُن کا بائیکاٹ کر دیا جائے فیکٹریوں اور کارخانوں میں کام کرنے والے کارخانے بند کر دیں۔ ورنہ کم از کم کوئی سرکاری آرڈر پورا نہ کیا جائے۔ لگان اور ہر ایک ٹیکس بند کر دیا جائے۔ حکومت کا کوئی مطالبہ ادا نہ کیا جائے۔ نوٹ ہرگز نہ لئے جائیں۔ اور جو نوٹ موجود ہوں اُن کو واپس کر کے روپیہ فراہم کر لیا جائے۔ بینکوں سے اپنا روپیہ واپس لے لیا جائے۔ اپنی مکمل آزادی کا اعلان کرنے میں گاؤں گاؤں محلہ محلہ پنچائتیں بنا دی جائیں۔ نوجوانوں کی حفاظتی جماعتیں تیار کی جائیں۔ یہی پنچائتیں آپس کے جھگڑوں اور جملہ معاملات کا فیصلہ کریں۔

یہی جماعتیں حفاظت اور جملہ ضروریات کی ذمہ دار ہوں مسلمان اپنے میں سے کسی بہتر شخص کو اپنا امیر بنالیں۔

چونکہ بد امنی کا دور بظاہر طویل عرصہ تک چلیگا۔ لہذا یہ پنچایتی نظام اور نوٹوں کے بجائے نقد روپیہ یا سونے چاندی کا محفوظ کر لینا اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے شرعی امارت کا نظام بنایت ضروری ہے۔

حضرت حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے۔

تعاونوا علی البر والتقوی	یعنی نیکی اور پرہیز گاری میں ایک
ولا تعاونوا علی الاثم	دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور
والعدوان۔ (قرآن حکیم)	ظلم میں ایک دوسرے کی امداد مت کرو

مگر اس تمام تحریک میں قرآن پاک کے اصول "وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ" کے اصول کی سختی سے پابندی کیجائے۔ یعنی ایسا طرز اختیار کیا جائے جو سب سے بہتر ہو۔ جو آپ کے مخالف پر بھی اخلاقی دباؤ اس قسم کا ڈالے کہ وہ آپ کی ہمدردی پر مجبور ہو جائے۔ نیز عدم تشدد اور "مقاومت بالصبر" کے اس اصول کی سختی سے پابندی کیجائے جس کی طرف قرآن پاک کی یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔

کفوا ایدیکم واقیموا	اپنے ہاتھوں کو روکو۔ اور نماز
الصلوٰۃ۔	قائم کرو۔

یعنی کسی کا مال نہ چھینا جائے۔ لوٹ مار۔ ڈاکہ۔ چوری۔ قتل۔ عصمت دری مار دھاڑ۔ ظلم و ستم۔ ہرگز ہرگز نہ ہو۔ اور اس تمام جد و جہد کے ساتھ مذہبی عبادات اور مذہبی احکام کی پابندی کرو۔

سنا گیا ہے کہ جن مواضعات پر فوج کو معین کیا گیا وہاں فوجی سپاہیوں نے ہماری ماؤں، بہنوں کے ساتھ انسانیت سوز حرکتیں کی ہیں۔ اُن کو بے آبرو کیا۔ لوٹا کھسوٹا یہ افواہ اگر غلط بھی ہو۔ تب بھی فوج اور پولیس سے ایسی حرکتیں بعید نہیں۔ جرمنی اور جاپانی فوجیں بھی وحشت اور بربریت میں کسی سے کم نہیں۔ لہذا عورتوں کو سمجھا دیا جائے کہ ایسے خطرات کے موقع پر وہ سب۔ ہندو ہوں یا مسلمان۔ امیر ہوں یا غریب ایک جگہ اکٹھی ہو جائیں۔ اور کم از کم درانتی، چاقو، گنڈاسا جیسی کوئی چیز اپنے پاس رکھیں۔ اپنی حفاظت خود کریں۔ اور اپنی جان سے زیادہ اپنی عصمت اور آبرو کی حفاظت کریں۔ اس حفاظت میں اگر مسلمان عورتوں کی جان بھی جاتی رہے تو وہ یقیناً شہید ہوں گی۔ محمد میاں عفی عنہ ۵ رمضان ۱۳۶۱ھ ۱۷ ستمبر ۱۹۴۲ء

ماتحت جمعیتوں نے جماعتی طور پر اور تحریک حریت کے بہت سے ہمدردوں نے انفرادی طور پر اس فتوی کو طبع کرایا۔ اور جہاں طبع کرنے کا موقع نہ تھا۔ وہاں کاربن کے ذریعہ اس کی نقلیں کرا کر تقسیم کی گئیں۔ جمعیۃ علماء صوبہ سرحد نے اس کا ترجمہ پشتو میں شائع کرایا۔ اور اعلان حق کا فرض انجام دیا۔

مسٹر جناح اور مسلم لیگ

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جناح اور ان کی لیگ کے بھی کچھ کارناموں کا تذکرہ کر دیا جائے۔

اس دور میں مسٹر جناح کا بہترین کارنامہ یہی ہو سکتا تھا کہ کانگریس کی تحریک کا رُخ انگریز کے بجائے خود آپس میں ایک دوسرے کی طرف پھیر دیا جاتا۔ اور تحریک آزادی کو ہندو مسلم بلوؤں کی شکل میں منتقل کر دیا جاتا۔

مسٹر جناح نے اس خدمت کی انجام دہی میں کوتاہی نہیں کی۔ مگر افسوس ملک کی

انقلاب سے دلچسپی ہے۔ انقلابی تحریک کے وقت وہ آپس کے مناقشات کو بھول جاتے ہیں ورنہ کم از کم نظر انداز کر دیتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر جناح کی تمام کوششیں بیکار گئیں۔
بہرحال مسٹر جناح اور ان کی لیگ کی مساعی جمیلہ میں سے سب سے پہلے "قابل تذکرہ خدمت وہ تجویز ہے۔ جو لیگ کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۰ اگست ۴۲ء میں پاس کی۔ اس تجویز کے مطالعہ سے پیشتر کانگریس کی مذکورہ صدر۔ تجویز اور حضرت آزاد مدظلہ العالی کی پیشکش پر ایک نظر ضرور ڈال لینی چاہیئے۔

تجویز لیگ

آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے ملک کی موجودہ سیاسی تبدیلیوں پر پورے غور اور گہرے فکر سے توجہ کی۔ اور وہ ۸ راگست کے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے فیصلہ کو جس میں عام تحریک سول نافرمانی شروع کر کے ایک کھلی ہوئی بغاوت کرنے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ ہندوستان میں وہ اپنا مقصد یعنی کانگریس غلبہ حاصل کرے سخت ناپسند کرتی ہے۔

مجلس عاملہ مسلم لیگ کی یہ سوچی ہوئی رائے ہے کہ اس تحریک کا مقصد نہ صرف برطانوی حکومت کو اس کے لئے مجبور کرتا ہے کہ وہ اختیارات ہند کو "خودسری" حکومت کے سپرد کر کے مسلمانوں اور ہندوستان کے دوسرے عوام سے کئے ہوئے اخلاقی فرائض اور مواعید کی ادائیگی کے ناقابل ہو جائے۔ بلکہ مسلمانوں کو مجبور بھی کیا جائے کہ وہ کانگریس کے احکامات اور شرائط کے سامنے بالکل جھک جائیں جس وقت سے جنگ شروع ہوئی ہے اس وقت سے بلکہ اس سے پہلے سے

کانگریسی پالیسی کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ برطانوی حکومت کو عاجز و پریشان نیز مجبور کرے کہ وہ اپنے اختیارات کانگریس کے جو ایک ہندو جماعت ہے۔ اور اس کے پیچھے دوسری قوموں کے صرف اتنے آدمی نہیں کہ انھیں دوربین سے دیکھا جائے۔ سپرد کردے اور دس[۱] کروڑ مسلمانوں کے علاوہ اس وسیع براعظم کے دوسرے باشندوں کو بھی بالکل کچل دیا جائے۔

حالانکہ کانگریس "ہندوستان" (جو کہ کانگریس کے نزدیک ہندو اکثریت کے لئے ایک نرم اصطلاحی لفظ ہے)۔ کے لئے حق خود اختیاری کا مطالبہ کرتی ہے۔ مگر اس نے بار بار مسلم قوم کے لئے اسی حق خود اختیاری کی (کہ وہ اپنی قومی زندگی کے لئے خود فیصلہ کر سکیں) مخالفت کی ہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنے یکم مئی ۱۹۴۲ء کی تجویز کے ذریعہ جو

---

[۱] ماناپارل کا مسند نشین بیرسٹر اور عیش پرست نواب اور راجہ لاکھوں کروڑوں مسلمان کاشتکاروں اور مزدوروں کو جن کے فائدے کے لئے کانگریس کی جدوجہد وقف ہے اور جن کی ہمدردیاں کانگریس کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء کے الیکشن نے ثابت کردیا۔ کہ ہندوستان کے چالیس فیصدی مسلمان کانگریس اور جمعیۃ العلماء کے ساتھ ہیں)۔ اگر خوردبین سے بھی دیکھ لیں تو غنیمت ہے۔ تعجب ہے مسٹر جناح اور مسلم لیگ صوبہ سرحد کو بھی خوردبین کے بغیر نہیں دیکھ سکتے۔		محمد میاں

صاف صاف مسلمانوں کے لئے مسلم لیگ کے مطالبہ حق خود اختیاری سے انکار کیا۔ اور اس طرح فرقہ وارانہ مسئلے کے لئے سمجھوتہ کا دروازہ بند کردیا۔

سوال: کانگریس نے صوبجات کی خودمختاری سے کبھی بھی انکار نہیں کیا۔ البتہ مرکز سے صوبوں کی علیحدگی کا حق یعنی تقسیم ہندوستان کا مسئلہ زیر بحث رہا۔ اور تقسیم ہندوستان کو کانگریس خود ہندوستان کے لئے۔ اسکی ترقی اور اسکی آزادی کے استحصال اور تحفظ کے لئے خطرناک سمجھتی رہی تاہم کانگریس کے لیڈروں نے تسلیم کیا کہ اگر مسلمان علیحدہ ہونا چاہیں تو انہیں کون روک سکتا ہے۔ پھر ۱۰ اپریل ۱۹۴۲ء کے اجلاس میں ورکنگ کمیٹی نے علیحدگی کا حق تسلیم بھی کرلیا۔ لیگ کے اس ریزولیشن میں اس تمام حقیقت پر پردہ ڈالتے ہوئے جگت نرائن لال کی اس تجویز کو اپنی گرفت میں لے لیا گیا ہے جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس الہ آباد میں منظور ہوئی تھی۔ تجویز یہ ہے۔ "آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ کسی مرتبہ ریاست یا علاقہ وارانہ وحدت کو انڈین یونین یا فیڈریشن سے علیحدہ ہونے کا حق دے کر ہندوستان کے ٹکڑے کرنے کی ہر تجویز مختلف ریاستوں اور صوبوں کے لوگوں اور بحیثیت مجموعی ملک کے بہترین مفاد کے لئے سخت مضر ہوگی۔ اس لئے کانگریس ایسی کسی تجویز پر رضامند نہیں ہو سکتی"۔ (تاریخ ۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء) اس تجویز میں ملک کے ٹکڑے کردینے والی تجویز پر کانگریس کی رضامندی سے انکار کیا گیا ہے۔ لیکن کانگریس کی ناپسندیدگی کے باوجود اگر ملک کا وہ ٹکڑا مرکز سے علیحدہ بھی رہنا چاہے تو اسکا اختیار سلب نہیں کیا گیا۔ ورکنگ کمیٹی نے اجلاس دہلی میں تقسیم ہند پر کانگریس کی رضامندی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بلکہ صوبجات کے لئے حق علیحدگی تسلیم کیا تھا۔ لہذا جگت نرائن لال کی اس تجویز سے اپریل ۱۹۴۲ء کی تجویز دہلی کی تردید نہیں ہوئی چنانچہ صدر کانگریس مولانا ابو الکلام صاحب آزاد نے بحیثیت صدر اجلاس یہ اعلان کردیا تھا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی مسلم لیگ کے مطالبہ تقسیم ہند کے متعلق جو نظریہ اجلاس دہلی میں طے کرچکی ہے موجودہ ریزولیوشن سے اسکی کسی طرح تردید نہیں ہوئی۔ (تاریخ مورخہ ۲ مئی ۱۹۴۲ء) پنڈت جواہر لال نہرو نے اسی اجلاس میں بیان دیا تھا کہ "بابو جگت نرائن کا ریزولیوشن ورکنگ کمیٹی کے ریزولیوشن سے متصادم نہیں ہے۔" (تاریخ مورخہ ۲ مئی ۱۹۴۲ء) ڈاکٹر سید عبد اللطیف کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے ۷ اگست ۱۹۴۲ء کو تحریر کیا۔ "ہندوستان کو دو یا دو سے زیادہ حصوں میں تقسیم کرنیکی تجاویز سے متعلق کانگریس کی پوزیشن یہ ہے کہ اس قسم کی تقسیم دونوں حصوں کے لئے ازحد نقصان دہ ثابت ہوگی۔ اور مجموعی ہندوستان کے لئے بھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس قسم کی تقسیم سے ہمارا مسئلہ [illegible]

فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کے لئے سمجھوتہ ہندوستان کی آزادی کے لئے پہلی شرط ہے اور یہ کانگریس نے بھی ایک لازمی شرط مان کر بیس سال سے زائد پہلے

(بقیہ صفحہ ۴۰۷ کا) شمال مغرب کے مسلمان ہندوستانیوں کو سب سے زیادہ زحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ صنعتی طور پر اتنا ترقی یافتہ نہیں ہے ....

دنیا کا میلان یہ ہے کہ بڑے وفاقوں کو وجود میں لایا جائے مجھے یقین ہے کہ آخری حل ایک عالمگیر فیڈریشن میں پنہاں ہے .... تاہم دہلی میں کانگریس نے واضح کر دیا تھا کہ اگر کوئی علاقہ جو ہندوستان کا جزو ہے، واضح طور پر یہ رائے رکھتا ہو کہ اسے ہندوستانی اتحاد سے الگ ہو جانا چاہیئے تو اسے اپنی خواہش کے خلاف عمل کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ قدرتاً ہم اسے خوش آمدید نہیں کہہ سکتے .... کانگریس ورکنگ کمیٹی کا ریزولیوشن اسی طرح پر قائم ہے اور اسکو کسی طرح ترمیم کرنے، اور بدلنے کے متعلق کچھ نہیں کیا گیا ہے۔ جب الہ آباد میں بابو جگت نرائن کا ریزولیوشن آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے آیا تو یہ بات صدر کانگریس اور میں نے پوری طرح صاف کر دی تھی۔ ریزولیوشن کے الفاظ کانگریس کی عام پالیسی اور خواہش کو ظاہر کرتے ہیں۔ .... یہ ریزولیوشن کسی صورت میں بھی دہلی کی ورکنگ کمیٹی کے ریزولیوشن کو پس پشت نہیں ڈالتا۔ یہ نہایت صاف ہے اور شک سے ماورا ہے۔ بے شک اگر کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندے آپس میں ملیں تو وہ ہر قسم کے موضوع پر بحث کرنے اور اس قسم کے معاملات کی طرف اشارہ کرنے میں بالکل آزاد ہیں۔ ([illegible] مورخہ ۱۷ راگست ۱۹۴۲ء)۔ اسکے علاوہ مولانا حفظ الرحمن صاحب رکن آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ایک یادداشت پر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس بمبئی میں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے بحیثیت صدر یہ رولنگ بھی دیدیا کہ "یہ حق مسٹر جگت نرائن کے ریزولیوشن سے ساقط نہیں ہوا بلکہ دہلی کی پوزیشن بحالہ قائم ہے"۔ چنانچہ لیگ کا ترجمان "روزنامہ خلافت بمبئی" ۱۷ راگست کے افتتاحیہ میں لکھ چکا تھا "جہاں تک آزاد اسلامی صوبوں کے مطالبہ اور اصول کا تعلق ہے حکومت برطانیہ نے بھی اس بارے میں کچھ وعدے کئے ہیں اور کانگریس نے بھی۔ اور دونوں نے صوبوں کو خودمختاری دینے اور مرکز سے الحاق کے حق کو خود انہیں کی مرضی پر چھوڑنے کا اعلان کیا ہے۔ لیکن اعلانات سے مسلم لیگ پوری طرح مطمئن نہیں ہوئی۔ سر کرپس کی تجویزوں کو تو اس نے رد ہی کر دیا۔ مگر کانگریس کے اعلان اور مولانا ابوالکلام آزاد کی اس رولنگ پر جو انہوں نے مولانا حفظ الرحمن کی تجویز پر دی ہے مسلم لیگ کی رائے کے اظہار کا ابھی تک انتظار ہے۔ خلافت بمبئی ۱۷ راگست ۱۹۴۲ء ج ۲۱ ان تمام توضیحات اور اعلانات کے (بقیہ بر صفحہ ۴۰۹)

اپنے پروگرام کا نمایاں پہلو بنا رکھا تھا۔ مگر اپنے حالیہ فیصلے سے یکایک اسکو الگ پھینک کر اس کے بجائے ایک فرضی اصول کو "ہندو مسلم مسئلہ کا حل"

(بقیہ صفحہ ۲۰۳) بعد مسلم لیگ کی تجویز کا یہ فقرہ اسی ضد اور عناد کا نمونہ ہے جو مسٹر جناح کا طرۂ امتیاز ہے اور جو مسلمانوں کو اور بالخصوص مسلم لیگ کو دن بدن پستی کی طرف دھکیل رہا ہے۔

۵۔ کانگریس نے سمجھوتہ کے اصول کو الگ نہیں پھینکا۔ اگست ۱۹۴۲ء میں بھی کہ گرفتاریاں سر پر تھیں۔ کانگریس سمجھوتہ کے لئے تیار تھی اور پھر جب گاندھی جی ۱۹۴۴ء میں رہا ہوئے تو انہوں نے مسٹر جناح کی کوٹھی کا رخ کیا اور تقریباً ایک ماہ تک سمجھوتہ کی کوشش کرتے رہے۔ مگر افسوس جب مسٹر جناح شاطر برطانیہ کا گراموفون بن جائیں تو لامحالہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ جب تک گراموفون کا ریکارڈ بھرنے والی تیسری طاقت موجود ہے مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ آخر مسٹر جناح ہی تھے جن سے ۱۹۱۶ء میں کانگریس نے وہ پیکٹ کیا تھا جو میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن پھر اس میثاق کو پس پشت ڈال کر ۱۴ نکات تصنیف کئے۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے موقعہ پر گاندھی جی ۱۴ نکات کو تسلیم کر رہے تھے۔ مگر مسٹر جناح اور ان کے ساتھیوں نے کانگریس کی ہر ایک منت وسماجت کو ٹھکرا کر یورپ کے ٹوریوں کے ساتھ سازباز کر لی۔ اور مشترکہ ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں کے مفاد کو برباد کر دیا۔ چنانچہ یکم نومبر ۱۹۳۱ء کو لندن سے رپورٹر نے تار دیا تھا جو اخبارات میں شائع ہوا۔ تار کا مضمون تھا کہ "معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کے تحفظات سے اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے قدامت پسند انگریزوں سے یہ خفیہ معاہدہ کیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے تحفظات منظور کر لیں گے تو برطانوی اقتدار کو قائم رکھیں گے اور کنزرویٹو انگریز مسلم مطالبات کی حمایت کریں گے" (مدینہ ۵ نومبر ۱۹۳۱ء ۲۲ صفحہ) اخبار بمبئی کرانیکل کے خاص نامہ نگار مقیم لندن نے یہ عجیب و غریب اہم خبر بھیجی کہ "شاہنشاہیت پرست برطانوی مدبرین کو جب گاندھی جی کے نرم رویہ سے گاندھی جی اور والیان ریاست کو لڑانے میں ناکامی ہوئی تو وہ اب مسلمانوں کو اپنے مقصد کا آلہ کار بنا رہے ہیں۔ انہوں نے مسلمان مندوبین کو اس لئے متحد کر لیا ہے کہ وہ کامل آزادی کے حصول میں گاندھی جی کی کوششوں کو ناکام کر دیں" (مدینہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ صفحہ ۹)۔ انڈین اینوئل رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۰ پر درج کرتا ہے "لندن کے بعض نمائندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں فرقہ وار لیڈروں نے جنہیں مسٹر جناح اور ہز ہائی نس سر آغا خاں پیش پیش تھے برطانیہ کے ٹوری لیڈروں سے خفیہ سازش کر لی تھی جن میں ممتاز لیڈر "لارڈ لائڈ" "لارڈ بنٹورڈ" "لارڈ سیلشم" اور دوسرے لوگ تھے جب کبھی کمزوری یا شکست کے آثار نمودار ہوتے تھے تو فرقہ وار لیڈروں کی پوری پوری حمایت کرتے تھے" باقی صفحہ ۲۱۰ پر

صرف اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب برطانوی طاقت ہندوستان سے ہٹالی جائے کو ۔ رکھنا ہے ۔

سر اسٹیفورڈ کرپس کی گفتگو کانگریس سے ہندوستان کے دفاع کے مسئلہ پر نہیں ہوئی ۔ بلکہ اس لئے کہ برطانوی حکومت نے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو کانگریس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا ۔ (گفتگو ختم ہونے سے ۷ ماہ بعد یہ نئی وجہ لیگ کے پلیٹ فارم پر تصنیف کیجا رہی ہے)

اس کے بعد حکومت سے شکایت کیگئی ہے کہ وہ لیگ کی پیشکش کی طرف توجہ نہیں کرتی اور کانگریس کو خوش کرنے کی سعی لاحاصل میں لگی رہتی ہے ۔ آخر میں ہدایت کیگئی ہے

ان حالات میں لیگ کی مجلس عاملہ تمام حالات پر غور کر کے مسلمانوں کو حکم دیتی ہے کہ وہ کانگریس کی چلائی ہوئی تحریک سے الگ رہیں ۔ اور اپنی عام سکون کی زندگی جاری رکھیں ۔

مجلس عاملہ کو امید ہے کہ کسی حلقہ سے کوئی کوشش مسلمانوں کو تنگ

(بقیہ صفحہ ۲۰۵ کا) ڈاکٹر سید محمود صاحب نے بیان دیا تھا "گاندھی جی نے لندن میں مسلمانوں کے چودہ نکات بحیثیت مجموعی منظور کرنے تھے لیکن ہمارے نمائندوں نے گاندھی جی کی کچھ پرواہ نہیں کی (مضمون) ناممکن مطالبات پیش کئے جن کا مسلمانوں کے مطالبات سے کوئی تعلق نہیں تھا ۔ یہ نمائندے لندن میں یورپین ایسوسی ایشن کے حامی اور پشت پناہ بن گئے ۔ (مدینہ ۱۷ اگست ۱۹۳۲ء جلد ۲۱ نمبر ۵۲ ص ۳) ۔ انہیں وجوہات کی بناء پر ہندوستان کے مشہور لیگی اخبار "انقلاب" نے ایک طویل مقالہ بعنوان "مرکزی دستور کمیٹی کے مسلم ممبروں کے نامۂ اعمال" شائع کیا تھا ۔ اس مضمون میں تحریر کیا تھا ۔ "ان حالات میں اگر یہ کہیں کہ مسلم ممبروں نے قوم کے ساتھ اور قوم کے حقوق کے ساتھ اور ہندوستان کے ساتھ غداری کی تو یہ لوگ روئیں گے کہ انقلاب بے انصافی کر رہا ہے لیکن ہمارے پاس ان کے فعل کو کھلی ہوئی غداری قرار دینے کے سوا چارہ نہیں ان کی نیتیں نیک ہوں تو ہوں ۔ مگر ہمیں نیکی کی پوجا سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا ۔ البتہ ان کے فعل کی بدی اور برائی سے جو ان کی نقصانات کا دروازہ اس سے کھل گیا ہے ۔ خدا ایسے نیک نیت ... ملت کی لائے نہیں تو کم از کم ان کی ایسی خدمت کی بلا سے ہر قوم کو محفوظ رکھے ۔ (انقلاب لاہور ۱۰ فروری ۱۹۳۳ء)

کرنے اور پریشان کرنے کی یا کسی طرح انکی عام زندگی میں دخل در معقول دینے کی نہ کیجائے گی۔ ورنہ مسلمان مجبور ہو جائیں گے کہ وہ مدافعت کریں اور ایسے تمام ذرائع اختیار کریں جو اُن کی زندگی۔ عزت اور مال کی حفاظت کے لئے ضروری ہوں۔ کانگریس کا مطالبہ مان لیا جائے تو مسلمان ہندو راج کے پنجہ میں پھنس جائیں گے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یا تو انارکی اور فساد ہوگا۔ یا پھر مسلم انڈیا کی مکمل تباہی اور بربادی نیز ان سب چیزوں کی بربادی نیز جو اسلام کی بنیاد ہیں۔ روزنامہ خلافت بمبئی ۸ شعبان ۱۳۶۱ھ ۲۲ اگست ۱۹۴۲ء

اس تجویز میں مسلمانوں کو برانگیختہ کیا گیا کہ وہ موجودہ تحریک کی مخالفت کریں کیونکہ اس تحریک کی کامیابی کا منشاء ہندو راج کا قیام ہے۔ جس میں مسلمان برباد ہو جائیں گے۔ نیز تجویز میں رہنمائی کی ہے کہ ہڑتال وغیرہ کے موقع پر اگر ہندوؤں سے ہڑتال کی فرمائش کریں تو جان و مال کے تحفظ کے تام پر بلوہ پیدا کر دیں۔

مگر افسوس مسلمانوں نے مسٹر جناح کے مشورہ کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ کانگریس کی امداد کی۔ ورنہ خاموشی اختیار کی۔ بہر حال لیگ نے مسلمانوں کو علیحدہ رکھنے۔ بلکہ طول و عرض ہندوستان میں بلوے کرانے کی ترغیب میں کوتاہی نہیں کی۔ مسلمانان ہند نے جس قدر تحریک کا ساتھ دیا۔ یا خاموشی اختیار کی۔ وہ جمیعۃ علماء ہند کی جدوجہد کا نتیجہ اور اراکین جمیعۃ علماء ہند کی قربانیوں کی برکت تھی۔ ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔

آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

۲۰ اگست ۱۹۴۲ء والی مسلم لیگ کی تجویز اس کی اپنی تصنیف و ایجاد تھی یا اس پردہ زنگاری میں کوئی سفید فام ہاتف یہ الہام کر رہا تھا۔

ذیل کے بیانات ملاحظہ فرما کر اس امر کا فیصلہ کیجئے۔

برطانیہ کی وزارت اطلاعات نے ایک پمفلٹ شائع کیا اس کے ایک حصہ میں ہندوستان کے متعلق معلومات فراہم کی گئیں اس حصہ میں ایک فصل میں اس امر پر زور دیا گیا کہ ہندوستان کے فرقوں کے مفادات مختلف ہیں ان میں سمجھوتہ کے بعد ہی ہندوستان ترقی کر سکتا ہے۔ سماجی طبقے بہت پست ہیں ان میں ترقی کی ضرورت ہے وغیرہ وغیرہ (مدینہ یکم جولائی ۱۹۴۲ء)

برطانی پارلیمنٹ کے لیڈر سر اسٹیفورڈ کرپس نے ۱۰ اگست ۱۹۴۲ء کو ایک طویل بیان کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا۔

مسٹر گاندھی نے مطالبہ کیا ہے کہ حکومت برطانیہ کو ہندوستان سے چلا جانا چاہیئے۔ ہندوستانی اپنے اختلافات خود طے کر لیں گے۔ خواہ حکومت کے چلے جانے سے ہندوستان میں بد امنی اور انتشار ہی کیوں نہ پھیل جائے بد امنی اور انتشار کا کیا مطلب ہوگا؟ ۔ ہ حکومت جو کہ موجودہ آئین پر مبنی ہے فوراً ہی ختم ہو جائیگی۔ ہندوستان میں کوئی وائسرائے نہ ہوگا۔ نہ ایگزیکٹیو کونسل ہوگی نہ لیجسلیٹیو اسمبلی ہوگی نہ سول سروس ہوگی جس کو کوئی اختیار حاصل ہو صوبوں میں گورنر نہیں ہوں گے نہ صوبوں میں اسمبلی ہوگی۔ اور نہ حکومت ہوگی ملک کے اندر مالیانہ وصول کرنے والا کوئی حاکم نہ ہوگا۔ اور نہ سرکاری ملازمین کو کوئی تنخواہ دینے والا ہوگا۔ (تیج مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۴۲ء)

رائیٹر کے سیاسی نامہ نگار نے مندرجہ ذیل الفاظ میں برطانیہ کے ذمہ دار حلقوں کی رائے پیش کی۔

سمجھوتہ کے لئے کسی بھی تحریک یا تجویز کی کامیابی کا اس وقت تک امکان نہیں

جب تک ہندوستان کے دوسرے سیاسی عناصر اور خصوصاً مسلم لیگ کے رویہ کا پورا پورا لحاظ نہ رکھا جائے۔ کیونکہ یہ پارٹیاں کانگریس کی رہنمائی اور پالیسی کی سخت مخالف ہیں اور فی الحال کانگریس اور مسلم لیگ کے سیاسی اختلافات کا دور ہو جانا ممکن نہیں۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس بات کا بھی کوئی امکان نہیں کہ موجودہ ایگزیکٹیو کونسل کی جگہ کوئی نئی ایگزیکٹیو کونسل بنائی جائے جو زیادہ نمائندہ ہو۔

روزنامہ انصاری دہلی مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۴۲ء ص ۱۴۳

جب ۱۹۴۶ء میں وزارتی مشن ہندوستان میں نمائندہ اسمبلی کے متعلق دستوری خاکہ ہو لا پیش کر کے واپس جا چکا تو ۲۰ جولائی ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کے مسئلہ پر بحث کے دوران میں مسٹر چرچل کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مسٹر اے۔ وی۔ الیگزنڈر ممبر کیبنٹ مشن نے فرمایا۔

مجھے مسٹر چرچل کی زبان سے اس بات کا اعتراف سنتے ہوئے از حد دکھ ہوتا ہے کہ ۱۹۴۲ء کی پیش کش صرف دشمن کے خوف سے کی گئی تھی یہی الزام برطانیہ کی نیک نیتی پر حملہ کرتے ہوئے ہندوستانی لیڈروں نے ہم پر لگایا تھا۔

آپ نے زور دیتے ہوئے کہا کہ

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ پچھلے سالوں میں کنسرویٹو۔ حکومت کی اس سلسلہ میں اختیار کردہ پالیسی سے اختلاف رکھتا رہا۔ اور اگر اس وقت میری رائے مان لی جاتی تو آج ہمیں ان مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا

لیبر ممبر مسٹر گو دنے مسٹر چرچل کو "بے ملکی نواب" کا خطاب دیتے ہوئے کہا کہ۔
مسٹر چرچل کی تقریر کا منشاء ہندوستان کی اقلیتوں کو غلط طور پر ابھار کر ہندوستان
کی آزادی کے راستے میں روڑے اٹکانا ہے۔ (تیج۔ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۴۶ء ۱۴۳/۲۵)

مختصر یہ کہ بدقسمتی سے کنزرویٹو پارٹی۔ اس زمانہ میں برسر اقتدار تھی۔ اور زمام وزارت
مسٹر چرچل وزیر اعظم اور مسٹر ایمری وزیر ہند جیسے ٹوریوں کے ہاتھ میں تھی سامراجیت
اور شاہنشاہیت کا تحفظ ان کا نصب العین تھا۔ قائد اعظم اور ان کے رفقاء اُن کے
آلۂ کار تھے۔ اور اقلیتوں کے نام پر "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی کو کامیاب
بنایا جا رہا تھا۔ اور باہمی مفاہمت کے بہترین موقعوں کو ضائع کر کے انگریز کے ہاتھ کو
مضبوط اور آزادی و ترقی ہندوستان کی راہ کو مسدود کیا جا رہا تھا۔ نومبر ۴۵ء میں
متعدد اخبارات میں ایک سکینڈل کا یہ الزام شائع ہوا جس کی کوئی تردید مسٹر جناح نے نہیں کی کہ

مسٹر جناح کو نظام حیدرآباد کی معرفت انگریزوں کی طرف سے ۲ لاکھ روپیہ
سالانہ مل رہا ہے۔ اور اس کا انکشاف خود مسٹر جناح کے اعتراف سے اس
وقت ہوا جب انکم ٹیکس کے افسران نے ان کے حساب میں تقریباً بیس لاکھ
روپیہ کا اضافہ غیر معلوم طور پر موجود پایا۔ (تیج ۳ نومبر ۱۹۴۵ء) ۹ نومبر ۱۹۴۵ء انصار دہلی

وزارتی مشن کی سفارشات کو منظور کر لینے کے بعد جب مسٹر جناح اور ان کی لیگ نے ان کو
رد کر دیا اور عارضی حکومت میں شرکت سے بھی انکار کر دیا۔ مزید براں ہندوستان کے خون و
خونریزی و فسادات کی لہر دوڑا دی اور پھر عارضی حکومت میں شرکت کے لئے راستہ
بھی تلاش کیا جانے لگا۔ تو لندن کی ایک اطلاع نے اس حقیقت کی غمازی کی کہ یہ سب کچھ
کنزرویٹو پارٹی کی خوشنودی اور اس کی دوبارہ واپسی کی توقع پر کیا جا رہا ہے۔ اطلاع

بجنسہ درج ذیل ہے ۔

لندن ۱۱ ستمبر ۔ مسٹر جناح کی اس تجویز کے بارے میں کہ حکومت برطانیہ لندن میں کانفرنس طلب کرے اور اُن کو مساوی حیثیت سے بلائے ۔ ذمہ دار برطانی پارٹی کے حلقوں میں خیال کیا جا رہا ہے کہ مسٹر جناح کی پیشکش کا صرف یہ مقصد ہے کہ ہندوستان کے مسائل پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کیا جائے اور فیصلہ میں اتنی دیر کیجائے کہ قدامت پسند پارٹی انگلستان میں برسر اقتدار ہو جائے ۔ بین الاقوامی حالات روزانہ نازک صورت حال اختیار کر رہے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ حکومت ۱۹۵۰ء سے قبل ہی استعفےٰ دیدے گی اور قدامت پسند جماعت توقع کر رہی ہے کہ آئندہ سال میں ہی عام انتخابات ہو جائینگے ۔ ان سب حالات کی بناء پر مسٹر جناح نے لندن کانفرنس منعقد کرانیکی تجویز کی ہے ۔ تاکہ وقت بھی مِلے اور وہ قدامت پسند جماعت سے مشورہ اور تعلقات بھی پیدا کریں قدامت پرست پاکستان کے بہت بڑے حامی ہیں ۔

(قومی آواز لکھنؤ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۶ء $\frac{۲۳۹}{۱۴}$)

پانچ صوبوں میں مسلم لیگ کی حکومت

چار روز کی چاندنی ۔ پھر وہی اندھیری رات

اے ۔ کے فضل حق ۔ (کلکتہ) کا ارشاد ہے

مسٹر جناح کی پیدائش چونکہ ۲۵ دسمبر کو ہوئی تھی ۔ اس لئے وہ خداوند عالم

کی طرف سے برٹش گورنمنٹ کے حق میں بڑے دن کا تحفہ ہیں۔[۱]

چنانچہ اس تحفہ نے دولی کانگریس منسٹریوں کے مستعفی ہونے پر "یوم نجات" منایا یہ "یوم نجات" انگریزوں کو منانا چاہیے تھا۔ مگر افسوس "بڑے دن کے تحفہ" نے انگریز کی خوشنودی کے لئے مسلمانوں کو آلۂ کار بنایا۔ لیکن جب تک کانگریس اور برٹش سمجھوتے کے امکانات تھے مسلم لیگ کو موقع نہ دیا گیا کہ صوبوں میں اپنی وزارتیں قائم کرے لیکن جب اگست ۱۹۴۲ء کی تحریک کی بنا پر برٹش سامراج نے کانگریس کو "باغی جماعت" قرار دیدیا تو بقول مظہر علی صاحب اظہر "سابق جنرل سکریٹری احرار اسلام" انگریزوں نے قائد اعظم کو پانچ صوبوں میں وزارتیں بنا کر دیدیں۔[۲]

اس وقت مسٹر جناح کا دماغ عرش معلی پر پہونچ گیا۔ غالباً وہ یہ خیال کر بیٹھے کہ "پاکستان کی شاہنشاہیت" ان کو حاصل ہوگئی ہے یا اپنی وفاداری کے اعتماد پر آپ کو انگریز سے یہ خوش فہمی پیدا ہوگئی کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف آپ کے دلیرانہ لب ولہجہ کو بھی برداشت کرسکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اجلاس مسلم لیگ (منعقدہ اپریل ۱۹۴۳ء بمقام دہلی) کی تقریر

---

[۱] روح روشن مستقبل ص ۲۱۹ مسٹر جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو اتوار کے روز پیدا ہوئے۔ حیات محمد علی ص ۲۵

[۲] چنانچہ خانبہادر اللہ بخش صاحب وزیر اعظم صوبہ سندھ سے سندھ کے گورنر نے جبراً استعفا دے لیا۔ اور مسٹر اے کے فضل حق صاحب جو شیر بنگال تھے۔ مگر اب کچھ عرصے سے وہ مسٹر جناح کی بارگاہ میں گستاخ ہوگئے تھے۔ زبردستی استعفے لیا اور خالص لیگی کاسہ لیسان حکومت کو وزارت عظمیٰ کا قلمدان سپرد کردیا۔ صوبہ آسام میں مسٹر بردولائی کی وزارت کے مستعفی کے بعد اقلیت کے لیڈر سر سعد اللہ صاحب کو وزارت کی سعادت سپرد ہوئی۔ اسی طرح صوبہ سرحد میں کانگریسی ممبران اسمبلی کی گرفتاریوں کے بعد ایک وفادار زئی سردار اورنگ زیب خاں کے سر پر بار امانت لاد دیا گیا۔ پنجاب کی منسٹری کے متعلق لیگی صاحبان کا اعتقاد یہی تھا کہ وہ سر سکندر حیات خاں صاحب کی زیر قیادت لیگی وزارت ہے۔ مگر سر چھوٹو رام وغیرہ جو اس وزارت کے دست راست اور مشیر تھے۔ وہ یونینسٹ پارٹی کی وزارت کو لیگی وزارت نہیں سمجھتے تھے۔ روح روشن

صدارت میں پاکستان کی تجویز پر زور دیتے ہوئے فرمایا۔

اگر گاندھی جی کی روش میں کوئی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ اگر ان کے پہلے خیالات بدل گئے ہیں تو وہ مجھے چند حروف لکھ بھیجیں اور بتائیں کہ اب وہ بدل گئے ہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلم لیگ پیچھے نہیں رہے گی۔ ہمارے پچھلے اختلافات خواہ کچھ بھی ہوں ہم انھیں نظرانداز کر دیں گے۔ کوئی شخص بھی مجھ سے زیادہ اس پیشکش کا خیر مقدم نہیں کرے گا۔ میں آپ سے کہوں گا کہ وہ دن ہندوؤں کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بھی بڑا مبارک ہو گا۔ جب مسٹر گاندھی مسلم لیگ سے پاکستان کی بنیاد پر مصالحت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

اگر مسٹر گاندھی اپنی پہلی روش کو بدل چکے ہیں اور انھوں نے مصالحت کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تو پھر گاندھی جی مجھے براہ راست کیوں اپنے اس ارادہ سے آگاہ نہیں کرتے۔ وہ وائسرائے کو خط پر خط لکھ رہے ہیں لیکن وہ مجھے خط کیوں نہیں لکھتے۔ کونسی ایسی طاقت ہے جو ایسا کرنے سے روک رہی ہے۔ وائسرائے کے پاس جانے سے کیا فائدہ۔ وائسرائے کے پاس وفد لے جانے اور فضول خط و کتابت سے کیا حاصل۔

آج گاندھی جی کو ایسا کرنے سے کون روک رہا ہے۔ خواہ اس ملک کی حکومت کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ خواہ آپ اس حکومت

کے خلاف جو چاہیں کہیں لیکن اس کے باوجود میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ حکومت میں اتنی جرأت ہو سکتی ہے کہ اگر گاندھی جی میرے نام خط لکھیں تو اُسے روک سکے۔ لیکن اگر حکومت نے ایسا کیا تو بڑی نازک صورت حالات پیدا ہو جائے گی۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ نہ تو گاندھی جی کی روش میں کوئی فرق آیا ہے اور نہ کانگریس کے ہندو لیڈروں کا دل بدلا ہے اور جب یہ نہیں تو بتائیے ہم کیا کریں۔

(اخبار ڈان (از قلم نامہ نگار خصوصی) مؤرخہ ۳ مئی ۱۹۴۳ء بحوالہ مدینہ ۵ جون ۱۹۴۳ء)

قائداعظم نے چند ماہ پہلے ملاحظہ فرمایا تھا کہ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں "راج گوپال اچاریہ" نے مفاہمت کے متعلق مسٹر جناح سے چند بنیادی مسائل پر تبادلۂ خیالات کرنے کے بعد جب یہ چاہا تھا کہ گاندھی جی کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیں تو وائسرائے نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔

اسی اجلاس کے زمانہ میں (۲۵ اپریل ۱۹۴۳ء) کو روزویلٹ (صدر امریکہ) کے خصوصی نمائندہ مسٹر فلپس نے (جو ہندوستان کے حالات کا مشاہدہ کرنے کیلئے امریکہ سے آئے ہوئے تھے۔ اخبارات کے نمائندوں کو بتایا تھا کہ انھوں نے مسٹر گاندھی سے ملاقات کرنے کی کوشش کی۔ مگر حکومت نے اجازت نہیں دی۔

ان حالات سے واقفیت کے باوجود مسٹر جناح کے اس بیان سے خیال پیدا ہوا کہ مسٹر جناح کی خودداری حرکت میں آ گئی ہے۔ اور وہ اس معاملہ میں ہمت سے کوئی کام کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ قوم پرور طبقہ نے مسٹر جناح کے ان الفاظ کی قدر کی

گاندھی جی کا خط اور حکومت کی ستم ظریفی

مسٹر جناح کی اس فرمائش کی تعمیل میں گاندھی جی نے جیل سے خط لکھ دیا۔ مگر حکومت نے اس خط کو روک لیا اور ستم ظریفی یہ کی کہ اعلان بھی کر دیا کہ

مسٹر گاندھی کا خط حکومت نے روک لیا ہے کیونکہ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ایسے شخص سے سیاسی خط و کتابت یا کسی رابطہ اور تعلق قائم کرنے کی کوئی سہولت مہیا نہ کی جائے جو خلاف قانون اجتماعی تحریک چلانے پر نظر بند کیا گیا ہو۔

حکومت کے اس اعلان سے نہ صرف پورے ملک میں ایک سنسنی پھیل گئی بلکہ ہندوستان سے امریکہ اور انگلینڈ تک شور مچ گیا کہ اب واقعی بڑی نازک صورت حالات پیدا ہو جائیگی۔ لندن کے اخبار مانچسٹر گارڈین نے لکھا۔

حکومت نے خط روک کر بڑی زبردست غلطی کی۔ اب گاندھی جی کہہ سکتے ہیں کہ میں نے سمجھوتے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا مگر حکومت نے اسے نہ بڑھانے دیا۔ اسی طرح اب مسٹر جناح کہہ سکتے ہیں کہ میں نے کانگریس سے مصالحت چاہی تھی۔ مگر حکومت نے نہ ہونے دی۔ آخر یوں سب کو ناراض کرتے رہنے سے کیا فائدہ۔

اسی طرح ہندوستان کے لیگی اخبارات نے حکومت کی اس روش پر سخت احتجاج کیا اور کہا۔

دیکھو اب قائداعظم کا قہر و غضب تمہیں اس جسارت کا کیسا مزہ چکھاتا ہے مسلم لیگ کے بڑے بڑے لیڈر بھی قابو سے باہر ہو گئے۔ مسٹر ظہیر الدین بلاری ممبر

آل انڈیا مسلم لیگ نے فرمایا۔

حکومت نے مسلم لیگ کو کھلا چیلنج دیا ہے اور ہندو مسلم سمجھوتہ کے دروازہ کو بڑی دیدہ دلیری سے بند کر دینے کا مظاہرہ کیا ہے۔

اسی طرح سندھ صوبہ لیگ کے سکریٹری مسٹر یوسف ہارون۔ پنجاب مسلم لیگ کے نائب صدر شیخ صادق حسن ایم۔ ایل۔ اے وغیرہ وغیرہ رہنمایان لیگ کے نہایت سخت بیانات شائع ہوئے۔

لیکن اس اضطراب و غیظ و غضب کی فضا میں جو کہ دنیا سے تخلیق کے غیر متزلزل اور بہادرانہ قدم کی منتظر تھی۔ مسٹر جناح نے جو بیان صادر فرمایا اور جس طرح اپنے قول کی رکیک ترین تاویل کی اس نے یہ واضح کر دیا کہ نازک ترین صورت حال۔ گورنمنٹ کی مراد نہیں تھی بلکہ قلب نازک کی نازک ترین حالت مراد تھی جو حکومت کے اس اعلان کے بعد پیدا ہوگئی آپنے فرمایا

> حکومت نے اس خط کو روک کر کچھ برا نہیں کیا۔ دراصل گاندھی کی یہ ایک گہری چال تھی جس سے وہ ہمیں حکومت سے الجھانا چاہتا ہے۔ میں نے دہلی کے اجلاس میں جو کچھ کہا تھا اس کا وہ مطلب نہیں تھا جو سمجھا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں مسٹر گاندھی کی طرف سے ایسی تحریر چاہتا ہوں جس میں وہ صاف صاف یہ کہیں کہ میں اس پالیسی سے ہاتھ اٹھاتا ہوں جو ۸ اگست کو بمبئی ریزولیشن میں طے کی ہے اور جس کی رو کی حکومت کے خلاف "فتنہ بغاوت" برپا ہے نیز میرا مطلب یہ تھا کہ مسٹر گاندھی پاکستان کا مطالبہ منظور کرنے کی نسبت مجھے لکھیں۔ پس میں اب بھی کہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسی تحریر وہ مجھے لکھیں تو حکومت اسے ہرگز

نہ روک سکیگی ۔

یہ ہے مسٹر جناح کی وہ سیاست جس پر لیگی جماعت کو ناز ہے ۔ کج بحثی کی بھی انتہا ہو گئی ۔ خود ہی خط کی فرمائش کی ۔ اور جب مسٹر گاندھی نے فرمائش کی تعمیل کی تو اس کو گاندھی کی "چال" بتا دیا ۔ الزام تراشی کی بھی حد ہو گئی اور پھر برطانوی سامراج کا نفس ناطقہ بنکر مطالبہ ہو رہا ہے کہ "۸ اگست کے ریزولیشن کی واپسی کے متعلق مجھے لکھیں اگر گاندھی جی کو یہ ریزولیشن واپس لینا ہوتا تو مسٹر جناح کے دروازہ پر دستک دینے کی کیا ضرورت تھی ۔ خود لارڈ لنلتھگو اس کے لئے تیار بیٹھے تھے ۔ بلکہ لارڈ لنلتھگو یہاں تک تیار تھے کہ مسٹر گاندھی آٹھ اگست اور اس کے بعد کے ہنگاموں کی مذمت کر دیں مگر جیسا کہ اس خط و کتابت سے جو اگست و ستمبر ۱۹۴۲ء میں وائسرائے ہند اور مسٹر گاندھی کے درمیان ہوئی ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر گاندھی اس کے لئے بھی تیار نہ ہوئے اور یہ عذر کیا کہ جب تک ہر دو فریق سے تحقیقات نہ کر لیجائے صرف حکومت کے یک طرفہ بیان پر مذمت نہیں کی جا سکتی ۔ پھر سیاست تو یہ ہے دو سال بعد مجبور ہو کر حکومت نے جب مسٹر گاندھی کو رہا کر دیا تو مسٹر گاندھی نے چند روز بعد یہی اعلان کیا کہ آٹھ اگست کا ریزولیشن بحالہ قائم ہے نہ اس کا کوئی حرف تبدیلی کے قابل ہے ۔ نہ تبدیل کیا جا سکتا ہے ۔

جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد وغیرہ نے اعلان کیا کہ
۱۹۴۲ء کی تحریک پر ہمیں فخر ہے ۔ ہندوستانیوں نے ہمارا سر بلند کر دیا
کانگریس پہلے سے بہت زیادہ مضبوط ہو گئی ۔

بہرحال قائد اعظم کی اس پستی اور کمزوری پر ہر ایک نے نفرت کا اظہار کیا تھا کہ

مسلم لیگی اخبار زمیندار نے بھی سخت مقالہ لکھا جس کے عنوان میں یہ شعر تھا۔ ؎

رہنما گم کردہ رہیں ورنہ رہبر دیانتدار ہوئیں تو آج بھی جبر الٹرجیسی ہزاروں گھاٹیاں

لیگی وزارتوں کی برکتیں

ہر شخص جانتا ہے کہ سندھ میں خانبہادر اللہ بخش کا قتل لیگی وزارت کی مخصوص برکت ہے

اس کے بعد لیگی وزارت کی موجودگی میں ہزاروں حروں کا قتل عام ان کے مرشد "پیر پگارو کی پھانسی"۔ پیر پگاڑا اور ان کے پیروؤں کے ہزاروں خاندانوں کی بربادی اس وزارت کی دوسری برکت ہے۔ اس کے بعد آئندہ الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہندو مسلم منافرت کو بڑھانے کی خاطر "ستیارتھ پرکاش" کے چودہویں باب کی ضبطی اس وزارت کا تیسرا کارنامہ ہے۔

بدقسمتی یہ کہ ڈیفنس آف انڈیا رولس کے ماتحت اس باب کو ضبط کیا گیا ہے جس کا مقصد اور منشا واضح ہے کہ جب تک سامراج کو ہندو مسلم منافرت کی زیادہ ضرورت تھی تاکہ حروں کے قتل عام کے ملال اور اندوہ سے ان کی توجہ ہٹ جائے۔ اور زمانۂ جنگ میں انگریز کا مقابلہ کرنے کا خیال بھی ان کے ذہنوں میں نہ آئے۔ اس وقت تک یہ ضبطی باقی رہے اور پھر ڈیفنس آف انڈیا کے خاتمہ کے ساتھ کتاب کی ضبطی بھی ختم ہو جائے۔ صرف شجر منافرت کے برگ و بار گلشن وطن میں باقی رہ جائیں۔

سکندر حیات خاں کی وزارت حکومت برطانیہ کی محبوب ترین وزارت اس لئے تھی کہ پنجاب کی سرزمین برطانوی فوجوں کے لئے سب سے زیادہ نوجوان خیز واقع ہوئی ہے چنانچہ سر سکندر حیات نے حق وفا مکمل طور پر ادا کیا۔ لاکھوں نوجوان برطانیہ کی نذر کر دیئے۔ پنجاب کے دیہات نوجوانوں سے خالی ہو گئے۔ آغاز جنگ میں

عنایت اللہ صاحب مشرقی بانی تحریک خاکسار نے پچاس ہزار ٹرینڈ خاکساروں کی پیش کش کا اعلان کیا تھا۔ سکندر حیات خاں سرزمین پنجاب میں "رقیب سیاہ رو" کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ احرار کی طرح خاکساروں کے بھی درپے ہو گئے۔ گرفتاریوں نظربندیوں اور جلاوطنی کی انتہا ایک خونی ہنگامہ پر ہوئی جس میں بے شمار خاکسار گولیوں کا نشانہ بنا دیئے گئے۔

آسام میں سر سعد اللہ کی لیگی وزارت کا نمایاں کارنامہ وہ پیکٹ ہے۔ جو سر سعد اللہ نے جنوری ۱۹۴۵ء میں مسٹر باردولائی اور مسٹر روہنی کمار کے ساتھ کیا جس کا حاصل یہ تھا کہ میمن سنگھ وغیرہ کے تقریباً ڈھائی لاکھ مسلمان جو یکم جنوری ۱۹۳۸ء کے بعد سے صوبہ آسام میں آکر آباد ہو گئے ہیں۔ ان کو آسام سے نکال دیا جائے گا۔

سر نظام الدین وزارت بنگال کا غیر فانی کارنامہ وہ خاموش قتل عام ہے جو فاقہ کی شکل میں بنگال میں رونما ہوا۔ جس نے عالم انسانیت کو لرزہ براندام کر دیا۔ مگر سر نظام الدین کے خیر اندیشوں کو نقع اندوزی سے فرصت نہ تھی۔ اور انکی پشت پناہی کے لئے مرکزی اسمبلی کی لیگ پارٹی کو سرکاری ممبروں کی حمایت اور مسٹر جناح کی قیادت حاصل تھی۔ چنانچہ جب اسمبلی میں تحقیقاتی کمیٹی کے لئے ایک تجویز پیش کی گئی تو لیگ پارٹی نے رائل کمیشن کی ترمیم پیش کر کے ان دونوں کو تقسیم کر دیا جو تجویز کی موافقت میں آسکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نومبر ۱۹۴۳ء کے اجلاس اسمبلی میں چار روزی گرما گرم بحث کے بعد تجویز ناکام ہو گئی اور تحقیقات کا مسئلہ السب غیر معین مدت کے لئے ملتوی

ہو گیا[۱۵]

[۱۵] یہ تو لیگی وزارت کا کارنامہ تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کی کارگزاری پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے۔ کلکتہ کے مشہور مسلم لیگی اخبار "عصر جدید" نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۱ اگست ۴۳ء میں تحریر کیا۔

مسلم لیگ نے سیاست کے سوا روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے سوچنے والوں اور ان کے لیے سرگرمی دکھلانے والوں کو بہت کم پیدا کیا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ آج بنگال میں ریلیف کے کاموں میں مسلمان مجموعی طور سے دوسروں کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہیں۔ بڑی وجہ تو وہی ہے جو ہم چند دن پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مسلمان مالدار طبقہ یا سیاست میں نام و نمود کے لیے داخل ہوتا ہے اور پبلک کے کاموں میں اسی وقت حصہ لیتا ہے جب وہ اس میں اپنا کوئی ذاتی فائدہ دیکھتا ہے۔ پھر ہر کام میں اپنی ذات کو مرکز بنانے پر اصرار کرتا ہے۔ ایسی صورت میں جماعتی کام کا جماعت کے نام سے ہونا ممکن نہیں ہے۔ آج سے نہیں ڈیڑھ مہینہ سے کلکتہ ضلع مسلم لیگ کی طرف سے کلکتہ و اطراف کلکتہ میں لیگ کی وساطت سے ریلیف کے کاموں کے جاری رکھنے کی اپیلیں کی جا رہی ہیں۔ لیکن کیا تعجب کا مقام نہیں کہ کلکتہ کے مالدار تاجروں کی انجمن نے کلکتہ ضلع مسلم لیگ یا بنگال صوبہ مسلم لیگ سے کوئی تعاون نہیں کیا۔ ([illegible])

روزنامہ "آزاد" جو بنگالی زبان کا مشہور لیگی اخبار ہے اس نے تحریر کیا تھا۔

جس وقت سے بنگال کے قائد نے وزارت قبول کی ہے صوبہ لیگ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جو اس وزارت کے وجود کو جائز بھی قرار دے سکے۔ اس لیے صوبہ لیگ کی ناکامیوں اور اس کے حامیوں کو ایسی رائے عامہ پیدا کرنی چاہیے جو صوبہ لیگ کو اس کی مجرمانہ بے پروائی کے ترک کرنے پر مجبور کر دے۔ (مدینہ ۱۷ اکتوبر ۴۳ء)

ان تمام کارگذاریوں کی تہ میں اعزاض کا جال بچھا ہوا تھا جس نے خود پارٹی میں پھوٹ ڈال دی۔ اور بقول مولانا مظہر علی صاحب اظہر

آپس میں لڑکر ہر جگہ انگریز کی محبت کو بھی برباد کر دیا۔ بنگال میں فضل الحق سے لڑے اور وزارت توڑوا بیٹھے۔ سرحد میں باہم لڑے اور کانگریس منسٹری بنا دی۔ پنجاب میں خضر حیات سے لڑے اور وزارت سے جواب لے لیا۔

(روح روشن مستقبل ص۲۰۹)

(باقی ص۲۲۳ کا) معاصر پانیر نے اپنے نامہ نگار دہلی کی وساطت سے یہ خبر شائع کی۔

یہاں کے ذمہ دار سرکاری حلقوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ مرکزی حکومت ایک ہزار ٹن غلہ روزانہ کلکتہ بھیج رہی ہے۔ مگر آج تک اسکو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ غلہ کہاں جاتا ہے۔ کیونکہ فاقہ کشی کی مصیبت میں تخفیف ہونے کے بجائے روزانہ اضافہ ہو رہا ہے حکومت ہند نے اس ایک ہزار ٹن غلہ کے متعلق بار بار حکومت بنگال سے استصواب کیا۔ مگر وہ کوئی قابل اطمینان جواب نہ دے سکی۔ اگر چند روز کے اندر بنگال کی حالت نہ سنبھلی تو وزارت کو توڑ کر صوبہ کا نظم و نسق گورنر کے حوالہ کرنا پڑیگا۔ کیونکہ بغیر اس کے علاج کی صورت نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جو غلہ حکومت ہند کلکتہ بھیج رہی ہے اس سے بنگال اسمبلی کے کچھ ممبروں کے لئے ارزاں نرخ پر دوکانیں کھولدی گئی ہیں اور یہ تمام غلہ بلیک مارکیٹ میں چلا جاتا ہے۔ (مدینہ ۱۳ ستمبر ۴۳ء ص۲۸ ج ۳۲)

مسلم لیگ کا اجلاس کراچی انگریز کو دعوت تقسیم

۲۴ دسمبر ۱۹۴۳ء کو کراچی میں مسلم لیگ کے اکتیسویں سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مسٹر جناح صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں جو انگریزی زبان میں تھا فرمایا۔

برطانیہ کے لئے واحد دیانتدارانہ طریقہ یہ ہے کہ تقسیم کرے اور دست بردار ہو جائے

(مدینہ یکم جنوری ۱۹۴۴ء)

تقسیم ہند کے بعد برطانیہ کی دست برداری کی حقیقت

تقسیم ہندوستان کے بعد برطانیہ کی دست برداری کا مفہوم مسٹر جناح صاحب نے اپنے بیان مورخہ ۲۹ فروری ۱۹۴۴ء میں واضح فرما دیا جو آپ نے "نیوز کرانیکل" لندن کی دعوت پر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

اگر برطانوی حکومت ملک کے دو ٹکڑے کر دے تو تھوڑے عرصہ کے بعد جو ۳ ماہ سے زیادہ نہ ہوگا ہندو لیڈر خاموش ہو جائیں گے اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے۔ اس صورت میں مصر کی طرح کم از کم ہم اندرونی طور پر آزاد ہونگے۔

(مدینہ ۵ مارچ ۱۹۴۴ء)

ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب نے جنکو تحریک پاکستان کا مصنف کہا جاتا تھا حیدر آباد دکن سے ۷ مارچ ۱۹۴۴ء کو بیان شائع کیا جس میں آپ نے فرمایا۔

میں تو شروع ہی سے جانتا تھا کہ مسٹر جناح دل سے پاکستان نہیں چاہتے۔ اور اب انھوں نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ وہ پاکستان نہیں چاہتے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے کہ ایک ایسی ریاست کی حیثیت حاصل ہو۔ جو بالآخر طویل عرصے کے بعد مصر کا درجہ حاصل کرلے۔ اصطلاحی طور پر تو خود مختار حکومت لیکن حقیقت میں انگلینڈ کا محتاج ہو۔

مسٹر جناح نے کراچی میں انگریزوں سے کہا تھا کہ "تقسیم کرو اور چلے جاؤ" لیکن اب انھوں نے اسکی تشریح یہ کی ہے کہ "تقسیم کرو اور یہاں رہو" .... برطانیہ نے تو کرپس اسکیم میں ہندوستان کا حق آزادی تسلیم کرلیا ہے۔ لیکن مسٹر جناح کہتے ہیں۔ شکریہ "ہم آپ کے خیر برداری اچھے"

(مدینہ ۱۳ مارچ ۱۹۴۶ء)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی (اسارت)

کرپس مشن کی ناکامی کے بعد حکومت برافروختہ تھی کہ کانگریس نے اسکے کورے چیک کو قبول کرنے میں پس و پیش کیا۔ اور عام ہندوستانیوں کے جذبات مشتعل تھے۔ کہ جس آزادی اور جمہوریت کے نام پر ہندوستان کے نونہالوں کو

میدان جنگ کی بھینٹ چڑھایا جارہا ہے اور اس کی دولت کو لوٹا جارہا ہے۔ خود ہندوستان کو اس سے محروم رکھا جارہا ہے اور اس کے مطالبوں کو ڈپلومیسیوں سے ٹالا جارہا ہے۔

انڈین نیشنل کانگریس۔ انفرادی ستیہ گرہ کی تحریک پہلے چلا چکی تھی اور عوام کے جذبات اب اسکو دوبارہ عوام کی ترجمانی پر مجبور کر رہے تھے۔

لارڈ لنتھلنگو۔ وائسرائے ہند مسٹر چرچل وزیر اعظم اور مسٹر امیری وزیر ہند کی ملی بھگت تھی کہ ہندوستانیوں کے جذبات کو قوت سے دبا دیا جائے مگر تحریک چلنے کے بعد حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی گرفتاری کم از کم مسلم حلقہ میں تحریک کے دائرہ کو زیادہ وسیع کردیتی۔ اور حکومت کی اس پالیسی پر زیادہ اثر انداز ہوتی کہ مسلمان تحریک سے علیحدہ رہیں۔ تاکہ وہ کانگریس کی تحریک کو صرف ہندوؤں کی تحریک کہکر مقصد تحریک کو زیادہ سے زیادہ ناکام کر سکے۔

اتفاق سے جمیعۃ علماء ضلع مرادآباد نے ۲۳،۲۴،۲۵ اپریل ۴۲ء کو قصبہ بچھراؤں میں اپنی کانفرنس منعقد کی۔ اور شیخ الاسلام مدظلہ العالی سے شرکت کانفرنس کی منظوری حاصل کرلی۔ حکومت نے اس موقع کو بہت غنیمت سمجھا اور حضرت موصوف کی تقریر کے نوٹ حاصل کرنے کے لئے خاص انتظام کیا گیا نوٹ حاصل کرنے کے بعد مقدمہ مرتب کیا گیا اور وارنٹ جاری کردیا گیا۔ دیوبند میں گرفتار کرنا خطرناک تھا۔ لہٰذا ۲۴، ۲۵ جون کی شب میں جب کہ حضرت موصوف پنجاب کی ایک اتحاد کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لے جارہے تھے۔ تقریباً دو بجے شب کو سہارنپور اور دیوبند کے درمیان ٹپھیڑی کے اسٹیشن پر سب انسپکٹر پولیس حضرت مولانا مدظلہ

کے ڈبہ میں آیا۔ اور وارنٹ گرفتاری پیش کر دیا۔

رات کو سہارنپور حوالات میں رکھکر صبح کو مراد آباد روانہ کیا گیا۔

جو تار شب کے وقت جمیعۃ علما، سہارنپور کے کارکن حضرات نے مراد آباد دیا تھا وہ احقر کو مراد آباد میں اس وقت پہنچا یا گیا جب کہ حضرت کو مراد آباد اسٹیشن سے اتار کر جیل خانہ میں داخل کیا جا چکا تھا۔

جماعت کی پالیسی اس وقت یہ تھی کہ ایسے مقدمات کی پیروی کیجائے۔ چنانچہ مقدمہ کی پیروی کے لئے ایک دفاع کمیٹی بنادی گئی اور حافظ محمد ابراہیم صاحب وکیل کی زیر قیادت۔ شیو نرائن گپتا۔ حافظ سلطان احمد صاحب وغیرہ وکلا کی جماعت نے مقدمہ کا کام شروع کیا۔

مگر چونکہ ایک طے شدہ اسکیم کے ماتحت گرفتاری عمل میں لائی گئی تھی۔ لہذا وکلا کی تمام جد وجہد بے سود رہی۔ اور سر یواستوا۔ اسپیشل مجسٹریٹ درجہ اول نے ۱۸ ماہ قید بامشقت اور پانسو روپیہ جرمانہ کا حکم سنا دیا۔ اور اے کلاس کی سفارش کی۔

دفاع کمیٹی نے طے کیا کہ ضمانت پر حضرت کو رہا کرا دیا جائے۔ ڈسٹرکٹ جج نے درخواست ضمانت منظور کرلی۔ صرف پانسو روپے کے دو مچلکے طلب کئے مگر جب سر یواستوا کے سامنے منظور شدہ درخواست ضمانت پیش کی گئی۔ تاکہ مچلکے لیکر رہائی کا آرڈر دیدے تو اس نے قانونی موشگافیاں شروع کر دیں۔ اور پھر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ مسٹر ھیگ کے پاس چلا گیا۔

مسٹر ھیگ (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) جو حضرت موصوف کی گرفتاری کو اپنی

بڑی کامیابی سمجھ رہا تھا فوراً جج کے پاس پہنچا۔ اور جج کو چیلنج کر دیا کہ وہ رہائی کا حکم دیگا تو فوراً دفعہ ۱۲۹ ڈیفنس آف انڈیا رول کے ماتحت گرفتار کر لیا جائیگا۔

ڈسٹرکٹ جج کی یہ کمزوری تھی کہ اس نے منظوری ضمانت کو منسوخ کر دیا بہر حال دفاع کمیٹی نے اپیل دائر کر دیا۔ ۲۹ جولائی ۴۲ء کو مسٹر آصف علی صاحب مراد آباد پہنچے اور تقریباً چار گھنٹہ اپیل میں بحث کی۔ مگر جج نے تاریخ فیصلہ ۱۳ اگست ۴۲ء مقرر کی اور ۱۳ اگست سے پانچ روز قبل ۸ اگست ۴۲ء والی مشہور تحریک شروع ہو گئی۔

دیگر اضلاع کی طرح ضلع مراد آباد کے ہندو مسلمان قومی کارکن بھی ۸ اور ۹ اگست ۴۲ء کو گرفتار کر لئے گئے ایک عام ہیجان ان ناگہانی گرفتاریوں کا نتیجہ تھا بازار بند ہو گئے۔ کارخانوں میں ہڑتال ہو گئی طلبہ نے کالجوں اور اسکولوں کا اسٹرائک کر دیا۔ جلوس اور جلسوں نے شہر کی فضا کو گرما دیا۔ ۱۱ اگست ۴۲ء کو بازار چوک میں پولیس کے فائرنگ سے چند آدمیوں کو ہلاک اور بہت سے نہتے ہندو مسلمانوں کو مجروح کر دیا۔

۱۳ اگست ایسی حالت میں آئی کہ کچہری میں سناٹا تھا۔ اور مخصوص حکام کے علاوہ نہ مقدمہ باز موجود تھے نہ پیرو کار۔

بہر حال ۲۵ جون ۴۲ء سے ۸ اگست ۴۲ء تک حضرت مدظلہ العالی مراد آباد جیل میں تنہا رہے ایک احاطہ میں چار کوٹھریاں ہیں۔ ان کے سامنے برآمدہ ہے۔ پہلے پھانسی کے ملزمین کو ان کوٹھریوں میں رکھا جاتا تھا۔ اسی لئے اس احاطہ کو پھانسی گھر کہا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں پھانسی کے ملزمین کے لئے دوسرے

احاطہ کی کوٹھریاں مخصوص کر دی گئی تھیں اور اس احاطہ کی کوٹھریاں سیاسی قیدیوں کے لیے خالی کرائی گئی تھیں۔ حضرت مدظلہ العالی کو اسی احاطہ کی ایک کوٹھری میں رکھا گیا۔

موت اور بالخصوص پھانسی کا تصور انسان کے دماغ کو خوف زدہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس احاطہ میں وارڈر بھی رات کو آتے ہوئے ڈرتے تھے۔ چابی والا وارڈر بھی رات کو جیل کے "میٹ" کو لیکر اس احاطہ کا چکر لگایا کرتا تھا۔ وارڈروں کی خوف زدگی کے متعدد واقعات مشہور تھے۔ مشہور یہ تھا کہ اس احاطہ میں بھوت رہتے ہیں۔

مگر حضرت مدظلہ العالی کی ذاکرانہ زندگی کے لیے یہ تنہا کوٹھری بہت ہی موزوں تھی۔ چنانچہ حضرت پورے اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ اس کال کوٹھری میں مقیم رہے۔

۹ اگست ۱۹۴۲ء کی صبح کو سب سے پہلے حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر صوبہ یو۔پی۔ خدمت میں باریاب ہوئے۔ حافظ صاحب کے بعد رفیق محترم مولانا قاری عبداللہ صاحب[1] (رحمۃ اللہ) اور پھر مولانا الحاج مولوی محمد اسمٰعیل صاحب

---

[1] حافظ قاری عبداللہ صاحب ساکن قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔ حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب کے تلمیذ مخصوص اور اپنے زمانہ کے فن قراءت کے امام مانے جاتے تھے۔ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب کی نے آپ کو فخر القراء کا خطاب دیا تھا۔ تقریباً ۱۵ سال تک مراد آباد کی عربی درسگاہوں میں اور پھر دس سال۔ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں تجوید و قراءت کا درس دیا۔ سیکڑوں طلبہ نے دور دراز سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر

(باقی صفحہ ۲۳۲ پر)

(بقیہ صفحہ ۲۳۱) فن قراءت کی تکمیل کی اور دنیائے اسلام کے اطراف و اکناف میں پہنچ کر قرآن عزیز اور فن قراءت کی خدمت میں مشغول ہوگئے۔

قاری صاحبان کے عام طرز کے برخلاف قاری عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ سیاسیات سے آپ کو گہری دلچسپی تھی۔ تدبر، دانشمندی، خدا اور خدا عالم پر اعتماد اور بھروسہ آپ کے مخصوص اوصاف تھے۔ خودداری اور استغنا یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ بہت ہی مشکل سے کسی کی دعوت منظور فرماتے تھے۔ آپ کے شریفانہ اخلاق نے آپ کو مرادآباد کا ہر دلعزیز عام اور رہنما بنا دیا تھا۔ ہر ایک طبقہ آپ کی عزت کرتا تھا۔ اور نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔ جماعت کے سربراہوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کی مخصوص عنایت و شفقت نے احقر کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا، اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی تربیت ہی نے احقر میں سیاسی شعور پیدا کیا۔ گرفتاری کے وقت آپ کانگریس کمیٹی شہر مرادآباد کے صدر تھے۔

مئی ۴۳ء میں آپ رہا کئے گئے۔ اور رہائی سے تقریباً ۱۴ ماہ بعد آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی وفات کا سانحہ انتہا درجہ رقت انگیز ہے۔

۵ رجب ۶۳ھ کو آپ کے چار سالہ پوتے کا ہیضہ سے انتقال ہوا۔ ۷ رجب یوم چہارشنبہ کو آپ خود ہیضہ میں مبتلا ہوگئے۔ اگلے روز شب کو آپ کے نوجوان صاحبزادے قاری محمد طیب صاحب مرحوم ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور صبح کو آپ کی ۱۳ سالہ لڑکی مبتلائے ہیضہ ہوئی۔ جمعہ کو نماز سے پہلے لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ دو ہی گھنٹہ کے بعد صاحبزادہ قاری محمد طیب صاحب کا۔ اور دو روز بعد ۱۰ رجب یوم یکشنبہ کو بوقت عصر قاری صاحب کی روح مبارک نے پرواز کی۔ اس حادثہ جانکاہ نے سارے شہر کو چند روز کے لئے ماتم کدہ بنا دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (باقی صفحہ ۲۳۳ پر)

پھر رفتہ رفتہ حضرت الحاج مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند۔ منشی معین الدین صاحب رئیس قصبہ سنبھل ضلع مراد آباد۔ مولانا عبد القیوم صاحب سنبھلی اور کامریڈ محمد ابراہیم صاحب مراد آبادی ممبر صوبہ کانگریس۔ وغیرہ بھی رفقاء جیل کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے چند طلبۂ کرام اور کچھ دوسرے حضرات جو ضلع مراد آباد سے گرفتار کئے گئے تھے اگرچہ وہ نظر بند تھے اور انکی کلاس بھی مختلف تھی مگر حضرت کی عمومی شفقت نے انکو بھی رفیق کی حیثیت دیدی تھی۔

جملہ رفقاء حضرت کو اپنا مربی سمجھتے تھے۔ اور حضرت کی بزرگانہ شفقت کے سامنے اپنے اہل و عیال کو بھی فراموش کر گئے تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کی عقیدت اور انسیت بھی حد سے زیادہ تھی اور نہ صرف کانگریسی ہندو بلکہ جیل کے ملازم اور افسر بھی احترام کرتے تھے اور عقیدت سے پیش آتے تھے۔ اپنی ضرورتوں میں حضرت سے دعاء کے طالب ہوتے تھے اور متعدد بار

(بقیہ صفحہ ۲۴۲) کم حضرت قاری صاحب کی وفات سے تیسرے روز نواسی کا انتقال ہو گیا۔ چوتھے پانچویں روز ایک لڑکا تولد ہوا خیال ہوا کہ شاید قاری صاحب کی یادگار ثابت ہو مگر دو ہفتہ بعد وہ بھی راہی ملک بقا ہو گیا۔ ۱۲؎ مولوی غلام حسین صاحب (چپا نگر بھاگلپوری) فاضل جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد۔ مولوی مقصود علی صاحب (چپانگر بھاگلپوری) فاضل جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد۔ مولوی ذبیان علی صاحب فاضل جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد و (بھاگلپوری) مولوی عبد المنان صاحب بنگالی۔ فاضل دار العلوم دیوبند۔ مولوی عصمت علی صاحب سلہٹی متعلم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ مولوی سراج الدین صاحب بھاگلپوری۔ فاضل جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد۔ ۱۳؎ مولانا منظور احمد صاحب ترکی سنبھلی فاضل مدرسہ امینیہ دہلی، حافظ علی حسین صاحب سنبھلی۔ شیخ انعام اللہ صاحب مراد آبادی

حضرت کی دعا کی برکت بھی دیکھ چکے تھے۔ لہٰذا اُن کی عقیدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

ایک مبارک خواب

غالباً دسمبر ۴۲ء میں ایک صاحب نے اطلاع دی کہ ان کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ سید الکونین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے ہیں اور حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے تعبیر بیان فرمائی کہ مسلک جمعیۃ علماء ہند کی صداقت کی بشارت ہے۔ کیونکہ ایک جمعیۃ علماء ہند کے صدر ہیں اور دوسرے جمعیۃ علماء کے ناظم اعلیٰ۔

نظر بندی کا نوٹس

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی چھ ماہ کی سزا ۱۴ر جنوری ۴۳ء کو ختم ہونے والی تھی مگر مدت سے چار پانچ روز قبل ہی آپ پر دفعہ ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولس کا نوٹس تعمیل کرا کر آپ کو غیر محدود عرصہ کے لیے نظر بند کر دیا گیا۔ قیدیوں اور نظر بندوں کو عموماً گرفتاری اور سزا یابی کے مقام سے منتقل کر کے کسی دوسری جیل میں یا کسی شہر میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ مگر چونکہ ۴۲ء کی تحریک جداگانہ نوعیت رکھتی تھی۔ اس لئے اس مرتبہ[1] قیدیوں کو منتقل نہیں کیا گیا۔

[1] اس مرتبہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اے اور بی کلاس کے نظر بندوں اور قیدیوں کی وہ تمام رعایتیں سلب کر لی گئی تھیں جو کتب بینی یا خط و کتابت کے سلسلہ میں ان کو حاصل ہوتی ہیں۔ نہ کوئی خط اُن کو (باقی ۲۴۵ پر)

مگر جنوری ۱۹۲۳ء میں تحریک اپنی عمر طبعی ختم کر رہی تھی۔ لیکن الکاشنے۔ تار کاٹنے اور پل توڑنے وغیرہ کے واقعات تقریباً بند ہو گئے تھے اور راستہ کے خطرات سے گورنمنٹ مطمئن ہو گئی تھی۔ لہذا سیاسی قیدیوں کو منتقل کرنا شروع کر دیا گیا ۱۲ر محرم ۱۳۴۱ھ ۲۳ر جنوری ۱۹۲۳ء کی شب کو اطلاع ملی۔ کہ حضرت مدظلہ العالی کو صبح کو نینی جیل (الہ آباد) کو منتقل کر دیا جائیگا۔ اگرچہ یہ خبر توقع کے خلاف نہ تھی۔ مگر تاہم اس خبر نے رفقاء کے دلوں پر بجلی کا کام کیا۔ ایک عجیب اضطرابی کیفیت تھی جو سب پر طاری تھی۔ اور روانگی کے وقت تو وہ بھی جن کو اپنے ضبط و استقلال پر اعتماد تھا۔ اپنے قابو میں نہ تھے۔ کسی فراق کے وقت رنج و الم کی یہ کیفیت کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ آج حضرت کے رفقاء اور خدام کو محسوس ہوا کہ وہ جیل میں ہیں۔ اور غالباً یہی احساس پیدا کرنا مقصود تھا کہ حضرت کے تبادلہ کو مقدم رکھا گیا۔

قفس میں رہتے ہوئے احساس گرفتاری نہ ہو۔ صیاد ستمگر کی اس سے زیادہ ناکامی کیا ہو سکتی ہے۔

حضرت مدظلہ العالی نینی جیل میں

۲۴ر جنوری ۱۹۲۳ء کو حضرت نینی جیل (الہ آباد) میں داخل

بقیہ صفحہ ۲۳۴) مل سکتا تھا۔ نہ وہ کسی کو خط لکھ سکتے تھے۔ نہ کوئی اخبار ان تک پہنچ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ کسی کتاب کے رکھنے کی بھی اجازت نہ تھی۔

اپریل ۱۹۲۳ء میں ان کو تین کتابوں کے رکھنے کی اجازت ملی۔ پھر چند ماہ بعد مہینہ میں ایک خط کی اجازت نصیب ہوئی۔ اور ۱۹۲۴ء میں انکو لکھنے پڑھنے کی وہ سہولتیں دی گئیں جو قانوناً انکو ملنی چاہئیں تھیں ۱۲

کئے گئے۔ مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری۔ خلف حضرت مولانا محمد فاخر صاحب الہ آبادی۔ سجادہ نشین دائرہ حضرت شاہ اجمل صاحب قدس سرہٗ (الہ آباد) مولانا عبدالحئی صاحب۔ عبدالمجید صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب لکھنوی۔ مولانا عبدالباری صاحب عباسی گورکھپوری جیسے احباب وہاں بھی موجود تھے۔ یہ حضرات یکے بعد دیگرے رہا ہوتے رہے۔ مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی تقریباً ۱۹ ماہ نینی جیل میں محبوس رہے۔

یکم نومبر ۱۹۴۳ء کو نماز مغرب کے وقت سپرنٹنڈنٹ جیل نے حضرت کے ساتھ گستاخانہ حرکت کی۔ صرف اس بنا پر کہ گنتی نے لئے جسقدر عجلت سے وہ طلب کر رہا تھا اتنی عجلت سے حضرت اس کی تعمیل نہ کر سکے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ کی اس شوخ چشمی سے جیل کے تمام نظر بند برافروختہ ہو گئے اور جب رفتہ رفتہ باہر خبر پہنچی تو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اور اگرچہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو اگلے دن ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ چنانچہ تیسرے روز حضرت سے معافی مانگ لی تھی۔ مگر جیل سے باہر تمام ہندوستان میں ایجی ٹیشن بڑھتا رہا۔ چنانچہ ۲۶ نومبر ۱۹۴۳ء کو تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے کئے گئے۔

بالآخر ۲۷ نومبر ۱۹۴۳ء کو ہندوستان ٹائمز میں گورنر یو۔پی کا ایک "کمیونک" شائع ہوا۔ جس میں اس واقعہ کی توجیہ کرتے ہوئے ذکر کیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل نے مولانا کے سامنے اظہار افسوس کیا اور اب مولانا افسران جیل سے مطمئن ہیں لیکن حضرت کے متوسلین کے لئے یہ کمیونک بھی اطمینان بخش نہ تھا انکا

اصرار تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کو برطرف کیا جائے۔ حضرت کے ساتھیوں نے اُس پر دعویٰ دائر کرنیکی بھی تیاری کرلی تھی۔ لیکن حضرت کا ایک پیغام پہونچا۔ کہ "ہم نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو معاف کردیا ہے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کیجائے" لہٰذا تمام خدام کو اپنے ارادوں سے باز رہنا پڑا۔

رہائی اور اسکی اطلاع

۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ کی صبح کو تقریباً ۶ بجے ایک صاحب نے غربت کدہ پر دستک دی۔ باہر نکلکر دیکھا تو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے ایک طالب علم صاحب موجود تھے ایک پرچہ اُن کے ہاتھ میں تھا کہ۔

تار آیا ہے کہ ۶ر رمضان ۱۳۶۳ھ ۲۶ر اگست ۱۹۴۴ء کو حضرت بلا شرط رہا کردیئے گئے۔

رمضان شریف کی حرمت وعظمت۔ بشیر۔ کا منھ میٹھا کرنیکی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ لہٰذا احقر نے افطار کے لئے مدعو کرلیا۔ مختصر یہ کہ۔ اس مرتبہ ۲۴ر جون ۱۹۴۲ء سے ۲۶ر اگست ۱۹۴۴ء تک یعنی دو سال۔ دو ماہ۔ دو دن۔ حضرت جیل خانے میں رہے۔

مشاغل اور معمولات

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت مدظلہ العالی کو پھانسی گھر کے احاطہ کی ایک کوٹھری میں رکھا گیا۔ باقی دوسرے مسلمان نظربندوں نے بھی حضرت کی رفاقت نیز یکسوئی اور علیحدگی کے باعث اسی احاطہ کو پسند کیا۔ چنانچہ وہ دن کو اسی احاطہ میں رہتے تھے۔ مگر رات کو انکے لئے ایک دوسری بیرک میں سونے کا انتظام کردیا

گیا تھا۔ چونکہ رات کے وقت نماز عشاء کے بعد سے نماز صبح تک حضرت
مدظلہ العالی کی خدمت سے محرومی رہتی تھی لہذا رات کے پروگرام کا
مشاہدہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ البتہ جیل کے پہرہ دار یہی کہا کرتے تھے کہ
حضرت رات بھر جاگتے ہیں اور نوافل و اذکار میں مشغول رہتے ہیں۔

اذان صبح کے وقت جب بارکیں کھلتی تھیں اور شب ہجر کے تاریک لمحات
رخصت ہو کر سپیدہ صبح کے ساتھ۔ خدمت میں حاضری ہوتی تھی تو وہ احاطہ
حضرت مدظلہ العالی کے ذکر جہری سے منور ہوتا تھا۔

اذان صبح پڑھی جاتی رفقاء استنجے اور وضو سے فارغ ہوتے اتنی دیر
میں روشنی خوب پھیل جاتی اور پورے اسفار کے بعد حضرت مدظلہ العالی
صبح کی نماز شروع کرتے اور حسب سنت۔ طوال مفصل کی قراءت
فرماتے۔ آغاز جنگ سے حضرت قنوت نازلہ پڑھا کرتے تھے۔
جیل خانے میں بھی یہی معمول رہا۔

نماز صبح اور تسبیحات مسنونہ کے بعد کوٹھری میں جا کر بیس پچیس
منٹ ورزش کرتے۔ اور پھر شیخ کی کوٹھری میں چاء کے لئے تشریف لے
آتے اور تمام رفقاء کے ساتھ چاء نوش فرماتے۔ چاء کے بعد تقریباً
نصف گھنٹہ تک یہ مجلس جاری رہتی۔ حضرت مدظلہ العالی مجلس میں تشریف
فرما رہتے۔ کبھی کبھی ہندوستانی بھی اس مجلس میں شرکت کرتے تھے وقتاً فوقتاً
اور آزادی کے ساتھ مختلف علمی سیاسی یا مذہبی مسائل پر گفتگو رہتی۔

؏ اصحاب کہف ورقیم۔ ذوالقرنین۔ سد سکندری کا جائے وقوع یاجوج ماجوج کی باقی قصہ پر

دسمبر اور جنوری میں عموماً ساڑھے آٹھ کا گھنٹہ اس مجلس کے خاتمہ کا اعلان ہوتا۔ ہر شخص اپنے مذاق کے بموجب اپنے کام میں لگ جاتا اور حضرت مدظلہ العالی تلاوت کلام اللہ میں مشغول ہو جاتے۔

سرور کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل مبارکہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ دربار رسالت کے حاضرین بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ زمانہ جاہلیت کے قصے بیان کرتے مختلف مسائل پر بحث فرماتے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی مساویانہ انداز میں شریک گفتگو رہتے جو بات صحابہ کرام کو عجیب معلوم ہوتی۔ آپ بھی اس پر تعجب کا اظہار فرماتے۔ اور جس بات سے صحابہ کرام ہنستے آپ بھی اس پر تبسم فرماتے سب کا انداز مساویانہ ہوتا۔ سب کو گفتگو کی آزادی ہوتی۔ مگر نہ کسی پر چوٹ ہوتی تھی نہ کسی پر فقرہ چست کیا جاتا۔ کسی کو اجازت نہیں تھی کہ دوسرے کی بات کاٹے۔ جب تک پہلے شخص کی بات ختم نہ ہو جاتی۔ دوسرا شخص بات شروع کرتا۔ بارگاہ رسالت کا التفات ہر ایک کی طرف مساوی رہتا۔ حتیٰ کہ

(بقیہ صفحہ ۲۳۵ کا) تعین۔ حضرت مریم نبیہ تھیں یا نہیں۔ حضرت مجدد صاحب الف ثانی رحمۃ اللہ کا ایک مقولہ "معرفت بر آں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند"۔ بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں بلقیس کی حاضری۔ اور پاکستان کے موضوع پر ان مجالس میں کئی کئی روز تک گفتگو رہی۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب کے زمانہ وکالت اور وزارت کے دلچسپ واقعات اور لطیفے بسا اوقات مجلس میں رنگینی پیدا کر دیتے تھے ۱۲

ہر شخص یہی سمجھتا کہ سب سے زیادہ حضرت کی مہربانی میرے اوپر ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی اس مجلس میں شریک ہونے والا یہی محسوس کرتا کہ یہ مجلس دربار نبوت کی مقدس مجلس کا نمونہ ہے اور یہ اجتماع بھی اس لئے ہے کہ ایک معاشرتی سنت ادا کیجائے اور ناواقفوں کو اسکی تعلیم دیجائے۔

تقریبًا ساڑھے نو بجے سے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی مولانا قاری عبداللہ صاحب کو قرآن پاک سنانا شروع کردیتے۔ کھانے کے وقت تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔

رفقاء کرام میں وہ افراد بھی تھے جن کو پروگرام کی پابندی دشوار تھی کھانا تیار ہوجاتا اس کی اطلاع بھی دیدیجاتی۔ تاہم دسترخوان پر پہونچنے کے لیئے باربار تاکید کرنی پڑتی۔ لیکن حضرت مدظلہ العالی کے لیئے پروگرام کی پابندی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ کھانے کے سلسلہ میں بھی پابندی پروگرام کی یہی شان تھی۔ کھانے کے وقت سے پہلے ہی دور کلام اللہ کا سلسلہ ختم فرما دیتے ورنہ جیسے ہی اطلاع ملتی فورًا دسترخوان پر تشریف لے آتے۔

علماء حق کے نزدیک۔ وجد وکیف۔ کشف وکرامت۔ یا خلق خدا سے قطع تعلق اور ترک دنیا کمال طریقت اور انتہاء سلوک نہیں۔ بلکہ کمال یہ ہے کہ اکمل الکاملین۔ افضل الانبیاء والمرسلین کی عادتیں اور خصلتیں اسکی طبیعت ثانیہ بن جائیں۔ جملہ جذبات اور تمام احساسات سنت سیدالانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابع ہو جائیں۔

صحیح کی مندرجہ ذیل متفق علیہ اور مشہور حدیث میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

لا یؤمن احدکم حتی یکون ہواہ تبعاً لما جئت بہ

یعنی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی شخص مومن کامل نہیں جب تک اس کی خواہش میری تعلیم و سنت کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں نے پیش کیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کی سیرت و خصلت کا جس قدر زیادہ قریب سے مطالعہ کیا جائے۔ آپ کے اس باطنی کمال کا اندازہ ہوگا۔ جس کا نام فنافی السنۃ ہے۔ ذکر و فکر میں استغراق اور دوام فنا۔ ذات محبت سے عدو اور ایک سے نفرت و بے گانگی بے شک ایک اونچا مرتبہ ہے۔ مگر وارث انبیاء (علیہم السلام) کی شان اس سے زیادہ وسعت ظرف کی خواہاں ہے۔

انبیاء علیہم السلام ایک طرف ذات اعلیٰ و اقدس کے ساتھ انتہائی تعلق رکھتے ہیں یہاں تک کہ سماوات کی سیر کرتے ہیں۔ عرش معلیٰ تک شرف معراج حاصل کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف خلق خدا کے ساتھ اس طرح گھلے ملے رہتے ہیں کہ کوتاہ نظر یوں کہا کرتے ہیں۔

مال ہذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق

یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے

ما ہذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون منہ

یہ تو تمہارے جیسا بشر ہے تم جو کھاتے ہو وہی کھاتا ہے۔

ویشرب مما تشربون
ولئن اطعتم بشرا مثلکم
انکم اذا لخاسرون
(سورۂ مومنون)

جو تم پیتے ہو وہ پیتا ہے۔
اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی
اطاعت کی تو بیشک تم
خسارہ میں رہوگے

اگر ایک صاحب باطن اپنے ظرف میں یہ وسعت نہیں رکھتا۔ اگر اس کی نگاہیں ما زاغ البصر وما طغیٰ کی یہ قوت اپنے اندر نہیں رکھتیں کہ تجلیات جمال ان کو خیرہ کر سکیں۔ عظمت وجبروت کی رعنائیاں اس سے کوئی تزلزل، انتشار، تذبذب و اضطراب نہ پیدا کر سکیں۔ تو ولایت کا جو خطاب چاہو اس کو دے لو۔ مگر وراثت نبی کے خطاب کا وہ مستحق نہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے عام مشاغل آپ کی سادگی اور بے تکلفی اور خلق خدا کے ساتھ آپ کا ربط ظاہر بین نگاہوں کے لئے حجاب بن جاتا ہے اور وہ آپ کی شان کو نہیں پہچان سکتیں۔ لیکن جن دقیقہ رس نگاہوں کو خدا نے دین کی بصیرت عطا فرمائی ہے۔ جو سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی واقفیت کا نور اپنے اندر رکھتی ہیں وہ حضرت کی قدر ومنزلت کو پہچانتی ہیں۔ اور سیاسی خیالات میں اختلاف کے باوجود حضرت مدظلہ العالی کی عظمت وجلالت کا اعتراف کرتی ہیں ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے ؎

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

ساتھ کھانا۔ اس طرح بیٹھنا کہ کسی چیز پر تکیہ لگائے ہوئے نہ ہو مثلاً دو زانو یا [illegible] تشتریوں کے بجائے طشت یا بڑی پلیٹ میں چند آدمیوں کا ساتھ ساتھ کھانا۔ لیٹے

آگے سے کھانا۔ پلیٹ یا طشت کے بیچ میں یا دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ مارنا۔ برتن کو بھرا ہوا نہ چھوڑنا بلکہ پونچھ کر صاف کر لینا۔ دسترخوان کے ٹکڑوں کو کھا لینا ورنہ احتیاط سے رکھنا۔ اس قسم کے بہت سے آداب ہیں جن کو شمائل مبارکہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے ساتھ جن حضرات کو کھانے کا اتفاق ہوا ہے وہ واقف ہیں کہ یہ تمام باتیں حضرت مدظلہ العالی کی عادت میں اس طرح داخل ہو گئی ہیں کہ ان کی خلاف ورزی آپ کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے دسترخوان پر بڑی بڑی پلیٹیں رہتی ہیں۔ ایک ایک پلیٹ میں آٹھ دس آدمی شریک ہو جاتے ہیں۔ لیکن دوسری جگہ اگر ایسی بڑی پلیٹ نہ ہو تو چھوٹی پلیٹ میں بھی کم از کم اپنے برابر کے آدمی کو حضرت ضرور شامل کر لیتے ہیں۔ جیل خانے میں بھی حضرت کے اس معمول میں فرق نہیں آیا۔ مرادآباد میں مہذب اہل علم کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی جن کے ساتھ کھانے میں چنداں تکلف نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن الٰہ آباد میں جبکہ دوسرے رفقاء کے رہا ہو جانے کے بعد حضرت تنہا رہ گئے تھے تو وہ سنان اخلاقی قیدی جن کو جیل خانے کی طرف سے کھانا پکانے وغیرہ کی خدمت کے لیے "معین کیا جاتا" تھا۔ حضرت موصوف ان کو ساتھ کھلاتے تھے۔ عموماً ہندو اس طرح ساتھ کھانے سے نفرت کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق انسان کا جھوٹا ایسا ہی ناپاک ہے۔ جیسا کہ کتے یا خنزیر کا جھوٹا اور انگریزوں کی اوہام پرستی نے جن کو ہر ایک چیز میں جراثیم نظر آتے ہیں اور انسان کے لعاب میں تو ان کو زہریلا جراثیم ہوتا ہے۔ اس عقیدہ کو مزید تقویت پہنچا دی

باایں ہمہ ہم نے اپنے ہندوؤں کو بھی دیکھا ہے۔ جو مسلمانوں کے ساتھ کھانے پر فخر کرتے تھے۔
واقعہ یہ ہے کہ چھوت چھات کے ساتھ انسانی مساوات کی حمایت کا دعویٰ کرنا
سراسر عبث ہے اور گزارد گفتار کے باہمی تضاد کا بین ثبوت۔ جو لوگ چھوت
چھات کو جزو مذہب سمجھتے ہیں از روئے انصاف اُن کو حق نہیں کہ وہ انسانی برادری
کی مساوات کا دعویٰ کریں۔

لیگی دوستوں نے اسلامی تہذیب کی حمایت وحفاظت کے بلند بانگ دعووں سے
آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے۔ مگر کیا ان غریبوں کو یہ خبر بھی ہے کہ اسلامی کلچر کیا ہے۔
منشیات کا استعمال۔ عورتوں کی بے حجابی۔ عورتوں کا بن سنور کر باہر نکلنا
غیر مردوں سے اختلاط۔ نیم برہنہ لباس وغیرہ ان زعماء ملت کی معاشرت کے
قابل فخر اجزا ہیں۔ جو کلچر اسلام کی حفاظت کے نام پر مسلمانوں کے ووٹ حاصل کر رہا ہے۔
ایک معزز خاندان کی لڑکی کو حال ہی میں میں نے دیکھا کہ وہ کتے کے بچے کو
اسطرح آغوش میں لے رہی تھی اور پیار کر رہی تھی کہ اپنے چھوٹے بہن بھائی کو بھی
اسطرح پیار نہ کرتی ہوگی۔ یعنی یورپ کا ملعون طرز اس کی طبیعت ثانیہ بن گیا ہے
اور اسلامی تعلیم سے اس کا ذہن قطعاً سادہ ہو چکا ہے۔ باقی رہا نماز روزہ۔ یا وضع
قطع میں اسلامی احکام۔ سنت نبویہ کی تعمیل واتباع۔ تو محافظین کلچر اسلام کے نزدیک
ان کا تو تذکرہ ہی کیا۔ معاذ اللہ یہ تو دور دقیانوسیت کی چیزیں ہیں۔ دور ترقی میں
ان کا زندہ رکھنا گویا ہزار سالہ مردہ ہڈیوں کو اکھاڑنا ہے۔ (معاذ اللہ)
پلیٹ فارم پر یہ شور کہ ہندو کے ساتھ اشتراک عمل بدترین کفر وفسق۔ اور
ذاتی معاملات میں ... کے طرز وطریق کی دریوزہ گری۔ کیا۔ اسکا نام دھوکہ دہی اور غداری نہیں؟

کہا جاتا ہے کہ داڑھی کے ساتھ جو کچھ معاملہ کیا جاتا ہے وہ یورپ کی تقلید ہے۔ ہندو کی نہیں۔ لیکن اکبر بادشاہ نے کسی کرزن یا کچنر کی تقلید کی تھی یا ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے اس نے داڑھی منڈائی تھی۔

کہا جاسکتا ہے کہ میز اور کرسی۔ چھری۔ کانٹا۔ یورپ سے آیا۔ لیکن میز پر ہر ایک کی پلیٹ جدا۔ کھانے کی تبدیلی کے ساتھ پلیٹ کی تبدیلی۔ ہر ایک کا گلاس جدا۔ کھانے کے بعد سنی ہوئی پلیٹوں کو گندی چیز کی طرح چھوڑ دینا۔ کیا ہندو کلچر کے ساتھ اشتراک نہیں؟

یہ تو صرف کھانے سے متعلق چیزیں ہیں۔ اسلامی کلچر کی حفاظت کے مدعی ہنود کا اتباع کرتے ہیں۔ اور اتباع سنت کو معاذ اللہ دقیانوسیت تصور کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کا طرز اس تمام یورپین اور ہندوانی تہذیب کے برعکس خالص اسلامی اصول پر اتنا سخت ہے کہ جیل خانے میں اگرچہ بڑی پلیٹیں نہیں ملتی تھیں تو چھوٹی پلیٹ میں برابر کے آدمی کو شریک کر لیتے تھے۔

دسترخوان پر نشستیں متعین ہوگئی تھیں۔ حضرت کے ایک طرف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی بیٹھتے تھے۔ دوسری جانب منشی [illegible]ن الدین صاحب سنبھلی۔ ان تینوں کی ایک پلیٹ ہوتی تھی۔ منشی صاحب کی برابر میں حافظ محمد ابراہیم صاحب پھر رفیق محترم مولانا قاری عبداللہ صاحب۔ ان کی برابر کامریڈ محمد ابراہیم صاحب پھر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب وغیرہ۔

لقمہ چھوٹا لینا۔ آہستہ کھانا۔ کھانے کے وقت آواز کا نکلنا۔ اگرچہ اس کے متعلق احقر کو سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تصریحات نہیں ملیں جو

بظاہر احقر کی کوتاہی ہے۔ مگر بزرگوں سے یہی سنا ہے کہ یہ چیزیں کھانے کے آداب میں داخل ہیں۔ حضرت مدظلہ العالی ان آداب پر عامل ہیں اور احقر کے خیال میں ایک مہمان نواز میزبان کے لیے ان آداب پر عمل کرنا ازبس ضروری ہے تاکہ مہمان اطمینان سے شکم سیر ہو سکے۔ جلد جلد کھاکر یہ معذرت کر دینا کہ آپ کھانے میں جلد کھانے کا عادی ہوں۔ مہمان کو خواہ مخواہ محجوب کر دینا ہے اور وہ قبل از وقت ہاتھ کھینچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

حضرت مدظلہ العالی کا مخصوص انداز یہ ہے کہ لقمہ چھوٹا لیتے ہیں اور آہستہ کھاتے ہیں یہاں تک کہ ساتھ کھانے والے سیر ہو چکتے ہیں۔ اس کے بعد آپ برتن صاف کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ مراد آباد کے چند حضرات موسم سرما میں تقریباً دس بجے شب کو حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے دولت کدہ پر پہنچے۔ جو کچھ گھر میں کھانا تھا حضرت لے آئے اور گھر میں روٹی پکوانی شروع کر دی۔ خود حضرت گھر میں سے کھانا لاتے رہے۔ جب یہ مہمان کھانا کھا چکے تو خود حضرت دسترخوان پر بیٹھے اور روٹی کے ٹکڑے جو دسترخوان پر رہ گئے تھے۔ اور پلیٹوں میں بچے ہوئے سالن کو تناول کر کے سیری حاصل کر لی۔

خورونوش سے متعلق احادیث مبارکہ نے یہ تلقین فرمائی ہے کہ کھانے پینے کا طرز متکبرانہ نہ ہو۔ نہ ایسا انداز ہو جس سے کھانے کی حرص و طمع معلوم ہو۔ بلکہ کھانے کا انداز ایسا ہو جس سے منعم حقیقی رازق مطلق کے سامنے عجز و انکسار کا ظہور ہو۔ اور انعام خداوندی کی حیثیت سے کھانے کی قدر اور تعظیم مترشح ہو۔

جو ہر لقمہ پر الحمد للہ اور سبحان اللہ کی تسبیح پڑھنا تو کسی حدیث میں وارد نہیں ہوا۔ البتہ سرور کائنات کا متین اور سنجیدہ طرز شمائل ترمذی شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ

"کسی کھانے کی چیز کی مذمت نہیں کیا کرتے تھے اگر پسند ہوتی کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے تھے۔ کبھی کسی کھانے کی تعریف میں بھی رطب اللسان نہ ہوتے تھے۔ جس سے کھانے کی طمع اور حرص مترشح ہو"۔

جیل خانے کے کھانے کی مذمت کوئی انوکھی چیز نہیں۔ بلکہ مذمت نہ کرنا قابل تعجب ہے۔ چنانچہ کھانے کے وقت دسترخوان کے شرکا، تنقید کا کام بھی انجام دیتے رہتے تھے۔ مگر حضرت محترم اس سلسلہ میں بھی مکمل طور پر متبع سنت ثابت ہوئے۔ آپ کبھی کھانے کی مذمت نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ تنقید سے بھی اجتناب کرتے تھے ایک کھانا پکانے والا بہت چالاک تھا۔ کھانے کے وقت اس کی شکایتیں سامنے آئیں مگر حضرت والا چشم پوشی فرماتے رہے۔ جب رفقاء کا اصرار بہت زیادہ ہوا تب اس کے بدلوانے کی اجازت دی۔

قیلولہ کھانے سے فراغت کے بعد۔ ڈیڑھ دو گھنٹہ قیلولہ فرماتے تھے۔ قیلولہ مسنون ہے اور بالخصوص شب بیدار حضرات کے لئے مفید بھی ہے۔ دوپہر تک کا تھکان جاتا رہتا ہے۔ شام کے وقت چستی رہتی ہے اور آخر شب میں آنکھ بھی کھل جاتی ہے۔

قیلولہ سے فراغت کے بعد عموماً مثل اول کے آخر میں نماز ظہر ادا فرماتے تھے نماز ظہر کے بعد چائے کی عادت تھی۔ اور چائے سے فراغت کے بعد قرآن پاک کا ترجمہ

بیان فرماتے جو رفقاء کے انتہائی اصرار کے بعد حضرت نے شروع کرایا تھا مگر افسوس کہ اس گراں قدر استفادہ کا زیادہ موقع نہ مل سکا۔ چشم فلک نے اس باطنی اجتماع پر رشک کیا اور چند روز بعد حضرت کے اس سفر نے اس سلسلہ کو منقطع کر دیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ ترجمہ کا سلسلہ جاری رہتا۔ حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب وغیرہ حضرات علماء بھی اپنی استعداد کے موجب سوالات پیش کرتے اور حضرت علم کے عجیب غریب جواہر پارے نقل کرتے۔

ترجمہ قرآن حکیم کے بعد نماز عصر تک حضرت مخدوم قرآن کے ساتھ نماز عصر کے بعد وقت دوسری مشاغل میں مصروف ہو جاتے اور حضرت شیخ الاسلام اپنی کوٹھری میں تشریف لے جا کر ذکر میں مصروف ہو جاتے۔ نماز مغرب تک مراقبہ جاری رہتا۔ نماز مغرب کے بعد حضرت مدظلہ العالی ایک گوشہ میں تشریف لے جا کر ایک یا سوا پارہ نوافل میں پڑھتے۔ نوافل کے بعد کھانا کھایا جاتا۔ پھر نماز عشاء کے بعد رفقاء دوسری بیرک میں چلے جاتے جو ان کے سونے کے لیے معین کر دی گئی تھی۔ اور حضرت مدظلہ العالی شب کے معمولات میں مصروف ہو جاتے۔

آخر میں بیرکیں بند کرنے کا وقت مغرب بعد کر دیا گیا تو نماز مغرب کے فوراً بعد کھانے کا وقت مقرر ہوا اس کے بعد رفقاء اپنی بیرک میں چلے جاتے۔ اور حضرت مدظلہ العالی نوافل میں مشغول ہو جاتے۔

اتفاق سے اس زمانے میں کوئی عارضہ بھی پیدا ہو گیا تھا جس سے وضو زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتی تھی تو سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے بار بار وضو کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ ایک ایک گھنٹہ میں دو تین بار وضو کرنے کی نوبت آتی تھی۔ تیمم اگرچہ جائز تھا۔ مگر حضرت نے

افضل شکل یہ ہے پر عمل کیا۔

لطیفہ | حضرت مدظلہ العالی نے فرمایا کہ مولانا شوکت علی صاحب مرحوم۔ کو میٹھے کا بہت شوق تھا۔ کھانے کے بعد میٹھے کی تلاش ہوتی جیل میں کوئی بھی مٹھائی نہیں ملتی تھی تو صرف گڑ پر قناعت کی جاتی۔ مگر مولانا شوکت علی صاحب مرحوم۔ گڑ کے لفظ میں توہین محسوس کرتے تھے۔ لہذا۔ مولانا موصوف نے گڑ کا نام "قند وز" رکھ دیا تھا۔ چنانچہ اس لطیفہ کے سننے کے بعد مراد آباد کے رفقا بھی یہی نام استعمال کرنے لگے۔ پھر کچھ دوستوں نے اس پارٹی کا نام ہی "قندوزی پارٹی" رکھدیا

رہائی کے بعد | حضرت مدظلہ العالی کی طبیعت تقریبًا دو ماہ سے خراب تھی۔ بخار وزکام کی شکایت رہی تقریبًا چالیس پونڈ وزن کم ہو گیا۔ جب آپ رہا ہوئے تو بہت زیادہ دبلے اور کمزور تھے۔ ضرورت تھی کہ کم از کم ختم رمضان تک آپ ایک جگہ قیام فرما کر آرام فرمادیں۔ لیکن ارادتمندوں کے ہجوم اور حضرت کے وسیع اخلاق نے ایک دن بھی آرام کا موقع نہ دیا۔ رہائی کے بعد ہی متعدد مقامات سے تشریف آوری کا اصرار شروع ہو گیا۔ اور حضرت نے فرمائشوں کی تعمیل شروع کردی۔ جونپور فیض آباد۔ لکھنؤ۔ وغیرہ قیام فرماتے ہوئے رہائی سے ایک ہفتہ بعد ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ کو آپ دیوبند پہنچے۔

دارالعلوم دیوبند کے طلبہ ومدرسین۔ قصبہ دیوبند کے باشندگان اور مضافات دیوبند کے مسلمانوں کا بہت بڑا اجتماع اسٹیشن پر موجود تھا۔ جس نے شاندار استقبال کیا اور پھر صرف دو روز دیوبند میں قیام فرما کر ۱۶ رمضان کو حسب معمول سلہٹ صوبہ آسام کے لئے روانہ ہو گئے۔

سلہٹ کی نئی سڑک کی مسجد حضرت کی خانقاہ ہے۔ جہاں حضرت محترم ہر سال رمضان شریف گذارتے ہیں۔ صوبہ آسام و بنگال کے تقریباً پانسو متوسلین روزانہ خدمت میں حاضر رہ کر روحانی فیوض و برکات کا توشہ سال بھر کے لئے فراہم کرتے ہیں۔ رات اور دن میں نو۔ دس قرآنوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے شب و روز میں دو گھنٹہ سے زیادہ آرام کا موقع نہیں ملتا۔ مختصر یہ کہ اس تمام ضعف و نقاہت کے باوجود حضرت مدظلہ العالی نے آسام پہنچکر اپنے دیرینہ معمولات کو مکمل طور پر انجام دیا۔ اور نماز عید سے فارغ ہو کر مشتاقان زیارت کی فرمائشوں کو پورا کرتے ہوئے تقریباً ڈیڑھ ماہ کے مسلسل سفر کے بعد دیوبند رونق افروز ہوئے۔

فارمولے میں تشریح کا اضافہ

جمیعۃ علمائے ہند نے اپنے فارمولا (منظور کردہ اجلاس لاہور ۴۲ء) میں اگرچہ تصریح کردی تھی کہ "مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی۔ سیاسی اور تہذیبی آزادی کیطرف سے مطمئن ہوں"۔ لیکن ایک طبقہ کا مطالبہ تھا کہ تشکیل مرکز کے ان اصول کی توضیح بھی ہونی ضروری ہے جن کی بنیاد پر مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہو سکے۔ لہذا حضرت محترم شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی صدارت میں ۳۱ جنوری اور یکم و دوم فروری کو مجلس عاملہ جمیعۃ علماء ہند کا اجلاس ہوا جس میں مندرجہ ذیل تشریح کا اضافہ کیا گیا۔ پھر اصل فارمولا مع تشریح اجلاس سہارنپور میں پیش ہوا۔ اور تقریباً بارہ گھنٹہ کی نہایت سنجیدہ بحث تمحیص کے بعد بہت بڑی اکثریت سے پاس

ہوا۔ تقریبًا پانسو اراکین اور نمائندگان کے اجتماع میں مخالف ووٹ تیس[۳۰] سے زیادہ نہ تھے۔

تشریح گرچہ اس تجویز میں بیان کردہ اصول اور انکا مقصد واضح ہے کہ جمعیۃ علماء مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی اور تہذیبی آزادی کو کسی حال میں چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ وہ بے شک ہندوستان کی وفاقی حکومت اور ایک مرکز پسند کرتی ہے۔ کیونکہ اس کے خیال میں مجموعہ ہندوستان خصوصًا مسلمانوں کے لئے مفید ہے۔ مگر وفاقی حکومت کا قیام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صوبوں کیلئے حق خود ارادیت تسلیم کرلیا جائے اور وفاق کی تشکیل اس طرح ہو کہ مرکز کی غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کی مذہبی سیاسی تہذیبی حقوق پر اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر تعدی نہ کرسکے۔ مرکز کی ایسی تشکیل جس میں اکثریت کی تعدی کا خوف نہ رہے باہمی افہام و تفہیم سے مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی صورت پر یا ان کے علاوہ کسی اور ایسی تجویز پر جو مسلم وغیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے ہوجائے۔ ممکن ہے

(۱) مثلاً مرکزی ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو۔
ہندو ۴۵ ۔ مسلم ۴۵۔ دیگر اقلیتیں ۱۰ ۔

(۲) مرکزی حکومت میں اگر کسی بل۔ یا تجویز کو مسلم ارکان کی ۲/۳ اکثریت اپنے مذہب یا اپنی سیاسی آزادی یا اپنی تہذیب و ثقافت پر مخالفانہ اثر انداز قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان

میں پیش یا پاس نہ ہو سکے گی۔

( ) ایک ایسی سپریم کورٹ قائم کیا جائے جس میں مسلم و غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو اور جس کے ججوں کا تقرر مسلم و غیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی کرے۔ یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات یا صوبوں کی باہمی تنازعات یا ملک کی قوموں کے تنازعات کے آخری فیصلے کرے گا۔ نیز تجویز نمبر ۲ کے ماتحت اگر کسی بل کے مسلمانوں کے خلاف ہونے نہ ہونے میں مرکز کی اکثریت مسلم ارکان کی ⅔ اکثریت کے فیصلے سے اختلاف کرے تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ سے کرایا جائیگا۔

( ) یا اور کوئی تجویز جسے فریقین باہمی اتفاق سے طے کریں۔

صدارت اجلاس سہارنپور اور خطبۂ صدارت کے اہم اقتباسات

۲۱، ۲۲، ۲۳ و ۲۴ جمادی الاولی ۱۳۶۴ھ مطابق ۴ تا ۷ مئی ۱۹۴۵ء کو سہارنپور میں مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند کا چودھواں سالانہ اجلاس ہوا۔

چونکہ صوبجاتی جمعیتوں کی اکثریت نے حضرت مدظلہٗ العالی کا اسم گرامی صدارت کے لئے پیش کیا تھا۔ لہذا۔ اجلاس جونپور اور اجلاس لاہور کے بعد اجلاس سہارنپور کی صدارت بھی حضرت نے فرمائی۔ خواجہ اطہر حسن صاحب رئیس سہارنپور۔ استقبالیہ کے صدر اور مولانا منظور النبی صاحب سہارنپوری۔ مجلس استقبالیہ کے

ناظم علی تھے۔

چونکہ سیاسی فضا کے طویل جمود کے بعد یہ اجلاس ہو رہا تھا اس لیے اس اجلاس کی حاضری تمام سابق اجلاسوں سے بہت زیادہ تھی۔ تمام ہندوستان کے قوم پرور رہنماؤں نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ صوبجات کی جمیعتوں نے اپنے باوردی رضاکاروں کے دستے بھیجے۔ جن میں صوبہ بہار کے دستہ نے اپنے بہترین نظم اور پریڈ وغیرہ کے اعلیٰ مظاہرے کے باعث انعامی تمغہ حاصل کیا۔ اسٹیشن کے قریب پڑاؤ کے تقریباً ایک مربع میل وسیع میدان میں خیموں اور ٹینٹوں کا ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ اہل شہر اور حاضرین۔ اجلاس کے اصرار نے جلوس کی شرکت پر حضرت کو مجبور کیا۔ یہ جلوس اپنی شان میں بالکل نرالا تھا جسکو تقریباً دس گیارہ شاندار گیٹوں سے گذرنا پڑا۔ جو مختلف مقامات پر بنائے گئے تھے۔

اس اجلاس میں حضرت نے تقریباً ۴۲ صفحات کا خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ ایک طویل عرصہ کی قید و بند کے بعد جس جراءت اور حق گوئی سے اس خطبۂ صدارت میں حکومت پر تنقید کی گئی تھی وہ یقیناً حیرت انگیز تھی ایک طویل عرصہ تک ہندوستان کے حالات سے بے تعلق رہنے کے باوجود اس زمانے کے واقعات کو جس خوبی کے ساتھ جمع کیا گیا تھا وہ حضرت کی بیدار مغزی کی اعلیٰ مثال ہے۔

اس خطبہ کا ایک حصہ ہم یہاں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ زمانۂ جنگ کے حوادث کی مستند اور مکمل تاریخ ہے۔ علاوہ ازیں اس حصہ سے

یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ جن مصائب اور جس تباہی اور بربادی کا خطرہ جمیعۃ علماء اور کانگریس نے اپنی تجاویز میں پیش کیا تھا وہ کس طرح صحیح ثابت ہوا۔

خطبہ صدارت اجلاس سہارنپور کا اقتباس

ذرا گوشِ غریباں کی طرف کھینچ کے آجاؤ، ذرا ٹک اس ویرانہ کو دیکھو جو کہ آبادی کہتے ہیں

ہندوستان کی غلامی! کالا اور بدترین دور

محترم حضرات: باوجودیکہ انتہائی خودغرض اور بے رحم آقاؤں کی انسانیت کش پالیسی کی وجہ سے تقریباً دو سو سال سے ہندوستان گھلتے گھلتے جاں بلب اور نیم مردہ ہوچکا تھا جیسا کہ مسٹر ہیگڈ اللہ (؟) ریبرنسٹ "اویکننگ آف انڈیا صفحہ ۱۴" میں لکھتے ہیں۔

> روز بار وز کوئی اس ملک میں دورہ کرے تو سوائے دبلے ناتوان اجسام کے اور کچھ نہ دیکھے گا۔ جن کی زندگی سراپا محنت! محنت!! محنت!!! مشقت! مشقت!! مشقت!!! ہے
>
> ہندوستان فلاکت زدوں کی بستی ہو کر رہ گئی ہے اور ان غریبوں کی مصیبت اور بھی میرے دل میں گھر کر گئی جبکہ میں نے غور کیا اور دیکھا کہ کس طرح ان کی فلاکت و افلاس کے نمایاں آثار ان کی پر سکون اور پرعظمت خاموشیوں میں مستور ہیں۔
>
> دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

ہندوستان کا افلاس ایک مسئلہ یا کلیہ نہیں ہے بلکہ ایک امر واقع ہے۔ (ارکنگ آف انڈیا صفحہ ۱۵۹)

سر جان سائمن اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

عام آبادی انتہائی افلاس میں ہے۔

ایچ ایم، ہنڈمن کہتا ہے۔

ہندوستان روز بروز کمزور و ناتوان ہوتا جا رہا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی زندگی کا خون آہستہ آہستہ مگر ون بدن تیز روی کے ساتھ نکلا جا رہا ہے۔ (ایچ ایم ہنڈمینس کرپٹسی آف انڈیا ص ۱۵۲)

(۱) ایسے ناتوان و نیم مردہ جاں بلب ملک کو ان سخت دل اور بے رحم آقاؤں نے ۱۹۳۹ء کی جنگ عمومی میں بغیر اس کی رضامندی اور خواہش کے اور بغیر اس سے پوچھے گچھے دھکیل دیا اور پروپیگنڈا کر دیا کہ وہ ہمارے ساتھ شریک جنگ ہے۔ اس نے شور مچایا کہ میں خود غلامی کی زنجیروں میں اسطرح جکڑا ہوا ہوں کہ میری جان نکل رہی ہے مجھ کو تو آزادی کی سانس چاہیئے مجھکو کسی کی دشمنی اور دوستی کسی کی لڑائی اور صلح سے کیا غرض ہے۔ میں نہ جرمن کا دشمن یا دوست ہوں نہ امریکہ کا دوست یا دشمن۔ مجھکو تو ایک چیز کی اور صرف ایک چیز کی سخت تشنگی ہے اور وہ آزادی ہے۔ مگر ایک نہ سنی گئی۔ اور اسکی طرف سے اعلان جنگ کر دیا گیا نیشنلسٹ اداروں کانگریس جمعیتہ علماء وغیرہ نے پروٹسٹ کیا، صدائے احتجاج بلند کی۔ اپنی کمزوری اور عدم استطاعت

اور اپنی عدم خوشنودی کا آوازہ بلند کیا مگر سب بےسود ثابت ہوا
لارڈ ہیلی فیکس اور دوسرے برطانوی ایجنٹوں نے پروپیگنڈوں کی
وہ طومار تصنیف کئے کہ الاماں الحفیظ۔

(۲)۔ آرڈی ننسوں کی بوچھاڑ کی گئی۔ روزانہ کئی کئی آرڈی ننس جاری کئے
جانے لگے اور اس قدیمی دعوی کو بالکل جھلا دیا گیا جو کہ شکسپیر نے اپنے ان الفاظ میں
کیا تھا

آرڈی ننس سے بڑھکر انگریزیت کے منافی دنیا میں کوئی چیز نہیں

(۳) جنگ کی مخالفت کرنے والوں بلکہ اس کے خلاف میں فقط مخالفت ہونے
والوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا جیلوں میں ٹھوس دیا گیا۔ جرمانے کئے گئے
مقدمے چلائے گئے۔ حالانکہ خود انگلستان میں جنگ کی مخالف پارٹیاں تھیں۔
اور اُن کے لیڈر عام طور پر مخالفت میں لکچر اور بیانات دیتے تھے۔ مگر اُن کی
آزادی پر حرف نہیں آنے دیا گیا۔

(۴) ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ پاس کیا گیا اور اس کو ایسی وسعت دی گئی کہ
کوئی شعبہ زندگی ایسا باقی نہیں رہا جس پر یہ ایکٹ عائد نہ ہو سکتا ہو۔ لاکھوں
بے قصوروں کو اس کے تیر کا نشانہ بنایا گیا اور اس قدر اس میں عموم پیدا
کیا گیا کہ ہائی کورٹوں کے جج بھی چیخ اٹھے کہ ڈیفنس رولز نے ہم کو مفلوج بنا دیا
ہے۔ ہم اس کے ہوتے ہوئے اپنی بےبسی پر سوائے ماتم کیا کر سکتے ہیں۔

(۵) آرمی بل پاس کیا گیا جس کی بنا پر آزاد انسانوں کو غلام بنانے والی غیر مسلم
حکومت کے لئے خون بہانے سے منع کرنا جرم ہو گیا۔ اور اس کی سزا ایک سال

کی قید مقرر کی گئی

(۶) ڈاک اور تار پر سنسر بٹھا دیا گیا۔ ادنی ادنی شبہوں پر قید و بند اور جرمانوں کی بوچھاڑ کی گئی۔ خطوط کو معدوم کیا گیا۔ ڈاک کو اپنے وقت پر پہنچنے سے روکا گیا۔ غیر ملکی ڈاک تقریباً بند ہو گئی۔

(۷) پریس اور اخباروں کی آزادی بالکل چھین لی گئی۔ ان کو واقعات جنگ کی ان خبروں سے بھی روکا گیا جن کو رپورٹر یا انگریزی اخبار لکھتے تھے۔ بلکہ اُن کو خود ہندوستان کے واقعات کے شائع کرنے سے سختی سے روکا گیا۔ اور جنھوں نے خلاف منشا کچھ لکھ دیا تھا۔ ان پر انتہائی سختیاں کی گئیں۔ حالانکہ خود انگلینڈ میں پریس کو بہ نسبت ہندوستان کے بہت زیادہ بلکہ مکمل آزادی رہی۔ اُن کو قحط کے احوال، بیماریوں کی شدت۔ اہل ملک کے مصائب، پولیس اور حکام کی بے عنوانیوں اور مظالم کی اشاعت وغیرہ سے سختی سے روکا گیا۔ مقدمے چلائے گئے۔ ضمانتیں ضبط کی گئیں۔ جرمانے کئے گئے اور فقط ان چیزوں کی اشاعت کی اجازت دی گئی جن کو محکمۂ اطلاعات شائع کرے۔

(۸) ملوں اور کارخانوں پر قبضہ کرلیا گیا۔ اور اُن کو پبلک کی ضروری چیزوں سے روک کر تمام تر فوجی ضرورتوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ عموماً ہر قسم کی مصنوعات پر کنٹرول قائم کر دیا گیا۔

(۹) غلہ کے گوداموں اور دیگر ضروریات کے مخزنوں پر قبضہ کیا گیا۔ اور اُن کو من مانے طریقوں اور مقاصد میں خرچ کیا گیا۔

(۱۰) اناج کے کھیتوں پر تیار ہوتے ہی قبضہ کر لیا گیا، کاشتکاروں اور زمینداروں کو اُن سے محروم کر دیا گیا۔

(۱۱) ریلوں اور انجنوں پر کنٹرول کر دیا گیا۔ بکثرت گاڑیاں اور انجن بیرون ہند بھیجدیے گئے۔ بہت سی لائنیں اکھاڑ دی گئیں، مسافروں کی ٹرینیں کم کردی گئیں۔ جس کی وجہ سے مسافروں کو سخت تکالیف اٹھانی پڑیں۔ لوگ ریل کے ڈبوں کی چھتوں اور باہر کے پائیدانوں پر سفر کرنے پر مجبور ہوئے۔ گاڑیاں اس قدر بھری چلنے لگیں کہ مسافروں کو کھڑے کھڑے سفر کرنا پڑا۔ ہجوم مسافرین کی وجہ سے لوگ انٹر کلاس اور سکنڈ کلاس وغیرہ میں بھرنے لگے۔ بہت سے لوگ چھت پر یا باہر پائیدانوں پر ہوتے تھے ٹکرا کر مر گئے۔

(۱۲) پٹرول اور مٹی کے تیل وغیرہ پر کنٹرول کر لیا گیا۔ اور نہایت ہی قلیل مقدار میں بمشکل دیا گیا۔ جس سے پبلک کی نقل و حرکت میں انتہائی مشکلات کا سامنا ہو گیا۔

(۱۳) نیشنلسٹ جماعتوں اور افراد کو پکڑ پکڑ کر جیل میں ٹھونس دیا گیا اور بلا مقدمہ چلائے ہوئے سالہا سال تک اُن کو حقوق شہریت اور آزادی سے محروم کر دیا گیا۔ ایسے سکورٹی پرزنروں (نظربندوں) کی تعداد تقریباً چوبیس ہزار یا اس سے زائد بتائی گئی ہے۔ باوجودیکہ بمبئی میں کانگریس کا اجلاس ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو ہونے والا تھا۔ مگر نیشنلسٹوں اور کانگریسیوں کے لئے وارنٹ گرفتاری ۵ اگست سے جاری کر دیئے گئے تھے اور باوجودیکہ کانگریس نے سول نافرمانی کا کوئی پروگرام نہیں بنایا تھا۔ مگر ان کو مجرم قرار دیدیا گیا۔ اور باوجودیکہ کانگریس نے سول نافرمانی کا پروگرام گاندھی جی کو سونپا تھا اور گاندھی جی نے اُس کے چلانے کو وائسرائے کی ملاقات ہونے پر موقوف رکھا تھا۔ مگر سب کو ناگہاں گرفتار کر لیا گیا۔ اور بالخصوص کانگریس ورکنگ کمیٹی کو دفعتہً گرفتار

کرکے غیر معلوم جگہ میں خفیہ طریقہ پر بھیج دیا گیا۔ دوسرے ہی دن تمام ملک اور تمام صوبوں میں یکبارگی گرفتاری جاری کر دی گئی۔ اپنے محبوب اور جانباز لیڈروں کی یہ اہانت اور مظلومیت دیکھ کر عام پبلک میں اشتعال کا پیدا ہو جانا طبعی امر تھا۔ کانگریس کا اصول ہمیشہ عدم تشدد اور امن پسند رہا آتا تھا اور اسی کی سخت تاکید بمبئی کے اس اجلاس میں بار بار کی گئی تھی۔ مگر کانگریسیوں اور قومی کارکنوں اور جمعیت علماء کے ممبروں اور کارکنوں پر تشدد اور بدامنی کا الزام تراشا گیا۔ خصوصاً جمعیۃ علماء صوبہ آسام پر نہایت سختی کی گئی۔ گویا کہ اسکو خلاف قانون سمجھا گیا۔ گاندھی جی پر بھی جاپان کے ایجنٹ ہونے کا الزام رکھا گیا۔ اور امریکہ میں اس کا پورا پروپیگنڈا کیا گیا۔ مگر دو برس گذر جانے کے بعد مسٹر ایمری نے فرمایا کہ

> ہمارا یہ خیال گاندھی کے متعلق کبھی بھی نہیں تھا۔ اگرچہ مختلف مقامات پر گورنمنٹ کی اس امن سوز کارروائی سے مشتعل ہو کر عام لوگ تشدد آمیز کارروائی بھی کر بیٹھے۔ مگر وہ کسی نیشنل ادارے کے پروگرام کا نتیجہ تھا بلکہ گورنمنٹ کی اشتعال آمیز غلط کارروائی کا ثمرہ تھا۔
> جس کی ذمہ دار خود گورنمنٹ تھی۔

متعلقہ حکام اور پولیس اور فوج کو اس بہانہ سے غیر محدود اختیارات دیئے گئے جن کی بنا پر ظلم و ستم، مار دھاڑ، قتل و غارت، رشوت ستانی اور لوٹ وغیرہ کا چاروں طرف بازار گرم کر دیا گیا۔ بہت سے پُرامن مجمعوں پر گولیاں چلائی گئیں۔ ہزاروں غیر مجرموں کو جیل کی کوٹھریوں میں ٹھونس دیا گیا۔ اُن پر مقدمات چلائے گئے۔ اسپیشل کورٹ قائم کر دیئے گئے۔ بلا تحقیق اور بغیر ثبوت اور بغیر صفائی

سزائیں دیدی گئیں۔ دہشت انگیزی کے مظاہرے چاروں طرف جاری کردیئے گئے۔ عام لوگوں کے جان ومال، عصمت اور عفت خطروں میں ڈالدیئے گئے اور جو کچھ نہ ہونا چاہیئے تھا ہو کر رہا۔ اور پھر اس سب پر اپنی معصومیت کا نیا پردہ ڈالا گیا۔ کہ گویا کچھ بھی نہیں ہوا۔

(۱۴) ان تشددات ناجائزہ کے کرنے والے حکام اور پولیس اور فوجیوں کو مختلف کمیونکوں سے آئندہ کے لیے بھی مطمئن کردیا گیا۔ کہ ان کی کسی زمانہ میں کوئی بازپرس ہوگی اور نہ کسی کورٹ میں ان پر کوئی مقدمہ دائر ہوسکے گا۔

(۱۵) دیہاتیوں اور کاشتکاروں اور زمینداروں کے مکانوں میں گھس گھس کر بجبر ان سے غلوں کے ذخیرے جو کہ انھوں نے اپنے بال بچوں کے سال بھر کے گزارے کے لیے جمع کر رکھے تھے چھینے گئے اور صرف اتنا غلہ ان کے پاس چھوڑا گیا جو کہ بمشکل ۳ مہینے کے لیے کافی ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اس پر بارہا مرکزی اسمبلی میں سوال بھی اٹھایا گیا۔

(۱۶) مختلف طریقوں سے چاروں طرف سے غلوں کے ذخائر جمع کرلیے گئے اور ان میں غیر ہمدردانہ من مانی کارروائی کی گئی۔ ملک سے باہر بڑی بڑی مقداروں میں یہ ذخائر بھیجدیئے گئے۔

نہ صرف ہندوستانی فوجوں کی ضرورتوں کے لیے بلکہ غیر ہندوستانی فوجوں کے لیے بھی اور نہ صرف فوجوں ہی کے لیے بلکہ روس وغیرہ دوسری اتحادی حلیف قوموں اور ملکوں کے لیے بھی۔

اور اس کے لیے ایک خالص یورپین کمپنی بنائی گئی جس کا نام یونائٹڈ کنگڈم کمرشل کارپوریشن

ہے۔ اس نے غلہ، کپڑا اور دیگر سامان روس، مشرق وسطیٰ، افریقہ وغیرہ میں بے شمار مقدار میں بطور تجارت اور امداد پہنچایا۔ جس میں ہندوستانیوں کی ضرورت اور بھوک کا کوئی خیال نہیں کیا گیا۔ تا اینکہ چاروں طرف ہندوستان میں بالخصوص صوبہ بنگال، آسام اور جنوبی ہند میں قحط اور کال پھوٹ پڑا اور لوگ بھوک کے مرنے لگے۔ نیو اسٹیٹس مین لندن لکھتا ہے۔

> ہندوستان کا موجودہ قحط قدرت کی طرف سے نہیں بلکہ انسانی ہاتھوں ہاتھوں کی طرف سے لایا گیا ہے، اس لیے کہ ہندوستان کا گیہوں مشرق وسطیٰ کی فوجوں کا پیٹ بھرنے کے لیے بھیجا جا رہا ہے۔ نیز لنکا اور ایران کی فوجی ضروریات کے لیے کثیر مقدار میں جا رہا ہے۔ ..... ایسے حالات میں گیہوں کو باہر بھیجنا غلط ہی نہیں ایک مجرمانہ فعل بھی تھا۔ .... موجودہ سرکاری مشین بالکل بے کار ہے۔ اس لیے کہ عوام کو بیجا لوٹ کھسوٹ سے بچانے کے لیے اور

سلہ مسٹر کے۔ سی۔ نیوگی۔ ممبر سنٹرل اسمبلی نے ۱۶ر نومبر ۱۹۴۳ء کو مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں غذائی مسئلہ پر بحث کے دوران میں فرمایا۔

> بنگال کا قحط برطانیہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ امن اور قانون کے معاملہ میں دہلی کی مرکزی حکومت نے پن دبانے ہی تمام ملک میں آگ بھڑک اٹھی یعنی ۱۹۴۲ء میں، لیکن اب جبکہ انسانی جانوں کے بچانے کا سوال آیا تو سر عزیز الحق کو فضل حق کے خلاف اور سر جوالا پرشاد سری واستو کو سر ناظم الدین کے خلاف کھڑا کر کے خود مختاری کے لیے ہندوستانیوں کی نااہلیت ثابت کیجا رہی ہے۔ (تیج ۱۸ر نومبر ۱۹۴۳ء $\frac{۳۰۵}{۲ج}$) (باقی ص ۲۷۲ پر ملاحظہ ہو)

غلہ اور کپڑا وغیرہ وہاں پہنچایا کہ تمام ملک روس اور اس کی فوجیں بھوک اور ننگ ہونے سے آزاد ہوکر اس قدر قوی ہوگئیں کہ جرمن کو شکست پر شکست دینے لگیں۔ غور کیجئے کہ اتنے بڑے ملک اور اتنی بڑی فوج کے لئے کسقدر غلہ اور کپڑا بھیجا گیا ہوگا اگرچہ اسکو صیغہ راز میں رکھا گیا ہے۔ تاہم بعض اعداد ملاحظہ ہوں۔

دارالعوام میں مسٹر چرچل نے اپنے ایک بیان میں ان امدادی اشیا کی تفصیلات بتائیں جو گذشتہ ڈھائی سال میں روس کو بھیجی گئیں۔۔ انھوں نے بتایا کہ یکم اکتوبر ۱۹۴۱ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۴۴ء تک ہم نے سوئٹ یونین کو (۵۰۳۱) ٹینک بھیجے جن میں سے (۱۲۲۳) کناڈا کے تھے ہم نے (۶۷۷۸) ہوائی جہاز بھیجے جن میں سے (۲۶۶۷) امریکہ کے بھیجے ہوئے شامل تھے۔ اس کے علاوہ ہم نے (۸۰) کروڑ پونڈ کی مالیت کی خام اشیاء مثل غلہ مشینیں صنعتی پلانٹ اور طبی اشیاء اور آسائشی چیزیں بھیجی ہیں۔

(روزنامہ حقیقت لکھنؤ جلد ۲۴ نمبر ۸۹، ۱۴ مئی ۱۹۴۴ء)

سرکاری بیان کے موافق ۱۹۴۱-۴۲ء میں ۷۰ ہزار ٹن گیہوں ہندوستان سے باہر گیا۔ اور ۱۹۴۲-۴۳ء میں ۱۰۵۸۰۰ - لاکھ ٹن گیہوں باہر بھیجا گیا۔

(انجام بمبئی ۵ جولائی ۱۹۴۳ء)

مسٹر عزیز الحق صاحب ممبر محکمہ خوراک حکومت ہند فرماتے ہیں۔

ہندوستان سے ماہ جنوری ۱۹۴۳ء سے اب تک (اگست ۱۹۴۳ء) ۵۰ ہزار ٹن گیہوں اور چاول باہر بھیجا گیا۔ اس میں وہ گیہوں اور

چاول بھی شامل ہے جو یہاں سے لنکا کو بھیجا گیا۔ فوجوں کے لئے
جنوری سے جولائی تک نو لاکھ اکہتر ہزار من گیہوں اور چاول
خریدا گیا۔ (تیج ۱۱ اگست ۱۹۴۳ء)

مذکورہ بالا بیانوں اور اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ ہندوستان سے غلہ کے
بڑے بڑے ذخائر دوسرے ملکوں اور بالخصوص روس کو بھیجکر ہندوستان
میں قحط ڈالا گیا ہے۔ مسٹر فضل حق آف بنگال کے بیانات گورنر بنگال کے غلہ
کے مخزنوں کے متعلق مستبدانہ تصرف کرکے غائب کر دینے کے شائع ہو چکے ہیں۔
نیز غلوں کے مخزنوں میں سے پبلک کو وقت پر غلہ نہیں دیا گیا۔ حالانکہ پبلک بھوک
سے مر رہی تھی، قومی اطلاعات میں شائع کیا گیا ہے کہ

مداری پور سب ڈویژن میں (۷۵) ہزار من چاول سرکاری گوداموں
میں سڑنے لگا ہے۔ یہ وہ چاول ہے جو کہ بنگال کی حکومت نے
سال گذشتہ وہاں بھیجا تھا۔ مگر نرخ کی گرانی کی وجہ سے فروخت نہ
ہو سکا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیس ہزار من گیہوں اور دالوں کا
بھی بڑا ذخیرہ اسی طرح خراب ہو رہا ہے۔ صوبوں کی حکومتیں اور
اُن کے حاشیہ نشین حکام نفع خوری کی حرص میں پڑ گئے۔ اناج
پر قبضہ کرکے یا بلیک مارکیٹ میں پہنچا یا یا اُن پر نفع خوری کی غرض کر
اس قدر مہنگائی کا بوجھ رکھدیا کہ عام پبلک ان کی خریداری سے عاجز
آگئی۔ ان کی فروختگی کے لالچ میں باہر سے غلہ آنے نہیں دیا۔ یا اگر
پہنچا بھی تو ان کو چھپا دیا۔

ان منحوس کارروائیوں کی تفصیل بارہا اخباروں میں آچکی ہے۔ نیز فوجی مخازن میں[1] بے تعداد غلہ بھر دیا گیا۔ جو کہ خرچ سے بہت زیادہ تھا۔ مدت گزرنے کے بعد جب وہ سڑنے لگا تو اس کو جلا دیا گیا۔ اور پھر ان مخازن میں دوسرا غلہ لاکر بھر دیا گیا۔ ایسے معاملات بہت زیادہ ہوتے رہے۔ چونکہ فوجی حکام اور کارکنوں پر دیکھ بھال رکھنے والی مثل انگلینڈ یہاں کوئی جماعت نہیں تھی۔ اس لئے فوجی حکام بے خوف وخطر اور بغیر ہمدردی و محبت من مانی کارروائیاں عمل میں لاتے رہے۔ مرکزی اسمبلی میں بارہا یہ سوال اٹھایا گیا مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اگر قومی حکومت خواہ عارضی ہی ہوتی تو جانچ پڑتال کرتی۔ اور اس طرح فوجی حکام کو مطلق العنان ہونے نہ دیتی۔ ظاہر ہے کہ پردیسی آدمیوں کو کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ مسٹر جیمس میڈمس امریکی جنھوں نے ۵۴ ہزار میل کا سفر کر کے دنیا کو دیکھا ہے۔ اور انھوں نے اپنے احوال سفر کی دلچسپ کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار

---

[1] یہ اندھا دھند کارروائی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ ختم ہونے سے تقریباً ایک سال بعد امریکن فوجوں کے ہیڈ کوارٹرز میں ضرورت سے زیادہ پڑی ہوئی اشیاء خوردنی کی تفصیل حسب ذیل تھی۔

ڈبوں کا گوشت (بڑے نے مچھلیاں وغیرہ) چار ہزار پانسو چوبیس ٹن۔ (تقریباً سوا لاکھ من) انڈے خشک چار سو تینتیس ٹن۔ (تقریباً ۱۲ ہزار من) دودھ مکھن وغیرہ تین ہزار تیس ٹن۔ (تقریباً ۸۵ ہزار من) دوسری چربیاں ۴۳۰ ٹن۔ شکر۔ شربت۔ چاشنی۔ تین ہزار تین سو ٹن۔ (تقریباً نوے ہزار من) اناج دو ہزار آٹھ سو پچھتر ٹن۔ (تقریباً پچھتر ہزار من) دالیں ایک ہزار پانسو پچاس ٹن (تقریباً تینتالیس ہزار من) ترکاریاں خاص ۲۰۰۴ ٹن، دوسری ترکاریاں ۲۸۹۲ ٹن خشک آلو ۱۱۶۵ ٹن، ٹماٹر ۳۳۲۵ ٹن
([illegible])

کی ضرورت پڑی لیکن اصل اسباب دو ہیں۔ اول ذمہ دارانہ حکومت کا ٹوٹ جانا اور دوسرے زر کی مصنوعی افزائش۔

(انجمن بمبئی ۱۸ دسمبر ۱۹۴۳ء)

قحط سے صرف بنگال میں مرنیوالوں کی اعداد و شمار کے متعلق اگرچہ وزیر ہند صرف اٹھارہ لاکھ تہتر ہزار سات سو پچاس آدمیوں کا اقرار کرتے ہیں۔

(حقیقت لکھنؤ ۲۷ اپریل ۱۹۴۴ء)

لیکن ڈاکٹر بی۔ سی رائے صدر میڈیکل ریلیف تینتیس لاکھ فرماتے ہیں۔ بعض دوسرے اخباروں میں نوے لاکھ تک اعداد آئے ہیں اگرچہ اٹھارہ لاکھ کا عدد بھی کچھ کم نہیں ہے۔ چھ برس کی لڑائی میں امریکہ اور برطانیہ کی فوجوں سے مرنے والوں کی تعداد اسکی آدھی بھی نہیں ہے جتنی کہ بنگال جیسے پر امن صوبہ میں بلا جنگ و جدال حکومت ہند کی بے عنوانیوں سنگدلیوں اور مذکورہ بالا بے ہمدردیوں، خود غرضیوں کی بنا پر واقع ہوئی۔ اگرچہ بنگال کی دردناک موت کے احوال پر بہت سخت اور موٹا پردہ ڈالا گیا۔ مگر جسقدر بھی بیانات اخباروں[1] میں اس زمانہ میں شائع ہوئے

[1] سر جگدیش پرشاد سابق ممبر ایگزیکیٹو کونسل وائسرائے ہند نے فریدپور ضلع کا چشم دید واقعہ بیان کیا کہ

ایک آدمی کئی دن تک خوراک کی تلاش میں مارا مارا پھرنے کے بعد کلکٹر کی عدالت کے دروازہ پر گر کر مر گیا۔ جس وقت اس کی لاش ہٹائی جا رہی تھی تو ایک کونہ میں سے ایک عورت نکل آئی اور اس نے ایک بنڈل کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اسے بھی لیجاؤ یہ اس کے بچے کی لاش تھی۔ (تیج مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۴۳ء)

اخبار اسٹیٹسمین کے نامہ نگار نے بیان کیا ہے۔ ہشکا نتا ڈومنڈ ہاربر سب ڈویژن میں ایک آدمی کو
(باقی صفحہ ۲۶۹ پر)

نہایت ہی ہولناک ہیں جن کو سنکر سخت سے سخت دل والے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خلافت اخبار لکھتا ہے کہ حکومت سندھ نے ساڑھے چار کروڑ روپیہ دو سال میں کمایا اسی قسم کی شکایتیں حکومت پنجاب، سرحد، بنگال وغیرہ کے متعلق بارہا شائع ہو چکی ہیں مگر حکومت ہند کان میں تیل ڈالے ہوئے بیٹھی ہے اور یہ سب کچھ کرا رہی ہے[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸) کا ملاحس کے آٹھ لڑکے سات روز میں مر چکے ہیں، ایک گھر میں ایک عورت کو دیکھا جو سخت بیمار تھی اور آس پاس کے گھروں میں اسکو پانی دینے والا تک نہ تھا اس گاؤں کی آبادی ستر ہے اور ان میں سے ۴۵ مر چکے ہیں میں نے پاس ہی ایک قبرستان میں دیکھا ایک قبر میں بارہ لاشیں دفن کی ہوئی تھیں گیدڑ لاشیں نکال رہے تھے نعش تیار کھڑی ہے مگر ان کو کاٹنے والے مر چکے ہیں۔ ان کی لاشوں کے ڈھیر کھیت کے کناروں پر پڑے ہوئے ہیں (اسٹیٹسمین ۲۲ نومبر بحوالہ اخبار تیج)

[1] جب کہ بنگال میں موت کی یہ گرم بازاری تھی کہ لاکھوں انسان ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھوک کی وجہ سے جان دے رہے تھے۔ سنگدل سرمایہ دار نفع اندوزی میں مصروف تھے۔ چنانچہ قحط کمیشن کی رپورٹ کے مطابق ڈیڑھ سو کروڑ روپیہ (ایک ارب پچاس کروڑ روپیہ) نفع اندوزوں کی جیب میں چلا گیا اور پندرہ لاکھ آدمی مر گئے۔ (تیج مورخہ ۱۰ رجون ۱۹۴۵ء)

اگر اس نفع کو مرنے والوں پر تقسیم کیا جائے تو فی کس ایک ہزار روپیہ حصہ میں آئے۔ سردار بلدیو سنگھ وزیر ترقیات پنجاب نے کہا تھا کہ

> پنجاب نے حکومت ہند سے ۱۹۴۲ء میں نو لاکھ ٹن گیہوں سپلائی کرنے کا وعدہ کیا تھا جو تمام ہندوستان کی سپلائی کے برابر ہے ۱۹۴۳ء میں دس لاکھ ٹن گیہوں سپلائی کرے گا وعدہ کیا ہے حکومت ہند نے اس پر کم از کم ایک سو کروڑ روپیہ نفع کمایا (تیج ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۳ء)

(۱۷) باوجودیکہ برہما اور ہند چینی وغیرہ کے انگریزی قبضہ سے نکل جانے سے وہاں سے چاول کی درآمد ہندوستان میں ۱۹۴۲ء سے بند ہو گیا تھا اور باوجودیکہ حکومت کو مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ کی فوجوں اور اپنے حلفاء کے لئے غلہ بھیجنے کی ضرورت معلوم تھی اور اناج کی کاشت کی افزونی کی طرف بالکل توجہ نہیں کی گئی بلکہ اور جنگی ضرورتوں کی فراوانی کی سعی کرائی گئی۔ سرکاری بیان جولائی ۱۹۴۳ء کا حسب ذیل ہے۔

> اس سال جوٹ میں پچاس فیصدی اضافہ ہوا۔ ارنڈ میں ۲۲ فیصدی مونگ پھلی میں ۵۰ فیصدی، السی میں ۱۴ فیصدی، گیہوں میں ۹ فیصدی گنا ۳۰ فیصدی، چاول کم پیدا ہوا۔

ان تمام سالوں میں بارش بہت اچھی ہوئی تھی۔ پیداوار بھی اچھی ہوتی رہی مگر اس خود غرضی اور مجرمانہ غفلت اور بے دردی کی وجہ سے وہ ہولناک قحط پیدا کیا گیا کہ جس کو سنکر دل کانپنے لگتا ہے۔

(۱۸) ہندوستان کی برآمد پر کنٹرول کیا گیا۔ جو مال ہندوستان سے امریکہ وغیرہ کو گیا۔ اس کی قیمت وصول کر کے برطانیہ نے اپنے قرضہ میں دیدیا اور اس قیمت کے بدلہ میں گورنمنٹ انگلستان نے ہندوستان کو قرض کے چک (خزانی تمسکات) دے دیئے جس کو اسٹرلنگ قرضہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح انگلستان میں جو اور زر مبادلہ روپیہ موجود تھا اس سب کو لے لیا گیا اور سب کو نوٹ قرضہ اور اسٹرلنگ قرضہ میں محسوب کر لیا گیا۔ ہندوستان سے زائد برآمد ہر سال کروڑوں کی مقدار میں ہوتی رہی ہے تفصیل ملاحظہ ہو۔

سنہ ۳۹-۱۹۳۸ء   ۱۷ کروڑ روپیہ

سنہ ۱۹۳۹-۴۰ء	۴۸ کروڑ روپیہ
سنہ ۱۹۴۰-۴۱ء	۴۲ " "
سنہ ۱۹۴۱-۴۲ء	۸۰ " "
سنہ ۱۹۴۲-۴۳ء	۸۴ " "

اس مقدار اور سنہ ۴۳-۴۴ء اور سنہ ۴۴-۴۵ء مقدار کے جملہ قرضوں کو اسٹرلنگ قرضہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اس میں سے ہندوستان کو ایک حبہ نقد نہیں ملا بلکہ یہ وعدہ کیا گیا کہ جنگ کے بعد اس کے مقابلہ میں تم کو سامان اس وقت کی قیمت سے دیا جائیگا۔ اسی کے متعلق جناب وائسرائے نے دہلی کلکتہ والی تقریر میں دسمبر میں فرمایا ہے کہ اسٹرلنگ قرضہ کا پورا احترام کیا جائیگا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ

(الف) روپیہ نقد نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ مال لے لیا گیا ہے سب کا سب قرض شمار کیا جاتا ہے

(ب) اس کی ادائیگی بعد از جنگ ہوگی جس کی مدت کچھ معلوم نہیں ہے آج ہی آج کرتے کرتے چھ برس گذر چکے ہیں۔ اگر وہ نقد ہندوستانی ارباب اموال کو ملجاتا تو وہ دوسرے وجوہ تجارت میں خرید و فروخت کرکے ترقی حاصل کرتے۔

(ج) قرضہ بھی نقد کی صورت میں ادا نہیں کیا جائیگا بلکہ سامان کی صورت میں ہوگا جس میں برطانوی سرمایہ دار کی منفعت ہی منفعت ہے۔ برطانیہ نے یہ مقدار روک کر بھی نفع اٹھایا اور ادا کرکے بھی نفع حاصل کیا۔

(د) اس مال کی قیمت بھی برطانیہ اور اسکا سرمایہ دار تشخیص کریگا۔ ہندوستان اور اس کے تاجروں کو تشخیص قیمت میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اس لیے منہ مانگے منافع وصول کئے جائیں گے۔ اگر نقد ہندوستان کو دیدیا جاتا تو یہاں سے اسکو مال

سستا ملتا خرید لیتا۔

(۵) یہ مال چونکہ ایام جنگ کا بنا ہوا ہوگا اس لئے نہایت گراں ہوگا کیونکہ مزدوری اور جملہ اشیاء اس زمانہ میں نہایت گراں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ ایسی عجیب و غریب تجارت قائم کی گئی ہے جس کی نظیر تمام دنیا میں نہیں پائی جاتی برطانیہ کو اس میں سراسر نفع ہی نفع ہے۔ اور ہندوستان کو سراسر نقصان ہی نقصان۔

(۶) ہندوستان سے اصلی زر سونا اور چاندی اور اس کے سکے مختلف طریقوں سے لے لئے گئے اور ان کے بدلے میں عموماً کرنسی نوٹ اور نہایت کم چاندی والا تھوڑا سا روپیہ دیدیا گیا۔ کرنسی نوٹ (مصنوعی زر) کی نہایت کثرت کردی گئی ماہوار اضافہ ہوتا رہا۔ تا اینکہ ایک ارب چھتر کروڑ سے بڑھکر دس ارب سے زیادہ ہوگئی۔ تفصیل ذیل ملاحظہ ہو۔

سنہ ۴۰-۱۹۳۹ء	۴۹،۲۵	کروڑ	روپیہ
سنہ ۴۱-۱۹۴۰ء	۱۹،۱۱	"	"
سنہ ۴۲-۱۹۴۱ء	۱۵۲،۲۰	"	"
اپریل سنہ ۱۹۴۲ء	۳۲،۵۵	"	"
مئی سنہ ۱۹۴۲ء	۵۰،۵۹	"	"
جون سنہ ۱۹۴۲ء	۲۱،۹۴	"	"
جولائی سنہ ۱۹۴۲ء	۲۹،۷۵	"	"
اگست سنہ ۱۹۴۲ء	۹۳،۰۱	"	"

ستمبر سنہ ۱۹۴۲ء	۱۱۱ ، ۳۴	کروڑ	روپیہ
اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء	۱۳۲ ، ۴۴	"	"
نومبر سنہ ۱۹۴۲ء	۱۵۹ ، ۱۱	"	"
دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء	۱۸۹ ، ۹۱	"	"
جنوری سنہ ۱۹۴۳ء	۲۱۲ ، ۰۰	"	"
فروری سنہ ۱۹۴۳ء	۲۳۹ ، ۰۰	"	"
مارچ سنہ ۱۹۴۳ء	۲۶۷ ، ۰۰	"	"
اپریل سنہ ۱۹۴۳ء	۳۰۲ ، ۰۰	"	"

(مدینہ بجنور ۵ اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء)

اس زور شور سے اضافہ ہوتے ہوتے اب اس کی مقدار مارچ سنہ ۱۹۴۵ء تک دس ارب اکانوے کروڑ اسی لاکھ روپیہ تک پہنچ چکی ہے۔

انجمن ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۴۵ء

(۲۰۱) اسی طرح حقیقی زر کی قلت اور مصنوعی زر کی کثرت، غلہ اور دوسری ضروریات پر قبضہ، ٹیکسوں کی ہر چیز پر فراوانی وغیرہ امور کا یہ اثر ہوا کہ ان اشیاء کی جن پر مدار زندگی تھا قیمتیں بہت زیادہ ہو گئیں بلکہ بسا اوقات یہ ضروریات زندگی ملنی دشوار ہو گئیں اور اس قدر گرانی ہو گئی کہ خود ان ممالک میں جہاں غلہ وغیرہ کی پیداوار بھی تھی اور وہ بالذات جنگ میں مشغول تھے اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوا۔

لندن ۲۰ اگست معاصر اسٹیٹسمین کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ

ہندوستان میں کھانے پینے کی جو حالت پیدا ہو گئی ہے اس سے یہاں

بڑی تشویش ہو گئی ہے۔ خاصکر اس قسم کی خبروں سے کہ کلکتہ میں لوگ
بھوکے تڑپ کر جان دے رہے ہیں۔ برطانیہ کا کنٹرول ہندوستان
کے مقابلہ میں کامیاب رہا۔ برطانیہ کی لیبر وزارت نے خوراک کے متعلق
جا انڈیکس شائع کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ برطانیہ میں کھانے پینے کی
چیزوں میں ستمبر ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں صرف ۲۲ فیصدی کا اضافہ
ہوا ہے یہ بہت معمولی اضافہ ہے لیکن یہ اضافہ صرف روٹی دودھ
گوشت پنیر وغیرہ میں ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے
کہ اس قسم کی کھانے پینے کی چیزوں اور ایندھن اور کرایہ ریل کم
رکھنے کے لئے حکومت ۱۸ کروڑ پونڈ سالانہ کی مالی امداد مالدار لوگوں
سے ٹیکسوں کے ذریعہ وصول کرتی ہے۔ جن چیزوں کے لئے مالی امداد
نہیں ملتی انکا بھاؤ تین گنا تیز ہو گیا ہے۔ اس میں سبزی اور پھل شامل ہیں
کپڑے کا بھاؤ بھی دوگنا اور تین گنا ہے۔ برطانیہ میں کھانے پینے کی
چیزوں میں جہاں صرف ۲۲ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے۔ ہندوستان
میں پانسو فیصدی سے لیکر چھ سو بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اضافہ
ہو گیا ہے۔

(مدینہ ۵ ستمبر ۱۹۴۳ء)

اگرچہ گورنمنٹ نے قیمتیں مقرر کیں اور کنٹرول کے احکام نافذ کئے مگر یہ
عمل اس وقت میں شروع کیا گیا جبکہ انڈیکس تین سو تک بڑھ گیا تھا اور بازار میں
قیمتوں کا اضافہ فیصدی دو سو چالیس ۱۰۰۔ دو سو پچاس تک ہو گیا تھا۔ نیز بد انتظامی
اور بے توجہی کی بناء پر کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی موثر طریقہ پر قوانین نافذ نہ ہو سکے

بلیک مارکیٹ میں غلہ اور دیگر اموال جمع ہیں اور کنٹرول کا نمائندہ پبلک ضرورتوں کے پورا کرنے سے قاصر ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کو پولیس گرفتار بھی کر رہی ہے مقدمات بھی چلائے جا رہے ہیں۔ بھاری بھاری جرمانوں کی جھڑی بھی لگی ہوئی ہے۔ مگر خدا جانے موجودہ گورنمنٹ ہی ناقابل ہے یا وہ اپنی توجہ پوری طرح اس طرف منعطف نہیں کرتی کہ پبلک کی مصائب میں کمی کی صورتیں پیدا ہوں جنگ کے زمانہ میں کنٹرول کی ضرورت مسلم ہے مگر سوال محض کنٹرول کا نہیں ہے بلکہ اس کے طریقوں اور ان پر عملدرآمد کا ہے تجربہ نے بتا دیا کہ اس باب میں حکومت کی کارگذاریاں قابل اطمینان اور قابل تحسین نہیں ہوئیں بلکہ سراسر ناقص رہیں۔

(۲) جس طرح اناج کے متعلق گورنمنٹ کی غلط اور غیر ہمدردانہ کارروائیوں نے انتہائی گرانی اور قحط میں مبتلا کرکے لاکھوں بلکہ کروڑوں ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسی طرح کپڑوں کے متعلق نہایت نازیبا اور انسانیت سوز کارروائیاں کی گئیں تاریخ کے صفحات شہادت دیتے ہیں کہ ۱۸۰۰ء کے بعد بھی نصف صدی تک ہندوستان باوجود خانی ملوں کی عدم موجودگی کے اتنا کپڑا تیار کرتا تھا جو کہ تمام ہندوستانیوں کی پوشاک سے بڑھ کر ستر اسی ہزار گانٹھوں سے زائد ہندوستان سے باہر دیگر ممالک میں دور دور تک تجارت کیلئے جاتا تھا (ڈاکٹر فرانسس بکانن) مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کی رقابت اور اسکی بلاضرورت مساعی جنکی ابتدا ۱۷۴۹ء سے شروع ہوتی ہے ہندوستانیوں کی کپڑے اور سوت کی صنعت بلکہ عمدہ روئی کی کاشت تک کو بالکل برباد کر دیا۔ اور ہندوستان کو مجبور کر دیا کہ وہ انگلینڈ کی ملوں سے بنے ہوئے کپڑوں ہی کو خریدے اور استعمال کرے۔ چنانچہ انگلینڈ اور پھر جاپان وغیرہ سے کپڑا لا لا کر ہندوستان میں ٹھونسا۔

ہندوستانی پارچہ بافی پر انتہائی ظالمانہ نظر ڈالی گئی اور تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اس صنعت کو۔ اس کے مراکز کو۔
اس کے صناعوں اور آلات وغیرہ کو تقریباً فنا کر دیا گیا۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں
کچھ لوگوں کو توجہ ہوئی اور احمد آباد، بمبئی، شولاپور وغیرہ میں کچھ دخانی ملیں کپڑے اور
سوت کی بنائی گئیں۔ اگرچہ ان میں تھوڑا دیر کے لئے گرانقدر کام کیا گیا مگر بنابر
سیاسی خواہش اور ضرورت ترقی نہ کر سکیں تاہم ان سے ملک کو فائدہ پہنچا اور جنگ عظیم
جنگ عظیم میں انھوں نے بہت کچھ کام کیا جنگ عظیم کے بعد اگرچہ ان ملوں میں اضافہ
ہوا مگر یہ تمام ملیں ہندوستان کے لئے کسی طرح کافی نہیں تھیں اس لئے ہمیشہ ہندوستان
انگلینڈ و جاپان وغیرہ کا کپڑے وغیرہ میں محتاج اور کپڑوں کا خریدار رہا۔ ۱۹۱۹ء سے
مہاتما گاندھی جی نے جو کہ جنگ عظیم کے بعد خوب چوکنے ہو گئے تھے کھدر اور چرخہ کی اسکیم پھیلائی
نتیجتاً اس اسکیم سے ملک کو بہت ہی زیادہ فائدہ ہوا کاش عام طبقہ متفقہ طور پر اس
اسکیم پر عامل ہو جاتا تو آج کل کی مصیبتیں بھی سامنے نہ آتیں اور ہندوستان کا عظیم الشان
نقد سرمایہ باہر جاتا۔ گاندھی جی نے منظم تحریک چرخہ سنگھ کی چلائی اور وہ تحریک خدا کے
فضل سے بڑی کامیاب ہوئی جا بجا اس کے مراکز اور دفاتر قائم ہو گئے اور ہندوستانی
پبلک کو بہت زیادہ فائدہ پہنچنے لگا اس شعبہ (چرخہ سنگھ) کے کارکن اگرچہ عموماً کانگریسی
ہی تھے مگر وہ سینہ گری اور قانون شکنی وغیرہ سے بالکل علیحدہ تھے اور نہایت پرامن
رہتے تھے۔ اگست ۱۹۴۲ء میں ان سبھوں کو بھی گورنمنٹ نے جیلوں میں بند کر دیا
ان کے مخازن اور گوداموں اور آلات و سامان پر قبضہ کر لیا۔ بڑے بڑے کارکن جیلوں کی
نذر ہو گئے اور چھوٹے کارکن بیکاری کی بھینٹ چڑھ گئے۔ آلات سوت کشی، جامہ بافی
آلات رنگینی و نقش و نگار وغیرہ سب کے سب کوٹھریوں میں بند کر دیئے گئے اور بکثیر خراب

ہوسکتے یا کرنے سے گریز کیا جاتا کہ خیال کرنے اور سوچنے کی بات تھی کہ جبکہ سمندری راستے سب بند ہیں یا بہت سے کپڑا نہیں آ سکتا ہے انگلینڈ کی ملیں یا تو بند ہیں یا سامان جنگ کی تیاری میں مشغول ہیں ہندوستانی ملیں پارچہ بافی کے لئے کافی نہیں ہیں تو اس اندازہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے تھا مگر سنگدلی اور غلط کاری اور ستم [illegible] کو کیا کیا جائے۔

کپڑے اور سوت کی ملوں پر کام کا بوجھ زیادہ تر ڈالا گیا اور جنگی ضروریات سے فاضل کپڑا[1] بازار اور منڈی میں نکالا گیا ناکافی ہونے کی وجہ سے اس میں کشمکش ہوئی گورنمنٹ نے تمام ملوں اور ان کی پیداوار کو اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ اور پھر ہی شکل کے مطابق [illegible] میسر تھی اور انہوں کو دے [illegible] روس کو چین کو مصر کو ایران وغیرہ کو بڑی بڑی مقداریں بھیجنا شروع کر دیا۔ فوجوں کے لئے علیحدہ کوٹہ مقرر کر دیا صوبوں پر تقسیم میں غلطیاں کی گئیں حسب تقسیم مقررہ مال بھیجنے اور عام ہندوستانیوں تک پہنچنے میں سخت بدنظمیاں ہوئیں نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے عام پبلک تک پہنچنے کے بلیک مارکیٹ میں اور بجائے غریب طبقے تک پہنچنے کے امراء اور حکام، نوابوں اور سیٹھوں کے بنگلوں میں اور بجائے سول آبادی کے فوجی افسروں کے یہاں پہنچ گیا۔ آئے دن اخباروں میں واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں کہ فلاں جگہ فلاں عورت نے خودکشی کر لی کیونکہ ستر ڈھانپنے کے لئے اس کے خاوند کو باوجود جد و جہد کپڑا نہ مل سکا قریبی زمانہ میں اخباروں میں شائع ہوا ہے کہ

---

[1] ۲۰ فروری ۱۹۴۴ء کو حکومت ہند نے سنٹرل اسمبلی میں اقبال کیا کہ ۱۹۴۲ء و ۱۹۴۳ء میں جبکہ ہندوستان میں کپڑے کا سخت قحط تھا اس وقت گورنمنٹ ہند نے بذریعہ ہوائی جہاز پندرہ ہزار گانٹھ روئی چین کو بھیجی۔ (تیج مورخہ ۲ مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ ج ۲۵)

بنگال کے کسی مقام پر بھوکے ننگے بچوں اور مردوں کا جلوس نکالا گیا روزنامہ
کفن کے لئے کپڑا نہیں مل سکتا۔ (انجام ...)

ٹیکسٹائل کنٹرول بورڈ کے چیرمین ایم۔ ڈی تھیکر کا بیان ملاحظہ ہو
۱۹۴۳ء میں ہندوستانی ملوں کا تیار کردہ سوت ایک ارب چھتیس کروڑ
چالیس لاکھ ۱۳۶۴۰۰۰۰۰۰ پونڈ تھا۔ ۱۹۴۴ء میں ایک ارب باسٹھ
کروڑ تیس لاکھ پونڈ ہو گیا۔ اس سوت سے ہر سال چھ ارب ستر کروڑ
گز کپڑا تیار کیا جاتا ہے۔ ان میں سے چار ارب اسی کروڑ گز تو
ملوں میں تیار کیا جاتا ہے اور باقی ایک ارب نوے کروڑ گز پاور
لومس اور کرگھوں پر تیار ہوتا ہے۔ اگر یہ سارا کپڑا ملک کی شہری آبادی پر
تقسیم کر دیا جائے تو فی کس ۱۷٫۲۵ گز کپڑا تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جنگ
شروع ہونے سے پہلے تقریباً اسی مقدار میں ہندوستان کے بازاروں میں
کپڑا رہتا تھا مگر بد قسمتی سے اس پیداوار کا بہت بڑا حصہ شہریوں کے ہاتھوں تک
نہیں پہنچتا۔ کیونکہ پیداوار میں سے پچہتر کروڑ گز اور بعض اوقات میں ایک
ارب گز فوجی افواج کے لئے فراہم کیا گیا۔ اور یہ زیادہ سے زیادہ ساٹھ
کروڑ گز کی مقدار ملک کے باہر بھیج دی جاتی ہے ہم نے کنٹرول بورڈ کے چیرمین
اور ٹیکسٹائل بورڈ کے چیرمین نے "حکومت ہند کو بارہا توجہ دلائی کہ جو کپڑا
باہر بھیجا جا رہا ہے اس کی مقدار کم کی جائے مگر شنوائی نہیں۔ اور نہیں معلوم
ہوتی۔ یونائیٹڈ کنگڈم کمرشل کارپوریشن کو نفع کس طرح پہنچایا جا سکتا
ہے۔ حلفاء جنگ کی خبر گیری کس طرح کی جا سکتی ہے۔ بلا سے ہندوستانی

ننگے رہیں۔ (اجمل ۲۹ مارچ ۴۴ء)

اخبار ہندوستان اسٹینڈرڈ نے مندرجہ ذیل سرخی کے ماتحت ایک خط کی نقل چھاپی ہے "جب کپڑے کا قحط پڑ رہا تھا حکومت ہند نے کلکتہ سے تین میں کپڑا بھیجکر کلکتہ کو کپڑے سے محروم کر دیا (انجمن بمبئی ۱۳ اپریل)

ٹائمز آف انڈیا کی رائے ہے کہ بنگال میں سر ناظم الدین کی وزارت کی شکست کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں کپڑے کا قحط پڑ گیا ہے۔ ادھر تو سول سپلائز کے وزیر مسٹر سہروردی نے اس الزام کی تردید کی کہ بنگال کو جو کپڑا بھیجا جاتا ہے وہ بلیک مارکیٹ میں چلا جاتا ہے ادھر دوسرے ہی دن پولیس نے کپڑے کی گیارہ ہزار ایسی گانٹھوں کا پتہ چلایا جو ذخیرہ بازوں نے چھپا رکھی تھیں۔

ٹائمز آف انڈیا اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ سر ناظم الدین کی وزارت صوبہ کی اقتصادی حالات کا ٹھیک انتظام کرنے سے قاصر رہی۔ (اجمل ۱۴ اپریل)

الحاصل ان غلط اور غیر ہمدردانہ کارروائیوں کی بنا پر کپڑوں کا ملنا سخت دشوار کر دیا گیا۔ اور نہ جانے کتنی جانیں برہنگی کی وجہ سے تلف ہو گئیں یا سردیوں کی زمانہ میں بیماریوں وغیرہ میں مبتلا ہو گئیں۔

(۲۲) ہندوستان پر جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی ڈیفنس کا اسقدر عظیم الشان بوجھ سالانہ پڑتا تھا کہ اس کی آمدنی کا بہت بڑا حصہ جو تقریباً ستر کروڑ روپیہ ہوتا ہے اسی میں خرچ ہو جاتا تھا۔ اور یہ تمام دنیا کے ممالک سے زیادہ تھا۔ سر جان سائمن ڈیفنس کے اس قدر بار کو ہی ہندوستان کی بدحالی اور افلاس کا سبب قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ

ہندوستان کی مشکلات کی جڑ بالیقین فوج ہے۔ مرکزی حکومت ہند کے موجودہ اخراجات کا ۶۲ ½ فیصدی ڈیفنس پر صرف ہو جاتا ہے۔ جو دنیا بھر سے زائد صرف ہے تمام مملکت برطانیہ کی نسبت دس سے تین گنا تک ہندوستان ڈیفنس پر زیادہ صرف کرتا ہے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ۱۹۱۳ء اور ۱۹۳۰ء میں برطانیہ عظمیٰ کے مصارف حرب ۴۹ فیصدی بڑھے نوآبادیات کے ۳۳ فیصد۔ مگر ہندوستان کے اعداد اس میں دوگنے ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے انگریزی افواج کے اخراجات ہندوستان میں ہیبتناک ہیں۔ ایک انگریز سپاہی کا صرفہ ہندوستانی سپاہی سے چوگنا پانچ گنا زیادہ ہوتا ہے توپ خانے اور ہوائی فوج میں ہندوستانی کو کمیشن ملنا ممنوع ہے (ہندوستان ٹائمز اقتباس از سائمن رپورٹ ۱۹۳۰ء ستمبر)

بیسے غریب اور ناتواں مفلس ملک پر یہی بوجھ کس قدر ثقیل اور مہلک تھا مگر اس کے سنگدل آقاؤں نے جنگ میں دھکیل کر اس سے کئی گنا زائد بوجھ اور اس پر رکھ دیا۔ (ممبر مالیات سر جیرمی ریسمن فرماتے ہیں)

۱۹۴۳-۴۴ء میں ہندوستان کے دفاعی اخراجات سات ارب چھہتر کروڑ روپے تھے ان میں سے تین ارب اٹھتر کروڑ روپیہ برطانوی حکومت نے ادا کیا۔ ۱۹۴۴-۴۵ء میں جنگی اخراجات آٹھ ارب چھیانوے کروڑ روپے تھے جن میں سے ملک معظم کی حکومت نے چار ارب انتالیس کروڑ روپے ادا کئے۔ ۱۹۴۵-۴۶ء کے بجٹ میں نو ارب ایک کروڑ روپے ہیں۔ ان میں سے برطانوی حکومت چار ارب نواسی کروڑ روپیہ ادا کرے گی۔ جنگ کے چھ سال کے اخراجات میں ہندوستان نے جو رقم دی ہے وہ کل اخراجات کے نصف سے کم ہے۔ (آجکل ۲۷ مارچ)

لندن ۸ر جون مسٹر ایمری نے دارالعوام میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ ہندوستان نے جنگ میں کیا مالی مدد کی ہے۔ فرمایا

۱۹۴۰ء کے انتظامات کے مطابق ہندوستان جنگ سے قبل کی فوجوں کا بار اٹھا رہا ہے۔ اس کے بعد بیرونی دفاعی فوجوں کے اخراجات ان کے سمندر پار کے اخراجات مزید کے لئے دس لاکھ سالانہ دے رہا ہے ہندوستان نے مقامی دفاعی امور کا خرچ بھی اٹھایا ہے۔ اس میں وسیع پیمانوں پر فوجیں بھرتی کرنا ، ان کو مسلح کرنا۔ ہندوستان میں موجود برطانوی سپاہیوں کی تنخواہ دینا ، ہوائی بیڑوں کے لئے اڈے۔ بحری بیڑے کے لئے بحری مراکز اور فوجوں کے لئے ضروری مراکز کی تعمیر کا خرچ ادا کرنا بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ کو جنگی مقاصد کے لئے خام اشیاء ، نائٹ اور دوسرا سامان بھی دیا ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا انتظام کے مطابق ۳۱ مارچ تک ہندوستان نے مذکورہ بالا امور پر ساٹھ کروڑ پونڈ (تقریباً ساڑھے آٹھ ارب روپیہ) خرچ کیا ہے۔ اور اب سالانہ سوا دو سو ملین پونڈ (تین ارب پندرہ لاکھ روپیہ) خرچ کر رہا ہے۔ جنگ سے قبل ہندوستان پچھتر کروڑ روپیہ سالانہ دفاعی امور پر خرچ کرتا رہا۔ انڈی پنڈنٹ لیبر پارٹی کے رکن مسٹر سٹفن نے پوچھا کہ کیا ان اخراجات کے متعلق مسٹر گاندھی

سلہ یعنی ۹۳،۳۲،۷۲۲ روپیہ ۳ پائی روزانہ تین لاکھ اٹھاسی ہزار نو سو سینتالیس روپیہ فی گھنٹہ ۳۸۸۹۴۷ اور چھ ہزار چار سو بیاسی ۶۴۸۲ روپیہ سات آنہ فی منٹ۔ محمد میاں

اور اُن کے ساتھیوں سے استصواب رائے کیا گیا ہے۔ مسٹر امیری نے جواب میں فرمایا کہ انکو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مرکزی اسمبلی میں بجٹ پر مباحثہ کے دوران میں اس سوال کو اٹھائیں۔

انجمن ممبئی ۱۰ ر جون ۱۹۴۳ء

کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ مسٹر امیری اس سے ناواقف ہیں کہ مسٹر گاندھی اور ان کے ساتھی بجٹ کے مباحثہ میں سوال اٹھا کر بجٹ کو اکثریت کے ووٹ سے مسترد کر دیتے ہیں۔ مگر نہ حکومت فیل ہوتی ہے نہ بجٹ مسترد ہوتا ہے بلکہ وائسرائے اپنے ویٹو کو عمل میں لا کر بجٹ جاری کر دیتا ہے۔

(انجمن ۲۷ مارچ)

خلاصہ یہ کہ وہ ہندوستان جس کو بڑے بڑے مدبرین اور مؤرخین انگریز اور غیر انگریز انتہائی مفلس نہتائی قلاش فاقہ مست افلاس اور فاقوں کا گھر بتا دے سکتے ہیں اس پر ایک بارگی۔ چار ارب سے زیادہ روپیہ سالانہ کا بوجھ جبراً وقہراً رکھ دیا گیا۔ اور بولنے تک کی اجازت نہیں دی گئی جب زیادہ عرض معروض کی نوبت آئی تو یہ کہکر جھڑک دیا گیا کہ انگلستان اور امریکہ پر اس سے زیادہ بوجھ رکھا گیا ہے کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ چیونٹی جیسی ضعیف ہستی پر ہاتھی کا بوجھ لادا جاتا ہے۔ وہ ہندوستان جس کی آمدنی فی نفر یومیہ ایک مس ہے (پر ایسوسی برٹش انڈیا) یا بعد کے لوگوں کے تخمینوں کے مطابق چند آنے ہیں اس ملک کے برابر کس طرح بوجھ اٹھا سکتا ہے جس کی آمدنی کا اوسط حسب ذیل ہے۔

انگلینڈ فی کس یومیہ ۲ روپے ۱۲ آنے　　امریکہ فی کس یومیہ للعہ۵

وہ ہندوستان جس میں ۷ کروڑ باشندے مسلسل فاقہ کرنے والے ہیں اور پچیس کروڑ ایسے ادنیٰ نصیب ہیں جن کو تمام عمر میں کبھی پیٹ بھر کر چاول بھی نصیب نہیں ہوتے (مسٹر [illegible] برسل ڈیلی ہیرلڈ لندن ۱۹۲۸ء) اس پر چار ارب سالانہ سے زائد کا بوجھ علاوہ ان ٹیکسوں کے بوجھ کے جو ہمیشہ سے اس پر لدا ہوا ہے اور جس میں برابر اضافہ ہوتا رہا تھا۔ کہہ دینا کس قدر ظلم اور برباد کرنے والا امر ہے۔

۱۸۸۱ء میں ان ٹیکسوں کا فی کس اوسط ۱؍۳ ۹ پائی تھا۔

۱۸۹۸ء میں .... ۱؍ ۱۱ پائی ہوا

۱۸۹۰ء میں .... ۱؍ ۱۱ " "

۱۹۰۱ء میں .... ۱؍ ۲ " "

۱۹۱۱-۱۲ء میں ٹیکس کا اوسط ۱؍ ۸ پائی ہوا

۱۹۱۴-۱۵ء میں .... ۱؍ ۷ پائی ہو گیا

۱۹۱۸-۱۹ء میں .... ۱۱؍ ۸ " "

۱۹۱۹-۲۰ء میں .... ۲ " "

۱۹۲۰-۲۱ء میں .... ۲؍۱۴ " "

۱۹۲۱ء کے بعد اور بھی ٹیکس لگائے جا چکے ہیں مجموعی طور پر یہ اندازہ غلط نہیں ہو سکتا کہ موجودہ مقدار ٹیکسوں کی سات روپیہ فی کس ہو گی۔

(وکیل امرتسر جلد ۲۹ نمبر ۲۳، ۲۴ ۲ نومبر ۱۹۲۳ء)

۱۹۲۲ء تک ٹیکس اور بھی بڑھائے گئے اور آمدنی ایک ارب اکتالیس کروڑ سے کچھ زائد کر دی گئی ۱۹۲۵-۲۶ء کا جملہ خرچ ایک ارب اکتالیس کروڑ چھہتر لاکھ اٹھاسی ہزار

سات سو پچاس روپیہ ۷۸۸۹۹۵۰۰ ۱۹۴۴ء ، سالہ مالیات عامہ

اور پھر ان ٹیکسوں کا گراں بار ایک سال کے لیے نہیں دو سال کیلئے نہیں مسلسل
چھ سال تک پہنچ چکے ہیں جاری ہے اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گا۔ لڑائی یہ شہنشاہیت
اور اپنی خود غرضیوں کے لیے کیجاتی، ہندوستان کو زائد نشہ جیا ، ہمیں جنگ دیکھے
نہ سان فرانسسکو میں نہ اور کسی دستور میں نہ انکی آزادی سے کوئی حصہ تجویز کیا
جاسکے بلکہ وزیر اعظم صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ برطانیہ کا دیوالہ نکالنے اور
ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے وزیر اعظم نہیں بنا ہوں اور پھر ہندوستانیوں کا سقدر
خون پیا جائے۔ اس بوجھل ٹیکس کی وجہ سے اس قدر عظیم الشان بربادی غریب
ہندوستانیوں کی ہو رہی ہے کہ "الاماں الحفیظ" ہندوستان اپنے سابق ہی ٹیکسوں
کی بنا پر موت اور زیست کی کشمکش پر جان توڑ رہا تھا۔ ان سے آمدنی
ڈیڑھ ارب روپیہ کے قریب ہوتی تھی۔ اب اس پر چار ارب سے زیادہ روپیہ خرچہ جنگ
بڑھا کر نئے اور بھاری بھاری ٹیکس لگا دیئے گئے۔ ظاہر ہے کہ ان ٹیکسوں سے
کس قدر ہلاکت اور بربادی ہوگی۔ ہندوستانیوں کے لیے خرچہ تعلیم کا اوسط فی کس
۸ سالانہ ہوتا ہے اور خرچہ ڈیفنس فی کس دس روپیہ سالانہ پڑ رہا ہے ببیں تفاوت
رہ از کجاست تا بکجا۔ اور شوماں ٹیکسوں کا بوجھ غرباء ہی پر پڑ رہا ہے۔ امراء و بڑی
بڑی تنخواہ والوں پر بہت کچھ کم بوجھ پڑا ہے۔ وہ نفع اندوزی اور آرام و راحت
میں مشغول ہیں اور بیچارہ غریب سخت نزع کی حالت میں۔ کیا اس سے بڑھکر استبداد
اور درندگی کا کوئی مظاہرہ ہوسکتا ہے ؟۔

(۲۳) ہندوستانیوں سے قرضہ جنگ کے نام پر زر نقد وصول کرنے کی اسکیم

جاری کیا گیا اور بعد از جنگ اس کی ادائیگی مع سود کا وعدہ کیا گیا اور اس کے وصول کرنے کے لئے ہر ممکن سختی اور جبر سے کام لیا گیا بقول ممبر مالیات سر جریمی ریسمین اس کی مقدار مارچ ۱۹۴۵ء تک آٹھ ارب تینتیس کروڑ روپیہ تک جا پہنچی ہے۔

(۴۲) امداد جنگ کے نام سے چندہ جاری کیا گیا اور نہ صرف بڑے شہروں میں بلکہ دیہات اور قصبات میں بھی زور شور سے برابر اس کا سلسلہ جاری رہا ہے جگہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مختلف اثر اور جبر یہ طریقوں سے وصول کیا جا رہا ہے۔

اگرچہ زبان اور قلم سے کہا جاتا ہے کہ ہم دینے والوں کی رضا اور خوشنودی سے وصول کرتے ہیں۔ بڑے حکام بھی اپنے ماتحتوں کے سامنے لوگوں میں بار بار یہی بات دہراتے ہیں، مگر معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اگر کسی غریب نے انکار یا اپنی عدم استطاعت کا اظہار کیا تو اسکو پٹواری، قانون گو، تحصیلدار، تھانیدار، پولیس کے ذمہ دار دیگر حکام زمیندار نمبردار وغیرہ اسقدر ستاتے اور دھمکاتے ہیں کہ اس کی زندگی وبال جان ہو جاتی ہے۔ اس کی کاشت اس کے مویشی اس کا مال اس کا گھر بار سب خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ بیچارہ دیہاتی کاشتکار مرعوب ہو کر اور غریب متوسط طبقہ قصباتی اور شہری مجبور ہو کر قرض دام کسی طرح کر کے زیادہ سے زیادہ پیش کرتا ہے تب اس کو نجات ملتی ہے۔ اسی بنا پر کانپور میں ۹ جنوری ۱۹۴۵ء کو صوبہ جاتی کانگریس کمیٹی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں رزولیوشن پاس کر کے حکومت صوبہ سے مطالبہ ذیل کیا۔

گورنر صوبہ جات متحدہ کے اس اعلان کے باوجود "چندہ ہائے جنگ رضاکارانہ طور پر دیئے جائیں" سرکاری افسران جنگ کیلئے

قرضہ اور چندہ حاصل کرنے میں جبر و تشدد عمل میں لاتے رہتے ہیں۔
اس لیے گورنمنٹ سے صوبہ کانگریس کمیٹی کی یہ میٹنگ مطالبہ کرتی
ہے کہ گورنمنٹ سرکاری طور پر اس کی تحقیقات کرے اور اپنی پالیسی
کی وضاحت کرتے ہوئے افسران کو ہدایت کرے کہ وہ بجبر کچھ وصول
نہ کریں۔ حکام متعلقہ کو اگر اس قسم کی ہدایتیں بھی ہیں تب بھی:
سرخروئی اور حکام بالا سے شاباشی اور خوشنودی حاصل کرنے کی
غرض سے بہت زیادہ تشدد اور ناجائز کارروائیوں کو عمل میں
لاتے رہتے ہیں اور بہت سی جگہوں میں تو اسی بہانہ سے تشدد کر کے
رشوتیں لی گئیں اور لی جا رہی ہیں بلکہ اس کی اور کنٹرول وغیرہ کی وجہ
سے اس زمانہ میں جس قدر رشوتوں کا بازار گرم ہے کبھی کسی زمانہ میں
نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا، بلیک مارکیٹ اور نفع اندوزی کا کاروبار چندوں
کی سرگرمیاں رشوتوں ہی پر موقوف ہیں، پھر یہ بازار کیوں نہ گرم ہو؟

بہ نیم بیضہ چوں سلطان ستم روا دارد
زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

بیچارے غریب اور مفلس کا جنازہ نکل رہا ہے اس کے بچے اور بیوی بلک
بلک کر رو رہے ہیں اور یہ حکام اور ارباب دولت و سرمایہ مست اڑا رہے ہیں۔
سنگدل آقاؤں کو خون چوسنے کی فکر ہے۔ بہت زیادہ خیانتیں ہوئیں اور
چوریاں ہوئیں اگر سو وصول کیا گیا تو چالیس پچاس خود رکھا اور باقی گورنمنٹ کو پہنچایا
شور و شغب پر جب سے کہ تحقیقاتی محکمہ قائم کیا گیا ہے۔ بہت خیانتیں ظاہر ہو رہی ہیں
بیچارے غریب کسان کے لیے ان امور سے زندگی دوبھر ہو گئی اور بال بچوں کو پالنا

بحث مشکل ہو گیا۔

(۲۵) باوجودیکہ ہندوستانیوں نے تمام میدانوں میں انتہائی جرأت اور بہادری سے
کام کیا ہے اور بسا اوقات اس قدر جوانمردی سے لڑے ہیں کہ یورپین اور امریکن کینیڈین
آسٹریلین نیوزی لینڈ وغیرہ کے سپاہی اس کا آدھا تہائی بھی نہیں لڑ سکے مگر ہندوستانی
فوجی اب بھی بالائی عہدوں سے محروم ہیں۔ بڑی بڑی تنخواہیں اور سمندری الاؤنس
صرف یورپینوں کے لئے مخصوص ہیں ان کے سپاہیوں اور افسروں کو خواہ کتنے ہی
بڑے کیوں نہ ہوں اب بھی یورپین چھوٹے اور بڑے افسروں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے
وہ اب بھی وائسرائے ہند کے غلام کہے جاتے ہیں اور یورپین سپاہی اور آفیسر شہنشاہی
سپاہی شمار ہوتے ہوئے نسلی اور قومی افتخار اور تمیز کے نشہ میں سرشار پائے جاتے
ہیں ایسے الزامات واقعیہ کے رفع کرنے اور شرم اتارنے کے لئے فوجی وزیر
اسمبلی میں بار بار ہندوستانیوں کی اعلیٰ عہدوں کی اور ہوائی اور بحری کمانوں کی
ناقابلیت کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حال میں بھی مرکزی اسمبلی میں یہی کہا گیا
تعجب ہے کہ یہی ہندوستانی انگریزی اقتدار سے پہلے ہندوستان میں تمام بالائی
اور تحتانی فوجی خدمتیں نہایت قابلیت اور ہوشیاری سے انجام دیتے رہتے تھے
جس کی شہادتیں نہ صرف ہندوستانی مؤرخین کی تصانیف دیتی ہیں بلکہ یورپین مؤرخین
بھی منہ بھر بھر کر شہادتیں دیتے اور مصروف ثنا وصفت نظر آتے ہیں مگر انگریزی اقتدار
کے ہوتے ہی یہ قابلیت ان سے بالکل فنا ہو جاتی ہے۔ یہی ہندوستانی اگر امریکہ میں
سکونت پذیر ہو کر یا کسی اور دوسرے ملک چین، جاپان وغیرہ میں فوجی خدمت
پر یا ہوائی صیغہ یا بحری صیغہ میں داخل ہو جاتا ہے تو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں تک فائز ہو جاتا

ہے اور ہر قسم کی قابلیت اور حسن کارکردگی اس میں پیدا ہو جاتی ہے مگر افسوس رحمدل اور مہربان آقاؤں کے یہاں آکر سب کی سب مسلوب ہو جاتی ہے۔ یا للعجب! یہ ان اتحادیوں اور بالخصوص مسٹر چرچل نے بار بار اعلان کیا ہے کہ یہ جنگ محض انسانیت اور اس کی آزادی کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ حال میں بھی۔ رائن کو پار کرنے والے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے مسٹر چرچل نے فرمایا: "تم انسانیت کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہو۔" اب غور کرنے کی ضرورت ہے کہ تیئیس لاکھ ہندوستانی سپاہی جو کہ چھ برس سے ہر محاذ اور ہر میدان میں نہایت بہادری سے اپنا خون بہا رہے ہیں۔ اور یہ ملک ہندوستان جس نے اپنی ہر عزیز متاع کو لڑائی میں جھونک دیا ہے کس کی آزادی کے لئے لڑ رہا ہے اور کونسی قطعی آزادی اسکو حاصل ہوئی ہے یا حاصل ہونے والی ہے۔ کیا یہ وہی آزادی ہے جسکو وزیر ہند کریس تجاویز کے نام سے بار بار گا رہے ہیں یا یہ وہی ڈومینین اسٹیٹس ہے جس کے حاصل ہو جانیکی سر فیروز خاں نون کے ذریعہ سے شہادت دلائی گئی ہے۔ اور جس کے لئے نون صاحب اور سوامی مدلیار کو سان فرانسسکو بھیجا جا رہا ہے اور جس کے متعلق مسٹر چرچل نے ہاؤس آف کامنس میں اعلان کیا ہے کہ:۔

> سان فرانسسکو کانفرنس میں نوآبادیات اور برطانیہ کے محکوم ممالک کا کوئی سوال زیر بحث نہیں آئے گا۔

کیا یہ وہی آزادی ہے جس کے متعلق وزیر نوآبادیات برطانیہ نے امریکہ کو متنبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

> اگر محکوم ممالک اور نوآبادیات کو آزادی دیدی گئی تو اس طرح جائیں

نئے ممالک ظہور میں آجائیں گے۔ اور اس سے عالمگیر تجارت میں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔"

کیا یہ وہی آزادی ہے جس کے متعلق مسٹر چرچل بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ "میں برطانیہ کو دیوالیہ بنانے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے منصب وزارت پر نہیں آیا ہوں۔"

کیا یہ وہی آزادی ہے جس کے لئے مسٹر چرچل نے فرمایا تھا کہ۔ اٹلانٹک چارٹر مشرقی ممالک اور ایشیا اور افریقہ کی قوموں پر عائد نہیں ہوتا ہے۔ کیا یہ وہی آزادی اور سرنون کی ڈومینین اسٹیٹس ہے جس کے ماتحت ہندوستانیوں کو بھوک میں روٹی اور ننگے پن میں کپڑا اور مرنے کے بعد کفن نصیب نہیں ہوتا اور جس کے ماتحت تمام دنیا کی پانچویں حصہ آبادی والا ملک انتہائی فلاکت اور مفلسی کا شکار ہو کر سسکتا ہوا جان دے رہا ہے۔

کیا یہ وہی آزادی یا ڈومینین اسٹیٹس ہے جس کے متعلق مسٹر فلپس امریکی فرماتے ہیں کہ:۔

موجودہ جنگ نے ہندوستان کو جتنا نقصان پہونچایا ہے شاید ہی دنیا کے اور ممالک کو پہنچا ہو۔" فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

اسی وجہ سے کہ ہندوستان کو جنگ میں دھکیلا گیا ہر صوبہ اور صوبوں کے ہر ہر ضلع اور ضلعوں کے ہر ہر مناسب مقامات پر ہوائی اڈے بنائے گئے، چھاؤنیاں قائم کی گئیں فوجی ضروریات کے لئے مراکز قائم کئے گئے سڑکیں نکالی گئیں جن کی وجہ سے ہزاروں دیہات اور لاکھوں مکانات اور لاکھوں کھیت اور

باغات اجاڑے گئے اور برباد ہو گئے زمینوں پر قبضہ کیا گیا بہت سی جگہوں پر معاوضہ تک نہیں دیا گیا اور جہاں دیا گیا وہ نہایت قلیل اور غیر کافی تھا بہت سی جگہوں میں مابعد جنگ پر تحویل کی گئی لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمی بے گھر اور بے خانماں کر دیئے گئے۔ بنگال و آسام میں بہت سے دیہات میں زرہ پوش ٹینکیں دیہات کو خالی کرنے کے لئے غرباء کے مکانات پر چلا دی گئیں۔ مذکورہ بالا مصائب مہلکہ کی بناء پر غریبوں کو جن تکالیف کا تحمل کرنا پڑا وہ بیان سے باہر ہیں شہروں میں نہ صرف قومی اور تعلیمی اداروں پر قبضہ کیا گیا بلکہ بہت سے رہائشی مکانات بھی خالی کرائے گئے بمبئی میں ایک سو پچاس رہائشی مکانات پر فوج کے قبضہ کر لینے کا اقرار خود وزیر جنگ نے اسمبلی میں کیا ہے۔ (اجمل ۲۰ مارچ) اس طرح کے تمام بڑے شہروں میں واقعات کم و بیش پیش آئے ہیں۔ اگرچہ بعض مقامات پر معاوضہ بھی دیا گیا اور بعض بعض مقامات پر دباؤ میں اگر خود لوگوں نے اپنے رہائشی مکانات خالی کر دیئے۔ آسام اور بنگال میں ایسے واقعات بکثرت پیش آئے ہیں۔ اور جہاں معاوضہ بھی دیا گیا ہے عموماً مناسب مقدار پر نہیں دیا گیا اگرچہ بعض مقامات پر زیادہ بھی کسی وجہ سے دیا گیا ہو۔ بہر حال پبلک کو پریشانیاں انتہائی درجہ پر پیش آئیں اور آ رہی ہیں

ہندوستانیوں کی کشتیاں موٹریں۔ سواری گاڑیاں، بیل گاڑیاں، کشتیاں ضروریات جنگ کے لئے رنگروٹ فوجیوں کے سکھانے کے لئے جابرانہ طریقہ پر لی گئیں ناواقف رنگروٹوں نے بہت سے گاڑیوں اور موٹروں کو برباد کر دیا معاوضہ اگر دیا گیا تو نہایت کم جو کسی طرح ان گاڑیوں اور موٹروں کی قیمت کے لئے کافی ہو

سکتا تھا۔ لاری والے جن کی معاشی زندگی اور ان کے بال بچوں کی پرورش ہی
پر تھی بے دست و پا اور مجبور محض ہو گئے۔ نئی لاریوں کی قیمتیں اس قدر زیادہ ہو گئی
تھیں کہ ان کا از سر نو خریدنا ان کی طاقت سے باہر تھا اور خریدتے بھی تو ہر وقت
یہ خطرہ سوار تھا کہ ان کو بھی ضبط کر لیا جائے گا۔ ان کے بال بچے بھوکوں مرنے لگے۔
پٹرول بند کر دیا گیا۔ یا اس قدر قلیل مقدار میں دیا گیا کہ وہ کاروبار جاری رکھنے کے
لئے کافی نہ تھا۔ قیمت کئی گنا بڑھ گئی۔ پابندیاں اور قیود اور ٹیکسز اس قدر بڑھا
دیئے گئے کہ ان کے ہوتے ہوئے نفع حاصل کرنا سخت دشوار ہو گیا۔ صوبہ بنگال
اور آسام میں اس خطرہ کے ماتحت کہ جاپان آ جائے گا۔ اس کے پیراشوٹ اتر آئے یا
گئے۔ وہ آسام کی سرحدوں پر پہنچ گیا ہے۔ بہت سے ذرائع نقل و حرکت پر قبضہ کر
لیا گیا چونکہ صوبہ آسام و بنگال میں دریا بہت ہیں اس لئے ذرائع نقل و حمل کشتیاں
زیادہ تر ہوتی ضرور ہیں ان کو اپنے قبضہ میں لایا گیا اور ان کو ڈبو دیا گیا یا اور کسی طرح
تلف کر دیا گیا۔ جس کی بنا پر وہ غریب آبادی جس کی گذران مچھلی کے شکار یا کشتیوں
میں اموال کی نقل وغیرہ پر تھی بالکل مجبور ہو گئی۔ اور بھوکوں مرنے لگی۔ ہم کو بنگال
میں معلوم ہوا کہ اس قسم کے غریب لوگ عموماً قحط کے شکار ہوئے اور مر گئے۔

نئے رنگروٹوں اور دوسرے فوجیوں کو جو لاریاں بطور ٹریننگ دی گئی تھیں یا نقل
سامان وغیرہ کے لئے استعمال میں لائی جاتی تھیں وہ بے تحاشا تیزی کے ساتھ سڑکوں
پر چلاتے تھے اور پبلک کے تحفظ کا خیال بہت کم کرتے تھے۔ بالخصوص افریقہ کی
سیاہ فام فوجیں یا دوسرے غیر ممالک کے سپاہی! اس کے نتیجہ میں بہت سے آدمیوں
کی جانیں لاریوں سے ٹکرا کر یا نیچے دب کر ضائع ہوئیں مگر حکام نے کوئی پرواہ نہ کی۔

باہر سے آنے والی فوجوں اور سپاہیوں کی ہندوستانی عورتوں پر دست درازی اور عصمت دری بد اخلاقی اور بدمستیوں کی شکایتیں بکثرت واقع ہوئیں جن میں سے کبھی کبھی بعض شکایتیں اخباروں میں بھی آئیں جو کہ فیصدی دو چار بھی نہیں کہی جاسکتیں مواقع پر جانے اور تفتیش سے ایسے بہت سے واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی بنا پر ہندوستانی غرباء اور امراء کو اپنی عزت تو درکنار زندگی کا سنبھالنا مشکل ہوگیا اسمبلی میں اس قسم کے سوالات اٹھائے بھی گئے تو مہمل طور سے ان کو ٹال دیا گیا۔

صوبہ سرحد میں آزاد قبائل کی سول آبادی پر ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے بمباری کی گئی بلکہ بعض قبائلی علاقوں پر پانچ مہینہ تک برابر جاری رہی حالانکہ مجلس اقوام اور اس کے شرکا نے جس میں خود برطانیہ بھی تھی اس کو وحشیانہ اور سخت قابل نفرت اور ناجائز فعل قرار دیا تھا اس پر مرکزی اسمبلی میں جبکہ حال میں سوال اٹھایا گیا تو وزیر جنگ کا جواب اس قدر تلخ اور نازیبا اور مستبدانہ تھا کہ بقول نواب زادہ لیاقت علیخان جنرل ڈائر کی یاد تازہ ہوگئی۔

ہمیشہ سے اور بالخصوص ابتداء جنگ سے امریکہ میں ہندوستان کے خلاف پروپیگنڈہ جاری ہے۔ اور امریکی رائے عامہ کو ہندوستانیوں کے مطالبہ آزادی اور اس کے استحقاق سے برگشتہ کرنے کا کام بڑے زوروں پر کیا جارہا ہے۔ اسی سلسلہ میں مدر انڈیا امریکی عورت سے لکھوا کر بکثرت شائع کرائی گئی۔ اور اسی سلسلہ میں لارڈ ہیلی فیکس سابق لارڈ ارون مدتوں تک امریکہ میں رونق افروز رہے اور نہایت غلط بیانی سے دن کو رات اور [illegible] بناتے رہے اسی سلسلہ میں مسٹر بجوے اور سر غیاث الدین وغیرہ کو حال میں امریکہ بھیجا گیا تھا جنکو ہندوستان کے خزانہ سے فی کس یومیہ ڈالر

دیا گیا (روزنامہ انصاری ۲۷ جون ۱۹۴۲ء) آنجہانی مسٹر ولبھ بھائی پٹیل کو دورہ ۲۶-۱۹۴۲ء اور دیگر آزاد خیال ہندوستانیوں مسٹر سید حسین وغیرہ کے حقیقت افروز اور سچائی سے بھرے بیانات پر پردہ ڈالنے کی انتہائی کوششیں جاری رہیں اور ہیں۔ بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ امریکہ اتحادیوں کے ساتھ ہو کر میدان جنگ میں اترا ہوا ہے۔ وہ امریکی سیاستدان اور فوجی افسر یہاں آ کر ہندوستان کے احوال سے واقف ہو گئے ہیں۔ مسٹر فلپس اور مسٹر وینڈل ولکی وغیرہ کے بیانات منصۂ ظہور پر آ چکے ہیں اور برطانیہ کو اپنی استعماریت اور استبدادیت کے لئے خطرے محسوس ہو رہے ہیں۔ فلاڈلفیا کانفرنس کے رکن مسٹر ہلمیر کرنے ایک پریس کانفرنس میں بتلایا کہ امریکہ میں ہندوستان کے خلاف عجیب پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے امریکہ میں ہر شخص ہندوستان کی اس جد و جہد کے متعلق معلوم کرنے کو بیتاب ہے جو وہ عزت حاصل کرنے کے لئے کر رہا ہے مشکل یہ ہے کہ امریکنوں کے اشتیاق کی تکمیل حکومت برطانیہ اور حکومت ہند کے پروپیگنڈے سے کیا جا رہا ہے ان حکومتوں نے تنخواہ دار ہندوستانیوں کو پروپیگنڈا کے لئے بھیجا ہے۔ اور ان کو ممتاز صحافی یا لیڈر کہہ کر مشہور کر رہی ہے۔ ان کے ذریعہ سے ہندوستان دشمن پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ امریکن عوام اس طرح دھوکے میں پڑتے ہیں مگر خواص ان لوگوں کو ہندوستانی کوئز لنگ (ہندوستانی غدار) کہتے ہیں۔ میرے خیال میں ہندوستانی عوام کو یہ معلوم کرنے کا پورا حق ہے کہ امریکہ میں ہندوستانی خزانوں کے روپیہ سے جو ہندوستان دشمن پروپیگنڈا ہو رہا ہے وہ کیا ہے۔ تقریباً تین سو آدمی امریکہ میں بھیجے گئے ہیں جو دعوتوں اور شراب کی محفلوں میں ہندوستان کے متعلق عجیب و غریب باتیں مشہور کرتے ہیں

اس پروپیگنڈے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ برطانی سفارت خانہ کی سرپرستی میں کیا جارہا ہے۔ پروپیگنڈا کے عجیب امور میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امریکیوں سے کہا جاتا ہے کہ اگر انگریز ہندوستان سے ہٹ گئے تو ہندوستان سے مسیحی مذہب کا خاتمہ ہوجائے گا۔ (اجمل بمبئی ۲۴ر جون ۱۹۴۴ء)

حقیقت کو چھپانے اور دروغ کو ابھارنے کیلئے حکومت انگلینڈ اور حکومت ہند لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپیہ خرچ کررہی ہے۔ اور ہزاروں ایجنٹ تنخواہ دار کام کررہے ہیں۔ سر فریڈرک پگل مسٹر جوسلین، حکومت ہند کے محکمہ انفارمیشن کے سکرٹری مسٹر جی، ایس بوزین، ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کے پبلک ریلیشنز۔ ڈائرکٹر بریگیڈر، آئی۔ ایس جو ہو وغیرہ وہاں جدوجہد عمل میں لارہے ہیں، برطانوی حکومت اس بے چینی کو دور کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ جو امریکہ میں ہندوستان کے متعلق پھیلی ہوئی ہے۔ (مقتبس از انصاری دہلی ۲۷ر جون ۱۹۴۴ء)

ملاحظہ ہو تازہ بیان از مسٹر چمن لال مشہور جرنلسٹ (صحافی) جو کہ اسی سال میں امریکہ سے واپس آئے ہیں اور ان کے اعزاز میں سندھ سکرٹریٹ کے ریسٹورنٹ میں سندھ جرنلسٹس ایسوسی ایشن کی طرف سے چائے پارٹی دی گئی تھی فرماتے ہیں:۔

امریکہ میں ہندوستان کے خلاف زوروشور کا پروپیگنڈا کیا جارہا ہے دس ہزار تنخواہ دار برطانوی ایجنٹ امریکہ میں اس لئے مقرر ہیں کہ وہ ہندوستانی تحریک آزادی کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائیں اور ہندوستان کے مطالبہ کے خلاف امریکن رائے عامہ کا رجحان پیدا کریں برطانیہ ان لوگوں پر چھ کروڑ روپیہ سالانہ خرچ کررہا ہے حکومت ہند اس مقصد

کے لئے چھبیس لاکھ روپیہ خرچ کر رہی ہے۔ سر گرجا شنکر باجپئی اس
تحریک کے خاص کارکنوں میں سے ہیں۔ پاکستان کی حمایت میں کتابیں
رسائل پمفلٹ برطانیہ میں چھاپ کر امریکہ روانہ کی جاتی ہیں۔
(اجمل ۱۵ر جنوری ۱۹۴۵ء)

روزنامہ ملاپ مورخہ ۱۶ر جنوری میں ان کی تقریر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ شائع ہوئی ہے جس میں برطانیہ کے مصارف کو بجائے ۶ کروڑ روپیہ ۳ کروڑ پونڈ ذکر کیا گیا ہے جو کہ زیادہ ترصحیح معلوم ہوتا ہے۔ نیز اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ :۔
امریکن گورنمنٹ نے ہندوستان کے متعلق جو براڈ ڈیپارٹمنٹ کھول رکھا ہے اس کی افسر اعلیٰ ایک انگریز لیڈی ہے۔ کئی امریکنوں کو سکالرشپ اور قیصر ہند میڈل دے کر برٹش گورنمنٹ نے اپنا حامی بنا رکھا ہے ....

اس کے علاوہ امریکہ میں ایک مسلم لیگ بھی کھولی گئی ہے مسٹر احمد اس کے انچارج ہیں برطانوی سفارت خانے کی طرف سے انھیں تنخواہ دی جاتی ہے۔ سنٹرل اسمبلی کو اس مطلب کا رزولیوشن منظور کرنا چاہیئے کہ حکومت ہند اپنے ایجنٹ سر باجپئی کو امریکہ سے فوراً واپس بلا لے کیونکہ ان کی سرگرمیاں بہ حیثیت ہندوستان آزادی میں ان کی تنخواہ پچیس ہزار ڈالر ہے۔ یعنی پریذیڈنٹ روزویلٹ کی تنخواہ سے بھی زیادہ ایک مرتبہ مسٹر ایمری وزیر کے کہنے پر مسٹر باجپئی کنیڈا گئے اور وہاں وزیر اعظم مسٹر میکنزی کنگ سے کہا کہ ہندوستان میں خوراک کی کمی نہیں اور وہاں خوراک بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ مسٹر باجپئی نے ایک نئی کوشش شروع کر رکھی ہے اور وہ امریکہ میں ہندو سبھا کھولنے کی تحریک چلا رہے ہیں۔ وہ ہندوستانی نوجوانوں کو امریکن

فوج میں بھرتی کرا رہے ہیں۔ لیکن اپنے تین بیٹوں کو بھرتی نہیں کرایا۔ آپ نے مزید کہا امریکن عوام اب کافی بیدار ہو چکے ہیں کہ ہندوستان کے خلاف برطانوی پروپیگنڈا غرضمندانہ ہے۔ اس لئے اب اس پروپیگنڈے کا پہلے جتنا اثر نہیں ہوتا۔ ہندوستانی قوم پرست بھی برطانوی پروپیگنڈے کا اثر زائل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے امریکہ کے قوم پرست ہندوستانیوں کے ایک سرکردہ لیڈر مسٹر سید حسین ۱۰ سال سے ہندوستان کے حق میں پرچار کر رہے ہیں وہ کم و بیش ۱۵ ہزار لیکچر دے چکے ہیں۔ انھوں نے اخبار وائس آف انڈیا بھی نکال رکھا ہے۔ (رپورٹر)

اس تازہ بیان سے معصوم برطانیہ کے صرف مشئوم ارادوں پر بلکہ اس کی مردم کش عملی کارروائیوں پر بھی نہایت تیز روشنی پڑتی ہے اور گورنمنٹ ہند کی بھی ہندوستانی ہمدردیوں کا پول کھلتا ہے۔ نیز مسلم لیگی حقائق پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آپ حضرات کو غور کرنا چاہیئے اور حقائق کو گہری نظر سے دیکھنا چاہیئے۔

اتحادیوں اور بالخصوص برطانیہ کیطرف سے ابتداء جنگ سے ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ کہ یہ جنگ جمہوریت اور آزادی کے لئے ہے۔ نازیت، ڈکٹیٹر شپ، فسطائیت مطلق العنانی، استبداد کو مٹانا اور بجائے اس کے جمہوریت ڈیموکریسیت کو زندہ رکھنا مقصد اصلی ہے۔ ضعیف اقوام کو آزاد کرنا اور آزاد رکھنا نصب العین ہے اس کے لئے نہایت زوردار آرٹیکل اور بیانات شائع ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ تمام دنیا کی آبادی کے پانچویں حصہ والے ملک اور قوم پر ایسے طریقہ پر حکومت کیجا رہی ہے جس کو جمہوریت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے مرکز میں مطلق العنانی اور صوبوں میں گورنری راج ہے سیاسی ترقی میں جمود مطلق

ہے جس سے ہندوستان کی تمام پارٹیاں سخت متنفر ہیں۔ اور جلد از جلد اسکو دور کرنا
چاہتی ہیں وائسرائے اپنی کانفرنسوں میں گورنروں کو بلا کر مشورے کرتے ہیں جن صوبوں میں
نام نہاد نمائندہ وزارتیں قائم بھی ہیں ان کے بھی گورنر ہی بلائے جاتے ہیں وزراء کو پوچھا
تک نہیں جاتا حالانکہ یہ امر ۱۹۳۵ء ایکٹ کے بالکل خلاف ہے، سیاسی جمود کے حل
کرنے کے لئے باوجود بار بار توجہ دلانے اور پروٹسٹ کرنے کے کوئی اقدام نہیں کیا
جاتا بلکہ آئیں بائیں شائیں کرکے ٹال دیا جاتا ہے، صوبہ بلوچستان کو اصلاحات سے ابتک
محروم کیا ہوا ہے۔ مرکز میں نامزد افراد کی کونسل بنا دی گئی ہے جس میں گیارہ ممبر
ہندوستانی ہیں اور ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ہندوستانیوں ہی کی
حکومت ہے۔ کیونکہ وائسرائے کی کونسل میں اکثریت اور مجارٹی ہندوستانیوں ہی کی ہے
حالانکہ ان میں سے ایک شخص کو بھی ملک کی تائید اور نمائندگی حاصل نہیں ہے۔ یہ سب کے
سب وائسرائے ہی کے ملازم اور نوکر ہیں وہ سراسر وائسرائے کے چشم و ابرو کے اشاروں پر
ناچنے والے ہیں۔ اہل ملک کے سامنے مسئول اور ذمہ دار ہونے کے قابل نہیں ہیں حکومت
برطانیہ ہندوستان کو محکوم مطلق اور غلام رکھنے پر تلی ہوئی ہے۔ ہندوستانیوں سے شہری
آزادیاں پامال کی جا چکی ہیں۔ قومی حکومت کا تصور اور خیال تک ہندوستانی اذہان
سے مفقود کیا جا رہا ہے۔ حکومت کی غلط کاریوں نے عوام پر زندگی دوبھر کر رکھی ہے
ملک کی خواہشات کا قطعاً کوئی احترام نہیں کیا جاتا۔ بار بار پیش ہونے والے مطالبات
آزادی کو ٹھکرا کر پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ محبان وطن کے ساتھ تشدد اور سخت گیری
کے وہ تمام طریقے عمل میں لائے گئے ہیں جن کا ادنیٰ تصور بھی دل میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے
اس لیئے ہندوستانی اس سے آزردہ ہیں۔ ہندوستانی عوام میں اس کو ذرا بھی مقبولیت

نہیں ہے ملک کے ہر طبقہ کے لوگ اس کی مخالفت پر متحد ہیں اس کے رویہ نے پورے ملک کو مخالف بنا رکھا ہے۔ اگر حکومت ہندوستانیوں کے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کرتی۔ ان کی دلجوئی کرتی ان کے آرام اور راحت کا بندوبست کرتی خود غرضیوں اور نسلی امتیازات کو چھوڑتی شہنشاہیت کے تکبر اور غرور کو چھوڑ کر ان کو محکومیت کی ذلیل اور مردہ کرنے والی فضا سے آزاد ہو کر آزادی کی فضا میں سانس لینے کا حق عنایت کرتی، ان کے منتخب کئے ہوئے محبوب نمایندوں کو مناصب وزارت پر فائز کرتی ان کے رہنماؤں کے خلاف منتقمانہ ذہنیت کا مظاہرہ نہ کرتی۔ ان کی حقیقی دوستانہ تعاون کی طالب ہوتی تو عام اور خاص ہندوستانی اس کے ساتھ مکمل تعاون کرتے۔ اور اس کی ہر ممکن امداد کرتے ہوئے سیاسیات عامہ اور خاصہ میں اپنا اخلاقی اور ملکی فرض ادا کرنا ضروری سمجھتے۔ مگر یہاں تو برطانیہ کے مشہور و معروف پولیٹیکل سائنٹس مسٹر سجوک کا مقولہ صادق آرہا ہے، جس کو ہندوستان ٹائمز، ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء نے زیر عنوان مطلق العنانی شائع کیا تھا مہذب دنیا میں دو بڑے مطلق العنان تھے (۱) زار روس (۲) وائسرائے ہند۔

۱۹۱۷ء کے انقلاب نے زار کا خاتمہ کر دیا۔ صرف اب اس دنیا میں سب سے بڑا مطلق العنان وائسرائے باقی رہ گیا ہے۔

خدا کرے کہ جس طرح دنیا سے زاریت کا خاتمہ ہو گیا جلد از جلد وائسرائیت اور اور مطلق العنانی کا بھی خاتمہ ہو جائے اور ہندوستانی قوم کا منتخب شدہ ہر دل عزیز صدر جمہوریت ہند کا پریذیڈنٹ ہو اور اس استبدادیت کے دیو کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے۔

گذشتہ جنگ عظیم کے بعد ہندوستانی نمائندے صلح کے فارموں پر دستخط کرنیکے لئے جنیوا بھیجے گئے تھے۔ اس وقت میں بھی یہی آوازیں روئے زمین کے فضائی کرہ میں گونجائی گئی تھی کہ آزادی اور انسانیت ہی کے لئے جنگ کی جا رہی ہے۔ اور یہی نصب العین ہم تمام جنگ کرنے والوں کا ہے۔ مگر جس روز ہندوستانی نمائندے آزادی کی امنگوں سے بھرے ہوئے دلوں اور ہاتھوں سے خوشی خوشی دستخط کرکے فارغ ہوئے اسی کے اگلے دن یہ اعلان کیا گیا کہ :-

"جنیوا کی کمیٹی کے سامنے جو مسائل آئیں گے وہ آزاد قوم کے ہوں گے۔
محکوم ممالک کے مسائل پر غور نہیں کیا جائے گا"

ہندوستانی نمائندوں اور خود ہندوستان میں رہنے والے باشندوں کے دلوں اور دماغوں کی اس وقت جو حالت ہوئی وہ یا تو خود جانتے ہیں یا اُن کا خدا جانتا ہے یہی منظر آج سان فرانسسکو میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ سر فیروز خان نون اور سوامی مدلیار جو کہ حقیقتاً اسی مطلق العنان وائسرائیت اور برٹش امپائر کے نمائندے ہیں ہندوستان اور اس کے باشندوں کے ہرگز نمائندہ نہیں ہیں کیا کر کے آئیں گے۔ مطلع تو ہر طرح مایوس کن ہے۔ بہر حال بساط سیاست پر بھی ایک محکومیت اور غلامیت کا کھیل ہے جو کہ مثل سابق آقاؤں کی اغراض کے لئے کھیلا جا رہا ہے اور نتائج معلوم ہیں۔

محترم بزرگو! ناپاک غلامی اور کالی محکومیت کے زہرہ گداز واقعات اس منحوس زمانہ کے بہت زیادہ ہیں۔ مگر مشتے نمونہ از خروارے چند چیدہ چیدہ واقعات میں نے آپ کے سامنے پیش کئے ہیں جن سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ اس ملعون غلامی کا ایسا کالا دور کبھی نہ ہندوستان میں گزرا ہے اور نہ دنیا بھر میں کوئی ملک اس کی نظیر

رکھتا ہے یہی وجہ کہ مسٹر فلپس کہتے ہیں کہ:۔

"موجودہ جنگ نے ہندوستان کو جو نقصان پہنچایا ہے اتنا شاید ہی
دنیا کے اور ممالک کو پہنچا ہو"

یہ ان کا فرمانا اس امر کو جانتے ہوئے ہے کہ روس۔ جرمنی۔ اٹلی۔ فرانس۔ چین میں کیا کیا واقعات پیش آچکے ہیں، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان ممالک میں باوجودیکہ جنگ جاری رہی اور ہے اور نفوس و اموال و املاک کی بربادی بھی ہوئی اور ہو رہی ہے مگر مجموعی حیثیت سے جو مصائب ہندوستان کو پیش آئے اور آ رہے ہیں ان سے دنیا کا کوئی ملک دوچار نہیں ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی اور مسز پنڈت ہندوستان کو بڑا جیل اور وائسرائے کو اس کا جیلر قرار دیتے ہیں یعنی بحیثیت غلامی اگرچہ دو سو برس سے ہندوستان کو ہندوستانیوں کے لئے جیل قرار دیا جاتا تھا مگر اس وقت میں اس کو جیل کہنا مجازاً تھا جیسا کہ شاعروں کے اشعار اور غزلیات و قصائد میں خوبصورت کو آفتاب و مہتاب اور بہادر کو شیر کہا کرتے ہیں مگر اب تو موجودہ دور میں اس کو حقیقی معنوں میں جیل کہنا چاہئے جبکہ ہر قسم کی آزادی چھین لی گئی ہے اور ہر قسم کی پابندیاں زیادہ سے زیادہ عائد کر دی گئی ہیں۔ اس لئے اس جیل کے جیلر وائسرائے سپرنٹنڈنٹ وزیر ہند، ڈپٹی جیلر وائسرائے کی کونسل کے چودہ ممبر اور صوبوں کے گیارہ گورنر ہیں۔ مگر میں تو گاندھی جی اور مسز پنڈت کا اس بارہ میں مخالف ہوں اور دونوں کو غلطی پر جانتا ہوں کیونکہ جیل میں کبھی بھی کوئی قیدی بھوکا نہیں رہنے پاتا بلکہ بھوکا رہنا وہاں جرم ہے۔ کوئی قیدی بھوک کی وجہ سے وہاں نہیں مرتا اور نہ مر سکتا ہے۔ یہاں صرف صوبہ بنگال میں نو لاکھ یا اس سے زیادہ تک تعداد اخباروں میں بھوک سے مرنے والوں کی شائع ہوئی ہے۔ تمام ہندوستان

میں بھوک سے مرنیوالوں کی تعداد تو خدا ہی جانتا ہے ۱۹۲۶ء میں مسٹر اے اسے بریل نے لکھا تھا کہ

"تدریجی فاقہ کشی سے ہزارہا انسان مرتے رہتے ہیں"

جیل میں کوئی قیدی بلا علاج نہیں مرتا۔ ہر جیل میں شفاخانہ، ڈاکٹر، ڈسپنسری۔ ادویہ اور تمام لوازم علاج موجود کر دئے گئے ہیں اس لئے ہر مریض قیدی کا کچھ نہ کچھ علاج ہو ہی جاتا ہے کوئی قیدی بلا علاج اور بلا دوا نہیں مرتا۔ مگر صوبہ بنگال میں اس زمانہ میں ملیریا ہیضہ۔ چیچک اور دیگر امراض سے مرنیوالوں کی تعداد اخباروں میں تیس لاکھ یا اس سے زائد تک کی آچکی ہے اور تمام ہندوستان میں حسب بیان ہیلتھ کمیشنر ۱۹۳۲ء ۸۷ فیصدی بغیر طبی امداد کے مرنے والے ہیں۔

نیز جیل میں ہر قیدی کیلئے کچھ نہ کچھ کپڑا ضرور مہیا ہوتا ہے کوئی قیدی ننگا نہیں رہتا مگر اس زمانہ میں جبکہ کپڑوں کا قحط پڑا ہوا ہے ننگے ہونے کی وجہ سے صوبہ بنگال میں عورتیں خودکشی کر رہی ہیں اور ننگوں کے جلوس نکالے جا رہے ہیں کفن کو کپڑا نہیں ملتا اس لئے ہندوستان کو جیل کہنا یقیناً صحیح نہیں ہے۔ جیل سے بھی بدتر کوئی ادارہ قرار دینا چاہیے ہاں اگر اس کو جہنم قرار دیا جائے اور وائسرائے کو داروغۂ جہنم اور انکی کونسل کے ممبروں وغیرہ کو زبانیہ جہنم کہا جائے تو شاید قرین قیاس ہو سکے ہمارے سنگدل آقاؤں نے آخر ہندوستان جنت نشان کو جہنم نشان بنا دیا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

جنگ کا خاتمہ یہ عجیب اتفاق تھا کہ جیسے ہی ہندوستان میں اگست ۱۹۴۲ء کی تحریک شروع ہوئی۔ برطانیہ اور اس کے حلفاء کے حق میں جنگ کی حالت بہتر ہونے لگی اور اتحادیوں کی بین الاقوامی پوزیشن بلند ہونے لگی۔ روس کی فوجیں جو پیچھے ہٹ

رہی تھیں انہوں نے اسٹالن گراڈ پر جم کر کئی ماہ تک مقابلہ کیا۔ بالآخر جرمنی کو اپنی کئی لاکھ فوج تباہ کر کے پسپا ہونا پڑا۔ اُس کے بعد روس کا دفاع مضبوط ہوتا رہا اور جرمنی کے مقابلہ کی طاقت کمزور ہوتی گئی۔

امریکہ نے نو لاکھ فوج افریقہ میں اُتار دی لہٰذا جرمنی اور اٹلی کو فوجوں کو العالمین (مصر) سے پسپا ہو کر بالآخر براعظم افریقہ کو الوداع کہنا پڑا۔ لیکن امریکہ اور برطانیہ کی فوجوں نے پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ ان دونوں کے بحری بیڑہ نے اٹلی پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ بے انتہا نقصان اٹھانا پڑا مگر کامیابی نے برطانیہ اور امریکہ کے قدم چومے اٹلی میں مسولینی اور بڈوگلیو کی قدیمی رقابت بھی اتحادیوں کے حق میں مفید ثابت ہوئی جبکہ اتحادیوں کی فوجیں ستمبر ۱۹۴۳ء میں اٹلی پر حملہ کر رہی تھیں اٹلی میں بڈوگلیو کی پارٹی نے انقلاب پیدا کر دیا۔ اور مسولینی کو گرفتار کر لیا۔ ہٹلر نے عین وقت پر مسولینی کی امداد کی اور فوجی حفاظتوں کے بیچ میں سے پابزنجیر مسولینی کا سرقہ کرا کر قبل از وقت پھانسی سے نجات دلا دی۔

لیکن نظریہ کا اتحاد۔ روس کے لئے انتہائی جفاکشی۔ اور وفاداری کے ساتھ صبر و استقلال۔ وُہ جوہر ہیں۔ وہ اصول ہیں۔ وہ بنیادیں ہیں کہ جو قوم ان سے بہرہ اندوز ہوتی ہے۔ قانون قدرت یہی ہے کہ وہ کامیابی کا پرچم لہراتی ہے۔ روس نے لاکھوں جوان کٹوا کر کروڑوں انسانوں کو برباد کر کے ان اصولوں پر پختگی کا ثبوت دیا۔ برطانیہ نے متواتر چار سال کی گولہ باری کو برداشت کر کے کامیابی اور کامرانی کا حق ثابت کر دیا۔

جرمن فوجوں کا اقدام بہترین تھا۔ اُن کے اقدام کی ہیبت اعصاب کو مفلوج کر دیتی تھی لیکن جب اُن کو رزمگاہ انقلاب میں امتحان دینے کے لئے کھڑا ہونا پڑا۔ تو ان کا خزانہ ثبات و استقلال کے جوہر سے خالی تھا۔ گولہ باری کے مقابلہ ... برطانیہ کا صبر و استقلال

کا ثبوت پیش نہ کر سکا جس جمعیت کو لندن نے چار سال تک برداشت کیا تھا برلن
اس کو چھ ماہ تک برداشت نہ کر سکا۔ لہٰذا قانون قدرت نے اتحادیوں کے حق میں فتح
و کامرانی کا فیصلہ صادر فرما دیا

چنانچہ ۲۸ اپریل ۱۹۴۵ء کو مسولینی دوبارہ گرفتار ہو گیا۔ یکم مئی ۱۹۴۵ء کی شام کو ہٹلر نے خودکشی کر لی۔ ڈونٹز اس کا جانشین مقرر ہوا۔ برلن پر روسی فوجوں کا قبضہ ہو گیا ۷ مئی ۱۹۴۵ء کو یورپ کے ہر محاذ پر جرمن فوجوں نے بلا کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیئے۔
اور روس اور امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے اتحادی فوجوں کے نام اعلان کیا گیا کہ ۹ مئی شروع ہوتے ہی جنگ بند کر دی جائے۔ اس کے بعد تین ماہ تک جاپان مقابلہ کرتا رہا۔ مگر ایٹم بم کے ایجاد نے اس کی ہمت پست کر دی۔ چنانچہ اس نے ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء کو شکست تسلیم کر لی۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۵ء کو لندن سے مسٹر اٹلی وزیر اعظم نے اور واشنگٹن سے صدر ٹرومین[۱] نے بیک وقت اعلان کیا کہ جاپان نے بلا کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

گاندھی جناح ملاقات ۱۹۴۴ء

۶ مئی ۱۹۴۴ء کو گاندھی جی طبی رپورٹوں کی بنا پر غیر مشروط طور پر رہا کر دیئے گئے۔ عام طور پر خیال یہ تھا کہ آپ کی رہائی ہندو مسلم مفاہمت کے لیے مفید ہو گی چنانچہ آپ نے رہائی کے بعد مسٹر جناح صاحب سے گفتگو کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ بالآخر ۹ ستمبر ۱۹۴۴ء کو وہ وقت آ گیا کہ گاندھی جی نے مالابار ہل پہنچ کر مسٹر جناح سے ملاقات کی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ ملاقات ایک دو دن رہے گی یا زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ میں ختم ہو جائے

---

[۱] قدرت کا کس قدر عبرت انگیز کرشمہ تھا کہ روزویلٹ پریزیڈنٹ امریکہ جس نے اس جنگ کو کامیابی کے ساتھ انتہا تک پہنچا لیا فتح کی خوشخبری نہ سن سکا۔ اور ہٹلر کی موت سے صرف ۱۸ روز پیشتر ۱۲ اپریل ۱۹۴۵ء کو دماغ کی رگ پھٹ جانے سے دفعۃً انتقال کر گیا۔ ٹرومین اس کی جگہ پریزیڈنٹ منتخب ہوا۔ اور فتح کا سہرا مفت میں حاصل کر لیا۔

گی لیکن وُہ نصف ماہ کے قریب جاری رہی۔ اور ۲۶ ستمبر کو ناکامی کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اور جن لوگوں نے اس ملاقات سے ہندو مسلم سمجھوتے کی امیدیں باندھی تھیں وُہ مایوس ہو کر رہ گئے۔ بقول شاعر ؎

معرکہ ختم یوں ہوا فتح شکست ہو گئی عشق نبرد آزما۔ اپنے پہ فتح یاب تھا
پھر وہی آہ۔ آہ بھی پھر وُہی دور ابتلا پھر وہی سوزِ ہجر تھا پھر وہی التہاب تھا

رصبح روشن مستقبل ص۱۵۱

گاندھی جناح کی مراسلت اس تاریخی ملاقات کی بابت شائع ہوئی اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسٹر جناح کے مطالبات اُسی ضد کو لئے ہوئے تھے جو آج تک مسلمانوں کی سیاست کو بگاڑے ہوئے ہے۔ ان مطالبات کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور کے ریزولیوشن کے اصول کو تسلیم کر لیا جائے۔ یعنی پاکستان کے اصول کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور اگر اس کے لئے رائے عامہ کا استصواب ضروری سمجھا جائے تو فقط مسلمانوں کی کثرت رائ پر فیصلہ کیا جائے

(۲) صوبہ سرحد۔ پنجاب۔ سندھ۔ بنگال اور آسام کو بحالت موجودہ مسلم اکثریت کے صوبے تسلیم کر کے ان کو پاکستانی علاقہ قرار دیا جائے

(۳) کانگریس اگست سنہ ۱۹۴۲ء والا ریزولیوشن[1] واپس لے لے کیونکہ یہ ریزولیوشن ہندوستان کے مسلمانوں کے مفاد کے منافی ہے۔

---

[1] یعنی انگریز ہندوستان چھوڑ دینے کا مطالبہ

(۴) یہ تسلیم کیا جائے کہ مسلمان ہندوستان میں علیحدہ قوم ہیں

(۵) گاندھی جی تسلیم کریں کہ وہ صرف ہندوؤں کی نمائندگی کر سکتے ہیں

(۶) آخری فیصلہ ہونے سے پیشتر ضروری ہے کہ گاندھی جی نمائندہ حیثیت اختیار کریں[1]

گاندھی جی کے مطالبات کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) راجہ جی فارمولا[2] میں مسلم لیگ کے لاہور کے ریزولیشن کے تمام بنیادی اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس لئے اسی کو گفت و شنید کی بنیاد قرار دیا جائے

---

[1] حالانکہ اس وقت تک آل انڈیا کانگریس خلاف قانون تھی مجلس عاملہ کے ارکان جیل میں بند تھے کانگریس کے نام پر کوئی اجتماع نہ ہو سکتا تھا۔ اور مستقبل قریب میں کوئی توقع ہی نہ تھی کہ یہ پابندیاں اٹھا دی جائیں گی۔

[2] لیگ کا لاہور ریزولیشن پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ چند صفحات بعد مسٹر جناح کے بیان کے حاشیہ پر اسکو دوبارہ نقل کر دیا گیا ہے۔ راجہ جی کا فارمولا حسب ذیل تھا۔

انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے درمیان سمجھوتہ کی بنیاد حسب ذیل شرائط ہیں۔ جن کو گاندھی جی اور مسٹر جناح منظور کرتے ہیں اور جسے وہ اپنی انجمنوں یعنی کانگریس اور مسلم لیگ سے منظور کرانے کی کوشش کریں گے۔

(۱) آزاد ہندوستان کیلئے ایک نظام حکومت مرتب کرنے سے متعلق حسب ذیل شرائط کے ماتحت مسلم لیگ ہندوستان کے مطالبہ آزادی کی توثیق کرتی ہے۔ اور وہ عبوری دور میں ایک عارضی حکومت بنانے میں کانگریس کی مدد کرے گی

(۲) جنگ کے خاتمہ کے بعد ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا [illegible] شمالی مشرقی ہندوستان میں اُن متجانس اضلاع کی حد بندی کرے گا جن [illegible] واضح طور پر اکثریت باقی صفحہ ۳۰۶

(۲) استصواب رائے بالغ رائے دہندگی کے اصول پہ کیا جائے۔

(۳) پاکستان کی حدبندی کا سوال حکومت برطانیہ کے اختیارات منتقل کرنے کے بعد طے کیا جائے۔

(۴) فوج۔ تجارت۔ معاملات خارجہ ایک مرکزی مشترکہ کنٹرول بورڈ کے سپرد کیا جائے۔

(۵) مسلمانوں کا حق علیحدگی تسلیم کر لیا جائے بشرطیکہ وہ ہندوستان کی آزادی کیلئے متحدہ مطالبات پیش کرنے اور اُن کے حصول کیلئے جدوجہد کرنے کو تیار ہوں۔

(۶) ہندوستان کو ایک قوم تصور کیا جائے اور علیحدگی پسند عناصر کو خاص معاہدہ کی رو سے الگ ہونے کا اختیار دیا جائے [۱]

اس ملاقات کا باضابطہ نتیجہ معلوم ہونے سے پہلے آزادی خواہ مسلم جماعتوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۵) میں ہوں جس علاقوں کی اس طرح حدبندی کیجائے گی ان میں بالغوں کی حق رائے دہی یا کسی دوسرے قابل عمل حق رائے دہی کی بنا پر تمام باشندوں کی رائے معلوم کی جائے گی اور یہ رائے ہندوستان سے علیحدگی کے سوال کا فیصلہ کرے گی۔ اگر اکثریت نے ہندوستان سے الگ ایک آزاد دست حکومت کے قیام کا فیصلہ کیا تو اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنایا جائیگا لیکن سرحدی اضلاع کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دونوں میں سے جس ریاست میں چاہیں شامل ہو جائیں۔ (۳) ہر جماعت کو رائے شماری سے پہلے اس امر کا پورا اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنا اپنا نقطہ نظر لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کریں (۴) علیحدگی کی صورت میں دفاع، صنعت۔ تجارت۔ رسل و رسائل اور دوسری ضروری امور سے متعلق باہمی سمجھوتے کر لئے جائیں گے۔ (۵) آبادی کا تبادلہ بالکل لوگوں کی مرضی پہ چھوڑ دیا جائیگا (۶) ان شرائط پر صرف اس صورت میں عمل ہوگا کہ برطانیہ ہندوستان کی حکمرانی کے مکمل اختیارات اور ذمہ داری منتقل کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ [illegible]

حاشیہ صفحہ ہذا: [۱] روح۔ روشن مستقبل ص ۱۵۱ و ص ۱۵۲

یہی امید تھی جو ہوا لیکن انہوں نے دوران ملاقات میں دانائی سے کام لے کر خاموشی اختیار کی اور روڑا نہ اٹکایا۔ حالانکہ اُن کو اپنی جگہ اس امر کا کافی احساس تھا کہ اس وقت جبکہ لیگی وزارتوں کو تمام صوبوں میں شکست ہو چکی ہے۔ اور خضر حیات خان کی لغاوت نے مسٹر جناح کے رہے سہے وقار کو بھی ختم کر دیا ہے۔ گاندھی کا قائد لیگ کے پاس جانا مردہ کو دوبارہ زندگی بخشنے اور گرتے ہوئے کو سنبھالنے کے ہم معنی ہے۔ دوران گفتگو میں گاندھی جی نے تجویز پیش کی کہ معاملہ ثالث کے سپرد کر دیا جائے مگر مسٹر جناح نے اس کو منظور نہ کیا۔ گاندھی جی نے ایک تجویز یہ پیش کی کہ انہیں لیگ کونسل یا لیگ کے کھلے اجلاس میں اپنا نظریہ پیش کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ مسٹر جناح نے اسے انوکھی تجویز کہہ کر ٹھکرا دیا۔

گفتگو ختم ہونے کے بعد مسٹر جناح اور گاندھی جی نے جو بیانات پریس کو دیئے اُن کا نقل کر دینا مناسب ہے۔ تاکہ خود ان کے بیان سے وجوہات ناکامی کا علم ہو جائے۔

مسٹر جناح صاحب نے بیان دیا[1]

ہندو مسلم اختلافات طے کرنے کا حقیقی اور عملی طریقہ یہی ہے کہ ہندوستان

---

[1] لاہور ریزولیشن کا ترجمہ یہ ہے۔

جغرافیائی طور پر متصل وحدتوں کی حد بندی ایسے علاقوں کی صورت میں کی جائے جو بصراحت متعین ہوں کہ اور جن میں حسب ضرورت علاقہ وارانہ رد و بدل اس صورت میں ہو کہ جن علاقوں مثلاً شمالی مغربی اور شمالی مشرقی منطقوں میں مسلمان تعداد کے اعتبار سے اکثریت میں ہیں وہاں آزاد ریاستیں بن جائیں۔ جن کی مرکب وحدتیں خود مختار اور با اقتدار ہوں۔

اس ریزولیوشن کی بنا پر صوبہ آسام پاکستان میں داخل ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہاں مسلمان صرف ۳۴ فیصدی ہیں۔ ہندو مسلمانوں کی بہ نسبت ۱۲ فیصدی زیادہ ہیں۔ نیز پنجاب کا انبالہ ڈویژن اور بنگال کا مغربی [illegible] (صفحہ ۳۰۸)

کو دو آزاد ریاستوں یعنی ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ اور تمام سندھ۔ سرحد۔ بلوچستان۔ پنجاب۔ بنگال اور آسام کو بحالت موجودہ مسلم علاقہ تسلیم کر لیا جائے۔ ہمیں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ مسلم سلطنت میں ہندو اقلیتوں کے ساتھ اور ہندو سلطنت میں مسلم اقلیتوں کے ساتھ انصاف کیا جائیگا۔ [2] جو تو یہ طرف سے یقین [1] ہے۔ اور میں ڈھائی کروڑ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ہاتھ میں سونپنے کو تیار نہیں ہوں۔ مسٹر گاندھی نے ہمیں جو پیشکش کی وہ عقل سوز تھی۔ مجھ سے انہوں نے کہا کہ جہاں مسلمان مکمل اکثریت میں نہ ہوں وہاں رائے عامہ [3] لیجائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۷) اضلاع جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں ہیں اس تجویز کے رو سے پاکستان سے خارج ہو جائیں گے۔ لہذا مسٹر جناح کا یہ مطالبہ کہ موجودہ حدود کے ساتھ پورا پنجاب۔ پورا بنگال نیز صوبہ آسام پاکستان کا علاقہ قرار دیا جائے۔ خود لاہور ریزولیشن کے مخالف ہے

مفاہمت کی صورت میں جب کہ ایک دوسرے کے قریب ہونے کی کوشش کی جاتی ہے مسٹر جناح نے پاکستان کی تشریح ایسی کی جو خود ریزولیشن کے بھی مخالف ہے۔ اور جس سے قریب ہونے کی بجائے ایک دوسرے سے زیادہ بعید ہو گیا۔ اس سلسلہ میں انصاف کا فیصلہ یہی ہے کہ راجہ فارمولا لاہور ریزولیشن کے زیادہ قریب ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] یقین اس لئے ہونا چاہئے کہ پاکستان میں غیر مسلم اکثریت اتنی کثیر اور اتنی طاقتور ہوگی کہ مسلمان اگر خلاف انصاف کرنا بھی چاہے تو اس کے لئے ناممکن ہوگا۔ کیونکہ پاکستان میں غیر مسلموں کی مجموعی تعداد تقریباً ۴۵ فیصدی ہوگی اور سندھ کی تعداد ۵۰ فیصدی۔ ہندو منظم۔ صاحب ثروت تعلیم یافتہ اور مسلمان اس کے برعکس۔ جبکہ ہندو ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کسی صوبہ میں بھی ۱۴ فیصدی سے زیادہ نہ ہوگی۔ اور وہ بھی منتشر مفلوک الحال پراگندہ۔ محمد میاں

[3] یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ ایسے اضلاع جہاں مسلمان اکثریت میں نہ ہوں۔ لاہور ریزولیشن کے بموجب "پاکستان" سے خارج ہو جاتے ہیں۔ مسٹر گاندھی نے اگر انکو پاکستان میں داخل کرنے کیلئے رائے عامہ کی شرط لگا دی تو لاہور ریزولیشن کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ جو اضلاع لاہور ریزولیشن کی رو سے پاکستان میں داخل نہیں ہو سکتے تھے ان کو پاکستان میں داخل کرنے کی صورت پیدا کر دی۔

اور جب میں نے پوچھا کہ مکمل اکثریت سے کیا مراد ہے تو انہوں نے کہا کہ جہاں مسلمان ستر فیصدی سے زیادہ ہوں اس معاملہ میں ان کا اور مسٹر راجگوپال اچاریہ کا اختلاف ہے۔ کیونکہ مسٹر راجگوپال اچاریہ چاہتے ہیں کہ ہم مکمل اکثریت کے قانونی معنی تسلیم کریں۔ جس کے معنے انتخابی علاقہ کی آبادی کے ۵۱ فیصدی کے ہیں نہ کہ ووٹ دینے والوں میں سے ۵۱ فیصدی ایک بچہ بھی جان سکتا ہے کہ کوئی پارٹی ایسے ووٹ حاصل کرنے کی امید نہیں کر سکتی۔ (بمبئی ۷ر اکتوبر)

گاندھی جی نے نیوز کرانیکل لندن کے نمائندہ کو بیان دیا کہ مسٹر جناح نے کہا ہے کہ انہیں آزادی میں گہری دلچسپی ہے۔ لیکن مجھے ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ تو فوراً پاکستان منوانا چاہتے ہیں۔ لیکن میرا خیال برابر یہ رہا ہے کہ ہم آپس میں اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتے جب تک سامراجی غلبہ سے آزاد نہ ہوں بہر حال ہم دوستوں کی طرح سے الگ ہوئے ہیں۔ دن بیکار نہیں گئے۔ مجھے تو مسٹر جناح کے نیک انسان ہونے پر خوشی ہے میں امید کرتا ہوں کہ ہم پھر ملیں گے۔ میں تو پرارتھنا کرنے والا آدمی ہوں اور میں یہ پرارتھنا کروں گا التجا کروں گا کہ سمجھوتہ ہو جائے۔ اسی اثناء میں عوام کا یہ فرض ہے کہ وہ حالات کو دماغ پر بٹھائیں۔ اور ہم پر اپنی رائے کا دباؤ ڈالیں۔ گاندھی جی نے کہا کہ ہماری گفتگو کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ مسٹر جناح دو قوموں کی تھیوری منوانا چاہتے تھے۔ اور

میں اسے مان نہیں سکا۔

وہ چاہتے ہیں کہ سرحد، سندھ، تمام پنجاب بنگال اور آسام کو بالادست اور مکمل آزاد پاکستان مان لیا جائے۔ مسٹر جناح ان علاقوں کے باشندوں کو اُن سے پوچھے بغیر تمام ہندوستان سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے راجہ جی کا فارمولا بھی نامنظور کر دیا جب یہ پوچھا گیا کہ آئندہ سمجھوتا کس بنیاد پر ہو سکتا ہے تو گاندھی جی نے کہا کہ میں یہ بالکل واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں مسٹر جناح کو مخلص مانتا ہوں لیکن میرے خیال میں وہ اس وہم میں مبتلا ہیں۔ کہ ہندوستان کی غیر قدرتی تقسیم عوام کیلئے خوشحالی یا بہبودی کا باعث ثابت ہو گی۔ (تیج مورخہ ۴ اکتوبر ۱۹۴۴ء)

جمود دور کرنے کیلئے وائسرائے کی کوشش

بزرگ محترم سید طفیل احمد صاحب مرحوم کا خیال تھا کہ گاندھی جناح ملاقات کی ناکامی سے متاثر ہو کر وائسرائے ہند نے ہندوستان کے سیاسی جمود کو حل کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے حصول کے لئے جو پہلی تقریر وائسرائے نے کلکتہ میں دسمبر ۱۹۴۴ء میں کی اس میں صاف صاف کہہ دیا کہ گاندھی جناح کے باہم سمجھوتہ نہ ہونے میں پاکستان کی تجویز آڑے آئی۔ اس کے متعلق آپ نے سیاسی طبیب کی حیثیت سے فرمایا کہ ہندوستان کی خوشحالی کا علاج پاکستانی عمل جراحی سے نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ کانگریس کا تجویزہ علاج "ہندوستان

چھوڑ دو" اور ستیہ گرہ کی گولیاں بھی ہندوستان کے مرض کو دور نہیں کر سکتیں۔ اس تقریر کا لب لباب یہ تھا کہ نہ تو مسلم لیگ کی پاکستانی تجویز نہ کانگریس کی ستیہ آگرہ حصول آزادی کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان برطانیہ پر اعتماد رکھے۔ اور یہ کہ فرقہ وارانہ انتخاب کا مسئلہ اہم نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے اس موقع پر یہ نہ بتایا کہ فرقہ وارانہ اختلافات کے شورو غوغا ہونے کی اصل وجہ کیا ہے اور وہ کیوں اہم نہیں ہے۔

وائسرائے کی تقریر پر رائے زنی کرتے ہوئے ایک اخبار نے لکھا تھا کہ جداگانہ انتخاب اصلاحات کی پہلی قسط دئے جانے کے وقت عارضی طور پر رائج کیا گیا تھا۔ بیس برس کے تجربہ کے بعد معلوم ہو گیا کہ وہ ہندوستان میں جمہوریت کا صحیح اصول رائج نہیں کر سکا۔ اور بعد کو یہی جداگانہ انتخاب پاکستان کی تجویز کی صورت میں رونما ہوا۔ جس کو وائسرائے ہند نے ناکام عمل جراحی سے منسوب کیا ہے۔

بہرحال دسمبر ۱۹۴۳ء کی وائسرائے کی تقریر سے عوام پر یہ ظاہر ہو گیا کہ گاندھی جناح ملاقات کی ناکامی کا اثر لارڈ ویول پر بہت کچھ ہوا ہے۔ اور وہ باہمی سمجھوتہ کے خیال کو چھوڑ کر خود کوئی ایسی صورت نکالیں گے جو ہندوستان کا سیاسی جمود دور کر کے سکون اور اطمینان کی حالت پیدا کر دے۔

(روح روشن مستقبل صفحہ ۱۵۳ و ۱۵۴)

بہرحال یہ تو سید صاحب مرحوم کا حسن ظن تھا۔ لیکن ایک خیال یہ بھی تھا جو بظاہر صحیح تھا کہ ۱۹۴۲ء کی تحریک حریت کے باعث کانگریس نے جو اقتدار ملک

میں حاصل کر لیا ہے بالخصوص مسلم قوم پر ورطبقہ کی جو عزت دلوں میں بیٹھ گئی ہے
اس کو زائل کرنے کیلئے سیاسی اسٹیج پر ایک کھیل کھیلا جارہا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے

ویول اسکیم اور شملہ کی پہلی کانفرنس

مارچ ۱۹۴۵ء میں وائسرائے ہند لارڈ ویول ہندستان کے جھوٹ کو حل کرنے کیلئے لندن تشریف لے گئے اور شروع جون ۱۹۴۵ء میں ہندوستان کیلئے نئی پیشکش لے کر واپس ہوئے۔ ۴ جون ۱۹۴۵ء کی صبح کو مولانا ابوالکلام صاحب آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبر جیلخانوں سے رہا کر دیئے گئے اور اسی روز شام کو نئی دہلی سے وائسرائے ہند نے وہ نئی پیشکش براڈکاسٹ کی جو ویول اسکیم کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی وقت لندن سے مسٹر امیری نے پیشکش کی تائید میں تقریر کی۔ اسکیم کا حاصل یہ تھا۔

(۱) ہندوستان کیلئے جدید آئین بننے تک جو وقفہ ہوگا اس کیلئے ایک انتظامی کونسل۔ ایگزیکٹو کونسل بنائی جائے جو زیادہ نمائندہ ہو۔

(۲) اس کونسل کے تمام ممبر ہندوستانی ہوں گے البتہ ہندوستان کے فوجی نظام کے انچارج کی حیثیت سے کمانڈر انچیف اور وائسرائے ہند بدستور اس میں شامل رہیں گے۔

(۳) کونسل کے ممبران کا انتخاب گورنر جنرل سیاسی لیڈروں کے مشورے سے کریں گے۔ اگرچہ ان کا تقرر ملک معظم کی منظوری سے ہوگا۔

(۴) سوائے فوج کے تمام محکمے جن میں ہوم ڈیپارٹمنٹ مالیات اور امور خارجہ بھی شامل ہیں اس کونسل کے سپرد ہوں گے۔

(۵) وائسرائے اس کونسل کی اکثریت کے فیصلوں کو عام طور سے مان لیا کرے گا۔ اور انتہائی خاص حالتوں اور مجبوریوں میں ویٹو[1] کا استعمال کرے گا۔

(۶) یہ کونسل اور اس کا تمام دائرہ عمل ہندوستان کے موجودہ آئین کے ماتحت ہوگا جو ایکٹ ۱۹۳۵ء کی رو سے اس وقت نافذ ہے۔

(۷) ہندوستان میں ایک برطانوی ہائی کمشنر رہے گا جو اقتصادی اور تجارتی معاملوں میں برطانیہ کی نمائندگی کرے گا۔

(۸) اس کونسل میں فرقوں کی نمائندگی اس طرح پر ہو کہ سورن ہندو اور مسلمانوں کی تعداد برابر ہو۔

نئی ایگزیکٹو کونسل کے کام یہ ہوں گے

(الف) جاپان کے خلاف لڑائی انتہائی سرگرمی سے جاری رکھی جائے جب تک جاپان کی بالکل شکست نہ ہو جائے۔

(ب) برطانی ہند کی حکومت ان تمام کاموں سمیت چلائی جائے جو جنگ کے بعد کی ترقی کے معاملوں میں درپیش ہوں گے جب تک ایک یا مستقل آئین باہمی رضامندی سے برسرعمل نہ آئے۔

(ج) جب ممبران حکومت مناسب سمجھیں تو اس پر غور کیا جائے کہ ایسا سمجھوتہ اور ایسا آئین کن ذریعوں سے حاصل ہو سکتا ہے

---

[1] ۱۴ جون ۱۹۴۵ء کو مسٹر ایمری وزیر ہند نے کامن ویلتھ پریس کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے ویٹو کے اختیارات کے بارے میں کہا کہ "وائسرائے اس اختیار کو ہندوستان کے مفاد کیلئے استعمال کریں گے اس سے یہ مقصد نہیں کہ برطانیہ کے مفاد کیلئے استعمال کیا جائے برطانی مفاد کی نگرانی کیلئے ہائی کمشنر مقرر کیا جائیگا۔ (تیج مورخہ ۱۸ جون ۱۹۴۵ء)

اس کونسل کی ترتیب کیلئے مندرجہ ذیل اصحاب کو وائسرائیگل لاج میں بلایا جائے

(۱) جو لوگ صوبائی حکومتوں میں اس وقت وزیراعظم کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

(۲) جن صوبوں میں دفعہ ۹۳ کی رو سے حکومت ہو رہی ہے ان صوبوں کے وہ لوگ جو پہلے وزیراعظم کے عہدے پر رہے ہیں۔

(۳) مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر (مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی)

(۴) مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے ڈپٹی لیڈر (نوابزادہ لیاقت علیخان)

(۵) کونسل آف اسٹیٹ میں کانگریس پارٹی کا اور مسلم لیگ کا لیڈر۔

(۶) اسمبلی میں نیشنلسٹ پارٹی اور یورپین گروپ کا لیڈر

مسٹر گاندھی اور مسٹر جناح دو خاص سیاسی پارٹیوں (مسلم لیڈروں) کی حیثیت سے ۲۵، جون ۱۹۴۵ء سے شملہ میں یہ کانفرنس شروع ہو گی۔

(تیج وغیرہ مورخہ ۱۵، جون ۱۹۴۵ء)

اس تقریر کے بعد گاندھی جی نے فوراً وائسرائے کو ایک طویل تار دیا۔ جس کا حاصل یہ تھا۔

" کانگریس کا مسلمہ نمائندہ ہونے کی حیثیت سے میری کوئی پوزیشن نہیں یہ پوزیشن تو صدر کانگریس کی ہی ہو سکتی ہے۔ یا جس کسی کو بھی ایک خاص موقع کے لئے کانگریس نمائندہ بنا کر بھیجے۔ کئی سال سے ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب کانگریس کو میری خدمات کی ضرورت ہوتی ہے تو میں پیش کر دیتا ہوں۔ ملک کو یاد ہو گا کہ جب قائداعظم جناح

کے پاس بات چیت کیلئے گیا تھا تب میں غیر نمائندہ کی حیثیت سے گیا تھا۔ وائسرائے کی تقریر کے دوسرے پہلو سے نہ صرف میرے دل پر چوٹ لگی بلکہ ہر سیاسی ہندو اُس سے تکلیف محسوس کرے گا۔ سورن ہندو کا لفظ ہے۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ سیاسی حیثیت سے سورن ہندو کا کوئی وجود نہیں ہے۔ میرا تعلق تو کانگریس سے ہے جو تمام ہندوستان کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی ہے۔ ہندو مہاسبھا کے صدر مسٹر ساورکر بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ صرف سورن ہندوؤں کے نمائندہ ہیں۔ اُن کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ بلا تفریق ذات وہ ہر قسم کے ہندوؤں کے نمائندہ ہیں۔ (تبلیغ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۴۵ء)
وائسرائے ہند نے گاندھی جی کے دونوں اعتراضوں کو تسلیم کیا۔ کانگریس کے مسلم نمائندہ کی حیثیت سے مولانا آزاد کو دعوت دی۔ اور سورن ہندو کی تفسیر یہ کی کہ سکھوں اور شودر اقوام کے لیئے علیحدہ نمائندگی دینے کی بنا پر یہ امتیازی لفظ استعمال کیا گیا۔ آپ نے گاندھی جی کو تار کے ذریعہ اطلاع دی کہ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے کاسٹ ہندو کا لفظ کبھی ایذا رسانی کے خیال سے استعمال نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سکھوں اور شودروں کے علاوہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مساوات ہونی چاہیے۔

(تبلیغ مورخہ ۲۰ جون ۱۹۴۵ء)

بہر حال اس اسکیم نے پہلے ہی نمبر پر یہ سوال پیدا کر دیا کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی نمائندگی کرتی ہے۔ یا دوسری جماعتوں کی نمائندہ بھی ہے۔

اور یہ کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ صرف مسلم لیگ ہے۔ مسٹر جناح جیسے ذہین کے لیے یہ اشارہ بہت کافی تھا۔ انہوں نے پوری قوت اسی میں صرف کر دی کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت صرف لیگ ہے اور مسلمانوں کیطرف سے بولنے کا حق صرف مسٹر جناح کو ہے۔ مسٹر جناح نے وائسرائے ہند کو تار دیکر درخواست کی کہ کانفرنس دو ہفتہ کیلئے ملتوی کر دی جائے۔ کیونکہ ۲۵ جون تک لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس نہ ہو سکے گا۔ مگر وائسرائے نے مسٹر جناح کی اس درخواست کیطرف کوئی التفات نہیں کیا۔ اور ۲۵ جون ۱۹۴۵ء کے دوپہر سے شملہ میں یہ کانفرنس شروع ہو گئی۔

چونکہ ۲۱ جون کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں طے کیا گیا تھا اس لئے مولانا ابوالکلام صاحب آزاد رہائی کے بعد بمبئی تشریف لیگئے صرف ایک روز کے لئے کلکتہ جا سکے۔ پھر آپ ابھی اس کانفرنس سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ ۳۰ جون کو ۸۲ سال کی عمر پاکر آپ کی ہمشیرہ کا انتقال ہو گیا آپ ملاقات بھی نہ کر سکے چونکہ مسٹر گاندھی نے کانگریس کا مسلمہ نمائندہ ہونے کی حیثیت سے کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا تھا لہذا وائسرائے ہند نے مسٹر گاندھی کو تار دیا کہ آپ کی عملی حیثیت خواہ کچھ بھی ہو میں آپ کی امداد کی قدر کروں گا۔ کانگریس کی نمائندگی کے متعلق آپ مزید مشورہ کر کے جو رائے بھی قائم کریں اس کا آپ کو اختیار ہے مگر یہ بات آپ پر بخوبی واضح ہے کہ جو کام میں نے شروع کیا ہے وہ نہایت اہم ہے۔ اور میں اوس کی کامیابی کے لئے آپ کی امداد کا محتاج ہوں۔

بہر حال ۱۴ جون ۱۹۴۵ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے شملہ کانفرنس میں شرکت کا فیصلہ

کیا۔ اور ۲۴ جون کو مسٹر جناح نے وائسرائے سے ملاقات کے بعد لیگ کے نمائندوں کو شرکت کانفرنس کا حکم دیدیا۔ چنانچہ ۲۵ جون کو کانفرنس شروع ہوئی۔ باتفاق آراء لارڈ ویول[1] صدر کانفرنس قرار دئے گئے۔ اگر اس وقت مسٹر جناح دانشمندی اور فراخ حوصلگی سے کام لیتے تو اُن کا پہلا کام یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ مولانا حسین احمد صاحب وغیرہ کو یعنے اپنے اُن قوم پرور دوستوں کو جن کے ذریعہ سے ۱۹۳۷ء کے الیکشن کی مہم سر کی تھی۔ اور جن کی جدوجہد سے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کے مردہ نظام کو زندہ کر دیا تھا اس موقع پر اشتراک عمل کی دعوت دیتے۔ اور باہمی مشورہ سے پانچ مسلمان نامزد کر لیتے۔ اس صورت سے مسٹر جناح کی قیادت عظمیٰ کو چار چاند لگ جاتے۔ اور کانگریس یا کانگریس کے کسی رہنما کو یہ موقع ہی نہ ملتا کہ وہ مسلم نیشلسٹ کا سوال پیدا کرے مگر افسوس جن کو ہندو تنگ نظری کی شکایت ہے وُہ خود ہندو سے زیادہ تنگ نظر واقع ہوئے ہیں۔ مسلم نیشلسٹ کو مدعو کر کے اُن سے مشورہ کرنا تو درکنار مسٹر جناح نے مولانا آزاد کی اس پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا کہ مسٹر جناح ایسے دو قابل اور موزوں مسلمانوں کو شامل کر لیں جو نہ لیگ میں ہوں نہ کانگریس میں۔ مولانا آزاد نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ایسے دو مسلمانوں کو مسٹر جناح نامزد کریں تو پھر کسی کانگریسی مسلمان کے شامل کرنے پر زور نہ دیا جائے گا۔ (دیتیج ۲۷ جولائی ۱۹۴۵ء)

---

[1] لارڈ ویول نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا ہر طرف کچھ ایسی باتیں ہیں جنکو معاف کر دینا چاہئے اور بھلا دینا چاہئے۔ وائسرائے ہاؤس کے سامنے جو ستون کھڑا ہے جس کی چوٹی پر اسٹار آف انڈیا نصب ہے اس پر یہ الفاظ کندہ ہیں۔ خیالات میں یقین۔ الفاظ میں دانائی۔ عمل میں دلیری۔ زندگی میں خدمت۔ تاکہ (باقی بر صفحہ ۳۱۸)

مسٹر جناح نے اتحاد اور تعاون کے راستوں کو چھوڑ کر وہ صورت اختیار کی جو نہ مسلمانوں کیلئے مفید ہوئی نہ ملک کے لیئے یعنی جس چیز پر کیطرح اصل اسکیم میں ڈال دی گئی تھی مسٹر جناح نے اُسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت صرف لیگ ہے۔ پانچوں نشستوں کی نامزدگی کا حق صرف مسٹر جناح کو ہے۔ حالانکہ اس وقت لیگ کی آئینی پوزیشن یہ تھی کہ صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان کی کانگریس وزارت تھی۔ پنجاب میں خضر حیات خان کی یونینسٹ وزارت تھی۔ اور باوجودیکہ مسٹر جناح نے خضر حیات کو وزارت سے خارج کرنے اور شوکت حیات خان کو وزیر اعظم بنانے کے لیئے ایڑی چوٹی کا زور لگالیا تھا۔ مگر کامیاب نہ ہوسکے تھے۔ بنگال میں سر ناظم الدین کی لیگی وزارت ختم کیجا چکی تھی۔ دفعہ ۹۳ کے ماتحت حکومت کی باگ ڈور گورنر کے ہاتھ میں تھی۔ صرف سندھ میں لیگ کی وزارت قائم تھی مگر وہ بھی کانگریسی گروپ کی امداد سے قائم تھی۔

مسٹر جناح نے دو مطالبے اور پیش کیئے اول یہ کہ وائسرائے اس امر کا وعدہ کریں کہ اگر انتظامی کونسل کی اکثریت کسی ایسے امر کا فیصلہ کرے جو مسلمانوں کے حق میں مضرت رساں ہو۔ اور مسلم ممبران کونسل کی مخالفت کریں تو وائسرائے اپنے ویٹو کا استعمال کرکے اکثریت کے فیصلہ کو رد کریں۔

دوم یہ کہ وائسرائے ہندوستان کے آئندہ دستور میں مسلمانوں کے حق خود ارادیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۷) تاکہ ہندوستان عظمت حاصل کرے۔ یہ الفاظ ہماری کانفرنس کیلئے اچھے شگون ہوں گے۔ مولانا آزاد نے اعلان کیا کہ کانگریس کا رویہ تعمیری ہے تخریبی نہیں چنانچہ کانگریس کے عمل نے اپنے پریزیڈنٹ کے اعلان کی تصدیق کی ۱۲.....

یعنی لیگ کے مطالبہ پاکستان کی منظوری کا یقین دلائیں۔

ظاہر ہے کہ ان مطالبات کے منظور ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وائسرائے اپنے ویٹو کا اختیار مسٹر جناح کو دیدیتے۔ اور مسٹر جناح تمام کونسل کے انتظامات کیلئے ڈکٹیٹر بنا دیئے جاتے۔ (روح روشن مستقبل ص ۱۵۶)

ان حالات کے پیش نظر ابتدا ہی میں قوم پرور مسلمانوں کو خیال ہو گیا کہ کانفرنس ناکام ہو گی اور مسٹر چرچل اور مسٹر امیری کو ہندوستان کے برخلاف تمام دنیا میں پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل جائے گا۔ چنانچہ ملک کے مختلف حصوں سے سیکڑوں تار لارڈ ویول وائسرائے ہند کے نام بھیجے گئے۔ جن میں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ اور یہ ظاہر کیا گیا کہ لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں۔

قوم پرور مسلمانوں کا اجتماع

انہیں حالات سے متاثر ہو کر مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا فوری اجلاس ۲۰ جون کو دفتر مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند میں طلب کیا گیا۔ تار کے ذریعہ اس کا ایجنڈا بھیجا گیا۔ مجلس عاملہ کے اراکین کے سوا دوسری قوم پرور جماعتوں یعنی مسلم مجلس۔ مومن کانفرنس۔ انجمن وطن بلوچستان اور انڈی پینڈینٹ پارٹی بہار کے ذمہ دار حضرات کو بھی مدعو کیا گیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی صدارت ان پانچوں جماعتوں کا مشترک اجلاس ہوا۔ اور مندرجہ ذیل تجویز پاس کر کے مولانا آزاد صاحب صدر کانگریس، لارڈ ویول وائسرائے ہند وغیرہ کے پاس بھیج دی گئی۔ تجویز یہ تھی۔

آزاد خیال مسلم جماعتوں کا یہ مشترک جلسہ اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہے۔

کرد یول پلان جو موجودہ سیاسی جمود کو ختم کرنے اور ملک میں حکومت کا عارضی نظام جاری کرنے کے لئے زیر بحث ہے۔ وہ نہ صرف ہندوستانی مطالبات کے لحاظ سے قطعًا ناکافی ہے بلکہ اُس میں ویٹو کا اختیار جمہوری اصول کے بھی سراسر منافی ہے۔ مگر چونکہ یہ دوران جنگ کے لئے ہے اور لارڈ ویول اور وزیر ہند اس بات کا یقین دلا رہے ہیں کہ بغیر مجبوری کے ویٹو کا استعمال نہیں کیا جائے گا۔ لہذا ہم اس کو موجودہ عارضی وقت کے لئے مناسب سمجھتے ہیں۔ یہ جلسہ یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ مسلم لیگ ملک میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آزادی پسند اور ملک کے حقیقی مفاد کی داعی اور اس کے لئے کام کرنے والی دوسری جماعتیں بھی ہیں۔ جن کی اپنے وطن کے لئے قربانیاں تمام ملک کے سامنے ہیں۔

(جمعیۃ علماء کیا ہے حصہ دوم صفہ ۲۸)

بہرحال کانفرنس کی ہندو نشستوں میں بحث تمحیص کے بعد لارڈ ویول کی تحریک سے یہ طے کر دیا گیا کہ ہر ایک جماعت اپنی طرف سے ایگزیکٹو کونسل کے ممبران کی ایک فہرست پیش کر دے۔ اور وائسرائے کو اس میں رد و بدل اور ترمیم کا اختیار دے دیا جائے۔ ایک مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کیلئے یہ ایک بہتر صورت تھی۔ اور اگرچہ ابتداء میں کانگریس نے مطالبہ کیا تھا کہ ہندوستان کی مشترک قومی جماعت ہونے کی حیثیت سے مسلم کوٹہ میں دو نشستوں ورنہ ایک نشست

کی نامزدگی کا اس کو حق دے دیا جائے۔ مگر اس تجویز کے منظور کر لینے کے بعد کہ لارڈ ویول کو فہرست میں رد و بدل کا حق حاصل ہے۔ کانگریس عملاً اس مطالبہ سے دستکش ہوگئی تھی البتہ ایک نشست جس کا لارڈ ویول کو لازمی طور پر خیال رکھنا تھا وہ یونینسٹ پارٹی کی نسبت تھی جسکے لئے خضر حیات خان وزیر اعظم صوبہ پنجاب کا اصرار تھا۔ اور چونکہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی طرح زمانہ جنگ میں صوبہ پنجاب اور بالخصوص یونینسٹ پارٹی نے بھی حکومت برطانیہ کی بہت زیادہ امداد کی تھی حتے کہ غلہ اور روپیہ کے علاوہ ۹ لاکھ سپاہی برطانیہ کو دیئے تھے لہذا مسٹر جناح کی طرح یونینسٹ پارٹی اور اس کے لیڈر خضر حیات خان کی رضا جوئی بھی لارڈ ویول اور چرچل و امیری کے لئے ازبس ضروری تھی۔

بدقسمتی سے مسٹر جناح کی تنگ نظری نے اس کی اجازت ہی نہ دی کہ یونینسٹ پارٹی کو ایک سیٹ دے دی جائے۔ اور درحقیقت یونینسٹ پارٹی کے نمائندہ کا مسئلہ ہی کانفرنس کی ناکامی کا سبب بنا۔

بہرحال مذکورہ بالا حالات سے متاثر ہو کر ۲۹ ر جون کے اجلاس کے بعد ۱۵ روز کے لئے وائسرائے ہند نے کانفرنس کا اجلاس ملتوی کر دیا کہ متعلقہ جماعتیں پوری طرح غور و خوض کر لیں اور اس عرصہ میں فہرستیں مرتب کر کے پیش کر دیں۔ مولانا آزاد صدر کانگریس نے ۲ جولائی کو مجلس عاملہ کے اجلاس کا اعلان کر دیا۔ اور مذکور بالا پانچ جماعتوں کے مشترک صدر اور رہنما کی حیثیت سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو بھی شرکت اجلاس

کی دعوت دی چنانچہ حضرت موصوف اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم
اعلیٰ نے ۲۳، ۲۴ جولائی ۱۹۴۵ء کو ورکنگ کمیٹی کی چند نشستوں میں شرکت فرمائی

۲۶ جولائی ۱۹۴۵ء کو کانگریس نے پندرہ ناموں کی فہرست مرتب کر کے وائسرائے
پاس بھیجدی جن میں پانچ سورن ہندو، پانچ مسلمان باقی دیگر اقلیتوں
کے نمائندے اور وائسرائے اور کمانڈر انچیف تھے لیکن مسلم لیگ کی جانب
سے مسٹر جناح نے ایک خط وائسرائے ہند کو لکھا جس میں اس امر کا اطمینان
چاہا کہ جو مسلم نمائندے لئے جائیں گے وہ صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ
ہوں گے۔ لارڈ ویول نے ایسا اطمینان دلا کر اپنی صدارت کے اختیارات
مسٹر جناح کے حوالہ کرنا پسند نہیں کیا۔ اُن کے لئے دشواری یہ بھی تھی کہ اس
صورت میں یونینسٹ پارٹی ناراض ہوتی تھی۔ وائسرائے کے نزدیک اسکی
دلداری بھی ضروری تھی لہٰذا لارڈ ویول نے اسی میں نجات سمجھی کہ ۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء
کو کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کردیا۔ لارڈ ویول کی تقریر سے یہ حقیقت بھی
واضح ہوئی کہ مسٹر جناح اس سیاسی آماجگاہ میں یورپین گروپ کے ہاتھ
میں کھیلتے رہے۔ اور اس طرح انھوں نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی تاریخ
کو دوبارہ دہرایا۔

؎ اس کانفرنس کے متعلق ہم چند اہم اقتباسات پہلے نقل کر چکے ہیں۔ یہاں مضمون کی توضیح کے لئے
دو اقتباس نقل کئے جاتے ہیں مزید تفصیل کیلئے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی
کا رسالہ "مسلم لیگ کی آٹھ مسلم کش سیاسی غلطیاں" ملاحظہ فرمایا جائے۔
اقتباس (۱) سندھ کے بعض نمائندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں نے (احباب لیگ نے)
باقی بر صفحہ ۳۲۳

لارڈ ویول نے کانفرنس کے آخری اجلاس میں ۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء کو تقریر فرمائی
آپ کو معلوم ہے کہ میں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ کانفرنس یہ فیصلہ کرے کہ نئی ایگزیکٹیو
کونسل میں کس کس پارٹی کے کتنے کتنے نمائندے لئے جائیں۔ اور کونسل کے
ممبروں کی کل گنتی کتنی ہو۔ جب اس بات کا فیصلہ ہو جائے تو سب پارٹیاں
اپنے اپنے ناموں کی فہرستیں مجھے بھیجدیں۔ اور اگر ضرورت ہو تو میں
بھی اپنی طرف سے چند نام پیش کردوں گا۔ اور وہ نام مجھے اور برطانوی حکومت
کو ضرور منظور ہوں گے۔ میں ان ناموں کے بارے میں پہلے کانفرنس کے لیڈروں
سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے کانفرنس طے نہ کرسکی کہ نئی کونسل
کا حل کیا ہو۔ اور کس کس پارٹی کے کتنے کتنے ممبر ہوں۔ اس لئے میں نے اس
معاملہ کو حل کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ میں نے کہا کہ اس کا حل پیش کرنے
کی کوشش کروں گا۔ اور مجھے پارٹی اپنے اپنے ممبروں کی فہرست بھیج دے

(حاشیہ صفحہ ۳۲۲) برطانیہ کے ٹوری لیڈروں ہی نے خفیہ سازش کرائی تھی۔ جن میں ممتاز ٹوری لیڈر۔ لارڈ لائڈ۔ لارڈ برکنہیڈ۔ لارڈ سڈنہم۔ اور دوسرے لوگ تھے۔ جب کبھی کمزوری یا شکست کے آثار نمودار ہوتے تھے تو ٹوری اور فرقہ وار لیڈروں کی پوری پوری حمایت کرتے تھے۔ (انڈین اینول رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۹۱)

(۲) اخبار بمبئی کرانیکل کے خاص نامہ نگار مقیم لندن کی اطلاع ہے کہ دستاویز شاہد ہیں کہ ٹوری برطانوی مدبرین کو جب گاندھی جی کے نرم رویہ کی وجہ سے گاندھی جی اور برطانوی پارلیمنٹ کو لڑا دینے میں ناکامی ہوئی تو اب وہ مسلمانوں کو اپنے مقصد کا آلہ کار بنا رہے ہیں۔ انہوں نے مسلمان مندوبین کو بس میں کر لیا ہے۔ کہ وہ کامل آزادی کے حصول میں گاندھی جی کی کوششوں کو ناکام کریں۔

(مدینہ بجنور ۲۰ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ ع ۶۹)

تاکہ میں ایسا حل تلاش کرنے کی پوری کوشش کروں۔

مجھے تمام پارٹیوں کیطرف سے ناموں کی فہرستیں مل گئیں لیکن یوروپین گروپ اور مسلم لیگ کیطرف سے فہرست نہیں ملی یوروپین گروپ نے تو پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ فہرست نہیں روانہ کرے گا۔ لیکن میں نے تو تہیہ کر لیا تھا کہ کانفرنس کو اس وقت سے قبل ناکام نہیں ہونے دونگا جب تک میں پوری کوشش نہ کر لوں۔ لہذا میں نے خود ہی انتخاب کیا اس میں مسلم لیگی بھی تھے۔ اور مجھے یہ یقین ہے کہ اگر میرا انتخاب پارٹیاں منظور کر لیتیں تو ملک معظم کی حکومت بھی انھیں منظور کر لیتی۔ میں نے جو فہرست تیار کی تھی اگر ان لوگوں کو مجوزہ کونسل میں لے لیا جاتا تو کونسل میں قابل ترین اشخاص شامل ہوتے۔ اور توازن بھی ٹھیک رہتا اور سب کو صحیح نمائندگی حاصل ہو جاتی

میرے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں کسی پارٹی کی تمام مانگیں پوری کر سکوں، جب میں نے اپنا حل مسٹر جناح کو بتاتا تو انہوں نے بتایا کہ مسلم لیگ کو یہ منظور نہیں اور میں نے یہ محسوس کیا کہ اب بات چیت کا جاری رکھنا بیکار ہے۔ میں نے اپنا پورا انتخاب مسٹر جناح کو نہیں دکھایا۔ اور نہ ہی دوسروں لیڈروں کو اپنی فہرست دکھائی کانفرنس ناکام ہو گئی اور اس ناکامی پر مجھ سے زیادہ اور کوئی شخص افسوس نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کانفرنس کو بلانے کی تجویز

میری تھی۔ اگر یہ کامیاب ہو جاتی تو کامیابی کا سہرا میرے سر ہوتا میں اس ناکامی کا ذمہ دار کسی جماعت یا پارٹی کو نہیں ٹھیرا سکتا میں تمام جماعتوں کے لیڈروں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے بیان کو صحیح سمجھیں۔ اور ایک دوسرے کے خلاف ناراضگی کا اظہار نہ کریں۔ اور فرقہ وارانہ جذبات کو اور خراب نہ کریں۔ اور میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ صبر سے کام لیں۔

(مدینہ بجنور ۲۱ جولائی ۱۹۴۵ء جلد ۳۴۔ نمبر ۵۸)

بہر حال لارڈ ویول کی جد و جہد خواہ کتنی ہی مخلصانہ کیوں نہ ہو۔ اور اس کی ناکامی ہندوستان کے حق میں خواہ کتنی ہی مضر رہی ہو۔ مگر افسوس چرچل اور امیری کی مرضی کے عین مطابق تھی۔ چنانچہ اس سے یہ فائدہ ملک کو اور بالخصوص مسلمانوں کو ضرور پہونچا کہ اُن کے آپس میں اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہو گئی۔ قوم پرور مسلمانوں کے برخلاف ایک مضبوط محاذ تیار کر لیا گیا۔ اور جو ہر دلعزیزی اور عظمت اور وقار قوم پرور مسلمانوں نے اپنی قربانیوں سے حاصل کرلی تھی اسے سخت دھکا پہونچا۔

اخبار مدینہ نے لکھا تھا: کانفرنس کے نتیجہ کا اظہار صرف تین نعروں میں کیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان مردہ باد۔ پاکستان مردہ باد
انگلستان زندہ باد۔

ناکامی کانفرنس کی متعلق مسٹر جناح کا بیان

۱۵ جولائی ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے ایک طویل بیان دیا۔ اس بیان میں اپنی عادت کے مطابق

اگرچہ کانگریس کو بھی بہت برا بھلا کہا تھا۔ مگر ناکامی کی وجہ کے متعلق
یہ فقرہ خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے مسلم نشستوں کے دو دعوے
تھے۔ ایک تو کانگریس کا جو دو نشستوں کا مطالبہ کر رہی تھی اور
دوسری (گورنر پنجاب) خضر حیات کی طرف سے ایک نشست کا مطالبہ
کر رہے تھے۔ ان دونوں کے اس مطالبہ سے مسلم لیگ کے اصل
کیرکٹر اور وجود پر چوٹ پڑتی تھی۔ لیکن آخر میں لارڈ ویول نے اس
پر اصرار کیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کی طرف سے ملک خضر حیات خان
کا ایک نمائندہ تو ضرور لیا جائے چنانچہ گفتگو ٹوٹ گئی۔

(مدینہ ۱۲ جولائی ۴۵ء)

ملک خضر حیات نے فرمایا جہاں تک مسٹر جناح کی اس شکایت
کا تعلق ہے کہ میں نے پنجابی مسلمان کیلئے جانے پر اصرار کیا تو حقیقت
یہ ہے کہ وائسرائے نے مجھے دعوت دی کہ میں اپنی پارٹی کی طرف جس کا
لیڈر ہونے کا مجھے فخر حاصل ہے ایگزیکٹیو کونسل کی فہرست پیش کروں
میرے تجویز کردہ ناموں میں سے وائسرائے کو ایک نام منتخب کرنا تھا
میں نے دعوت قبول کر کے نام تجویز کر دیئے۔ سو میرا خیال ہے کہ
اگر میں ایسا نہ کرتا تو میں اپنے فرض سے کوتاہی کرتا مجھے اپنے فیصلہ پر
پشیمانی نہیں ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ پنجاب کو کم از کم ایک
نمائندہ بھیجنے کا زبردست حق حاصل ہے پنجاب نے جنگ میں تمام
صوبوں کی رہنمائی کی ہے۔ اس کے عوام اور سپاہیوں کو اس

کا حق ہے کہ وہ مجوزہ کونسل میں نمائندگی کا مطالبہ کریں

علاوہ ازیں پنجاب ہی ایک ایسا صوبہ ہے جس میں صوبجاتی خودمختاری کے آغاز سے لے کر اب تک مسلسل پاپولر حکومت قائم رہی ہے نہ صرف یہی بلکہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ حکومت صوبہ کی تمام فرقوں کی نمائندہ رہی ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے ایگزیکٹیو کونسل میں بھی ۱۹۱۰ء سے لے کر آج تک ایک پنجابی نمائندہ موجود رہا ہے۔

(مدینہ ۲۱ جولائی ۱۹۴۵ء)

مسٹر جناح اور ملک خضر حیات خان کے بیان نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ شملہ کانفرنس کا سبب قوم پرور مسلمان نہیں تھے۔ اُن پر یہ الزام صرف اس لئے لگایا گیا تاکہ ان کے خلاف پروپیگنڈا کیا جا سکے۔ اور آنے والے الیکشن کیلئے فضا سازگار بنائی جائے۔

عجیب وغریب تجویز خفیہ بابت حیثیت کا مطالبہ

۷ جولائی ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے لارڈ ویول کے نام ایک خط لکھا اس کا اہم حصہ درج ذیل ہے۔

میں نے کانفرنس کے آخری روز آپ کی طرف سے پیش کردہ تجویز ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھی۔ بعد از غور فیصلہ کیا گیا کہ کمیٹی کا نظریہ آپ کے روبرو رکھا جائے جو حسب ذیل ہے۔

(۱) اگست ۱۹۴۰ء میں جب آپ کے پیش رو لارڈ لنلتھگو نے ایک ایسی ہی پیشکش کی تھی اور ورکنگ کمیٹی نے اسے نامنظور کر کے اس کے خلاف اعتراضات روانہ کئے تھے۔ تو لارڈ لنلتھگو نے

ان اعتراضات کو درست تسلیم کرتے ہوئے اپنی پہلی پیشکش کو واپس لے لیا۔ اور اس کے بجائے نئی تجویز کرتے ہوئے ایک مراسلہ لکھا جس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

میں آپ کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات اور آپ کی بیان کردہ مشکلات کا احساس کرتا ہوا اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے اُسے ایگزیکٹیو کونسل کے ممبران کی فہرست پیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسکی فہرست کا معاملہ اس کے صدر اور میرے درمیان خفیہ بات چیت میں طے ہونا چاہئیے مسلم لیگ نے یہ نعم البدل منظور کر لیا۔ اب بھی کمیٹی کی رائے ہے کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے اس کے ساتھ فہرست کے متعلق اسی قاعدہ سے عمل کیا جانا چاہئیے جو آپ کے پیشرو بنا گئے ہیں۔

(۲) ورکنگ کمیٹی کی یہ زوردار رائے ہے کہ مجوزہ ایگزیکٹیو کونسل کے تمام مسلم ممبران کا انتخاب مسلم لیگ کے پیشکردہ ناموں میں سے ہی کیا جائے۔ اور آخری فہرست کو حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کرنے سے پہلے مسلم لیگ کے صدر اور وائسرائے کے درمیان ایک خفیہ ملاقات میں اس پر بحث کرنے کے بعد تمام معاملہ طے کیا جائے

(مدینہ ۲۱ جولائی ۱۹۴۶ء جلد ۳۴ نمبر ۵۴)

غالباً اسی تجویز کی بنا پر مسٹر جناح نے وائسرائے سے فہرست دیکھنے کی

خواہش کی مگر وائسرائے نے انکار کر دیا۔ چنانچہ وائسرائے نے اپنی ۱۴ر جولائی ۱۹۴۵ء کے مذکورہ بالا بیان میں فرمایا تھا۔

"میں نے اپنا پورا انتخاب مسٹر جناح کو نہیں دکھایا۔ اور نہ ہی دوسرے لیڈروں کو اپنی فہرست دکھائی۔ کانفرنس ناکام ہو گئی"

بہر حال اس تجویز نے اس پردہ کو یقیناً فاش کر دیا کہ لارڈ لنلتھگو کے زمانہ میں مسٹر جناح کی پالیسی وائسرائے کے ساتھ خفیہ ساز باز کا نتیجہ تھی۔

وائسرائے کی دوسری جدوجہد | شملہ کانفرنس (۱۹۴۵ء) کے بعد وائسرائے ہند خاموش نہیں بیٹھے برطانوی پارلیمنٹ کے انتخابات ختم ہونے کے بعد جب نئی حکومت مرتب ہو گئی تو اگست ۱۹۴۵ء میں لارڈ ویول نے دوبارہ سفر لندن اختیار کیا۔

اس مرتبہ لندن میں آپ کا قیام تین ہفتہ کے قریب رہا۔ نئے وزیر اعظم مسٹر اٹلی اور وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس اور دیگر وزراء سلطنت برطانیہ سے مشورے ہوئے۔ ملک معظم[1] نے نئی پارلیمنٹ میں اپنی تقریر میں ہندوستان کو حکومت خود اختیاری کے وعدہ کی جو تجدید کی تھی اس کو پورا کرنے کے مسئلہ پر غور کیا ۱۶ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو وائسرائے لندن سے واپس آئے اور ۱۸ر اور ۱۹ر کی درمیانی

---

[1] ملک معظم نے پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے اپنی تقریر میں فرمایا تھا۔ کہ میری ہندوستانی رعایا سے جو وعدے کئے جا چکے ہیں اُن کے مطابق میری حکومت ہندوستانی رائے عامہ کے لیڈروں سے مل کر ہندوستان میں جلد مکمل خود مختاری قائم کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔ (مدینہ ۲۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

شب میں پونے دس بجے ریڈیو کے ذریعہ سے اپنے مشن[1] کے نتیجہ کو ہندوستان کے عوام کے کانوں تک پہونچا دیا۔ اس تقریر کا لب لباب یہ تھا کہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات جلد از جلد کئے جائیں گے

اس نئی پیشکش کے چار اہم نکتے حسب ذیل ہیں۔

(۱) صوبجاتی اسمبلیوں کے عام انتخابات کے بعد فوراً منتخب شدہ نمائندوں

---

[1] وائسرائے کے اعلان کی مکمل عبارت حسب ذیل ہے۔

لندن میں ملک معظم کی حکومت سے حال میں صلاح مشورہ کے بعد مجھے حسب ذیل اعلان کا اختیار دیا گیا ہے

پارلیمنٹ کے افتتاح پر خسروانہ تقریر میں جو اعلان کیا گیا تھا اس کے مطابق ملک معظم کی حکومت نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ وہ ہندوستانی رائے عامہ کے لیڈروں کے ساتھ مل کر ہندوستان میں مکمل سلف گورنمنٹ کے جلد سے جلد قیام کیلئے انتہائی کوشش کرے گی۔ قیام لندن کے دوران میں حکومت نے مجھ سے اس کے متعلق مشورہ کی کہ اس کے بارہ میں کیا قدم اٹھایا جائے۔ یہ اعلان پہلے ہی کیا جا چکا ہے کہ مرکزی اور صوبائی آئین ساز مجلسوں کے انتخابات جو اتنے عرصہ لڑائی کی وجہ سے ملتوی رہے آئندہ موسم سرما میں کئے جائیں گے۔

ملک معظم کی حکومت کو امید ہے کہ انتخابات کے بعد سب صوبوں میں سیاسی لیڈر وزارتی ذمہ داریاں سنبھال لیں گے۔ ملک معظم کی حکومت کا یہ ارادہ ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ایک آئین ساز جماعت منعقد کی جائے۔ اور ابتدائی قدم کے طور پر حکومت نے مجھے اختیار دیا ہے کہ انتخابات کے بعد فوراً صوبوں کی لیجسلیٹو اسمبلیوں کے نمائندوں کے ساتھ اس بارے میں مشورہ کروں کہ آیا ۱۹۴۲ء کے اعلان میں جو تجویزیں شامل ہیں وہ قابل قبول ہیں یا کسی ترمیم شدہ یا دوسری اسکیم کو ترجیح دی جائے گی۔ ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں کے ساتھ بھی یہ معلوم کرنے کیلئے مشورہ کیا جائے گا۔ کہ وہ اس آئین ساز جماعت میں کس طرح بہترین حصہ لے سکتے ہیں۔ ملک معظم کی حکومت اس معاہدہ کی شرطوں پر غور کر رہی ہے۔ جو برطانیہ اور (باقی برص ۳۳۱)

سے مشورہ کرکے یہ معلوم کیا جائے گا کہ آیا کرپس اسکیم کی تجویزیں قابل منظوری ہیں یا اُن میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ یا کوئی نئی اسکیم مرتب کرنا مناسب ہوگا۔

(۲) اس قسم کے ابتدائی مشورہ کے بعد جس قدر جلد ممکن ہوگا کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی (مجلس دستور ساز) طلب کی جائے گی جو ہندوستان کا نیا آئین مرتب کرے

(۳) صوبجاتی انتخابات کا نتیجہ شائع ہوتے ہی وائسرائے کی انتظامی کونسل کی نئی تشکیل اس طرح کی جائے گی کہ اسے ہندوستان کی خاص پارٹیوں کی حمایت حاصل ہو۔

(۴) برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان ایک معاہدہ کیا جائے گا۔ اور اُس کی تفصیلات پر غور ہوگا۔ وائسرائے نے اپنی اس تقریر میں یہ بھی کہدیا تھا کہ جدید دستور ساز اسمبلی (کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی) جو آئین تیار کرے گی اُس میں کسی فرقہ وار جماعت کو کوئی رکاوٹ ڈالنے کا موقع نہ ہوگا۔

(روح روشن مستقبل ص۱۵۸ و ص۱۵۹)

وائسرائے کے اس اعلان کے بعد انتخابات کی عام تیاریاں شروع کردی گئیں۔

مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات اور حضرت شیخ الاسلام کی جرأت و استقامت

۱۹۴۵ء میں اتحادیوں کی کامیابی کے آثار اس امر کی پیشین گوئی کر رہے تھے کہ

(حاشیہ صفحہ ۳۳۰) ہندوستان کے درمیان کیا جائیگا۔ تیاری کے ان مرحلوں میں ہندوستان کی حکومت کا جاری رہنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے نئے نظام میں ہندوستان کو جو بارا حصہ لینا ہے۔ اسلئے ملک معظم کی حکومت نے یہ بھی مزید اعتبار دیا ہے کہ صوبائی انتخابات کے نتیجہ شائع ہوتے ہی ایک ایگزیکٹو کونسل قائم کردی جائیگی جس کو خاص ہندوستانی پارٹیوں کا تعاون حاصل ہوگا۔ (مدینہ بجنور ۲۱ ستمبر ۱۹۴۵ء ۱۴ شوال ۱۳۶۴ھ)

ہندوستانی اسمبلیوں کے انتخابات قریب آرہے ہیں۔ کیونکہ مرکزی اسمبلی کے انتخابات کو تقریباً ۹ سال گذر چکے تھے۔ اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کو تقریباً سات سال ۱۹۳۸ء کے بعد ۱۹۴۶ء تک لیگ کا کارنامہ یہ تھا کہ ہندو مسلم منافرت کی خلیج کو وسیع کر کے پاکستان کے طلسم سے مسلمانوں کے دماغوں کو مسحور کر دیا۔ چنانچہ مسٹر جناح اور ان کے ساتھی مطمئن تھے کہ آئندہ انتخابات میں اُن کی کامیابی یقینی ہے۔ اور اسی اطمینان کے زعم میں مسٹر جناح مسلم نوجوانوں پر اس احسان عظیم کا اظہار خود اپنی زبان سے کر چکے تھے کہ "میں نے علماء کے اقتدار کو ختم کر دیا ان کے پنجہ سے مسلم نوجوانوں کو رہائی دلائی۔"

چودھری خلیق الزمان صاحب لیڈر لیگ پارٹی یو۔ پی۔ اسمبلی۔ ایک تقریر میں فرما چکے تھے کہ "میں نے مولوی حسین احمد کے سامنے سے پلاؤ کا پلیٹ چھین لیا ہے۔"

اگرچہ ۱۹۴۲ء کی تحریک کو (جس میں انگریز سے ہندوستان چھوڑنے کا مطالبہ کیا گیا تھا) مسلمانوں کے خلاف اور منطقی طور پر مسلمانوں کیلئے نقصان دہ گردان کر زعماء لیگ کیطرف سے یہ کوشش برابر ہوتی رہی کہ اس تحریک میں شریک ہونیوالے مسلمانوں کے وقار کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ اُن کے متعلق یہی پروپیگنڈا ہوتا رہا کہ یہ ہندو پرست اور غداران ملت ہیں۔ ہندو کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں (وغیرہ وغیرہ)

لہ مسلم لیگ کے چند ذمہ دار قائدین کے ارشادات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مسٹر جناح نے ۲۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ قوم پرور مسلمان مسلمان ہی نہیں ہیں ہندوؤں کے زرخرید خیمہ بردار ہیں۔ چندریگر نے ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء کو بمبئی میں کہا۔ قوم پرور جماعتیں (باقی ر ص ۳۴۳)

مگر تاہم قربانی کا اثر عوام پر ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ حضرات جیلخانوں سے باہر آئے تو مسلمانوں کے دلوں میں ان کی وقعت و عزت تھی۔ مگر بدقسمتی سے ان کا نظام منتشر تھا۔ ان کے پاس نہ پریس تھا نہ کوئی اخبار۔ نہ ان کو پروپیگنڈے کا موقع تھا۔ نہ تقریر کی آزادی حاصل تھی اُن کی نقل و حرکت پر پابندیاں عائد تھیں۔ کاغذ کا کنٹرول حامیان لیگ کے ہاتھوں میں تھا۔ اسٹاک کے تالے صرف انہیں لوگوں کے لئے کھل سکتے تھے جو حمایت جنگ یا سرکار پرستی کا سارٹیفکیٹ اپنے پاس رکھتے ہوں۔ آزاد خیال مسلمانوں کے لئے کاغذ کی ایک شیٹ بھی ملنی محال تھی۔

اس کے برخلاف پروپیگنڈے کی جو سہولتیں حامیان لیگ کو حاصل تھیں انہوں نے اُنسے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

ایک قوم پرور مسلمان دو ڈھائی سال کی قید کاٹ کر اپنے گھر نہیں پہونچنے پاتا تھا کہ لیگی پریس کسی افترا اور بہتان کے ہدیہ سے اس کا خیر مقدم کرتا تھا۔ بالخصوص حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی کی رہائی پر تو لیگی پریس کی ساری مشینری حرکت میں آگئی۔ اور پوری قوت کے ساتھ لیگ کے قلعوں سے گولہ باری شروع کردی گئی۔

(بقایا حاشیہ صفحہ ۳۴۲) کانگریس کے اشاروں پر ناچنے والی طوائف ہیں۔

مسٹر جناح نے ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو بی۔ بی سی۔ کے نمائندوں کے سامنے مولانا آزاد اور مولانا مدنی کو انگریزی زبان کی سب سے بُری گالی دی۔ اور کہا ہر قوم میں کوئسلنگ ہوا کرتے ہیں آپ کے لاہوراہا کہاں ہیں۔ (مدینہ صفحہ ۲ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۴۶ء)

جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس سہارن پور کی بے نظیر کامیابی نے لیگی دوستوں کو اور بھی زیادہ چراغپا کر دیا۔ اور پہلے اگر ایک مہینہ میں ایک دو مضمون اُن کے خلاف ہوتا تھا تو اب اُن کے خلاف روزانہ مضمون شائع ہونے لگے لیگی اخبارات کے فائل شہادت کے لیے کافی ہیں۔ اسی اثناء میں لارڈ ویول نے اپنی اسکیم پیش کر دی اور شملہ کانفرنس کا ڈرامہ ہندوستان کے سامنے آ گیا۔ اس کی ناکامی کے حقیقی سبب اگرچہ مسٹر جناح اور خضر حیات خان وزیر اعظم پنجاب کی باہمی چشمک تھی۔ نہ خضر حیات صاحب ایک نشست کے مطالبہ سے دست بردار ہوئے نہ مسٹر جناح نے واحد نمائندگی کے دعوی میں کوئی ترمیم گوارا کی۔ مگر اس جرم پر کہ آزاد خیال مسلمانوں نے اپنے وجود سے انکار کر کے لیگ کو واحد نمائندہ کیوں نہیں تسلیم کیا۔ ناکامی کا تمام الزام قوم پرور مسلمانوں کے سر تھوپا گیا۔ اور ان کے برخلاف اشتعال انگیزی میں دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا۔

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد شملہ سے کلکتہ واپس جا رہے تھے اسی روز اسی ٹرین سے لیگ کے چند ممبر اور دو لیڈر روانہ ہوئے اور روانگی کیوقت علی گڑھ یونیورسٹی میں ٹیلیفون کر دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شرارت پسند طلبہ کا ایک انبوہ کثیر اسٹیشن پر جمع ہو گیا۔ ان شریف خاندانوں کے شریف طلبہ نے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر اپنی تہذیب کا پوری طرح مظاہرہ کیا۔ اور جب گاڑی چلنے لگی تو زنجیر کھینچ دی۔ اور اسی طرح ایک طعنہ منٹ تک گاڑی کو روک کر تہذیب جدید کا ننگا ناچ ناچتے رہے۔

لیگ کے ترجمان اخباروں نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے [illegible] لکھا۔ جہاں تک اس سلوک کا تعلق ہے جو لیگ لیڈروں نے [illegible]

مولانا آزاد صحت درست کرنے کے لیے کشمیر تشریف لے گئے۔ پنڈت جواہر لال نہرو ہمراہ تھے۔ سری نگر میں جلوس نکالا گیا۔ لیگی دوستوں نے جلوس پر خشت باری کی۔ ایک مسلمان رضاکار شہید اور متعدد زخمی ہو گئے۔

بہر حال شملہ کانفرنس کے بعد لیگ کیطرف سے انتخابات کی تیاریاں شد و مد سے شروع ہو گئیں۔ نقرائی گولیوں کے لیے مسٹر جناح کی اپیل لیگی اخبارات میں مسلسل شائع ہونے لگی۔ اور اس میں شک نہیں کہ قوم نے اس اپیل پر پوری توجہ کی۔ مسٹر جناح کی تصویر احمد آباد میں پانچ پانچ سو روپیہ میں بکی۔ اگرچہ آمد و صرف کا حساب کبھی بھی شائع نہیں ہوا۔ مگر کہا جاتا ہے کہ لیگ نے ڈیڑھ کروڑ روپیہ اس الیکشن پر صرف کیا۔

جمعیۃ علماء اسلام کا قیام

ہندوستان میں مولویوں اور پیرزادوں کی ایک جماعت ہے جو ہمیشہ سے علماء دیوبند کے مخالف ہے۔ اس کو سیاسیات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اُن میں نہ کوئی سیاسی احساس ہے۔ نہ اُن کا کوئی نظم ہے مگر اس موقع پر جمعیۃ علماء ہند کے مقابلہ کے لئے لیگ کو اُن کی ضرورت تھی اور علماء دیوبند اور ان کے ہم نواؤں کی منظم مخالفت کے لئے ان کیواسطے لیگ کا نظام لبا غنیمت تھا۔ لہذا کلکتہ میں ایک شہرہ آفاق مولانا کی زیر سرکردگی ان حضرات کا اجتماع ہوا۔ اور جمعیۃ علماء

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٣٣٤) یہی کہہ سکتے ہیں کہ گذشتہ کے مقابلہ میں ان لوگوں کے حصہ میں اینٹ پتھری ہیں کے جو تشو بوا کا کام کرتے ہیں۔ جب لیگ کے سرکاری ترجمان کا یہ فتویٰ ہو تو پھر شرارت پسند طبقہ کی حرکات کا کیا ٹھکانا۔ حنظ۔ ترجمہ کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ١٢ — محمد میاں ١٢ ١٢ ١٢

اسلام قائم کر دی گئی علماء دیوبند کے بھی وہ چند افراد جو ہمیشہ سے تحریک حریت کی مخالف رہے تھے۔ اور اس وقت سرکاری مدارس کے ملازم یا پنشنر تھے۔ اور ایک وہ بزرگ جو پاکستانی تحریک کو اسلامی تحریک سمجھ بیٹھے تھے۔ اور بدقسمتی سے نظام حیدرآباد کے ساتھ خصوصی تعلق نے سیاسی دریوزہ گروں اور ریاست کے وظیفہ خواروں کو اُن کے معتمد حوارئین میں داخل کر دیا تھا۔ جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ میں داخل ہو گئے۔

بہرحال جمعیۃ علماء ہند کی خودداری۔ حریت پسندی اور اس کے عزم و استقلال کا یہ اثر تو ہوا کہ لیگ کے وہی زعماء اور قائدین جو اس پر نازاں تھے کہ وہ علماء کے اقتدار کو ختم کر چکے ہیں۔ علماء کے سامنے جھکنے اور ان سے امداد کی اپیل کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور جب الیکشن میں لیگ کو کامیابی ہوئی تو اُن کو حضرات علماء و مشائخ کا شکریہ ادا کرنا پڑا۔

الیکشن کے سلسلہ میں حکومت نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کیا تھا مگر اسی غیر جانبدار حکومت کا یہ کارنامہ صرف دہلی میں تھا۔ کہ جمعیۃ علماء ہند کو بار بار درخواستوں اور کوششوں کے باوجود ایک اخبار کی اجازت بھی نہ ملی۔

احرار اسلام کو بڑی دوڑ دھوپ کے بعد آخر میں ایک اخبار کی اجازت ملی مگر کاغذ کا اتنا تھوڑا کوٹہ منظور ہوا ہفتہ وار پانچسو پرچوں کے لئے بھی وہ کافی نہ تھا مدینہ۔ زمزم۔ الانصاری۔ جو پہلے سے جاری تھے اور ہندوستان کے مقبول پرچے تھے اُن کی کوٹہ میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ البتہ لیگ کے تقریباً ایک درجن اردو اور انگریزی اخبار پوری شان و شوکت کے ساتھ صرف دہلی سے

شائع ہو رہے تھے۔ اور تمام ہندوستان میں ان لیگی اخبارات کی شمار کئی سو تک پہونچ جاتی تھی۔ اور لطف یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر کو ۱۹۴۴ء اور ۱۹۴۵ء میں اشاعت کی اجازت ملی تھی۔

اِن تمام اخبارات نے قوم پرور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کی توپوں کے دہانے کھول دیئے اور بے تحاشا گولہ باری شروع کر دی۔

عام شہرت یہ تھی کہ جگہ جگہ کے شرارت پسند غنڈوں سے ارکان لیگ نے ساز باز کر کے اپنے مخالفین کے مقابلہ کیلئے ایک مسلح محاذ تیار کر لیا ہے۔

مسلمان خود بھی اپنے اندھے جوش میں کافی بدنام ہیں۔ اب اس طبقہ کی پشت پناہی نے اُن کے جوش کو انتہا درجہ خطرناک بنادیا تھا۔ چنانچہ جمعیۃ علماء کے سرگرم اراکین اور قوم پرور مسلمانوں کے نام گمنام خطوط کا تانتا بندھ گیا تھا۔ جن میں اُن کو قتل کی دھمکی دیجاتی تھی

مختصر یہ کہ خطرات کی ایک تاریک فضا تھی جو پشاور سے مدراس تک اور بمبئی سے آسام تک پورے ہندوستان پر چھائی ہوئی تھی۔

قوم پرور جماعتیں ہر صوبہ میں موجود تھیں۔ بعض بعض جماعتوں کا نظام "آل انڈیا" بھی تھا۔ وہ دیانت داری کیساتھ لیگ کی پالیسی کو مسلمانوں کے لئے تباہ کن سمجھتی تھیں۔ اور اس کے برخلاف جدوجہد اپنا مذہبی اور ملی فرض تصور کرتی تھیں مگر ہمت نہیں پڑتی تھی کہ خطرناک مسموم فضا کے برخلاف آواز بلند کریں جمعیۃ علماء ہند کو اپنے ارکان کی سیاسی سربلندی کے لئے الیکشن کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کے اراکین اپنے لئے نہ اسمبلیوں کی ممبریوں کو پسند کرتے ہیں

نہ اس راستہ سے کسی سیاسی سربلندی کے خواہاں ہیں۔ ان کی حقیقی دلچسپی اُن قربانیوں کے ساتھ رہتی ہے جن کو فریضۂ جہاد کی حیثیت سے اپنی علمی اور فقہی بصیرت کے بموجب ملک وملت کی بہبود و ترقی کے لئے وہ انجام دیتے ہیں۔

البتہ مفاد ملت کی خاطر یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ سیاسیات پر مذہب اور مذہبی طبقہ کا اقتدار ہو۔ قانون ساز اسمبلیوں میں وہ لوگ پہونچیں جو جمعیۃ علماء ہند کے مینو فسٹو کو تسلیم کرتے ہوں۔ اور اس کی تکمیل کا عہد کریں کیونکہ اسی صورت میں جمعیۃ علماء ہند اپنے مذہبی مقاصد انجام دے سکتی ہے اور اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ قانون ساز اسمبلیوں کی نگرانی کرے۔ اور حسب ضرورت شرعی امور کے متعلق اُن سے قانون مرتب کرائے۔ اس ضرورت نے جمعیۃ علماء ہند کو الیکشن کیطرف متوجہ کیا۔ اور جسطرح حق و صداقت کو سربلند کرنے کے لئے اس کے اراکین ہمیشہ خطرات کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوتے رہے ہیں وہ اس وقت بھی [illegible] کر دیے۔

[illegible] کی ہمت عالی۔ اور آپ کی اولوالعزمانہ قیادت اُن کیلئے [illegible] حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی جرأت اور پامردی ہی [illegible] ہند کے اندر اس بھیانک فضا کے مقابلہ کی ہمت پیدا کی تھی۔

چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کیطرف سے ایک آل پارٹیز کانفرنس کا اعلان کیا گیا۔ ہندوستان کی قوم پرور[1] جماعتوں کو جو اپنے نظام یا اپنی خدمات کے لحاظ سے ہندوستان

---

[1] حسب ذیل جماعتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن کو اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔
(۱) آل انڈیا مسلم مجلس۔ جو اگرچہ مختصر سی جماعت تھی مگر ہندوستان کے بیشتر مسلمانوں [illegible] (باقی برصفحہ ۳۴۹)

میں کافی شہرت اور ہندوستانی سیاست میں کافی اہمیت رکھتی تھیں اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔

یہ جماعتیں اپنی اپنی جگہ پر خود ایسی کانفرنس کی ضرورت محسوس کر رہی تھیں صرف باہمت داعی کی دعوت کا ان کو انتظار تھا۔ چنانچہ اِن جماعتوں نے جمعیۃ علماء ہند کی دعوت پر پوری گرم جوشی کے ساتھ لبیک کہا۔ اور اپنے اپنے نمائندوں کو کانفرنس کی شرکت کیلئے بھیج دیا۔

ان جماعتوں کے پچاس سے زائد نمائندوں اور جمعیۃ علماء ہند کے تقریباً سو ارکین کا اجتماع نواب قدیرالدین صاحب مرحوم کی محلسرائے واقع گلی قاسم جان میں ۱۷ ستمبر سے ۱۹ ستمبر ۴۵ء تک پورے چار روز متواتر ہوتا رہا۔

کی جماعت تھی جس کو مسلم لیگ کے مقابلہ پر قائم کیا گیا تھا۔

(۲) مجلس احرار اسلام ہند۔ جو ہندوستان میں اپنی سیاست اور اپنی قربانیوں کی ایک مستقل تاریخ رکھتی ہے اور ہندوستان کا بچہ بچہ اس کی عظمت سے واقف ہے۔

(۳) آل انڈیا مومن کانفرنس۔ جو ہندوستان کی مومن برادری کی سب سے بڑی جماعت ہے اور تمام ہندوستان میں اپنا نظام رکھتی ہے۔

(۴) خدائی خدمتگار صوبہ سرحد۔ اس جماعت کی تاریخی قربانیوں نے صوبہ سرحد کو ڈکٹیٹرشاہی کے بے آئین دور سے نکال کر ہندوستان کے ترقی یافتہ دستوری اور آئینی صوبوں میں داخل کیا۔ اور جمہوری نظام حکومت اس صوبہ میں رائج کیا۔

(۵) انڈی پنڈنٹ پارٹی صوبہ بہار۔ اس جماعت نے ۳۷ء کے الیکشن میں نصف کے قریب مسلم نشستیں صوبہ بہار میں حاصل کر لی تھیں۔ چند ماہ تک صوبہ بہار میں اس پارٹی کی وزارت رہ چکی تھی۔ اور اسی وزارت نے صوبہ بہار میں اردو زبان کو سرکاری زبان قرار دیا تھا۔ اس کے بعد کانگریس (باقی برصفحہ ۳۳۰)

مسئلہ کے ہر پہلو پر پوری طرح غور کیا گیا۔ مخالف اور موافق ہر قسم کی رائے نہایت آزادی کے ساتھ سامنے آئی۔ بالآخر ایک مشترک پارلیمنٹری بورڈ کے قائم کرنے اور اس کے ذریعہ سے الیکشن لڑانے کا فیصلہ کر دیا گیا

اس آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی صدارت کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب جیسا صداقت کیش۔ جفاکش۔ سرگرم عمل مجاہد۔ اور مخلص رہنما اُن کے پاس نہ تھا۔ لہٰذا منصب صدارت حضرت موصوف کے سپرد کیا گیا۔ حضرت مدظلہ العالی نے باخاطر ناخواستہ انتہائی اصرار کے بعد اس منصب کو منظور فرمایا۔ اختتام اجلاس پر حضرت موصوف نے ایک تقریر فرمائی۔ یہ تقریر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ رہی۔ آیات کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے شواہد نے اس تقریر کو ایک پرمغز۔ بصیرت افروز۔ علمی تقریر بنا دیا تھا۔ اس کا مختصر خلاصہ درج ذیل ہے۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر اور اس کے لئے مناسب موقع تلاش کرنا ہر مسلمان بالخصوص علمار کرام پر فرض ہے۔ ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت کا جب خاتمہ ہوا تو مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۲ ½ کروڑ تھی۔ ایک صدی سے کم میں ان کی تعداد دس کروڑ ہو گئی۔ اس اضافہ میں علمار کرام کی تبلیغ کو بہت زیادہ دخل ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۹) منسٹری نے اپنی دور میں اس کی تصدیق کر دی ۔

(۲) کرشک پرجا پارٹی۔ صوبہ بنگال۔ ۱۹۳۶ء میں اسی پارٹی نے صوبہ بنگال کے الیکشن میں کامیابی حاصل کی تھی۔ چنانچہ ایک عرصہ تک یہی پارٹی صوبہ بنگال کی وزارت پر قابض رہی تھی۔

رحم وکرم - عدل وانصاف - خدمت خلق اور تعلقات کی خوشگواری - تبلیغ الاسلام کے بنیادی اصول ہیں - انہیں اصول کی پابندی سے اسلام پھیلا ہے۔

پورے ہندوستان میں مکمل طور پر اشاعت اسلام کا مقصد عظیم ہم نفرت انگیزی سے حاصل نہیں کر سکتے - غیر مسلم اقوام ہی تبلیغ اسلام کا میدان عمل اور اس مقصد عظیم کا مٹیریل ہیں - آج ہندوؤں سے نفرت دلا کر تبلیغ اسلام کے میدان کو بند اور اس کے مٹیریل کو ختم کیا جا رہا ہے - تبلیغ اسلام کے دائرہ کو کسی رقبہ میں محدود کرو بنا رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ اور آپ کی عمومی رحمت کے قطعاً مخالف اور اس کے برعکس ہے۔

پاکستانی اسکیم سے جو منافرت کی خلیج پیدا کی جارہی ہے اس کو پاٹا جائے - تبلیغ الاسلام کے حق کو کسی ایک رقبہ میں محدود نہ کیا جائے ہندوستان کے چپہ چپہ میں مسلمانوں کا حق اُن کے بزرگوں کی جدوجہد اور اُن کی گرانقدر قربانیوں سے قائم ہو چکا ہے - اس کو باقی رکھنا اور اُس سے دست برداری کے بجائے اس کو بڑھانے کی کوشش کرنا آج ہمارا فرض ہے[1]۔

---

[1] مولانا آزاد نے سہارنپور مظفر نگر وغیرہ کے مسلمانوں کے نام ایک پیغام میں ارشاد فرمایا۔
ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے بحالت موجودہ دو ہی طریقے قابل عمل ہیں
(۱) ملک کی آزادی کے لئے کوشاں ہوں اور جہانتک مسلمانوں کی جماعتی زندگی کے مستقبل (باقی بر صفحہ ۳۴۳)

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے جس جانفشانی سے اپنا ملی اور ملکی فرض انجام دیا وہ اِس پیرانہ سالی میں مخصوص طور پر آپ کا حصہ تھا۔ آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ نے جس قدر مالی امداد حاصل کی، اس کا بیشتر حصہ حضرت مدظلہ العالی کی توجہ عالی کا نتیجہ تھا۔ قلمی امداد میں بھی حضرت موصوف کی خدمت سب سے زیادہ ہے۔ حضرت موصوف نے گرانقدر اور پر از معلومات رسائل تحریر فرما کر آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۶) کا تعلق ہے خود اپنے اوپر بھروسہ رکھیں۔ کسی دوسری طاقت کیطرف نظر نہ اٹھائیں۔ اگر ہندوستان کو برطانی قبضہ سے نجات ملتی ہے تو اس صورت حال میں مسلمان کے لئے کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ بلکہ فوز و فلاح کی بشارت ہوگی۔ کیونکہ ملک کی کوئی جماعت کوئی طاقت انہیں اُن کے جائز مطالبات کے حصول سے محروم نہیں رکھ سکتی۔

(۲) ہندوؤں کی عددی اکثریت کے خوف سے ترسان و لرزان ہو کر تحریک آزادی کے ساتھ دینے سے انکار کر دیں۔ اور اس طرح برطانی شہنشاہیت کا ہاتھ مضبوط کرتے رہیں۔

جمعیۃ علماء ہند اور دوسری حریت پسند جماعتوں نے پہلا طریقہ اختیار کیا ہے اور مسلم لیگ نے دوسرا۔ جو مسلمان اسلام کی شرف و عزت کا احساس رکھتے ہیں۔ اور خوف و تذبذب کی جگہ عزم و یقین اور خود اعتمادی کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کا ساتھ دیں۔ اور طلب و سعی کے ہر میدان کی کوششوں کو کامیاب بنائیں۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولٰئک الذین ھداھم اللہ واولٰئک ھم اولوا الالباب۔

(الکلام کان الشداء۔ ہندیا چل۔ ۲ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ)

(حاشیہ صفحہ ۱) سلہ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل رسائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جو دفتر مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی سے قیمتاً اب بھی مل سکتے ہیں۔

(۱) مسٹر جناح کا پر اسرار معمہ اور اس کا حل (جس میں مسلم لیگ سے علیحدگی کے وجوہات بیان فرمائے گئے ہیں)
(۲) مسلم لیگ کیا ہے (۳) زعماء لیگ اور مسٹر جناح کی سیاسی غلطیاں۔ (۴) سوال جواب اور لیگ (باقی بر صفحہ ۳۴۸)

کارکنوں کے لئے دلائل کا ایک ذخیرہ فراہم کر دیا۔ ان رسائل نے واضح کر دیا کہ جمعیۃ علماء ہند یا آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی تمام جد و جہد معقول اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ اور اس کے برخلاف جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ محض جذبات ہیں جو فہم و بصیرت سے قطعاً محروم ہیں۔

سید پور ضلع رنگپور اور بھاگلپور کا واقعہ

حضرت مدظلہ العالی نے عام عادت کے بموجب بنگال اور بہار کے چند مدارس کے جلسوں میں شرکت کا وعدہ فرما رکھا تھا۔ الیکشن کیلئے دورہ شروع کرنے سے پہلے حضرت نے ان وعدوں کی تکمیل کا ارادہ فرمایا اور ستمبر کی آخری تاریخوں میں بنگال روانہ ہو گئے۔

حضرت موصوف کے عزیز۔ مولانا نصیر الدین احمد صاحب فیض آبادی اس وقت موجود تھے۔ آپ نے معیت کی درخواست کی۔ احقر نے بھی درخواست کی تائید کی۔ اور مولانا وحید الدین صاحب انچارج دفتر مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند نے بھی منظوری درخواست کے متعلق اصرار کیا۔ مگر حضرت موصوف نے اس کو غیر ضروری فرمایا۔ اور جب اس طویل سفر میں تنہائی کی دشواریوں کا تذکرہ کیا گیا۔ تو ارشاد ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعِیَ ط۔ (اللہ میرے ساتھ ہے) میں تنہا نہیں ہوں۔

بہر حال حضرت مدظلہ العالی تنہا تشریف لے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ لیگ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۲) (۵) شریعت بل اور لیگ۔ (۶) پاکستان کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک رسالہ کی قیمت تقریباً ۲ر ہے۔

کے بہادروں نے اس موقع پر بہت کچھ منصوبے باندھ رکھے تھے لیکن حضرت کا اعتماد علی اللہ بر موقع پر کام آیا۔ اور شرارت پسندوں کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر جناب محترم محمد طیب صاحب بہاگلپوری کا مکتوب اور مولانا محمد کفیل صاحب بجنوری کا ایک مضمون جو اخبارات میں شائع ہوا تھا نقل کر دیں۔

محمد طیب صاحب بہاگلپوری کا مکتوب۔ بنام محمد میاں عفی عنہ مورخہ ۱۰۹ / ۴۵

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کی خدمت میں یہ تحریر ارسال کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آ رہا ہے جذبات قابو سے باہر ہوئے جا رہے ہیں۔ یعنی لیگی غنڈوں نے اسلام دشمنی کے سلسلہ میں حضرت سیدی مولائی شیخ الاسلام سیدنا و مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی کیساتھ جو شرارتیں اور مظالم کئے ہیں وہ تحریر کرتے ہوئے قلم رکتا ہے۔ اور دل رو رہا ہے کہ حضرت الشیخ جیسی فنا فی الاسلام ہستی کے ساتھ لیگی مسلمانوں کا یہ سلوک بد اخلاقی، بدتمیزی شرارتیں اور مظالم۔ نہ معلوم کن نتائج تک پہونچنے والے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دور انقلاب عظیم الشان نتائج کا حامل ہے لادینی پوری قوت کے ساتھ دین اسلام کے مٹانے کے درپے ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ خود حکومت وقت پشت پناہی کر رہی ہے۔

راقم الحروف کو ۲۴ دسمبر کی شام کو کٹیہار (ضلع پورنیہ) میں حضرت مدنی مدظلہ العالی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اسی وقت حضرت

مونگیر سے تشریف لائے تھے۔ شب کو مدرسۃ العلوم الطیفی کٹیہار
میں طلبہ اور چند مذہبی لوگوں کے سامنے حضرت نے مذہبی تقریر
ارشاد فرمائی۔ جس میں شریعت کی پابندی پر سختی سے زور دیا۔ اور
ساتھ ہی جمعیۃ علماء ہند کے اغراض و مقاصد اور موجودہ سیاسی
مسلک اور اسلام کی روشنی میں جمعیۃ کی سیاست کو پیش کیا۔ یہ
تقریر بہت اثر انگیز تھی۔ دوسرے روز ۲۷ ستمبر کو پورنیہ شہر سے ۸
۱۰ میل دور ایک گاؤں اسلام پور میں تقریر ہوئی۔ تقریر یہاں خالص
مذہبی تھی۔ لوگوں کو مذہب اور سنت رسول اللہ (صلے اللہ علیہ
وسلم) کی اتباع کیطرف خاص توجہ دلائی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی
ارشاد فرمایا کہ موجودہ نظام سیاست میں علماء اسلام کا گامزن
ہونا اور اپنی آواز کو موثر بنانا اور موجودہ نظام سیاست میں
داخل ہو کر بے دینوں اور غیر مسلموں نیز حکومت وقت کے حملوں
سے اسلام کی مدافعت کرنا کسقدر ضروری ہے اور اس وقت
اگر نظام سیاست بے دین لوگوں کے ہاتھوں میں چلا جائے
تو آئندہ اور کسقدر نقصانات پہونچ سکتے ہیں۔

بہر کیف وہاں سے حضرت اسی شب کو روانہ ہو کر ۲۸ کو پاربتی
پور (بنگال) پہونچے۔ پاربتی پور میں حضرت ہی نے جمعہ کی نماز
پڑھائی۔ چار بجے روانہ ہو کر شام کو ڈومر (ضلع رنگپور) پہنچے
وہاں سے موضع سوتارا ایک بڑے جلوس کے ساتھ وارد

ہوئے۔ وہاں ایک گھنٹہ سے زائد دیر تک تقریر ارشاد فرمائی لوگوں
کو اسلام کی پابندی اور تعلیم مذہبی کیطرف توجہ دلائی۔ اور کہ جمعیۃ
کی حمایت کر کے اسلام دوستی کا ثبوت دیں۔ مولانا ریاض الدین
صاحب نے بعد میں بنگلہ زبان میں ترجمانی کر دی۔ کیونکہ بہت سے
دیہاتی اردو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے تھے۔ دوسرے روز ناشتہ کے
بعد علمی مجلس رہی۔ عصر کیوقت بعد نماز عصر ڈومر میں تقریر فرمائی
بعد مغرب سید پور روانہ ہوئے۔ وہاں لیگی غنڈوں کے ایک
جم غفیر نے حضرت اور اُن کے رفقاء کو گھیر لیا۔ اور راستہ روک
دیا۔ بمشکل تمام پلیٹ فارم سے باہر نکلے۔ لیگی بلوائی حضرت کو
کسی صورت سے آگے نہیں بڑھنے دیتے تھے۔ سیاہ جھنڈیاں لئے
ہوئے مردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ اکثر غنڈے شراب کے
نشے میں مست تھے۔ ایک لیگی نے حضرت مدنی مدظلہ العالی کے سر
سے ٹوپی اُتار لی۔ لیگیوں نے حضرت کے رفقاء سفر کو پوری
سرگرمی سے گھونسوں اور مکوں سے زد و کوب کیا۔ گاڑی بان کو
زخمی کر دیا۔ پولیس کو خبر دی گئی لیکن منزل مقصود یعنی اس گاؤں
تک پہونچانے کی ذمہ داری نہ لے سکی۔ اِس لئے آگے بڑھنا
لیگیوں نے ناممکن کر دیا۔ شب بھر اسٹیشن ہی واپس ہو کر قیام فرمایا
صبح کو واپس کٹھیار تشریف لے گئے۔ یہاں کا واقعہ سب سے زیادہ
شرمناک اور افسوسناک ہے۔ لیگیوں نے (جن میں شہر کے غنڈوں

کے علاوہ اسکول کے طلبہ زیادہ تھے) ایک گھڑے میں کیچڑ گھولا اور ایک بار بوسیدہ جوتوں کا اور ایک شہید کا جھنڈا نالی کی غلاظت میں ڈبو کر لائے سیاہ جھنڈیاں دکھا کر مردہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

حضرت بھاگلپور جانے والی گاڑی میں سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں تشریف فرما تھے ڈبے کے پاس آکر نہایت فحش اور گندی گالیاں اور نعرے لگا لگا کر شور مچا رہے تھے۔ اُن کی تعداد بہت کافی تھی (اس کے بعد چھ سطروں میں ان گندہ اور فحش الفاظ کو نقل کر کے تحریر کیا ہے کہ "نقل کفر کفر نہ باشد" مگر ہمارے خیال میں نقل کفر اگر کفر نہیں تو خلاف تہذیب و متانت ضرور ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کفر نہ ہو لامحالہ اس پر عمل ہو۔ لہٰذا ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔)

نقل کفر کے بعد طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں

حضرت شیخ خاموش کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ رفقاء کو جواب دینے سے منع فرما دیا۔ آخر کار ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد گاڑی چھوٹی ۹ بجے شب کو بھاگلپور پہونچے۔ دن کو ناتھ نگر میں پھر چمپا نگر میں عظیم الشان جلسے ہوئے۔ حاضرین کی تعداد کئی ہزار تھی۔ انصار اللہ۔ کا دستہ باقاعدہ موجود مصروف نظم تھا۔ حضرت کی تقریر دو گھنٹہ کے قریب نہایت ہی ولولہ انگیز ہوئی

ہر جگہ کی طرح یہاں بھی شریعت کو مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین دعوۃ التقویٰ۔ اور جمعیۃ کے احیاء و ترقی کیطرف توجہ دلائی۔ عوام میں بہت جوش و خروش تھا۔ اسی روز کانگریسی طلباء کی کانفرنس لاجپت پارک میں ہو رہی تھی۔ ارباب کانفرنس نیز کانگریس کے ارکان نے حضرت سے درخواست کی کہ کانفرنس میں تقریر سے تفیض کیا جائے۔ اصرار کے بعد حضرت نے منظور فرما لیا۔ سہ پہر کو جلسہ گاہ جاتے وقت لیگیوں نے شور برپا کیا۔ جو بیان سے باہر ہے یہاں حضرت کو غنڈوں نے گھیر لیا۔ یہاں بھی شہر کے غنڈوں کے علاوہ مسلم ہائی اسکول کے طلبہ کے ایک جم غفیر نے حضرت کے رفقاء کو گھیر لیا۔ اور جلسہ گاہ جانے سے روکنے لگے۔ بیس چالیس لڑکے سیاہ جھنڈیاں لئے ہوئے تھے۔ غدار قوم مردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ تمگنو نے چلانے لگے۔ خدا کے فضل سے حضرت کو ضرب نہیں آئی۔ جب پتھر وغیرہ چلانے لگے تو پولیس کو اطلاع دی گئی۔ پولیس نے مداخلت کی۔ ایس۔ پی وغیرہ پہنچے وہ موٹر میں بٹھا کر حضرت کو جلسہ گاہ لے گئے۔ جہاں آٹھ دس ہزار ہندو مسلمانوں کا مجمع تھا۔ حضرت نے ایک ڈیڑھ گھنٹہ تک ہندو مسلم اتحاد پر پرزور تقریر ارشاد فرمائی۔ مغرب کی نماز وہیں جلسہ گاہ میں تقریباً سات آٹھ سو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ادا فرمائی امامت حضرت ہی نے فرمائی۔ تمام انگریز حکام مثلاً ایس۔ پی وغیرہ

اور ہندوستانی پولیس افسران کے سامنے انگریزی حکومت کے
نقصانات ومظالم اور ہندوستان سے انگریزی حکومت کے اخراج
پر انتہائی بے باکی اور طمانینت کے ساتھ تقریر فرمائی۔ بعدہ ایس
پی نے جو انگریز تھا حضرت شیخ سے کہا کہ شہر میں آپ کی وجہ سے
نقض امن کا خطرہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے آپ یہاں سے جہاں
جانا چاہتے ہیں تشریف لیجائیں۔ پولیس آپ کو اپنی نگرانی میں رکھے
گی۔ چنانچہ حضرت کو رات بھر کوتوالی تھانہ میں رکھا گیا۔ ہم خدام تھانہ
ہی میں حضرت کے ساتھ بارہ بجے شب تک رہے۔ اگرچہ اکثر
انسپکٹر پولیس صاحب جو وہاں ہر وقت موجود رہتے تھے۔ خدام
کو ملنے سے منع فرماتے تھے۔ صبح کو حضرت مدظلہ العالی کو اسٹیشن
پہونچایا گیا۔ انسپکٹر پولیس اور غالباً ڈی۔ ایس۔ پی ساتھ
تھے ہاں جلسہ ختم ہونے کے بعد حضرت کو اچانک موٹر میں بیٹھا
کر پہلے اسٹیشن لایا گیا۔ کہ رات ہی کو روانہ کر دیا جائے۔ لیکن اس
وقت گاڑی چھوٹ چکی تھی۔ بعدہ کوتوالی لاکر رکھا گیا۔ اس درمیان
میں شہر کے تمام خدام ومتوسلین پریشان پھر رہے تھے۔ ایک دوسرے سے
پوچھتے پھرتے تھے۔

شہر میں عجیب غل مچا ہوا تھا کہ حضرت مدنی کو گرفتار کرلیا گیا۔
خیر جب راقم الحروف کو معلوم ہوا کہ حضرت کوتوالی میں ہیں تو ہم قریب
پندرہ بیس خدام وہاں حاضر ہوئے۔ میں نے دست بستہ اپنی جانب

سے بیز کل سبحان شیخ مدظلہ العالی کیجانب سے عرض کیا کہ حضرت ہم سب غلاموں کی ایک درخواست ہے وہ یہ ہے کہ از کم الیکشن تک حضور والا سفر موقوف فرمادیں۔ کیونکہ لیگیوں کی اشتعال انگیزی کو دیکھ کر خطرہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین حضور کی جان لینے کے درپے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں حضرت کی بہت زیادہ توہین کرتے اور اذیتیں دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس لیئے عزت و جان کے خطرہ کے مدنظر ہماری درخواست ہے کہ چار پانچ مہینہ ضرور سفر بند رکھیں۔ جواب میں حضرت والا نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے

"بھائی تم کہتے ہو اس میں بڑی اذیتیں و تکالیف ہیں۔ لیکن یہ اذیتیں و مصائب جو دیجاتی ہیں یا اٹھانی پڑتی ہیں میرے لیئے عین راحت ہیں۔ باقی رہا عزت تو خدا و رسول کے راستہ میں جو بھی توہین کیجائے یا اذیت دیجائے میرے لیئے عین عزت اسی میں ہے۔ اگر للہ حق گوئی کی پاداش میں ہماری توہین کی جاتی ہے یا گالیاں دیجاتی ہیں تو میں اس کو عزت تصور کرتا ہوں۔ باقی رہا مرنا تو مرنا ایک ہی دفعہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جس وقت اور جسطرح مقدر کر دیا ہے۔ وہ ٹل نہیں سکتا۔ جمعیۃ مرکزیہ نے جب فیصلہ کر دیا تو میں قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔ میں جمعیۃ علماء کا ایک معمولی حقیر خادم ہوں۔ اطاعت ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ہندوستان کے ہر ایک صوبہ اور ہر ایک گوشہ

سے بھی حکم آتا ہے کہ تو بھی آ۔ تیرا آنا ضروری ہے۔ تو میں کس طرح
اعراض کر سکتا ہوں ؟؟۔

ہم سب خدام اور پولیس انسپکٹر صاحب یہ الفاظ سن کر
ششدر تھے۔ حضرت کی حقانیت۔ عزم۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ
اور للہیت پر سب حیران تھے۔ حضور دن بھر تقریریں فرماتے دن
رات سفر میں رہتے۔ مخالفوں کی ہنگامہ خیزیوں کا مقابلہ سکوت و
سکون و عدم تشدد سے فرماتے۔ ہر جگہ اصلاح۔ وعظ۔ تقویٰ
کی تلقین۔ مریدوں کی روحانی تعلیمات۔ بیعت۔ ارشاد۔ تبلیغ
ہر حرکت و سکون پر بکمال اتباع سنت۔ مخالفت پر گالی و دشنام
پر۔ توہین پر گھبراہٹ کا نام و نشان نہیں۔ وہی بشاشت۔ وہی
خندہ پیشانی۔ ٹھیک وقت پر نماز باجماعت کی سختی سے پابندی
ہر جگہ تمام سفر وغیرہ میں تہجد۔ مراقبہ۔ اور حیران کن شب بیداری
یہ تمام امور ایک انسان کو حیرانی میں ڈالنے والے ہیں۔ اور ہر شخص
انگشت بدندان ہے کہ حضرت انسان ہیں یا انسان سے بالا
ما فوق العادۃ کوئی ہستی ہیں۔ کہیں چار نہیں ملی۔ کہیں روٹی
نہیں ملی۔ کہیں تیل کا سالن ملا۔ کچھ پرواہ نہیں۔ جو کچھ سامنے آیا
خوش خوش شکریہ کے ساتھ تناول فرمالیا۔ نہیں ملا۔ بھوکے
ہیں۔ مجال کیا۔ پتہ چل جائے۔ اللہ۔ اللہ۔ ایسی ہستی کو اسلام
کا دشمن۔ غدار قوم۔ ہندوؤں کا ایجنٹ کا خطاب دیا جا رہا ہے

حضرت شیخ کی مخالفت۔ جمعیۃ علماء کی مخالفت۔ حکومت کے اشارہ پر لیگیوں کی منظم پالیسی کے ماتحت عمل میں آرہی ہے چنانچہ ان تینوں جگہوں میں جو مظاہرے۔ اور دشنام طرازی کی گئی لیگ کے ذمہ دار سیکریٹریوں اور صدروں اور تمام کارکنوں کی میٹنگ میں طے شدہ پروگرام کے ماتحت عمل میں آئی۔ اسکول کے ناسمجھ لونڈوں اور شہر کی غنڈوں کو پیچھے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسے کسی مجنون و پاگل کے پیچھے شور مچاتے گالیاں دیتے ہوئے۔ اینٹ پتھر پھینکتے ہوئے جاتے ہیں۔

اس سفر میں حضرت کو کوتوالی میں دیکھکر راقم الحروف کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ کہ یا اللہ۔ اس تیرے بندے کو کونسا شر یا جنون سوار ہو گیا ہے۔ یا کوئی بے چینی پیدا ہو گئی ہے کہ نہ سونے کا ٹھکانا نہ کھانے کا ٹھکانا۔ نہ نہانے غسل کرنے کا ٹھکانا۔ آرام نہ راحت۔ رات دن سفر۔ مخالفوں وہ بھی مسلمانوں سے انتہائی ناروا سلوک دیکھتا ہے۔ اس وقت تنہا نہیں مفید تھے۔ اپنے اعزہ و اقارب کو چھوڑے ہوئے۔ اپنے تن من دھن کو خیرباد کہے ہوئے قریہ قریہ۔ گاؤں گاؤں مارا مارا پھر رہا ہے اور انتہا کرکے لوگوں کو محبت و پیار کے ساتھ اسلام کی طرف بلا رہا ہے خدا و رسول کے [illegible]

دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت والا کیوں نہیں یک طرف ہو کر یاد خدا میں مصروف ہو جاتے۔ اور بے پناہ مصائب کیوں

حول سے رہے ہیں۔ یا اللہ تو ہی اس عاشق کو اپنی پناہ میں لے لے۔ آمین۔ آمین
بہرکیف اصل غرض یہ ہے کہ

(الف) حضرت والا مدنی صاحب مدظلہ العالی کی جان کو بلاشک خطرہ ہے میری درخواست ہے کہ آپ سب لگ حضرت کا سفر الیکشن بھر بند کرا دیں۔ جیسا کہ ہند کلکتہ نے لکھا ہے کہ حضرت دو مرتبہ شہید ہوتے ہوتے بچے۔ کیونکہ لیگی غنڈوں کی شرارتیں اشتعال انگیزی کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہوں۔ کٹیہار کے اسٹیشن پر لیگی حضرات خوب چلا کر کہہ رہے تھے۔ اب کے الیکشن کے بعد جب ہمارا اقتدار ملک کے اندر ہو جائیگا تو اس وقت ایک ایک ملا کو ہندوستان کے صفحۂ ہستی سے مٹا کر دم لیں گے۔ سب سے پہلا پروگرام ہمارا یہی ہوگا۔

(ب) علانیہ لیگی حضرات وارباب لیگ تمام تقریروں و تحریروں میں صاف صاف اعلان کر رہے ہیں کہ مسلمانو! مولویوں کو اپنے یہاں مت آنے دو۔ ان کو تقریر مت کرنے دو۔ ان کی تقریر کو کسی مسلمان کو نہ سننے دو۔ یہ تمہیں گمراہ کر دیں گے۔ یہ کانگریس کی طرف سے آئیں گے جو مسلمانوں کو فنا کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اگر یہ لوگ کسی صورت سے اچانک پہنچ جائیں تو جس صورت سے ہو اپنے یہاں سے نکال کر دم لو وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کا ایک اشتہار کل ہی یہاں تقسیم ہوا ہے اور اسی مضمون پر کل لیگیوں کی تقریریں ہوئی ہیں۔ چنانچہ اسی منصوبہ کا عملی مظاہرہ ہر جگہ دیکھنے میں آ رہا ہے اسلئے اب سوال یہ ہے کہ آئندہ خیال مسلمانوں ' جمعیۃ علماء کا الیکشن کے متعلق کام کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جمعیۃ [illegible] کے اراد و اتحاد کی راہ میں بعید رکاوٹیں

پیدا کی جا رہی ہیں۔ لیگ والے کثیر تعداد میں اگر مار پیٹ و ہلڑ بونگ مچانے پر تیار ہو جاتے
ہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ ہم لوگ نہیں ہرگز ہرگز جلسہ و تقریر نہیں کرنے دینگے۔ چاہے
اس کے لئے مار پیٹ کی نوبت کیوں نہ آ جائے۔ چنانچہ اکثر جگہ یہی مشاہدہ میں آرہا ہے
محکمہ پولیس ہر جگہ لیگیوں کی شرارت و ہلڑ بونگ کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ دیکھئے اس سفر میں
بھی بجائے لیگیوں پر سختی کے حضرت ہی کو اپنی نگرانی میں رکھا۔

سید طیب بھاگلپوری

طیب صاحب نے ہمدردانہ اور مخلصانہ مشورہ دیا تھا کہ الیکشن کے سلسلہ ہی کو
جمعیۃ علماء ختم کر دے۔ کچھ مخلص حضرات نے اس کو کسی لطیفہ کے ساتھ اس طرح بیان
فرمایا کہ یہ تو لازمی ہے کہ لا تقولوا[عہ] الا الحق کے بموجب جب بھی بات کہی جائے حق
بات ہی کہی جائے مگر اعلنوا بکل حق (ہر حق بات کا اعلان کرتے پھرو) کا حکم
شریعت میں نہیں وارد ہوا۔ بہر حال رخصت کا ایک درجہ یہ بھی تھا۔ مگر حضرت شیخ جیسا
صاحب العزم اگر رخصت پر عمل کرتا تو ایک مرتبہ بھی جیل میں نہ جاتا۔ جو جماعت رخصت
کو ترک کر کے پچیس سال متواتر عزیمت پر عامل رہی اور ہر محاذ پر ملک و ملت کی
ترقی کے لئے ایک فریضہ کی حیثیت سے سینہ سپر ہو کر جد و جہد کرتی رہی۔ اس کیلئے
کب ممکن تھا کہ وہ اپنے اس اقدام سے قدم پیچھے ہٹاتی یا طیب صاحب سے مرعوب ہوتی
جس کو اس نے وقت کا اہم ترین ملی فریضہ تصور کیا تھا۔ بالخصوص جب کہ عجیب و
غریب روحانی لطیفے بھی موقع بموقع ظہور پذیر ہوتے رہے۔ چنانچہ اسی موقع پر ایک
عجیب واقعہ یہ پیش آیا کہ احقر نے ڈاک دیکھتے ہوئے پہلا طیب صاحب کا خط پڑھا

عہ مت کہو مگر حق بات۔

خط پڑھا۔ اُس کے بعد دوسرا لفافہ کھولا تو دھامپور ضلع بجنور سے ایک بزرگ کا خط
تھا اور اس میں تحریر تھا کہ یہاں ایک صاحب ہیں صوم وصلوٰۃ کے پابند بظاہر
نیک اور سچے آدمی ہیں۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
ایک کمرہ میں تشریف فرما ہیں۔ دروازہ پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرما
ہیں۔ برابر میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب کھڑے ہوئے ہیں حضرت
صدیقؓ کی ریش مبارک کے بال پراگندہ ہیں اور حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی اُن کو
درست کر رہے ہیں۔

صاحب الشریعت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں رفیق [illegible]
صاحب الغار، محی السنت خلیفہ اول حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک کو
سنوارنا کس قدر عجیب وغریب بشارت ہے؟ اہل نظر پر پوشیدہ نہیں بالخصوص ایسے زمانہ
میں کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو ایک ایک کر کے مٹایا جا رہا ہو [illegible]
سے داڑھی کے خلاف تہذیب جدیدہ نے طوفان بپا کر رکھا ہو۔

بہرحال طیب صاحب کے مکتوب سے واقعات کے [illegible]
کے اخلاق آپ کی ہمت عالی جرات وسعت ظرف اور للٰہیت وغیرہ [illegible]
اسی لئے اس طویل خط کو نقل کرنا مفید سمجھا گیا۔ ذیل میں مولانا [illegible]
کا مضمون اخبار روزنامہ حقیقت (لکھنؤ) سے نقل کیا [illegible] سید پور
کے واقعہ کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو ص ۳۵۶

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی صاحب کی توہین اور اُسکا عبرت خیز انجام

سیدپور اور بھاگلپور میں جس نوعیت سے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند کی ذات بابرکات پر قاتلانہ اور وحشیانہ حملے ہوئے وہ ہر سنجیدہ شخص کے لئے انتہائی رنج و قلق کا موجب ہیں۔

حضرت مولانا ریاض الدین صاحب سیدپوری جو حضرت شیخ مدظلہ کے میزبان اور سیدپور لانے کے باعث تھے، وہ کلکتہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ موصوف نے راقم الحروف کو نماز جمعہ سے قبل نمازیان مسجد کولوٹولہ کی موجودگی میں اپنی درد بھری داستان سنائی کہ حضرت مدنی صاحب اپنے خادم احسان الحق صاحب مرحوم کی تعزیت میں قصبہ سونا تشریف لائے ہوئے تھے اور میری درخواست پر شام کا کھانا تناول فرمانے کیلئے سیدپور اسٹیشن پر اترے تھے اور افسوس کہ ممدوح کو میرے غریب خانہ تک پہنچنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ دفعۃً تقریباً سات سو لوگوں کا انبوہ لیگی نعرے لگاتا ہوا اسٹیشن پر آدھمکا اور حضرت شیخ کو عریاں دشنام دہی شروع کردی۔ ہاتھوں میں لاٹھیاں، ڈنڈے اور چھریاں تھیں۔ بے تمیزی سے نام لے لے کر قتل کردو، مار ڈالو، ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ غدار ہے [illegible] جو کچھ منہ پر آتا تھا [illegible] اس کی۔ ہم بنا بر استقبال صرف دس بیس آدمی تھے اور ان لوگوں میں برابر ایک شخص کے ناقوس پر ناقوس بجانے پر زیادتی ہورہی تھی۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً تین ہزار غنڈے سیدپور و [illegible] اور مضافات سے جمع ہو گئے اور پھر کربلا کا منظر حسین احمد بن حسین کے سامنے آگیا۔ انا للہ

وانا الیہ راجعون۔ اور ہلڑ شروع کر دی اور ہم چند لوگ جو شیخ مدنی کو حلقہ بنائے ہوئے تھے کچھ مجروح اور کچھ مضروب ہو رہے تھے اور خدا جانے ہم لوگوں میں آیا فرشتے آ گئے تھے یا کیا بات تھی کہ بے انتہا قوت ہمارے اندر پیدا ہو گئی تھی، اور ہم کانہم بنیان مرصوص بنے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں ایک فرعون صفت [illegible] نے اپنی فرعونیت کا شدید ترین مظاہرہ کیا۔ مدنی صاحب کو زمین پر پچھاڑنے کی کوشش کی۔ بے دردی سے گریبان اور آخر میں سخت مدافعت کے باوجود کلاہ مبارک سے اتار لی۔ بیہودہ کلمات کہتے ہوئے پاؤں کے نیچے روندا اور پھر اس کو جلا دیا۔ ہم میں سے بعض اشخاص نے ایک مسلمان سب انسپکٹر کو جو قریب ہی تھا امداد کیلئے متوجہ کیا مگر افسوس کہ اُس نے لیگی ذہنیت کی وجہ سے ابتداءً ٹالنے سے کام لیا، کچھ دیر بعد صاف و صریح انکار کر دیا کہ میں اس بڑے مجمع کو قابو میں لانے سے معذور ہوں۔ جب اس پولیس افسر نے اپنی شرعی و قانونی ذمہ داری کا قطعی احساس نہیں کیا تو ہم سے بعض مایوسانہ طریقہ پر ورکشاپ کے اینگلو انڈین افسر کے پاس پہنچے وہ فوراً اسٹیشن پر آیا اور اس نے فی الواقع امن و امان قائم کرنے کی بہت کچھ کوشش کی۔ اپنے ماتحت مزدوروں سے یہاں تک کہا کہ خبردار! یہ کیا کام کر رہے ہو، ہم جانتے ہیں یہ شخص تمہارا بہت بڑا لیڈر ہے۔ زبردست پادری ہے، نہایت نیک آدمی ہے کیا تم اسی طرح غنڈوں سے شراب پی کر پاکستان لینا چاہتے ہو۔ دور ہو جاؤ، دفع ہو جاؤ۔ تمہارے منہ سے شراب کی بو آتی ہے۔ غرض اس نے بہت کچھ سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا اور مدنی صاحب اسی درمیان میں بمشکل تمام ویٹنگ روم میں داخل کئے جا سکے۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنی رض کی طرح مظلومانہ محصور تھے اس ناکامی کے

بعدہٗ اسٹیشن افسران وغیرہ کی سعی کے ذریعہ خنڈوں سے یہ طے پایا کہ مولانا کو اس
صورت میں چھوڑا جا سکتا ہے کہ یہ اسی شب کی دارجلنگ میل سے واپس ہو جائیں۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت شیخ ۶ بجے شام سے لے کر ۱۱ بجے شب تک پانچ
گھنٹے اس مصیبت عظمیٰ میں مبتلا رہ کر دارجلنگ میل سے بھاگلپور کیلئے روانہ ہو گئے۔
پھر بھاگلپور میں پہنچ کر دوبارہ جو مصیبت آئی وہ بھی اخبارات میں مجملاً آ چکی ہے۔
یہ ہے وہ وحشت خیز اور درد فرسا داستان کہ جس سے سوائے لیگی پریس کے
ہر حلقہ متفق ہے اور ارباب لیگ کی طرف سے واقعہ کی تکذیب کی جا رہی
ہے۔ افسوس صد افسوس۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

مولانا ریاض الدین صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت اپنے دوستوں کو صبر
و سکون کے ساتھ تسلی و تشفی دیتے رہے اور فرمایا یہ تو کچھ بھی نہیں آئندہ ملک کی اس
سے زیادہ خراب حالت ہونے والی ہے۔ جلوس اور سب و شتم کے وقت حضرت شیخ کی
کیا حالت تھی؟ مولانا ریاض الدین صاحب فرماتے ہیں کہ چہرہ پر قطعاً خوف و ہراس نہ
تھا البتہ قاری صاحب اضطراب کی حالت میں ہو جاتے تھے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت
مولانا کے ہمراہیوں نے صراحتاً تحریری طور پر اجازت طلب کی کہ ہم غنڈوں کے قلع قمع
کے لئے حاضر ہیں مگر مولانا نے اس سے منع فرما دیا اور اپنے اعتماد علی اللہ کی بناء پر
اجازت نہیں دی۔ غالباً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جس میں رسول اللہ
نے قام الرجل وہو قح الشیطان" فرمایا تھا۔ حضرت کے پیش نظر تھا۔ یہ سچ

عمل بالحدیث ادام اللہ فیضانہ وظلہ علی المسلمین والمسترشدین۔

شیخ الاسلام کی کھلی کرامت

اولیاء اللہ سے جو عداوت رکھتا ہے وہ دراصل باری تعالیٰ سے جنگ کرتا ہے حق تعالیٰ کے نیک بندوں کا بحالت مظلومیت صبر و ضبط رنگ لائے بغیر نہیں رہتا، سیدنا امام حسینؓ کے قاتلین نے زیادہ عرصہ نہیں تھوڑے ہی دنوں میں اپنی ذلت اور رسوائی کا جو مہیب نقشہ دیکھا وہ اسلامی تاریخوں میں آج بھی موجود ہے۔ مظلوم حسین احمد بھی غالباً حدود بنگال سے باہر نہیں نکلے تھے کہ خداوند تعالیٰ کا قہر و غضب ظالموں کی طرف متوجہ ہو گیا اور منتقم حقیقی کی گرفت شروع ہو گئی۔ چنانچہ مولانا محمد صالح صاحب سید پوری فاضل دیوبند خلف رشید مولانا ریاض الدین صاحب کا گرامی نامہ آج ہی اپنے پدر بزرگوار کے نام کلکتہ پہنچا۔ مکتوب بنگلہ زبان میں ہے۔ راقم الحروف اس کا اردو ترجمہ جناب قاری عتیق الرحمن صاحب فرید پوری مدرس اعلیٰ شعبہ تجوید مدرسہ عالیہ کلکتہ اور جناب قاری شریعت اللہ صاحب میمن سنگھی مدرس تجوید مدرسہ عالیہ سے کرا کے بعینہٖ نقل کرتا ہے۔ مقام عبرت ہے کہ جس فرعون بے سامان نے زیادہ فرعونیت سے کام لیا تھا وہ تو اگلے ہی دن تالاب میں غرق ہو کر فوت ہو گیا اور جس پولیس افسر نے اپنی اخلاقی و قانونی ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا تھا اور کھڑے ہوئے کلوخ اندازی وغیرہ کا تماشہ دیکھا تھا وہ بھی اپنے نوجوان فرزند کو سپرد خاک کر کے سراپا تماشہ بن گیا۔ یہ خدا کی شان کہ جس خیال سے یہ ہڑبونگ کی گئی تھی کہ جمعیۃ علماء کی تبلیغ نہ ہو۔ آج بڑے اہتمام سے اسی جگہ جمعیۃ قائم کی جا رہی ہے جو لوگ اب تک غنڈے بنے ہوئے تھے وہ اب تائب ہو کر ایک دوسرے کو متہم

گرد ہے تھا اور جس جھنڈے کے تحت میں یہ سب کچھ خرافات کی گئی تھی اسی جھنڈے کی اب علانیہ مخالفت شروع کر دی گئی ہے ۔ اللہ رے قدرت کیا برعکس معاملہ ہے ۔

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

صالح صاحب لکھتے ہیں :-

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اباجان! آپ کا خط موصول ہوا۔ ہم لوگ خدا کے فضل سے خیریت سے ہیں۔ ہم لوگوں کیلئے کسی قسم کی فکر نہ کریں۔ بے فکر ہو کر کام کاج کریں اور ہم لوگوں کیلئے دعا کرتے رہیں۔ جن غنڈوں نے جناب حضرت قبلہ مولانا مدنی کے ساتھ گستاخی کی تھی وہ لوگ ابھی اس کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ بڑے داروغہ کا لڑکا دوسرے ہی دن قضا کر گیا یہ بات شاید آپ کو معلوم نہ ہو ۔ اس کے بعد جس شخص نے حضرت کے سر مبارک کی ٹوپی اتاری اور جلا دی تھی دوسرے ہی دن وہ بھی تالاب میں ڈوب کر مر گیا۔ سید پور میں طاعون پھیل گیا شیخان ڈاکٹر اور چھینا سب لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگ ان غنڈوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہم لوگوں سے ایسا ذلیل کام نہیں ہو سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ لیگیوں میں دو فرقے ہو گئے ہیں۔ بہت سے لوگ افسوس کر رہے ہیں کہ ایسا کام کرنا لیگیوں کی غلطی ہوئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ بہت ہی نادم ہو گئے۔ کل بعد جمعہ قریب دو ہزار گاؤں کے سردار لوگ ہمارے گھر میں آئے اور تبلیغی جماعت قائم کی اور جمعیۃ العلماء ہند کی ایک شاخ قائم کی جس کا صدر آپ کو بنایا گیا ہے اور مرحوم مظہر اللہ منڈل صاحب کے لڑکے عبدالکریم منڈل صاحب کو اسسٹنٹ سکرٹری بنایا اور آس پاس کے

لوگوں کے نام کی فہرست بھیجی ہے۔ آپ کے گھر آنے پر تمام سردار آپ کے پاس آئیں گے۔" فقط

صالح

آپ نے دیکھا کہ سچے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کس طرح سچا ثابت کرتا ہے گو تفصیلات کا ابھی انتظار ہے مگر تاہم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی یہ کیسی زبردست اور کھلی ہوئی کرامت ہے۔

ممکن ہے کہ کچھ لوگ میری ان سطور کو فسانہ گوئی یا خوش اعتقادی پر محمول کرنا چاہیں ایسے لوگوں سے میں صرف یہی عرض کر سکتا ہوں کہ وہ جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کے صدر محترم حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب داناپوری اور جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رکن جمعیۃ مذکورہ کو آمادہ کریں کہ یہ دونوں بزرگ میری معیت میں سید پور تشریف لیجائیں اور تمام واقعات کی تحقیقات و تفتیش از خود فرمائیں۔ مصارف آمد و رفت کی ذمہ مجھ پر ہوگی اور واقعات مذکورہ کی تائید یا تردید بزبان ان ہر دو بزرگان ہوگی۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

خادم العلماء محمد کفیل بجنوری رکن جمعیۃ مرکزیہ و صدر جمعیۃ العلماء کلکتہ
مفسر القرآن مسجد کولوٹولہ

سید پور اور بھاگلپور کے واقعات مرعوب کرنے کیلئے کافی تھے مگر جس کو خداوند عالم نے ہمت، و استقلال کا غیر متزلزل پہاڑ بنایا ہو اُس کیلئے ایسے واقعات بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے چنانچہ اس کے بعد حضرت کا پروگرام مرتب کیا گیا اور آسام سے پشاور تک پورے متحدہ ہندوستان کا دورہ[1] فرمایا لیگیوں کی طرف سے جگہ جگہ

[1] سی پی اور بمبئی وغیرہ کی طرف جانے کا حضرت کو موقع نہیں ملا۔ حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند اور حضرت مولانا عبدالحنان صاحب مولانا عبدالوحید صاحب

یورش کی گئی۔ بنگال میں مشرکین نے نوبت یہاں تک اٹھا دی۔ اس پر درخت کاٹ
کر ڈالدیئے اور اسکول سے تقریباً دو سو طلبہ اور اس اطراف کے اوباش کو سڑک کے
قریب چھپا کر بٹھا دیا گیا کہ حضرت کی جب سواری اس طرف سے گذرے تو حملہ کر دیا
جائے مگر اس کی اطلاع حضرت کے خدام کو ہو گئی اور راستہ تبدیل کرا کر حضرت کو منزل
مقصود تک پہنچا دیا گیا۔

سلہٹ میں حضرت کے جلوس پر حملہ کیا گیا۔ بریلی میں حضرت کے جلسہ پر پتھراؤ
کیا گیا۔ پولیس والے کھڑے ہوئے دیکھتے ہی نہیں رہے بلکہ یہ کہا جاتا تھا کہ شہ دیتے تھے
مگر خداوند عالم نے ہر جگہ حضرت کی حفاظت فرمائی اور حضرت مدظلہ العالی نے اس قسم کے
تمام واقعات کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ بنگال میں غنڈہ گردی کی یہاں
تک انتہا ہو گئی تھی کہ چلتی ٹرین میں قوم پرور مسلمانوں کو زدوکوب کیا جاتا تھا۔ پروفیسر ہمایوں
کبیر سخت زخمی ہوئے۔ کچھ آدمیوں نے زنجیر کھینچ دی اور غنڈہ اوباش نے گاڑی میں چڑھ
کر ان کو زدوکوب کیا۔ ان شرارتوں کی بنا پر بعض خدام کی رائے تھی کہ حضرت بنگال کا
سفر نہ کریں۔ لیکن حضرت نے فرمایا کہ کامیابی یا ناکامی تو خدا کے اختیار ہے۔ جمعیت کی
آواز پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ ہم اپنے فرض میں کیوں کوتاہی کریں۔

نتیجہ الیکشن اس قسم کی غنڈہ گردی اور منظم سازشوں نے الیکشن کی کامیابی کو قطعاً ناممکن بنا دیا مگر پھر بھی

(الف) صوبائی اسمبلیوں میں مجموعی حیثیت سے ۱۲ فیصدی نشستیں قوم پروروں
نے حاصل کر لیں۔

(ب) ووٹوں کے اعداد و شمار نے ظاہر کیا کہ تقریباً چالیس فیصدی ووٹ

جمعیۃ علماء کے حق تھا پڑے۔

(ج) ہندوستان کی سیاست میں جمعیۃ علماء ہند نے ایک آئینی حیثیت حاصل کرلی۔

(د) دہریت اور لادینی کے اس طوفانی دور میں مذہبی طبقہ بھی ہندوستانی سیاست کا ایسا اہم عنصر بن گیا جس کو کسی وقت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

(ھ) وہ علماء جن کے اقتدار کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ خود اعلان کرنے والوں کو ان کے دامن میں پناہ لینی پڑی اور لیگ کے جن زعماء نے ۱۹۳۶ء کے الیکشن کی کامیابی کو اپنے مینوفسٹو کا کمال گردانا تھا۔ اُن کو اس مرتبہ کامیابی کے بعد علماء کرام کا شکریہ ادا کرنا پڑا۔

بیشک یہ شکریہ جمعیۃ علماء اسلام کے اراکین کا ادا کیا گیا مگر دنیا جانتی ہے اور ہر ذی فہم سمجھ سکتا ہے کہ اگر جمعیۃ علماء ہند میدان میں نہ ہوتی تو جمعیۃ علماء اسلام کے قیام کی ضرورت ہی پیش نہ آتی اور مولوی کی حیثیت مسجد کے حجرہ تک محدود ہوکر رہ جاتی۔

ہم آخر میں حضرت مولانا ابوالکلام کا ایک بیان نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی پوری ذمہ داری کے ساتھ شائع کرایا۔ اس بیان سے ان مشکلات کا اندازہ ہوجاتا ہے جو اس الیکشن میں پیش آئیں۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اگر رائے دہندگان کو طرح طرح کی غیر آئینی کارروائیوں سے مرعوب نہ کیا جاتا اور ان کو آزادانہ رائے دینے کا موقع ملتا تو جمعیۃ علماء ہند پچاس فیصدی نشستیں ضرور حاصل کرلیتی۔

مولانا آزاد کا زلزلہ افگن بیان

(ماخوذ از مدینہ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۴۶ء)

مولانا آزاد نے کلکتہ سے ۴ اپریل کو ایک بیان دیا تھا اس میں علی الاعلان یہ الزام لگایا تھا کہ ہندوستان کی چاروں سرحدوں کے اندر پورے ہندوستان کے سرکاری افسر لیگ کی دوستی اور جانبداری کا دم بھر رہے تھے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک غیر ملکی حکومت کے حکام محض اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ کیلئے لیگ کی حمایت پر مجبور ہوئے حتیٰ کہ سرحد کے گورنر نے ایک نواب کو کانگریس کے مقابلہ کے لئے لیگ کے ٹکٹ پر کھڑا ہونے کیلئے زور دیا۔ گورنر نے تردید کی مگر مولانا آزاد نے دوبارہ اسکو چیلنج دیا ہے اور اپنا بیان واپس لینے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد ۴ اپریل کو مولانا ابو الکلام آزاد نے ایک دوسرے بیان میں کہا کہ بنگال کے انتخابات لیگ کی حرکتوں اور سرکاری حکام کی چشم پوشی اور عملی کارروائیوں کی وجہ سے محض ایک مذاق ہو کر رہ گئے۔

اپنے دعوے کی تائید میں مولانا آزاد نے نمونے کے طور پر چند واقعات پیش کئے ہیں جن میں امیدواروں کے اغوا سے لیکر ووٹروں کے خلاف تشدد تک کے واقعات شامل ہیں۔

مولانا نے کہا ہے کہ لیگ نے ان پڑھ پیروں اور ملاؤں کی سرپرستی حاصل کر کے لیگ کے خلاف ووٹ دینے والوں کو عذاب الٰہی کی دھمکیاں دیں۔

سرکاری حکام کی لیگ نوازی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا آزاد نے

"ان کا طرزِ عمل ایسا تھا کہ الیکشن کے نتائج پر بھی شبہ ہوتا ہے اور اسی بنا پر یہ الزامات لگائے جا رہے ہیں کہ بہت سے مقامات پر ووٹ کے بکسوں میں دست اندازی کی گئی ہے۔

بنگال کے انتخابات کو دراصل عام معنوں میں انتخاب کہنا دشوار ہے۔ موجودہ زمانے کے انتخابات میں سیاسی جماعتیں اپنے رائے دہندگی کے حلقوں کے سامنے وہ متبادل پروگرام پیش کرتی ہیں جسے وہ مجالس قانون ساز میں چلانا چاہتی ہیں لیکن بنگال کے انتخابات کی حیثیت اس سے زیادہ اس جہاد کی تھی جس میں بدترین قسم کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کیا گیا۔ بنگال میں ایسے بہت سے ناخواندہ اور نیم خواندہ پائے جاتے ہیں جو خاندانی وراثت کے بل پر پیر اور مذہبی پیشوا بن بیٹھے ہیں۔ ان میں اکثر عربی کی ایک سطر بھی نہیں پڑھ سکتے اور اسلام کے مذہبی ادب سے بالکل نابلد ہیں اگر باوجود صوبے کے مختلف حصوں بالخصوص مشرقی علاقوں میں ان کے بہت سے ماننے والے ہیں جن کی جہالت اور سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر یہ لوگ اپنی موجودہ حیثیت برقرار رکھتے ہیں۔

لیگ نے مذہبی جنون کو اتنے بڑے پیمانے پر بیدار کرنے کیلئے جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان لوگوں کی امداد حاصل کر لی اور انتخاب میں کوئی سیاسی مسئلہ اٹھانے یا اس پر بحث کرنے کے بجائے اس کو ایک مذہبی جنگ بنا دیا گیا۔

فتووں کے ذریعہ اعلان کر دیا گیا کہ لیگ کو ووٹ دینا اسلام کو ووٹ دینا ہے، اور لیگ کے خلاف ووٹ دینا اپنے مذہب کو شکست دینا ہے۔ غیر لیگی امیدوار کو کافر اور مرتد قرار دے دیا گیا اور کہا گیا کہ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو بند ہے۔۔۔

اسلام ختم ہو جائے گا اور مولویوں کے زبانی وعظ فتووں کے حدود سے بھی آگے نکل گئے۔

حکام کی سازش

انتہائی زہریلی قسم کی مذہبی لعنت ملامت کے ساتھ ساتھ جسمانی تشدد بھی اتنے بڑے پیمانے پر کیا گیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ انتخابات کے دوران میں امن و نظم قائم رکھنے میں حکومت کی ناکامی اتنی نمایاں تھی کہ اس پر ایک سازش کا شبہ ہوتا ہے۔ میں انتخابات کے سلسلے میں لیگ کی حمایت میں سرکاری حکام کی بین صوبجاتی سازش کا پہلے بھی تذکرہ کر چکا ہوں۔ بنگال میں سازش بالکل کھلی ہوئی تھی۔ بہت سے واقعات میں حکام نے کھلم کھلا لیگ کی حمایت کی۔

مجھے ذمہ دار پبلک کارکنوں نے جن کی صداقت پر شبہ کرنے کی مجھے کوئی وجہ نہیں ہے بتایا کہ چونکہ مسلم حکام کی اکثریت نے ایسی روش اختیار کر رکھی تھی کہ یہ تمیز کرنا دشوار تھا کہ یہ لوگ سرکاری ملازم ہیں یا لیگ کے کارندے۔ چھوٹے درجہ کے افسروں نے جب یہ دیکھا کہ اعلیٰ حکام ان کی سرگرمیوں پر کوئی توجہ نہیں دیتے تو ان کی ہمت و جرأت اور بڑھ گئی۔

مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اس معاملہ کی تحقیقات کرنے کے لئے ایک غیر جانبدارانہ ٹریبونل مقرر کیا جائے تو بڑے چھوٹے بہت سے افسروں کی انتہائی جانبداری پاسداری، دست اندازی اور فرائض سے کوتاہی کے بہت سے واقعات سامنے آ جائینگے۔

ان کا طرز عمل ایسا تھا کہ الیکشن کے نتائج پر بھی شبہ ہوتا ہے اسی بناء پر یہ الزامات لگائے جا رہے ہیں کہ بہت سے مقامات پر ووٹ کے بکسوں میں دست اندازی

کی گئی ہے۔

عذاب الٰہی کی دہائی اور کھلم کھلا سرکاری پاسداری کے علاوہ لیگ نے انتخابات میں اپنی کامیابی کے لئے زبردست دھمکی اور تشدد کا حربہ اختیار کیا۔ امیدواروں کو نقل و حمل کی آزادی سے جو انتخابی مہم میں ضروری ہے محروم کر دیا گیا۔ پولنگ بوتھ تشدد اور غنڈہ گردی کے مرکز بن گئے۔ ووٹ کو راز میں نہیں رہنے دیا گیا۔ دوسرے فریقوں کے پولنگ ایجنٹوں کو کام نہیں کرنے دیا۔

دوسری جماعتوں کا ضبط

غیر لیگی امیدواروں اور ان کے حامیوں کے گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ حملہ اور مار پیٹ کے لاتعداد واقعات پیش آئے۔ غیر لیگی امیدواروں کا جان و مال غیر محفوظ ہو گیا اور یہ سب اس وجہ سے نہیں ہوا کہ لیگ کو عوام کی بڑی اکثریت کی تائید حاصل تھی دوسری جماعتوں نے اپنے ماننے والوں کو پُرامن فضا قائم رکھنے کی سخت ہدایتیں کر دی تھیں لیکن دوسری جماعتوں کے ضبط کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ لیگی حمایتیوں کی غنڈہ گردی اور تشدد میں مزید اضافہ ہو گیا۔

بنگال میں متعدد حلقے ایسے ہیں جہاں دوسری جماعتوں کو کافی تائید حاصل تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ان مقامات پر مسلم پارلیمنٹری بورڈ [illegible] پارٹی کے امیدوار چاہتے تو وہ غنڈہ گردی کا جواب دے سکتے تھے لیکن انھوں نے عدم تشدد کی شان قائم رکھی۔

جہاں جہاں غیر لیگی امیدوار اور ان کے حامیوں نے ان مقامات کو اپنے اختیار میں لے لیا اور غنڈہ گردی کا مقابلہ کیا جیسا کہ باریسال میں اور بعض فرید پور، میمن سنگھ، اور مرشد آباد کے بعض حصوں میں ہوا وہاں غیر لیگی امیدوار زبردست اکثریت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔

بین الاقوامی حالات کی تبدیلی

اور برطانوی حکومت کے نقطۂ نظر میں انقلاب

"ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان پر تقسیم کر دیا جائے۔ اس طرح برطانوی سامراج کی عمر دراز ہو سکتی ہے۔"

یہ تھا برطانوی مدبرین کا وہ نظریہ جس کا انکشاف اگست ۱۹۴۱ء میں مسٹر باوڈن جج کے ایک خط سے ہوا تھا۔[1]

کنسرویٹو پارٹی اسی نظریہ کی حامی رہی۔ چنانچہ مسٹر چرچل اور ایمری کانگریسی مطالبات کی تردید کیلئے تقسیم ہند کے مطالبہ کی آڑ لیتے رہے اور اسکی حوصلہ افزائی کرتے رہے اور جیسا کہ صفحات سابقہ میں گذر چکا ہے امریکہ وغیرہ میں اس نظریہ کی اشاعت کیلئے لاکھوں روپیہ صرف کیا جاتا رہا

لیکن خاتمۂ جنگ کے بعد بین الاقوامی حالات میں عجیب انقلاب پیدا ہو گیا۔

انگلینڈ کے زمانہ شناس مدبروں کو اس انقلاب کا پورا احساس تھا۔ زمانۂ جنگ میں اگرچہ وہ مسٹر چرچل اور ان کی پارٹی کی پالیسی کو تحمل و وفاداری کے ساتھ برداشت کرتے رہے مگر جنگ کے بعد بدلے ہوئے حالات کے مقابلہ کی صلاحیت سے مسٹر چرچل اور ان کی پارٹی کو عاری پایا۔ لہٰذا جون ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں ان کی پارٹی نے بری طرح شکست کھائی اور مسٹر ایٹلی کی لیبر پارٹی برسر اقتدار آگئی۔

---

[1] دیکھو اخبار مدینہ مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۲

واقعہ یہ ہے کہ مسٹر چرچل نے ہٹلر کو ختم کر کے جرمنی پر فتح تو حاصل کر لی مگر اپنی حفاظت کی اس دیوار کو منہدم کر دیا جو جرمن کی خفیہ امداد کر کے مسٹر چرچل کے پیش رو قائم کر چکے تھے۔ ہٹلر کے ختم ہونے کے بعد یورپ میں کوئی طاقت ایسی نہیں رہی جو سامراج پرست برطانیہ اور سامراج دشمن روس کے درمیان سد سکندری بن کر جنگ لڑنے کا اگر چہ سہرا مسٹر چرچل کے سر ہے کہ وہ ایسے وقت میں بھی فاسسٹ طاقتوں کے مقابلہ پر جمے رہے جبکہ ایک طرف جاپان جرمنی اور اٹلی کی متحدہ طاقتیں تھیں اور دوسری طرف صرف برطانیہ تھا لیکن جنگ جیتنے کا فخر امریکہ کے سرمایہ اور روس کے لاتعداد مرمٹنے والے وفادار سپاہیوں کو حاصل ہے۔

زمانہ جنگ میں روس نے اپنے نقصان اور تباہی کا مظاہرہ کر کے امریکہ اور برطانیہ سے اسلحہ، سامان جنگ، سامان رسد اور مالی امداد حاصل کی۔ لیکن جیسے ہی جنگ ختم ہوئی کہا جانے لگا کہ اس کی طرف سے تہیدستی اور قلاشی کا اظہار ایک ڈپلومیسی تھی۔ اس طرح اس نے اپنے سامان جنگ کے ذخیروں کو محفوظ رکھا اور صرف اس سامان کو صرف کیا جو برطانیہ اور امریکہ سے حاصل کیا تھا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ برطانوی اور امریکن بغاوت کے حریف کا سامان جنگ ایسے زمانہ میں محفوظ ہے جبکہ یہ دونوں اپنا سامان جنگ ختم کر چکے ہیں اور اب روس کی جنگی طاقت کے ساتھ توازن قائم کرنے کیلئے ایک مدت درکار ہے۔

قربانیوں کے بعد فتح قوم کا حوصلہ بڑھا دیتی ہے اور اگر وہ پہلے بہادر قوم کہلانے کی مستحق تھی تو اب اس کو "فولادی قوم" کا خطاب دیا جاتا ہے۔

چنانچہ روسی قوم نے فتح کی شادکامی کے بعد اقوام دنیا پر "فولادی قوم" کی عظیم الشان شوکت وحشمت حاصل کرلی۔

زمانہ جنگ میں امریکہ اور برطانیہ کی فوجیں افریقہ کی تسخیر اور اٹلی کو شکست دینے میں مصروف رہیں اور روس کی فوجیں فن لینڈ، یوگوسلاویہ، رومانیہ، پولینڈ وغیرہ یورپ کے اہم ترین ممالک پر قبضہ کرتی رہیں اور جس وقت مملکت جرمن کے مرکز کی طرف اتحادی فوجوں کی دوڑ جاری تھی تو اسی فوج نے سب سے پہلے قلب مملکت یعنی برلن پر قبضہ کر کے یورپ کے سینہ پر اپنے اقتدار کا پرچم لہرایا اور چند روز بعد ہی ان علاقوں کو مسلح کرنے اور فوجی نقطہ نگاہ سے مستحکم کرنے میں نہ صرف یہ کہ اپنی تمام مشنری کو مصروف کردیا بلکہ جرمن فیکٹریوں کو بھی دوبارہ زندہ کر کے دست راست کی حیثیت سے کام لینا شروع کردیا۔

جنرل ڈیگال کی گورنمنٹ فرانس میں قائم ہوئی تو اس نے امریکہ اور برطانیہ سے مشورہ کئے بغیر اسٹالن کی خدمت میں باریاب ہو کر اس سے معاہدہ کرلیا۔

یورپ کے ماسوا ایشیا کے جن ممالک سے روس کی سرحدیں مل رہی ہیں وہاں روس کا رسوخ روز افزوں ہے۔

چین کی کمیونسٹ پارٹی جنرل چیانگ کائی شک کی حکومت کا تختہ الٹنے پر تلی ہوئی ہے۔

بحرالکاہل میں اپنے جزائر کو روس مسلح کر رہا ہے حال ہی میں خبر آئی ہے کہ ان جزائر میں روس نے سات لاکھ جاپانی فوج تیار کر رکھی ہے اور وہ کسی وقت بھی پرل ہاربر پر جاپانی حملہ کا تماشہ دوبارہ دنیا کو دکھا سکتی ہے۔

مشرق وسطیٰ کے عربی ممالک روس، برطانیہ اور امریکہ کے باہمی رقیبانہ ڈپلومیسیوں کا آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔

جاپان ختم ہو گیا مگر چند سال کے عرصہ میں بار بار کے انقلاب نے جزائر شرقی الہند میں زندگی پیدا کر دی ہے۔ اب اُن کی گردنیں پہلے آقاؤں کے سامنے جھکنے کیلئے تیار نہیں۔

روس کے مقابلہ میں امریکہ اور برطانیہ کا زاویہ نظر بیشک ایک ہے مگر شرق بعید اور بالخصوص مشرق وسطیٰ میں (وسطیٰ؟) ذاتی طور پر ہر ایک کو دوسرے کا رقیب بلکہ حریف بنا رکھا ہے۔ چنانچہ ۱۷ جون ۱۹۴۷ء کو برطانوی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر "کوڈ" نے کہدیا کہ جا بجا مقابلہ پر روس اور امریکہ ہے۔

یہ بیرون ہند کے مختصر حالات ہیں خود ہندوستان کی حالت ملاحظہ فرمایئے سوبھاش چندر بوس نے زمانہ جنگ میں آزاد ہند فوج قائم کر کے خود سید احمد شہید اور مولانا محمود الحسن کی یاد تازہ کی۔ آزاد ہند فوج کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی تھی اس فوج نے مشرقی محاذ پر کامیاب حملے کئے۔ امپھال (صوبہ آسام) تک اس کے دستے پہنچ گئے۔ مگر جاپان کی شکست کے بعد یہ فوج بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی سوبھاش چندر بوس لاپتہ ہو گئے۔ میجر جنرل شاہنواز، کرنل حبیب الرحمن، کرنل برہان الدین عبدالرشید۔ کرنل ڈھلوان، کرنل سہگل وغیرہ بہت سے افسر گرفتار کر لئے گئے۔

مشہور یہ ہے کہ اس فوج کے بہت سے سپاہیوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ بہر حال اختتام جنگ تک اس فوج کے متعلق عام ہندوستانیوں کو واقفیت نہ تھی اور جنکو کچھ واقفیت تھی ان میں یہ ہمت نہ تھی کہ ایسی جماعت کی ہمدردی کریں جسنے باقاعدہ

مسلح بغاوت کی۔

یہ فخر صرف جواہر لال[1] کو حاصل ہے کہ اس نے تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر
اس فوج کی حمایت میں صدا بلند کی۔ اور گورنمنٹ سے مطالبہ کیا کہ اس فوج کے

---

[1] مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سہ روزہ اخبار زمزم لاہور مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء کے مقالہ افتتاحیہ کا اقتباس اس موقعہ پر نقل کردیں۔ اس اقتباس سے لیگ اور کانگریس کی قیادتوں کا فرق بھی معلوم ہوگا۔ نیز چند قیمتی واقعات کا بھی علم حاصل ہو جائیگا۔ جس کا بیان اس موقع پر مناسب ہے ساخبار مذکور نے لکھا تھا۔ قیادت کی حقیقی روح اور اس کی شرط اولین اقدام اور پیش قدمی ہے تقلید اور نقالی نہیں جو شخص قیادت کا مدعی بن کر میدان عمل میں اقدام اور رہنمائی کا ثبوت نہیں دیتا اس کی ہر قابلیت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے مگر قائدانہ حیثیت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا ....

"اس وقت ملک میں دو قیادتوں کا زبردست مقابلہ ہے۔ ایک طرف کانگریس ہے اور دوسری طرف مسٹر جناح ہیں .... ہم تم سے پوچھتے ہیں اور انصاف کا واسطہ دیکر پوچھتے ہیں کہ کس نے سب سے پہلے آزاد ہند فوج کے مصائب سے ہندوستان کو باخبر کیا اور کس نے پتہ چلایا کہ ان محبان وطن پر ملک معظم کی حکومت سے جنگ کرنے کے الزام میں مقدمہ چلنے والا ہے۔ کس نے سراغ لگایا کہ ان کی تعداد کسقدر ہے اور ان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ اگر جواہر لال نے جان پر کھیل کر برطانیہ کی سازش کا بھانڈا پھوڑا ہوتا تو مسٹر جناح کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہوتا کہ آزاد ہند فوج پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ سب سے پہلے اسی کافر نے کہا کہ آزاد ہند فوج کا ہر سپاہی بے گناہ ہے۔ اگر ان بے گناہوں کو سزا دی گئی تو ہندوستان اس خونی ڈرامہ کو ہرگز برداشت نہ کر سکے گا۔ (باقی ص ۳۷۳ پر)

سپاہیوں کو رہا کیا جائے۔ ورنہ کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

(صفحہ ۲،۳۳) یہ ایک اہم اور نازک معاملہ میں اقدام تھا پیش قدمی تھی جو ایک کافر کی قسمت میں لکھی تھی اور مسٹر جناح کانگریس کے خلاف بیان تیار کرنے میں مشغول تھے! افسوس! اقدام کا بہترین وقت ہاتھ سے نکل گیا اور وہی تقلید اور نقالی مسٹر جناح کے گلے پڑی جو قیادت کے منافی ہے، آپ نے کافر نہرو کا شور سنا اور غور و فکر کے بعد زبان کھولی کہ "حکومت آزاد فوج کے سپاہیوں کے ساتھ شریفوں جیسا سلوک کرے اور معاف کر دے۔"

یعنی تقلید بھی بہت بھونڈی اور نقالی بھی گھٹیا درجہ کی، جواہر لال کا تو یہ اصرار ہے کہ آزاد ہند فوج کا ہر سپاہی بے گناہ ہے مجرم وہ حکومت ہے جو برما سے حواس باختہ ہو کر اور اپنے سپاہیوں کو دشمن کے چنگل میں چھوڑ کر بھاگی۔ مگر قائد اعظم نے لب کشا ہوتے ہی انھیں مجرم تسلیم کر لیا کہ آخر شریر ہیں اور حکومت نے جہاں اور شریر بچوں سے درگزر کیا ہے ان سے بھی درگذر کرے۔

بیان بازی یا سرفروشی

خیر اگر یہاں چوک ہو گئی تو کوئی پروا نہیں اس سلسلہ کی اور بہت سی کڑیاں ہیں جنھیں پیوست کرنے کیلئے اقدام کی ضرورت تھی مگر افسوس کہ اقدام کی روح نے کسی جگہ بھی ساتھ نہ دیا۔ اب بتاؤ کہ آزاد ہند فوج کا مقدمہ لڑانے کیلئے "ڈیفنس کمیٹی" کس نے قائم کی؟ کانگریس کی قیادت نے یا مسٹر جناح کی واحد نمائندگی نے؟ کانگریس اقدام کر گئی تو لیگی حضرات بھی بول پڑے کہ مسلم لیگ بھی ملزموں کی پیروی کرے گی۔ وہی تقلید اور نقالی وہی دوسروں کے پیچھے چلنے اور پکی پکائی کھانے کی عادت! اور اس پر اصرار یہ کہ دنیا مسٹر جناح ہی کو قائد تصور کرے

تسلیم کر لیا کہ قائد اعظم سے یہاں بھی چوک ہو گئی مگر بتاؤ کہ حکومت کی خفیہ کارروائی (باقی صفحہ پر)

ہر ایک ہندوستانی کے دل میں آزادی کی تڑپ اور انگریزی حکومت سے

(صہ ۳۷۳ سے) کس نے پکڑی کہ آزاد ہند فوج کے سپاہیوں پر بہادر گڑھ کیمپ میں گولی چلائی گئی! مسٹر جناح کو نہ اس واقعہ کی کھوج لگانے کی ضرورت تھی اور نہ انہیں آخر تک اس کا پتہ چلا۔ ان کی معلومات میں یہ اضافہ بھی ہوا تو ایک کاذب کے صدقہ میں، تاہم ان کی قیادت غیر متزلزل ہے کیونکہ بیان بازی بھی بہرحال قیادت ہی کا ایک جزو ہے۔

اچھا چلو یہاں بھی چوک ہوئی۔ اس کی تلافی کی کوئی صورت نکل ہی آئے گی مگر کہنے والوں کا منہ کس طرح بند کیا جائے کہ مسٹر جناح کونے میں بیٹھے ہوئے مزے اڑا رہے ہیں اور اسی کافر جواہر لال نہرو نے دہلی کے لال قلعہ میں جاکر آزاد ہند فوج کے سپاہیوں سے ملاقات کی۔ اور سپاہی بھی کون: کرنل جہانگیر، کرنل سلیم، کرنل لطیف، کرنل ارشاد، کپتان شاہنواز، کرنل برہان الدین، کرنل قادر! کتنا بڑا احمق ہے نہرو کہ ان لوگوں کے پیچھے مارا مارا پھر رہا ہے اور کیسے بڑے دانشمند ہیں مسٹر جناح کہ عیش پرستی کا کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے مگر افسوس! قیادت اور اقدام! اقدام اور قیادت کو کہاں تلاش کریں؟

مسلمان قائد اور کافر نہرو

جزائر شرق الہند کی چار کروڑ مسلم آبادی کو زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے اسکی ہمدردی میں اقدام کا نمونہ قائد اعظم کو پیش کرنا چاہئے تھا مگر پنڈت جی نہرو سبقت کرکے پھر میدان میں نکلا اور اس نے حکومت برطانیہ کو پہلی بار متنبہ کیا کہ خبردار شرق الہند اور ہند چینی کی تحریک آزادی کو کچلنے کیلئے ہندوستانی فوج نہ استعمال کی جائے! ہائے قائد اعظم کی قائدانہ تقلید، نادم ہو کر آخر ایک بیان دینے پر مجبور ہو ہی گئے کہ ہمیں بھی شرق الہند کے محبان وطن کے جہاد آزادی کے ساتھ ہمدردی ہے (باقی صہ ۳۷۵ پر)

عام نفرت۔ یہی دو بنیادی جذبے تھے جنہوں نے تمام ہندوستانیوں کو آزاد ہند فوج کی حمایت پر آمادہ کر دیا اور جس طرح اس فوج کے سپاہیوں نے ہندو مسلم منافرت سے بلند و بالا ہو کر آزادی وطن کی خاطر مشترک قربانیاں پیش کی تھیں اسی طرح اہلِ وطن نے جذبات منافرت سے پاک ہو کر ان کی حمایت میں آواز بلند کی جگہ جگہ جلسے۔ جلوس اور ہر قسم کے مظاہرے کئے گئے۔ بقول مولانا آزاد صاحب:-

"ہندوستان کی رائے عامہ شاید ہی کسی معاملہ کیلئے اس درجہ واضح اور غیر مشتبہ طریقہ پر کبھی ظاہر ہوئی ہو جس درجہ انڈین نیشنل آرمی" کے قرارداد ملزموں کی نسبت

(صفحہ ٣٧٤ سے) چونکہ آپ اس میدان میں بھی ٹھنڈی ثابت ہوئے، جب جاوا کے احرار کی طرف سے دعوت بھی آئی تو اسی نہرو کے نام اور قائد اعظم کو تخاطب کی قطعاً زحمت نہ دی گئی کیونکہ جاوا کے مسلمانوں اور دوسرے قوم پروروں کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کے واحد نمائندہ کو فرصت کہاں؟ ان کا یہ جہاد کیا کم ہے کہ:-

جب وقت آئیگا تو میں اپنے سینہ پر گولیاں کھانے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔

یہاں مسٹر جناح نہیں پوری امت کا رونا ہے کہ اس نے آج تک اقدام کرنے والا قائد پیدا نہ کیا جب دوسروں کا قافلہ منزل پر پہنچ جاتا ہے تو ہمارے قافلہ سالار سفر کی ابتدا کرتے ہیں: جب نہرو اور کانگریس نے میدان مار لیا تو ہمارے قائد نے یہ کہہ کر جی ٹھنڈا کر لیا کہ میرا سینہ ہوگا اور انگریز کی گولیاں مگر امت کو گولیوں کی نہیں قیادت کی ضرورت ہے۔ وہ قیادت جسکی اولین شرط اقدام اور پیش قدمی ہے، ہجوم اندیشت ہے رہنمائی اور پیشوائی ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَار۔ (زمزم ٢٧ اکتوبر ١٩٤٥ء)

ظاہر ہوئی ہے۔ ہر گروہ، ہر طبقہ، ہر مذہب اور ہر سیاسی خیال کے آدمی بلا امتیاز ایک ہی رائے رکھتے ہیں.........

اگر کسی ملک کی رائے عامہ کوئی وزن رکھتی ہے تو بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی عالمگیر رائے عامہ نے اپنا پورا وزن ان لوگوں کے حق میں نمایاں کر دیا ہے

(کلکتہ ۲۴ راکتوبر ۴۵ئہ بحوالہ آزاد ہند فوج ایڈیشن اخبار تیج مورخہ ۵ر نومبر ۴۵ئہ)

باغی فوج اور واجب القتل افسروں کی حمایت میں مظاہرے حکومت کیلئے غیر قابل برداشت تھے۔ چنانچہ بمبئی۔ کلکتہ۔ وغیرہ مقامات پر پوری قوت سے روک تھام کرنی چاہی۔

قید و بند۔ لاٹھی چارج۔ فائرنگ غرض ہر ایک حربہ استعمال کر لیا مگر آزاد ہند فوج کے ساتھ محبت اور ہمدردی کی جو لہر پورے ہندوستان میں پیدا ہو چکی تھی۔ کوئی سخت گیر پالیسی اس کو دبا نہ سکی۔ بلکہ اس کے برعکس عام بغاوت پھیل جانے کا خطرہ بڑھتا رہا۔

بالآخر ۵ر نومبر ۴۵ئہ کو دہلی کے لال قلعہ میں تقریباً [۱] ۸۶ سال بعد ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ "بہادر شاہ" کی تاریخ دہرائی گئی اور ایک حریت طلب باغی فوج کا مقدمہ جنرل کورٹ مارشل کے سامنے سماعت کیلئے پیش ہوا کانگریس نے دفاع کی ذمہ داری اپنے سر لی۔

بھولا بھائی ڈیسائی۔ مسٹر آصف علی۔ ڈاکٹر کاٹجو وغیرہ ہندوستان کے مشہور

---

[۱] بہادر شاہ پر جنوری ۵۸ئہ کے اواخر میں مقدمہ چلایا گیا تھا۔

اور کامیاب بیرسٹروں پر مشتمل ایک ڈیفنس کمیٹی بنادی گئی جس نے پوری جانفشانی سے مقدمہ کی پیروی کی اور پوری قابلیت کے ساتھ ثابت کردیا کہ آزادی وطن کی خاطر مسلح مدافعت نہ اخلاقاً جرم ہے نہ قانوناً۔

۱۳ ماہ تک اس مقدمہ کی سماعت کا سلسلہ جاری رہا۔کورٹ اس اصول کو نظر انداز نہ کرسکا جس کو وکلاء صفائی نے ثابت کردیا تھا۔چنانچہ ملک معظم کے خلاف جنگ برپا کرنے کے جرم میں پھانسی یا گولی سے اڑادینے کے بجائے قید دوام بعبور دریائے شور کی سزادی گئی۔فوجی ملازمت سے برخاست کردیا گیا اور ان تینوں افسروں کی جو رقوم حکومت کی جانب واجب الادا تھیں وہ ضبط کرلی گئیں۔

لیکن ابھی کورٹ کے فیصلہ پر عمل کا وقت نہ آیا تھا کہ ۳ رجنوری ۴۶ء کو کمانڈر انچیف سر کلاڈ اکنلک نے ان کی رہائی کا حکم دیتے ہوئے ایک اعلان شائع کیا جس کے خاص خاص فقرے درج ذیل ہیں۔

ملک معظم کے خلاف جنگ برپا کرنے کا الزام ثابت ہونے کے بعد عدالت

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سال تک کفوا ایدیکم۔ (اپنے ہاتھ روکو) کے حکم پر عمل پیرا رہے غزوۂ بدر سے کچھ عرصہ پیشتر قتال و جنگ کی دعوت دی گئی۔جو آیت ذریعہ اجازت کے طور پر نازل ہوئی اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ مسلمان جنکو جنگ میں گھسیٹا جارہا ہے انکو جنگ کرنیکی اجازت اس بناء پر دی جارہی ہے کہ یہ بلاوجہ اپنے وطن سے نکالدیئے گئے ہیں۔ان کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ لاالہ الااللہ کے قائل ہیں۔اس آیت کریمہ کی روشنی میں یہ کہنے کا موقع ہے کہ آزاد ہند فوج کے مقدمہ میں دفاع کے بیرسٹروں نے اس اصول کو ثابت کیا جسکی تعلیم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم ساڑھے تیرہ سو برس پہلے دے چکی تھی۔

ملزمین کو موت یا قید دوام بعبور دریائے شور کی سزا دینے پر مجبور تھی کیونکہ قانوناً اس جرم کے لئے ان سزاؤں سے کم سزا نہیں دی جا سکتی۔

عدالت کا اخذ کردہ کوئی نتیجہ یا اس کی دی ہوئی کوئی سزا اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس کی تصدیق نہیں ہو جاتی۔

اس مقدمہ میں تصدیق کنندہ کمانڈر انچیف ہیں اور وہ عدالت کے اخذ کردہ تمام نتائج کو درست اور شہادتوں کے مطابق سمجھتے ہیں اور ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔

حکومت ہند کی حکمت عملی یہ ہے کہ آئندہ انہیں لوگوں کے خلاف مقدمات چلائے جائیں گے جن پر ریاست کے برخلاف جنگ برپا کرنے کے علاوہ شدید وحشیانہ مظالم برپا کرنے کے الزامات بھی عائد کئے گئے ہوں اور یہ اعلان بھی کیا جا چکا ہے کہ ان مقدمات پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس بات کا خیال بھی رکھا جائے گا کہ ثابت شدہ الزامات مہذب دنیا کے قوانین کو کس حد تک مجروح کرتے ہیں.........

تصدیق کنندہ طاقت نے اُن حالات کو مد نظر رکھا ہے جو اس وقت موجود تھے اسلئے کمانڈر انچیف نے ہر سہ ملزمان کی سزا کو درست تسلیم کرتے ہوئے قید دوام کی سزا کو منسوخ کر دینے کا فیصلہ کیا ہے[1]۔ چنانچہ کمانڈر انچیف کے مذکورہ بالا اعلان کے بعد ہر سہ ملزمان کو رہا کر دیا گیا۔

ایک مسرت کی لہر تمام ہندوستان میں دوڑ گئی اور ایک طویل عرصہ کے بعد پہلا موقع تھا کہ ہندو مسلمانوں نے متحدہ طور پر خوشی کا اظہار کیا۔ جگہ جگہ چراغاں ہوئی جلوس

---

[1] مکمل تاریخ آزاد ہند فوج از امیر احمد آزاد۔

نکالے گئے جلسے کیے گئے۔

۲۴ جنوری ۱۹۴۶ء کو دہلی میں ان افسروں کی تقریریں سننے کیلئے اتنا بڑا اجتماع ہوا کہ چشم دہلی نے اس سے پہلے کبھی ایسا اجتماع نہیں دیکھا تھا۔

یادش بخیر مسلم لیگ کو کب گوارا تھا کہ کسی معاملہ میں ہندو مسلم اشتراک و اتحاد ہو زعماء لیگ نے کسی صورت سے عبدالرشید کپتان سے درخواست دلوادی کہ وہ اپنے مقدمہ کی پیروی مسلم لیگ سے کرانا چاہتے ہیں۔ درخواست منظور ہوگئی لیگی اخبارات کو بھی پروپگنڈہ کا موقع مل گیا۔

میجر جنرل شاہنواز[1] اور ان کے ساتھیوں نے پوری دلیری اور بہادری سے

---

[1] میجر جنرل شاہنواز کے بیان کا ضروری اقتباس درج ذیل ہے "جب نیتاجی سبھاش چندر بوس نے کروڑوں نادار اور بے یار و مددگار ہندوستانیوں کے نام پر ہمیں آگے بڑھنے اور انہیں آزاد کرانے کیلئے اپنی جان قربان کردینے کی دعوت دی تو کسی شریف ہندوستانی کیلئے ان کی دعوت مسترد کردینا ممکن نہیں تھا۔ مجھے ایک رہنما مل گیا تھا چنانچہ میں نے اسکی تقلید و اطاعت کا فیصلہ کرلیا لیکن یہ فیصلہ میری زندگی کا اہم ترین فیصلہ تھا۔ اس فیصلہ کا مفہوم اپنے عزیز و اقارب کے خلاف برسر جنگ ہونا تھا جو معتد بہ کثیر برطانوی فوج میں موجود تھے اور جن کے متعلق مجھے یہ یقین تھا کہ میں انہیں کسی طرح بھی اپنا ہم خیال نہیں بنا سکتا۔

اس وقت میرے قلب میں ملک معظم کیساتھ ہماری آبائی وفاداری کا احساس بھی موجود تھا میری تعلیم انہیں کی مرہون منت ہے۔ میرے خاندان اور قبیلہ کو ہندوستان کے ان طبقات میں شمار کیا جاتا ہے جنہیں خصوصی مراعات حاصل اور میرے خاندان اور قبیلہ کا ہر فرد خوش حال مطمئن ہے۔ ان تمام باتوں کیلئے بھی ہم برطانوی حکومت ہی کے رہین احسان ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

اعتراف کیا تھا کہ ہم نے اپنے محبوب وطن کی آزادی کی خاطر جنگ کی۔

دو معاہدے سامنے تھے۔ وطن عزیز کی آزادی کا فطری معاہدہ، اور تاج برطانیہ کی وفاداری کا مصنوعی معاہدہ۔ جب ان دونوں معاہدوں کا ہم نے مقابلہ کیا تو ہمارے ضمیر نے

(پچھلے صفحہ سے) اور میں جانتا تھا کہ ہندوستان کے حالات میں خواہ کوئی تغیر رونما ہو جائے ہماری خوش حالی میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اسکے برعکس ہمیں اس تغیر سے نقصان ضرور پہنچ سکتا ہے دوسری طرف جب میں نے ان فاقہ کش کروڑوں انسانوں کا تصور کیا جنھیں برطانوی حکومت اپنی فائدہ اندوزی کیلئے بیرحمانہ طور پر استعمال کر رہی ہے اور جنھیں اپنی ناجائز فائدہ اندوزی کو سہل تر بنانے کیلئے قصداً جاہل اور بے خبر رکھا جاتا ہے تو ہندوستان کے نظام حکومت کے خلاف میرے دل میں نفرت پیدا ہو گئی اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ نظام حکومت ناانصافی پر مبنی ہے اور اس ناانصافی کو ختم کرنے کیلئے میں نے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنی زندگی، اپنا گھربار اپنا خاندان اور اپنی خاندانی روایات۔ میں نے طے کر لیا کہ اگر میرا بھائی بھی راستہ میں حائل ہو گا تو میں اس کے ساتھ بھی لڑونگا اور یہ واقعہ ہے کہ ۱۹۴۵ء میں جو لڑائیاں برپا ہوئیں۔ ان میں ہم ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہے حتیٰ کہ وہ زخمی ہو گیا۔ چندون نامی پہاڑیوں میں میرے اور میرے عم زاد بھائی کے مابین دو ماہ تک روزانہ لڑائی ہوتی رہی۔

مختصر یہ کہ میرے سامنے سوال تھا کہ مجھے ملک معظم کے ساتھ وفادار رہنا چاہئے یا اپنے وطن کے ساتھ۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مجھے اپنے وطن کے ساتھ اظہار وفاداری کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے نیتا جی (سوبھاش چندر بوس) سے وعدہ کر لیا کہ میں اپنے عزیز وطن کے لئے جان تک قربان کر دوں گا۔

(مکمل تاریخ آزاد ہند فوج صفحہ ۱۳۵ تا صفحہ ۱۳۸)

شہادت دی کہ فطری معاہدے کے مقابلہ میں جعلی اور مصنوعی معاہدہ کی کوئی حقیقت نہیں۔
لیکن کپتان عبدالرشید کے وکلاء نے کپتان عبدالرشید سے جو معصومانہ بیان دلوایا
اس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں نے تاج سے کسی وقت بے وفائی نہیں کی۔ البتہ جب میں نے
دیکھا کہ آزاد ہند فوج قائم ہو چکی ہے اور ممکن ہے وہ ہندوستان پر قابض ہو جائے تو چونکہ
اس میں ہندوؤں کا غلبہ تھا لہٰذا میں اس میں اس لئے داخل ہو گیا تھا کہ یہ فوج مسلمانان ہند
کو ظلم وستم کا نشانہ نہ بنائے۔

میجر جنرل شاہنواز کا بیان ایک حقیقت تھا۔ ملک نے تحسین کی حکومت مرعوب
ہوئی افواج ہند کے ہر سپاہی کے دل میں ان بہادروں کی قدر و منزلت جگہ کر گئی۔
لیکن کپتان عبدالرشید کے بیان کا اثر الٹا پڑا اور نتیجہ بھی الٹا ہی رہا یعنی کمانڈر انچیف نے
رہا کرنے کے بجائے سات سال قید کا حکم سنا دیا۔

مسٹر جناح بہت چراغپا ہوئے کہ ہندو اور مسلمانوں میں امتیاز کیا گیا مگر حکومت
نے کوئی توجہ نہ کی۔ لیگ کی طرف سے عبدالرشید ڈے منایا گیا اور جلوس اور جلسوں
کا اعلان کیا گیا۔ اُسی زمانہ میں میرٹھ میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی زیر صدارت
جمعیۃ علماء ضلع میرٹھ کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ اس کانفرنس میں ایک تجویز کے ذریعہ سے
عبدالرشید صاحب کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ اس تجویز کی بنا پر جمعیۃ علماء کے کارکنوں نے
جلوسوں اور جلسوں میں شرکت کی۔

میرٹھ اور کلکتہ وغیرہ میں پولیس نے کچھ مزاحمت کی مگر مزاحمت کے وقت فدایان
جلوس غائب ہو گئے اور جمعیۃ علماء کے عامی نوجوانوں نے گولیوں کے سامنے سینہ
پیش کر دیا۔ میرٹھ میں دو نوجوان شہید ہوئے دونوں جمعیۃ علماء کے ممبر تھے۔ کلکتہ میں

شہید اور زخمی ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کلکتہ میں مسلم طلبہ نے جلوس نکالا تھا لیکن جب پولیس نے جلوس کو روک دیا تو ان کی امداد کیلئے تمام طلبہ بلا امتیاز مذہب وملت پہنچ گئے اور اس شدت سے مقابلہ کیا کہ تین روز تک کلکتہ میں گویا انہیں کا قبضہ اور انہیں کی حکومت تھی۔

اس وقت ہندو مسلم منافرت باہمی محبت سے بدل گئی تھی۔ "ہندو مسلم اتحاد زندہ باد" کے نعرے بلند ہو رہے تھے اور لوگ جنازہ اور ارتھی کو ایک ہی جوش کے ساتھ اٹھا رہے تھے لیکن تین روز بعد کلکتہ مسلم لیگ کے سکرٹری صاحب نے ایک اعلان کے ذریعہ عوام کے جوش و خروش کو غلط قرار دیتے ہوئے ہدایت کر دی کہ مسلم لیگ کا کوئی ممبر اس میں شریک نہ ہو۔ اس حوصلہ شکن اعلان نے فضا کے جوش وخروش کو افسردگی اور مایوسی سے بدل دیا اور رفتہ رفتہ اتحاد ویکجہتی کا تمام اثر ختم ہو گیا۔

بہر حال آزاد ہند فوج کا قیام اور اس کے متعلق ملک کا غیر معمولی جوش وخروش اس شدید جذبۂ انقلاب کا اعلام تھا جو ملک کے ہر چھوٹے بڑے ہندو مسلمان سکھ اور پارسی وغیرہ کے رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔

ابھی یہ مقدمہ زیر سماعت تھا کہ بمبئی میں ایک اور بغاوت رونما ہوئی بحری بیڑے کے ہندوستانی سپاہیوں نے یورپین افسروں کے توہین آمیز رویہ کے خلاف بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ چند روز بعد کراچی کا بیڑہ بھی اس ہڑتال میں شریک ہو گیا۔ شہریوں نے پوری گرمجوشی کے ساتھ ہمدردی کا مظاہرہ کیا۔ فوجی اور شہری بغاوت کو دور کرنے کیلئے حکومت نے ہر ایک قسم کا حربہ استعمال کر لیا مگر حکومت کی تمام تدبیریں ناکام رہیں۔ ہندو مسلم منافرت کا سبق اس وقت بھی فراموش ہو گیا تھا ہندو

اور مسلمان ایک ہی صف میں سٹین گنوں کی گولیوں سے زخمی ہو رہے تھے اور رام رام پکارنے والوں کی لاش کلمہ گو کے جنازہ کی برابر گزر رہی تھی۔

بالآخر انڈین نیشنل کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام صاحب آزاد اور سردار پٹیل کی اپیل نے اس بغاوت کو فرو کیا۔

اس واقعہ نے کانگریس کی اس مقبولیت کا اظہار کر دیا جو فوجوں کے اندر ہو چکی تھی۔

۸ نومبر ۱۹۴۶ء کو دہلی میں جشن فتح منایا گیا۔ دس ہزار فوج نے جلوس میں حصہ لیا۔ مگر عین جلوس کے وقت ٹاؤن ہال کو آگ لگا دی گئی۔ دفتر جل گیا عمارت کو شدید نقصان پہنچا اور پولیس کی گولیوں سے آٹھ آدمی ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے۔

مارچ ۱۹۴۶ء میں دہلی کے پولیس مینوں نے بھی بھوک ہڑتال کر دی اور پھر جلوس نکالتے ہوئے تقریباً نوے پولیس مین گرفتار کر لئے گئے۔ اگرچہ یہ تحریک پولیس میں عام نہ ہو سکی اور چند روز میں حالات پر قابو پا لیا گیا۔ مگر پولیس جیسے ناز بردار وفادار محکمہ کی یہ حرکت تاریخ ہندوستان میں بالکل نئی حرکت تھی۔

یہی زمانہ تھا کہ ریلوے کے ملازمین نے اپنے کچھ مطالبات حکومت کے سامنے پیش کر دئیے اور جب حکومت نے ان کے تسلیم کرنے میں پس و پیش کیا تو ریلوے فیڈریشن نے تمام ہندوستان میں اسٹرائیک کی تجویز پاس کر دی اور ریلوے بورڈ کو نوٹس دیدیا کہ ۲۷ جون ۱۹۴۶ء سے ریلوے کے تمام ملازمین اور ورکشاپوں کے تمام مزدور اسٹرائیک کر دیں گے۔ ہندو مسلم اختلاف اس وقت بھی ناپید ہو گیا تھا اتنا یقین تھا کہ یہ اسٹرائیک مکمل طور پر کامیاب ہو گی۔ اسی زمانہ میں احقر نے جمعیۃ

علماء ہند کی خدمات کے سلسلہ میں پنجاب سے منتہاء ہندوستان یعنی شیلانگ اور گوہاٹی (صوبہ آسام) تک سفر کیا۔ سب جگہ اسٹرائک کا جوش مساوی درجہ پر پایا۔ بالآخر حکومت مطالبات کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئی اور اسٹرائک ملتوی کیا گیا۔

چند لیگی دوستوں سے جو ریلوے میں ملازم ہیں احقر کی گفتگو ہوئی اور جب میں نے ان کو اسٹرائک پر آمادہ پا کر گفتگو کی تو شرکت کانگریس کا جواز جو آج تک ان کی سمجھ میں نہ آیا تھا اس وقت آسانی سے سمجھ میں آگیا۔

۲۷ر جون کے بعد ابھی دو ہفتے بھی نہ گذرے تھے کہ ۱۱ر جون ۱۹۴۶ء سے ٹیلیفون نے اسٹرائک شروع کردیا۔ حکومت نے اس کو دبانے کی بہت کوشش کی مگر یہ اسٹرائک دن بدن ترقی کرتی رہی۔ بالآخر حکومت کو دب کر سمجھوتہ کرنا پڑا اور مکمل ایک ماہ بعد ۱۱ر اگست ۱۹۴۶ء کو یہ اسٹرائک ختم ہوئی۔

وہ کوتاہ اندیش جن کے دماغوں کی سطح ہموار ہے جو ہر ایک جذباتی شوشہ سے جھلک پڑتی ہے اور عاقبت اندیشی کی صلاحیت سے محروم ہے ان واقعات سے دور رس نتیجے اخذ نہیں کرسکتے۔ مگر مدبرین برطانیہ کی ڈپلومیسی تمام دنیا میں مشہور ہے۔ وہ پچاس سال بعد کا پروگرام آج بنا لیتے ہیں وہ ان واقعات کا اندازہ پوری طرح کرچکے تھے اور اب ان حالات کے مقابلہ کیلئے موزوں لائحہ عمل مرتب کر رہے تھے چنانچہ مسٹر ایٹلی وزیر اعظم نے مارچ ۱۹۴۶ء میں جبکہ وہ وزارتی مشن کو ہندوستان بھیج رہے تھے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا

"ہندوستان کے معاملہ سے میرا بیس سال سے بڑا گہرا تعلق رہا ہے اور اور میں یہ کہنے کیلئے تیار ہوں کہ غلطیاں دونوں طرف سے ہوئی ہیں لیکن

اس مرتبہ ہمیں ماضی پر جھگڑنے کے بجائے مستقبل کی طرف دیکھنا چاہئے۔ اس لئے میں یہ کہوں گا کہ ماضی کے فارمولا کو موجودہ پوزیشن پر اطلاق نہیں کرنا چاہئے۔

سنہ ۲۶ء کا درجہ حرارت سنہ ۱۹۲۰ و سنہ ۱۹۳۰ء میں کرسنہ ۱۹۴۲ء کا درجہ حرارت نہیں ہے۔ مطلق نعرے متروک ہو گئے ہیں۔ اس وقت جو الفاظ ہندوستان کے جذبات کی انتہا تھے اب الگ رکھدیئے گئے اور ان کی جگہ نئے خیالات اور نئے الفاظ نے لے لی ہے۔

جنگ عظیم سے زیادہ کوئی چیز عوام کی رائے عامہ کی رفتار اور حرکت کو نہیں بڑھاتی۔ جن لوگوں کا اس مسئلہ سے تعلق رہا ہے وہ جانتے ہیں کہ سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کا ہندوستان کے جذبات اور خیالات پر کیا اثر ہوا جس لہر کی رفتار امن کے زمانہ میں دھیمی پڑتی ہے جنگ کے زمانہ میں اس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس وقت نیشنلزم کی لہر ہندوستان اور تمام ایشیا میں بہت تیز جاری ہے۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ ایشیا میں جہاں کہیں کچھ ہوتا ہے ہندوستان پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں سائمن کمیشن کا کام کر رہا تھا اس چیلنج کا جو جاپان نے اس وقت دیا تھا ایشیا کے لوگوں پر کیا اثر پڑا تھا۔ اس وقت نیشنلزم کی لہر جو کچھ پڑھے لکھے لوگوں تک محدود تھی۔ دور دور تک پھیل گئی تھی۔

قوم پرستی کا زور

مجھے یاد ہے کہ سائمن کمیشن کی رپورٹ میں گو ان لوگوں کے جنکو انتہا پسند کہا جاتا تھا اور اُن لوگوں کو جن کو ماڈریٹ کہا جاتا تھا جذبات میں بڑا فرق تھا اور طرح طرح کے فرقہ وارانہ مطالبات پیش کئے گئے تھے لیکن ہم نے دیکھا کہ ہندوؤں مسلمانوں سکھوں اور مرہٹوں میں جن میں سیاستدان اور سول سرونٹس دونوں شامل تھے نیشنلزم کا جذبہ بہت زیادہ مضبوط ہو گیا تھا اور آج میرا یہ خیال ہے کہ قوم پروری کا جذبہ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے اور سپاہیوں تک میں پہنچ گیا ہے جنہوں نے اس لڑائی میں حیرت انگیز خدمت کی ہے۔ اسلئے آج میں ہندوستانیوں کے درمیان اختلافات پر اتنا زور نہیں دوں گا بلکہ ہم سب کو یہ محسوس کرنا چاہئے کہ ہندوستان میں خواہ کتنے ہی اختلافات ہوں لیکن تمام ہندوستانی یک زبان ہو کر آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔"

(روزنامہ آزاد ہند دہلی مورخہ ۲۲ مارچ سنہ ۴۳ء ج ۴۲)

تبصرہ: بہرحال بین الاقوامی حالات نے برطانیہ کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان کی تمام قوتوں کو ایک مضبوط مرکز پر جمع کرکے خود ہندوستان کو اتنا مستحکم اور طاقتور بنا دے کہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں کا بھی مقابلہ کر سکے اور بوقت ضرورت برطانیہ عظمیٰ کیلئے بھی طاقتور مددگار ثابت ہو۔ اس کے بغیر نہ صرف یہ کہ ہندوستان کو انقلاب کے سیلاب سے بچا لینا محال تھا بلکہ خود برطانیہ عظمیٰ کی عظمت بھی طوفان حوادث کی نذر ہو جاتی اور یورپ کے سیاسی نقشہ میں اس کی حیثیت معمولی ریاست

جیسی رہ جاتی۔

اگرچہ کنزرویٹو پارٹی کا نظریہ اس وقت بھی یہی تھا کہ تقسیم ہند اور ہندو مسلم منافرت کے جذبات سے کام لیکر برطانوی امپیریلزم کو مضبوط کیا جائے اور سامراج کے ذریعہ بین الاقوامی حالات میں اپنی سابق پوزیشن کو باقی رکھا جائے مگر عام اہل انگلینڈ اور اُن کی نمائندہ مزدور (لیبر) پارٹی جو اس وقت برسراقتدار تھی اُس کا نظریہ اس کے خلاف تھا۔ چنانچہ تقسیم ہند کے خود کاشتہ پودے کی جڑیں اکھاڑنے کی فکر کی جانے لگی اور دنیا کو حیرت ہو گئی جب یہ دیکھا کہ برطانیہ کے مخصوص ازدار ہز ہائی نس سر آغا خاں متحدہ ہندوستان کے حامی بن کر گاندھی جی کی کٹی پر حاضر ہو رہے ہیں اور پھر اپریل کے پہلے ہفتہ میں نواب صاحب بھوپال بھی گاندھی جی کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔

اور چونکہ تمام انقلابی عناصر جنکا تذکرہ سطور بالا میں گذرا بالواسطہ یا بلاواسطہ کانگریس سے تعلق رکھتے ہیں اور صرف کانگریس ہی ہندوستان کی وہ جماعت ہے جو انقلاب پرور عناصر کی پشت پناہی کرتی ہے۔ لہذا برسر اقتدار پارٹی کے نزدیک کانگریس کی خوشنودی اور اس کا تعاون وقت کا سب سے بڑا تقاضہ بن گیا اور اس کے لئے سرگرمی کے ساتھ جدوجہد شروع کر دی گئی۔

وزارتی مشن کی آمد ابھی صوبجاتی اسمبلیوں کے انتخابات تمام ہندوستان میں مکمل نہ ہوئے تھے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو وزارتی مشن کراچی میں صادر ہو گیا لارڈ پیتھک لارنس وزیر ہند۔ سر اسٹیفورڈ کرپس اور مسٹر اے وی الیگزینڈر وفد کے ارکان تھے۔

ایک ہفتہ آرام کرنے کے بعد یکم اپریل سے ہندوستانی لیڈروں سے ملاقات شروع کردی۔

کل ہند مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے صدر کی حیثیت سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو بھی ملاقات کی دعوت دی گئی اور چونکہ آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے ساتھ دوسری جماعتیں بھی اشتراک عمل کئے ہوئے تھیں لہذا جناب صدر کو اجازت دی گئی کہ وہ مزید تین حضرات کو اپنے ساتھ لے آئیں چنانچہ عبدالمجید صاحب خواجہ صدر آل انڈیا مسلم مجلس۔ شیخ حسام الدین صدر آل انڈیا مجلس احرار اسلام۔ شیخ ظہیر الدین صاحب صدر آل انڈیا مومن کانفرنس اور بحیثیت ترجمان جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر صوبہ یو۔پی حضرت کے ساتھ تشریف لے گئے

۱۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو ۴ بجے شام سے سوا پانچ بجے تک وزارتی مشن سے ملاقات ہوئی اور حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی جانب سے حافظ محمد ابراہیم صاحب نے جمعیۃ علماء کا فارمولا مشن کے سامنے پیش کیا۔ وزارتی مشن کے ارکان نے جمعیۃ علماء کے فارمولے سے خاص دلچسپی لی۔ حتی کہ ملاقات کے مقررہ وقت (یعنی نصف گھنٹہ) سے زائد ۴۵ منٹ تک ارکان مشن فارمولا کے مضمرات اور اس کے مختلف پہلوؤں سے متعلق سوالات کرتے رہے اور ان کے جوابات پر اطمینان ومسرت کا اظہار کرتے رہے۔ اس فارمولے سے وزارتی مشن کی دلچسپی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تقریباً ایک ماہ بعد ۱۶ مئی کو وزارتی مشن نے جو سفارشات پیش کیں وہ انہیں لائنوں اور انہیں خطوط پر تھیں۔ جن کی طرف جمعیۃ علماء ہند کا فارمولا اشارہ کر رہا تھا۔

مسٹر جناح اور لیگ کی مذبذب پالیسی

مفصلہ بالا بین الاقوامی حالات نے اور خود [illegible]

نے جو ہندوستان میں رونما ہو چکے تھے اور جو ان انقلاب انگیز چنگاریوں کی غمازی کر رہے تھے جو سرزمین ہندوستان میں زیر خاک سلگ رہی ہیں اور کسی وقت مشتعل ہو کر اس خاکدان ہند کو کوہ آتش فشاں بنا سکتی ہیں ـــــ مدبرین برطانیہ کو مجبور کیا کہ کانگرس سے مخالفت کی پالیسی کو کم از کم ظاہری طور پر ترک کر کے تعاون کا ہاتھ اس کی طرف بڑھائیں اور اپنی تمام جدوجہد اس مقصد پر صرف کر دیں۔ وزارتی مشن کی تشریف آوری اس جدوجہد کا پیش خیمہ تھی۔

یہ صورت حال مسٹر جناح اور ان کی لیگ کے لئے ایک اندوہناک حادثہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس وقت لیگ کے سامنے دو راستے تھے۔ حصول پاکستان کے لئے برطانیہ کا مقابلہ ـــــ یا ـــــ برطانوی نظریہ کی اطاعت اور مطالبہ پاکستان کی تاویل۔

مسٹر جناح نے اولاً پہلے راستہ کو اختیار کیا۔ کیونکہ مسلمانوں کے جذبات کو فرو کرنے کیلئے اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ چنانچہ ۹ر اپریل کو جب کہ وزارتی مشن ہندوستانی لیڈروں سے ملاقاتیں کر رہا تھا مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں کا کنونشن اور اجتماع کیا گیا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں مسلم لیگ کے اثر و رسوخ کا مظاہرہ بھی اس کنونشن کا مقصود تھا۔ چنانچہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ دہلی میں یہ اجتماع ہوا۔

جب لیگ کے قائداعظم مسٹر جناح پنڈال میں داخل ہوئے تو "شہنشاہ پاکستان زندہ باد" کے فلک شگاف نعروں نے ان کی خدمت میں سلامی پیش کی۔

حضرات مقررین نے ہندو مسلم منافرت اور اشتعال انگیزی میں اپنا پورا زور بیان صرف کر دیا۔

سر فیروز خاں نون نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اگر ہم یہ سمجھیں گے کہ ہمیں متحدہ مرکزی حکومت یعنی ہندو راج میں رکھی جا رہی تو ہم برطانیہ عظمیٰ سے جنگ کریں گے اور وہ خون کی ندیاں بہائیں گے جس سے چنگیز اور ہلاکو کے کارنامے بھی شرمندہ ہو جائیں گے۔

اس صورت میں مسلمانوں کی نگاہیں صرف روس پر لگی ہوں گی۔

پنجاب میں اس وقت ایک بڑی تحریک موجود ہے۔ زمیندار بھی کمیونزم کی حمایت میں ہیں۔" (خلافت بمبئی ۱۱ اپریل ۱۹۴۶ء ص ۲ ج ۲۵)

دو روز کے اجلاس میں ایک طویل تجویز پاس کی جس کا ضروری اقتباس درج ذیل ہے:—

چونکہ مسلمانان ہند کا یقین ہے کہ اسلامی ہند کو ہندوؤں کے تسلط و غلبہ سے محفوظ رکھنے اور ذاتی شعور و صلاحیتوں کی بنا پر اپنے آپ کی نشو و ارتقاء کے مکمل اور بہترین مواقع پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ایک آزاد و خود مختار حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے بنگال اور آسام جس کا شمال مشرقی جزو ہوں اور پنجاب شمال مغربی سرحدی صوبہ سندھ اور بلوچستان شمال مغرب میں۔

لہذا ہندوستان کی مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے مسلم لیگی ممبران کی کنونشن عمیق غور و فکر کے بعد اعلان کرتی ہے کہ اسلامی ہند ہرگز ہرگز

ایسے اعلان کو تسلیم نہیں کرے گا جو اکھنڈ ہندوستان کی بنیادوں پر وضع کیا گیا ہو۔ نہ ہی وہ کسی ایسے واحد آئین ساز مشنری میں شرکت کریں گے جو اس سلسلہ میں قائم کی گئی ہو۔

نیز اگر حکومت برطانیہ نے انگریزوں کے بجائے ہندوستانی عوام کے نام اختیارات حکومت منتقل کرنے کے سلسلہ میں ہندوستان کے داخلی نظم و نسق اور اس کی بحالی کیلئے کوئی ایسا فارمولا وضع کیا جو مندرجہ ذیل اصولوں کے معیار پر پورا نہ اترتا ہو تو اسلامی ہند ہندوستانی سیاسی مسئلہ کے تصفیہ کے لئے اپنی اعانت و تعاون پیش نہیں کریگا۔

مطالبات

(۱) کہ ہندوستان کے شمال مشرق میں بنگال اور آسام، شمال مغرب میں پنجاب، شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے پاکستانی علاقوں میں جہاں کہ مسلمان بھاری اکثریت میں ہیں ایک آزاد و خود مختار ریاست کی بنیاد ڈالی جائے اور پاکستان کے قیام کی فوری گارنٹی دی جائے۔

(۲) کہ پاکستان اور ہندوستان کے عوام اپنے اپنے آئین مرتب کرنے کے سلسلہ میں دو دو علیحدہ علیحدہ آئین ساز ادارے قائم کریں۔

(۳) کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء والی لاہور والی قرارداد کی شرائط کے مطابق پاکستان اور ہندوستان کی اقلیتوں کیلئے تحفظات مقرر کئے جائیں۔

(۴) کہ مرکز میں کسی عارضی حکومت کی تشکیل یا اس میں شرکت کی

گارنٹی اس وقت دے سکتی ہے جب مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان فوری طور پر تسلیم کر لیا جائے اور اس کی شرائط کو بغیر مزید تاخیر کے عملی جامہ پہنایا جائے۔

یہ کنونشن زوردار لہجہ میں اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ اگر اکھنڈ ہندوستان کی بنیادوں پر کوئی آئین ٹھونسنے کی کوشش کی گئی یا مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کی شرائط کے خلاف مرکز میں کوئی عارضی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو مسلمانان ہند کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ جائیگا کہ وہ تمام وسائل کو کام میں لا کر اپنی قومی وجود اور تحفظ بقا کیلئے اس سے پوری مزاحمت کریں گے۔

(ماخوذ از خلافت بمبئی۔ ۱۰ اپریل ۱۹۴۶ء ۲۵۶ ؍ ۹۶)

اس کنونشن میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے تمام اراکین اور لیگ کے ذمہ دار ممبران سے ایک عہد لیا گیا۔ عہد نامہ کے الفاظ حسب ذیل تھے:۔

عہد نامہ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ میری تمام عبادت و اعمال اور زندگی و موت خدا کیلئے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

میں جو کہ مسلم لیگ پارٹی کا...... اسمبلی یا کونسل میں ممبر ہوں اس عہد نامہ کے ذریعہ پوری سنجیدگی اور خلوص اور عزم صمیم کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ مسلمان قوم جو برّاعظم میں اقامت گزین ہے اس کا تحفظ اسلامی نجات و ترقی صرف حصول پاکستان کے ذریعہ ہی ممکن ہے جو کہ صرف

واحد مساویانہ باعزت صحیح حل ہے۔ پاکستان ہی اس عظیم براعظم کی اقلیتوں اور قومیتوں کیلئے امن آزادی اور خوش حالی کا ذریعہ ہے۔
میں پوری ایمانداری کے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ میں بڑی خوشی اور مستعدی کے ساتھ ان تمام ہدایات و احکام کو بجا لاؤں گا جو آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے کسی بھی تحریک کے چلانے کے سلسلہ میں جو وہ مسلمانوں کے محبوب مقصد پاکستان کے حصول کیلئے چلائیگی نافذ ہوں گے اور یہ باور کرتے ہوئے جیسا کہ میں باور کرتا ہوں کہ میرا کاز حق پسندانہ اور منصفانہ ہے عہد صمیم کرتا ہوں کہ میں اُس خطرہ ہر اُس امتحان اور قربانی کیلئے تیار رہوں گا جو مجھ سے طلب کی جائیگی۔ خدا میرے ارادہ میں استقامت بخشے اور میرے قدموں کو متزلزل نہ ہونے دے اور مجھے منکروں کے پھندے سے بچائے۔ (دستخط)
اس عہد کی ایک ایک کاپی ہر ایک ممبر کو بانٹ دی گئی اور ایک ایک کاپی نواب زادہ لیاقت علیخاں نے اپنے پاس رکھ لی۔
(روزنامہ انجام دہلی مورخہ ۱۵ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۴۶ء)
عہد و میثاق کی تجدید و توثیق کے بعد ۱۰ اپریل کو کنونشن کا اجلاس بخیر و خوبی ختم ہوگیا۔ پاکستان کے متعلق عہد کی تجدید بھی ہو گئی۔ لیکن اس اجلاس نے نہ وزارتی مشن کے سامنے کوئی روشنی پیش کی نہ اُن سنجیدہ مسلمانوں کے سامنے جو ہندوستان کے مسلمان باشندوں کو بھی زندگی کا حقدار سمجھتے ہیں چنانچہ ایک نمائندہ پریس کے سوال کے جواب میں مسٹر جناح نے فرمایا۔

جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں اُن کیلئے تین صورتیں ہیں۔ ایک غریب الوطن غیر ملکی کی طرح زندگی بسر کریں۔ (جن کا کوئی حق یا کوئی حصہ حکومت میں نہ ہوگا اور وہ اپنے آبائی وطن میں رہتے ہوئے اسی طرح غریب الوطن اجنبی اور حق حکومت سے محروم رہیں گے جیسے کوئی افریقہ۔ نیپال یا آزاد قبائل کا باشندہ) یا ہندو نیشن اختیار کرلیں۔ (معاذ اللہ) جس کے معنی مسٹر جناح کی تفسیر کے بموجب ہندو مذہب ہیں کیونکہ نظریہ ٹو نیشن کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ نیشن کو مذہب کے ہم معنی قرار دیا جائے) تیسری صورت یہ ہے کہ پاکستان تشریف لے آئیں وہاں میں اُن کا استقبال کروں گا۔

درحقیقت یہ اُسی مضمون کا اعادہ تھا جو مسٹر جناح ۱۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے فرما چکے تھے کہ آزادی کے بعد ہندو مسلمانوں کو یہودیوں کی طرح نکالدیگے
(مدینہ - ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ - ۱۳ اپریل ۱۹۴۶ء)

دو نیشن اور تقسیم ہند کے نظریہ کے بموجب مسٹر جناح کا یہ خطرہ صحیح ہے کیونکہ جب مسٹر جناح نیشن کا مدار مذہب پر مانتے ہوئے ہندو مسلمانوں کو دو نیشن قرار دیتے ہیں اور پھر تقسیم ہند کا مطالبہ بھی کرتے ہیں تو لا محالہ اپنے ان دو نظریوں کے بموجب وہ ہندو کو اس بات کا حق دے رہے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنی اکثریت کے صوبوں سے اسی طرح نکالدیں جیسے ہٹلر نے یہودیوں کو جرمنی سے نکالدیا تھا یا جس طرح کانگریس نے غیر ملکی حکومت سے "کوئٹ انڈیا" "ہندوستان خالی کرو" کا مطالبہ کرلیا ہے۔ کیونکہ یہ مسلمان نہ ان کے نیشن میں شریک ہیں۔ نہ اُن کے

وطن کے باشندے۔

ہندوستانی ہونے سے انکار | ۳۱ مارچ ۱۹۴۲ء کو نیوز کرانیکل کے نمائندے کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا:۔

پاکستان کے سوال پر کسی مفاہمت کا امکان نہیں۔ ہندوستان کوئی ایک ملک نہیں ہے۔ میں اپنے آپ کو ہندوستانی تسلیم نہیں کرتا۔ ہندوستان ایک ایسی مملکت ہے جس میں کئی قومیتیں موجود ہیں۔ ان میں دو بڑی قومیں بھی موجود ہیں۔ ہم صرف اس کے طالب ہیں کہ ہماری قوم کے لئے ایک مکمل آزاد ریاست پاکستان کے نام سے قائم کر دی جائے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ڈھائی کروڑ مسلمان رہ جائیں گے مگر اس کا کوئی علاج بھی نہیں ہے۔

ایک متحدہ وفاق کی صورت میں مسلم صوبجات بھی جہاں مسلمان ستر فیصدی[۱] اکثریت میں ہیں ہندوؤں کے قبضہ قدرت میں آجائیں گے۔ پاکستان میں اُن کی حالت ضرور

---

[۱] ستر فیصدی کا تخیل غلط ہے سینسس آف انڈیا ۱۹۴۱ء صفحہ ۹۹ حصہ اول جلد اول مرتبہ ایم۔ ڈبلیو۔ ایم۔ یائیس۔ سی۔ آئی۔ اے۔ ای۔ سی۔ ایس سینسس کمشنر انڈیا اور کتاب ۱۹۴۱ء کی مردم شماری پر جامع تبصرہ مصنفہ چودھری رحمٰعلی صاحب ہاشمی کی تفصیلات کے بموجب ۱۰۷۰۰۴۷۸۳ پاکستانی صوبجات (پنجاب۔ بنگال۔ سندھ۔ سرحد۔ بلوچستان۔ آسام) کی کل آبادی دس کروڑ ستر لاکھ چار ہزار سو تراسی ہوتی ہے۔ ان صوبجات میں مسلمانوں کی کل تعداد ۵۹۱۰۱۲۰۷ پانچ کروڑ اکیانوے لاکھ ایک ہزار دو سو سات ہے۔ اور بلا غیر مسلم آبادی کل تعداد چار کروڑ ۴۷۹۰۴۵۷۶ اناسی لاکھ تین ہزار پانچ سو چھہتر ہے۔ لہٰذا مسلمان فیصدی ۵۵ اعشاریہ ۵ (تقریباً) ہوتے ہیں اور غیر مسلم ۴۴ اعشاریہ ۵ فیصدی۔ انہیں اعداد و شمار کے لحاظ سے نمائندگی ملنی (باقی صفحہ ۳۹۶ پر)

اچھی ہوگی۔

ہندوستان میں اگر ڈھائی کروڑ مسلمان ہوں گے تو پاکستان میں بھی ڈھائی کروڑ غیر مسلم ہوں گے۔

ہندو مسلم مساوات کا مطالبہ غیر فطری اور مصنوعی ہے۔

اسی سلسلہ بیان میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا۔

میں کانگریس سے کہتا ہوں تقسیم کرو میں تمہارے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتا۔ اگر تم اس کے سوا کچھ اور کہتے ہو تو یہ دھوکہ ہے ان دونوں قوموں میں جن میں ایک اور تین کا تناسب ہو۔ مساویانہ حصہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ چیز غیر فطری اور مصنوعی ہے۔ زندگی کے ہر معاملہ میں ہمارا اختلاف ہے۔ اس لئے اس قسم کا آئین کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہم مساویانہ حصہ نہیں مانگتے ہم صرف ایک چوتھائی مانگتے ہیں۔ ہم ہندوؤں کو ۳/۴ حصہ دیتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنے فلسفۂ تمدن اور عقائد کے مطابق رہ سکیں اور ہم اپنے فلسفۂ زندگی کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ہم نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے متباین ہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اخباری نمائندے نے جب دریافت کیا کہ کیا تدبر اور سیاست کا یہ اقتضاء نہیں ہے کہ اختلافات کو بڑھانے کے بجائے ان کو کم کیا جائے۔ مسٹر جناح نے فرمایا:۔

(صفحہ ۳۹۵ سے) دستور ساز اسمبلی میں مسلمانوں کو نشستیں دی ہیں لہذا پاکستان میں مسلمانوں کو ستر فیصدی اور غیر مسلموں کو تیس فیصدی بیان کرنا نا عاقبت اندیشانہ خطرناک پروپیگنڈہ ہے۔ محمد میاں عفی عنہ

بیشک مگر ہمیں صرف موجودہ حالات اور حقائق سے کام لینا ہے اور چاہے کتنا ہی تدبر کیوں نہ ہو وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مناقشہ کو نہیں مٹا سکتا۔[۹۵]

"اجمل بمبئی ۱۲ر اپریل ۱۹۴۶ء"[۹۶] [۱۹۷]

---

[۹۵] ۱۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر سردار پٹیل نے ڈیلی ورکر کے نامہ نگار "مسٹر رجنی پام دت" کو بیان دیتے ہوئے حق خود ارادیت اور حق علیحدہ کے متعلق کانگریس کے نقطۂ نظر کی تشریح اس طرح کی۔ کہ کانگریس کی موجودہ پالیسی یہ ہے کہ اگر لیگ یہ سمجھتی ہے کہ کانگریس کی موجودہ پالیسی کی وجہ سے مسلمانوں کی ترقی رکتی ہے تو کانگریس صوبوں کی دوبارہ تقسیم پر راضی ہے۔ یہ تقسیم اس طرح ہونی چاہئے کہ جن علاقوں میں ان کی اکثریت ہے وہاں انہیں مکمل خود اختیاری مل جائے بشرطیکہ وہ مشترکہ مفاد کیلئے ایک مشترکہ پالیسی پر رضامند ہو جائیں۔ کانگریس ملک کی تقسیم پر کسی حالت میں اس لئے راضی نہیں ہو سکتی کہ اس کی وجہ سے وفاق کے دونوں اجزاء کا مفاد خطرہ میں پڑ جائیگا۔ اس طرح کی تقسیم کی اجازت دینا خطرناک ہوگا۔ آج کل دنیا کی بڑی طاقتیں اپنی سرحدوں پر محفوظ علاقے قائم کرنے پر غور کر رہی ہیں۔ ایک نیا ہندوستان جب اپنی آزادی حاصل کرے گا تو اپنی آزادی کو کسی طرح محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اگر اس نے اپنی سرحدوں کے اندر ایک خطرناک علاقہ بنا لیا لیکن کانگریس وفاق کے کسی جزو کو اسکی مرضی کے بغیر ہندوستانی یونین میں رہنے کیلئے مجبور نہیں کریگی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کانگریس کسی علاقے کے علیحدہ ہونے کے لئے اپنی رضا کارانہ مرضی بھی نہیں دے گی وہ عدم تشدد کے اصول پر اس بات کی برابر تلقین کرتی رہیگی کہ علاقے ہندوستانی یونین میں شریک ہوں۔ اس کیلئے کبھی بھی وہ تشدد کا استعمال نہ کریگی۔ (قومی آواز مورخہ ۱۲ر اپریل ۱۹۴۶ء $\frac{۹۵}{۱۷}$)

[۹۶] پنڈت جواہر لال نہرو نے ۳ر اپریل کو ٹائمز کے سیاسی نامہ نگار فریزر روڈ، لنڈن کو بیان (باقی صفحہ پر)

بہر حال اپریل کے تقریباً تین ہفتے وزارتی مشن کی ملاقاتوں میں گذر گئے۔ آخری ہفتہ میں اراکین مشن چند روز آرام اور تفریح کے لئے کشمیر چلے گئے اور انہوں نے لیگ اور کانگریس سے یہ درخواست کی کہ دونوں جماعتوں کے نمائندوں کی مشترک کانفرنس کر کے پیچیدگیوں کو حل کرنے کی کوشش کی جائے دونوں جماعتوں

(صفحہ ۳۹۷ سے) دیتے ہوئے پاکستان سے متعلق سوال کے جواب میں کہا۔ جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے وہ کسی فیصلہ کو منوانے کے لئے اکثریت یا اقلیت پر کوئی جبر نہیں کرے گی۔ ہم نے یہ بات صاف صاف کہدی ہے کہ ایسی صورت پیدا کرنی ضروری ہے جب ہر جماعت یہ خیال کرنے پر مجبور ہو جائے کہ فیصلہ کا انحصار کسی غیر ملکی طاقت کے بجائے خود ہندوستانیوں پر ہے۔ .... مجلس آئین ساز کو آخری فیصلہ کا حق دینا خاص اہمیت رکھتا ہے لیکن کسی فیصلہ کو جبر عائد کرنے کے بجائے یہ اعلان کر دینا چاہیئے کہ کسی علاقہ کو مجلس آئین ساز میں شرکت کیلئے مجبور نہیں کیا جائیگا۔ حالانکہ اس میں شرکت کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہیگا .... اگر پنجاب یا سندھ یا کچھ اور علاقے مجلس آئین ساز میں شریک نہیں ہونا چاہتے تو انہیں فی الحال اس کا حق ہوگا لیکن بعد میں اس علاقہ کے عوام کی رائے لینی ضروری ہوگی۔ مجوزہ آئین کے مطابق بغا سندہ صدتوں کا ایک وفاق قائم کیا جائیگا جنہیں زیادہ سے زیادہ خود مختاری حاصل ہوگی اور کم سے کم مشترکہ مفاد کیلئے ایک مرکز ہوگا ...... میرے نزدیک دفاع اور مجوزہ تعمیر نو کے لحاظ سے پاکستان ناقابل عمل ہے۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا لیکن لوگوں کو اطمینان دلانے کیلئے انہیں اپنی مرضی کے خلاف کچھ کرنے پر مجبور نہیں کیا جا رہا ہے ہم انہیں الگ ہونے کی اجازت دینے کیلئے تیار نہیں۔ میری سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آتی ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو جو اقتصادی اور صنعتی اعتبار سے بہت پست ہے دوسروں کے اقتصادی اقتدار کا خوف ہو سکتا ہے ہم انکے خوف کو دور کرنے کی غرض سے ہر امکانی امداد کیلئے تیار ہیں اور صنعتی اور دوسرے اعتبار

نے مشن کی تجویز کو منظور کرلیا۔ مولانا آزاد۔ خان عبدالغفار خاں۔ پنڈت نہرو وغیرہ کانگریس کی طرف سے شرکت کانفرنس کیلئے منتخب ہوئے اور مسٹر جناح نے اپنی اسمٰعیل خاں، نواب زادہ لیاقت علیخاں اور سردار عبدالرب نشتر کو نامزد کیا۔

اس کانفرنس کے ۷ ممبران میں سے ۶ مسلمان تھے اور صرف دو ہندو۔[1]

۵ مئی ۱۹۴۶ء سے شملہ میں کانفرنس شروع ہوئی۔ تقریباً ایک ہفتہ تک اخبارات کے کالموں کیلئے دلچسپ مشغلہ پیدا کیا مگر نتیجہ صرف یہی رہا نشستند و گفتند و برخاستند۔

البتہ اس کانفرنس کے مباحثوں[2] سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ وزارتی مشن کو بندبانٹ

---

[1] اس کانفرنس میں مسٹر جناح کو مولانا آزاد کی ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرنی پڑی۔ مولانا آزاد اس طرح گفتگو کرنے کیلئے متعدد بار دعوت دے چکے تھے لیکن مسٹر جناح کی خود پرستی پر آج ذلت و رسوائی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ وہی مولانا آزاد ہیں جنکو مسٹر جناح چند دن پیشتر "شو بوائے" کہہ چکے تھے اور چند ماہ پیشتر ہندوؤں کا زر خرید خیمہ بردار "کوئزلنگ" وغیرہ کے گندے اور حیا سوز خطابات دے چکے تھے۔ آج وہ زعیم الہند کی حیثیت سے مجلس کے رکن رکین ہیں اور مسٹر جناح کی انانیت شرمسار اور سرنگوں ہے۔ محمد میاں۔

[2] ملاحظہ ہوں ۲۱ خطوط جو اس کانفرنس کے دوران میں مسٹر جناح۔ لارڈ پیتھک لارنس اور صدر کانگریس نے ایک دوسرے کو بھیجے۔

تاریخی یادگار کے طور پر وہ آخری خطوط درج ذیل کئے جاتے ہیں جو دونوں جماعتوں کے نظریات کو واضح کرتے ہیں

مسٹر جناح کے مکتوب مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کی جانب سے (بقیہ ص۴۰۰ پر)

کیلئے اور اگر حسن ظن سے کام لیا جائے تو درمیانی فیصلہ کیلئے رہنمائی حاصل ہو گئی ۔
دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسٹر جناح اور اُن کی لیگ مطالبۂ پاکستان سے کسی قدر پیچھے

(صفحہ ۳۹۹ سے) مندرجہ ذیل اصول سمجھوتہ کیلئے پیش کئے۔

(۱) چھ مسلم صوبے (پنجاب شمالی مغربی سرحدی، بلوچستان سندھ۔ بنگال اور آسام) کو ملا کر ایک گروپ بنایا جائے گا اور یہ صوبہ امور خارجہ۔ ڈیفنس اور ذرائع نقل و حمل جو فوج کیلئے ضروری ہوں ان کے علاوہ دیگر تمام شعبہ جات کا نظم و نسق سنبھالیں گے۔ متذکرہ بالا شعبوں کے بارے میں دونوں گروپوں میں متذکرہ بالا ۶ صوبوں کیلئے (جن کا نام آئندہ پاکستان گروپ رکھا جائیگا) اور ہندو صوبوں کیلئے دستور اساسی بنانے والی جماعتیں ایک جگہ جمع ہو کر فیصلہ کرینگی۔

(۲) متذکرہ بالا چھ مسلم صوبوں کیلئے ایک علیحدہ دستور ساز جماعت ہوگی جو اس گروپ کے لئے اور اس گروپ میں جو صوبے شامل ہیں اُن کے لئے دستور اساسی تیار کرے گی اور ان مضامین کی فہرست طے کرے گی جو پاکستان فیڈریشن کے مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں ہوں گے صوبہ جات کو خود مختاری حاصل ہو گی۔

(۳) دستور ساز جماعت کے نمائندوں کے انتخاب کا طریقہ ایسا ہوگا ...... جس سے پاکستان گروپ کے صوبے مختلف امر پر بحث کی جا سکے کہ آیا اس یونین کی مجلس آئین ساز ہوگی یا نہیں۔ یونین کیلئے مالیات فراہم کرنے کے طریقہ کا سوال بھی دونوں دستور ساز جماعتوں کا مشترکہ اجلاس میں فیصلہ کرنے کیلئے چھوڑ دینا چاہئے لیکن کسی حالت میں وہ روپیہ ٹیکسوں کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جا سکے گا۔

(۴) صوبوں کے دونوں گروپوں کے درمیان یونین کی ایگزیکٹو میں اور اگر لیجسلیچر قائم کی جائے تو اس میں بھی مساوی نمائندگی ہونی چاہئے۔ (باقی صفحہ [illegible] پر)

(صفحہ ۴۰۰ سے) یونین کے آئین کا کوئی بڑا مسئلہ جو فرقہ وارانہ مسئلہ پر اثر انداز ہوتا ہے مشترکہ دستور ساز جماعت میں منظور شدہ نہ سمجھا جائے گا۔ ہندو صوبوں کی دستور ساز اسمبلی کے ممبروں کی بڑی تعداد اور پاکستانی گروپ کی دستور ساز اسمبلی کے نمائندوں کی بڑی تعداد مشترکہ اجلاس میں شریک نہ ہو اور اس کے حق میں الگ رائے شماری نہ کی جائے۔

(۸) یونین کوئی آئینی قانون یا انتظامی فیصلہ کسی متنازعہ نوعیت کے معاملہ کے متعلق اس وقت تک نہ کر سکے گی جب تک کہ اس فیصلہ کے حق میں تین چوتھائی ووٹوں کی اکثریت نہ ہو

(۹) گروپ کے اور صوبائی دستور میں مذہب کلچر اور دوسرے معاملات کے متعلق جو مختلف فرقوں پر اثر انداز ہوتے ہوں بنیادی حقوق تسلیم کرلئے جائیں اور ان کے تحفظ کا انتظام کیا جائیگا۔

(۱۰) یونین کے دستور میں ایک دفعہ ایسی بھی ہوگی جس کے ذریعہ کوئی صوبہ اپنی لیجسلیٹو اسمبلی کی اکثریت کے فیصلہ کے ذریعہ دستور کی شرائط پر از سر نو غور کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اسے دس سال کے ابتدائی عرصہ کے بعد یونین سے الگ ہو جانے کا حق ہوگا۔

ایک پر امن اور خوشگوار سمجھوتہ کے لئے ہمارے پیش کش کے اصول مندرجہ بالا میں مزید اصول بہ تمام و کمال قائم و برقرار رہیں گے اور وہ تمام معاملات جن کا ذکر اس میں کیا گیا ہے ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔

ماخوذ از انجام مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۴۶ء ص ۱۱ مکتوب ۱۹ از مسٹر جناح مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء۔

اس کے جواب میں کانگریس کی جانب سے مندرجہ ذیل اصول سمجھوتہ کے لئے پیش کئے گئے۔ (باقی ص ۴۳۴ پر)

لیکن کوئی متفقہ فیصلہ نہیں ہو سکا اور بعض اصول و نظریات اسی طرح

(صفحہ ۴۰۱ سے) دستور ساز اسمبلی حسب ذیل طریقہ پر بنائی جائے گی۔

(۱) ہر صوبائی اسمبلی تناسب نمائندگی کے مطابق ایک قابل انتقال ووٹ کے ذریعہ نمائندوں کا انتخاب کرے گی جو تعداد اس طرح منتخب کی جائے گی وہ اسمبلی کے ممبروں کی مجموعی تعداد کا پانچواں حصہ ہونا چاہئے۔

(۲) ریاستوں کے نمائندے (۹۳) آبادی کے لحاظ سے اسی تناسب سے شامل کئے گئے ہیں جس کے مطابق برطانوی ہند کے نمائندے شامل کئے گئے ہیں۔ ان نمائندوں کا انتخاب کس طرح ہونا چاہئے اس پر بعد کو غور کیا جائے گا۔

(۳) دستور ساز اسمبلی فیڈرل یونین کیلئے ایک آئین وضع کرے گی فیڈرل یونین ایک کل ہند کی فیڈرل حکومت اور مجلس قانون ساز پر مشتمل ہوگی اور مندرجہ ذیل امور یعنی رسل و رسائل کے ذرائع، بنیادی حقوق [illegible] اور ایسے دوسرے شعبہ جات جنکا گہری نظر سے معائنہ کرنے کے بعد یہ طے [illegible] فیڈرل یونین کو ان شعبوں کے خرچ کے لئے حسب ضرورت روپیہ حاصل کرنے کے اختیارات حاصل ہونگے اور اپنی ضرورت کے مطابق آمدنی حاصل کرنے کے اختیارات حاصل ہوں گے۔ اس یونین کو اختیار بھی حاصل ہونا چاہئے کہ اگر آئین ناکام رہے تو یونین ازالہ کیلئے کارروائی کر سکے [illegible] قسم کے عام ہنگامی حالات میں بھی یونین کو حالات پر قابو پانے کے لئے ضروری کارروائی کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

تمام باقی ماندہ اختیارات صوبجات اور ریاستوں کو حاصل ہوں گے۔

[illegible] کے گروپ بنائے جا سکتے ہیں اور یہ گروپ (باقی ۴۰۳ پر)

الجھے ہوئے باقی رہ گئے جیسے وہ اس کانفرنس کے انعقاد سے پہلے تھے۔

(صفحہ ۴۰۲ سے) صوبائی شعبہ جات کے بارے میں فیصلہ کریں گے جو کہ وہ مشترکہ طور پر خود سنبھالنا چاہتے ہیں۔

(۵) جب دستور ساز اسمبلی آل انڈیا فیڈرل یونین کے لئے آئین کا فیصلہ کر دے گی۔ جیسا کہ اوپر پیراگراف نمبر ۲ میں لکھا ہے صوبجات کے نمائندے بھی گروپوں میں تقسیم ہو کر اپنے اپنے گروپ کے لئے صوبائی آئین کے بارے میں فیصلہ کریں گے اور اگر وہ چاہیں گے تو وہ گروپ کانسٹی ٹیوشن بھی بنا سکتے ہیں۔

(۶) آل انڈیا فیڈریشن آئین کا کوئی بڑا جزو جو فرقہ وارانہ مسئلہ پر اثر انداز ہوتا ہو اس وقت تک دستور ساز اسمبلی میں منظور شدہ نہ سمجھا جائے گا جب تک کہ متعلقہ فرقہ یا فرقوں کے ممبران کی اکثریت اسمبلی میں شریک نہ ہو اور رائیں الگ الگ نہ لی جائیں یہ قرار دیا جائے کہ اگر کسی مسئلہ پر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکے تو یہ مسئلہ ثالث کے سپرد کر دیا جائے گا۔

اگر اس بارے میں کوئی شک ہو کہ آیا کوئی مسئلہ اہم اور بڑا فرقہ وارانہ مسئلہ ہے سپیکر اس امر کا فیصلہ کرے گا یا اگر خواہش ظاہر کی جائے گی تو یہ مسئلہ فیڈرل کورٹ کے سپرد کر دیا جائیگا

(۷) اگر دستور ساز کی کارروائی کے دوران میں کوئی تنازعہ شروع ہو جائیگا تو جس مسئلہ پر جھگڑا ہوگا اسے ثالث کے سپرد کر دیا جائے گا۔

(۸) دستور اساسی کے ذریعہ ایسا انتظام ہونا چاہئے۔ چند شعبہ پیشتر سے معینہ پابندیوں کے ساتھ کسی وقت بھی دستور اساسی پر نظر ثانی کی جا سکے اگر ایسی خواہش ظاہر کی جائے تو یہ خواہش واضح طور پر ظاہر کی جائے اور مکمل آئین پر دس سال بعد غور ہونا چاہئے۔

(مکتوب ۱۲ از کانگریس۔ انجام مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۴۶ء) اور مسلم لیگ کی تجاویز پر (باقی صفحہ ۴۰۴ پر)

بالآخر وزارتی مشن نے ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو اپنی سفارشات پیش کردیں جن میں

(صفحہ ۴۰۳ سے) کانگریس نے مندرجہ ذیل نوٹ لکھا۔

ان معاملات میں مسلم لیگ کا زاویۂ نظر کانگریس سے اس قدر مختلف ہے کہ بقیہ نکات پر غور کئے بغیر کسی ایک نکتہ پر رائے زنی دشوار ہے کانگریس کے سیاسی نظریات کا مختصر خاکہ ایک علیحدہ نوٹ میں ہے۔ ہمارے اس نوٹ اور مسلم لیگ کی تجاویز پر غور کرنے سے مشکلات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے مسلم لیگ کی تجاویز پر ہمارا مختصر تبصرہ درج ذیل ہے:۔

(۱) ہمارے خیال میں مناسب طریقہ یہ ہے کہ دستور ساز اسمبلی پورے ہندوستان کے لئے بنائی جائے اور اس کے بعد اگر متعلقہ صوبے خواہش کریں تو گروپوں کے لئے اس معاملہ کو صوبوں ہی پر چھوڑ دینا چاہئے اور اگر صوبے ایک گروپ کی حیثیت سے کام کرنے کیلئے رضامند ہوں تو انہیں ایسا کرنے دو۔ اس مقصد کے لئے اپنا دستور بنانے کی آزادی ہو۔ آسام کو کسی صورت میں بھی بنگال کے گروپ میں نہیں شامل کیا جاسکتا اور جیسا کہ پراونشل اسمبلی کے انتخابات سے ظاہر ہے کہ یہ صوبہ ایسی کسی تجویز کے حق میں نہیں ہے۔

(۲) ہم اس بات پر متفق ہیں کہ مرکزی شعبہ جات کے علیحدہ اختیارات باقی صوبوں کو حاصل ہوں۔

(۳) ہمارے خیال میں الکشن کا بہترین طریقہ واحد قابل انتقال ووٹ ہے اس سے تمام جماعتوں کو مجالس آئینی میں ان موجودہ نیابت کے تناسب سے غالب نمائندگی حاصل ہوجائے گی۔ اگر آبادی کے تناسب پر نشستیں معین کی جائیں تب بھی ہمیں اعتراض نہیں۔ لیکن اس طرح ان صوبوں میں دشواری لاحق ہوگی جہاں اقلیتوں کو پاسنگ دیا ہے۔

(۴) چونکہ صوبے کسی گروپ میں اپنی مرضی سے شریک ہوں گے اسلئے (بقیہ صفحہ ۴۰۵ پر)

چھوٹے اور بڑے غرض ہر قسم کے پاکستان کی صاف الفاظ میں تردید کی ، اور

(ص ۴۰۴ سے) بعد میں ان کے علیحدہ ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) ہمارے خیال میں فیڈرل یونین کی مجلس آئین ساز ہونی چاہیئے نیز یونین کو اپنے محاصل لگانے کا بھی اختیار ہونا چاہیئے۔

(۶) ہم صوبوں کے گروپوں اور یونین میں نمائندوں کی مساویانہ تعداد کے سخت مخالف ہیں ہمارے خیال میں تمام اقلیتوں کے مفاد کی حفاظت کے لئے یہ شرط کافی ہے۔ کسی اہم فرقہ وارانہ مسئلہ کا فیصلہ اس وقت تک نہیں کیا جا سکے گا جب تک متعلقہ جماعت کے ممبروں کی اکثریت جلسہ میں شریک نہ ہو اور اپنی رائے ظاہر نہ کرے۔

(۸) اس تجویز کا دامن اس قدر وسیع ہے کہ کسی حکومت یا مجلس آئین ساز کے لئے کام کرنا دشوار ہو جائے گا۔ اہم فرقہ وارانہ مسائل کے مفاہمت کے بعد دوسرے معاملات کے تحفظات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مسلم لیگ کی تجویز سے خود غرض لوگوں کو ملک کی ترقی میں روڑا اٹکانے کا موقع ہوگا ہم اس کے بالکل مخالف ہیں۔

(۹) ہم اس بات سے متفق ہیں کہ دستور میں بنیادی حقوق مذہب اور کلچر وغیرہ کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ ہمارے خیال میں اس کے لئے مناسب ایک آل انڈیا فیڈرل یونین کانسٹی ٹیوشن ہے

(۱۰) یونین کے دفتر میں یقیناً نظر ثانی کی شرط ہوگی اس میں کوئی دفعہ ایسی بھی شامل کی جا سکتی ہے جس کی رو سے صوبوں کو اس سال کے بعد نظر ثانی کے مطالبہ کا حق حاصل ہو۔ لیکن اس شرط کی موجودگی میں صوبوں کے مطالبہ علیحدگی کو نظر انداز کرنیکی کوشش کریں گے کیونکہ ہم علیحدگی کے جذبہ کی حوصلہ افزائی کرنا نہیں چاہتے۔

مکتوب مورخہ ۲۰ ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء (ماخوذ از انجام مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۴۶ء)

نظریہ پاکستان کو ناقابل عمل اور ہندوستان کے لئے مضرت رساں قرار دیا۔ یہ درست ہے کہ صوبہ جات کو دو گروپ کے بجائے تین گروپ پر تقسیم کیا۔ مگر ایک مرکز کو ہمیشہ کے لئے لازم گردان دیا۔

اب دوبارہ لیگ کے سامنے سوال پیدا ہوا۔ چیست یاران طریقت بعد از تدبیر ما جمعیۃ علماء ہند، قوم پرور مسلمان اور انڈین نیشنل کانگریس کے اراکین اس نقطہ خیال کو بار بار مسٹر جناح کے سامنے پیش کر چکے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے اس نقطہ پر غور و خوض اور افہام و تفہیم کے لئے بار بار دعوت دی جا چکی تھی۔ مسٹر گاندھی، مسٹر جناح کے سامنے بار بار یہ تجویز پیش کر چکے ہیں اور بمبئی میں خود مسٹر جناح کے عشرتکدہ پر حاضری دے کر تقریباً تین ہفتہ برابر گفتگو کر چکے تھے۔ مگر مسٹر جناح تقسیم ہندوستان دو قوم اور دو مستقل فیڈریشن کے نظریہ کو مسلمانوں کے لئے کلمۂ توحید سے بھی زیادہ ضروری اور لازمی قرار دیتے تھے اور پاکستان کے مخالف علماء اور صلحاء کو صرف پاکستان کی مخالفت کی بناء پر بے دین، ہندوؤں کا نمک خوار، غدار ملت اور اسلام سے خارج قرار دے چکے تھے۔ لہذا خیال یہ تھا کہ مسٹر جناح اور ان کی لیگ وزارتی مشن کے برخلاف ایک دم علم جہاد بلند کر دے گی کیونکہ وزارتی مشن نے صرف ایک مرکز کی سفارش کر کے لیگ کو ناراض ہی نہیں کیا تھا بلکہ اس کے کلمہ طیبہ یعنی پاکستان کی بھی توہین آمیز طرز سے تردید کی تھی۔ چنانچہ مسٹر جناح نے تقریباً ایک ہفتہ غور و خوض کے بعد ۲۴ مئی ۱۹۴۶ء کو ایک بیان شائع کیا جس میں وزارتی مشن کی اس حرکت پر غیض آلود انداز سے نکتہ چینی کرتے ہوئے آئندہ فیصلہ کو لیگ کونسل اور لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس پر محول کر دیا۔

لیکن ابھی یہ اجلاس ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ مسٹر جناح نے ۳۰ رمئی ۱۹۴۶ء کو شملہ میں ایک استقبالی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم روز مرہ کے جھگڑوں سے اکتا چکے ہیں اور آپ ہمیں بہت سے اہم معاملات کا فیصلہ کرنا ہے جو مسلسل نعرے لگانے، نفرت پیدا کرنے اور کھینچا تانی سے نپٹ نہیں سکتے۔ آپ نے امید ظاہر کی کہ ہندوستان کے سامنے جو آئینی مسئلہ درپیش ہے اسے دوستانہ اور مفاہمانہ طریقہ پر حل کرنا ممکن ہوگا۔

آپ نے فرمایا میں اس جذبہ کے ساتھ دہلی جا رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ کی نیک خواہشات ہماری کامیابی کا باعث ہوں گی (زمزم لاہور مورخہ ۱ر جون ۱۹۴۶ء)
(ایسوسی ایٹڈ پریس، بحوالہ انصاری دہلی مورخہ یکم جون ۱۹۴۶ء ۲۹)

اسکے بعد ۹ر جون ۱۹۴۶ء سے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس شروع ہوا۔ مسٹر جناح کے ایک خط سے جو آپ نے ۹ر جون ۱۹۴۶ء کو لارڈ ویول کے نام لکھا تھا[له] معلوم ہوتا ہے کہ جب وزارتی مشن کی اسکیم زیر بحث آئی تو ایوان کا اچھا خاصہ حصہ اس اسکیم کے مخالف

له مسٹر جناح نے لکھا تھا کہ "میں آپ کو (لارڈ ویول) کو مزید اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ جب آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں آپ کے وعدے کا انکشاف کیا گیا کہ عبوری حکومت میں کل ارکان کی تعداد بارہ ہوگی جس میں سے ۵ لیگ، ۵ کانگرس کے نمائندے ہوں گے اور ایک سکھ اور ایک عیسائی ہوگا، کا اعادہ کرنا پڑا۔ آپ کو معلوم ہے کہ کونسل کا یہ اجلاس خفیہ طور پر منعقد ہوا تھا اور ابتدا میں ایوان نے اسکیم کی شدید مخالفت کی تھی۔ مخالفت کرنے والے ارکان کو مطمئن کرنے کیلئے مجھے یہ بتانا پڑا کہ عبوری حکومت میں ہماری حیثیت کیا ہوگی۔ اگر میں کونسل میں آپ کے اس وعدہ کو ظاہر نہ کرتا تو کونسل وزارتی مشن کی اسکیم کو کبھی منظور نہ کرتی (روزنامہ انقلاب مورخہ ۲۰ر جولائی ۱۹۴۶ء مطابق ۲۰ر شعبان ۱۳۶۵ھ)

اور اس کو رد کر دینے کا حامی تھا لیکن مسٹر جناح کے ارشاد پر کہ چونکہ عبوری حکومت میں لیگ اور کانگریس کو مساوی نمائندگی مل گئی ہے اس لئے طویل المیعاد اسکیم کو منظور کر لینا چاہئے ایوان کی مخالفت ختم ہو گئی اور صرف ایک رائے کی مخالفت سے مندرجہ ذیل اسکیم منظور کر لی گئی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اس اجلاس نے برطانوی وزارتی مشن اور وائسرائے کے بیان مورخہ ۱۶ مئی اور متعلقہ بیانات و مراسلات پر جو سرکاری طور سے شائع کی گئی ہے غور کیا اور مذکورہ بیان میں درج شدہ تجاویز اور اُن کے نتائج و مقاصد کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ اجلاس حسب ذیل خیالات کو قوم کی رہنمائی اور مجلس عاملہ کی ہدایت کیلئے مقرر کرتا ہے۔

بیان کے پیراگراف ۱۶ - ۱۹ - اور ۱۰ میں مسلمانوں کے مطالبہ مکمل و آزاد پاکستان کے قیام سے جو کہ ہندوستان کے دستوری مسئلہ کا واحد حل ہے جو نتائج درج کئے گئے ہیں وہ بالکل نامناسب غیر صحیح اور بے دلیل ہیں اور اسی لئے برطانوی حکومت کے اعتبار سے شائع شدہ سرکاری دستاویز میں ان کو کوئی جگہ نہیں ملنی چاہئے تھی۔

پیراگراف ایسی زبان میں مرتب ہوئے ہیں اور ان میں ثابت شدہ حقائق کو اس طرح توڑا مروڑا گیا ہے کہ اس سے بالکل واضح ہے کہ وزارتی وفد نے صرف مسلمانوں کے جذبات کی بالکل پروا نہ کرتے ہوئے صرف ہندوؤں کو خوش کرنا چاہا ہے۔ مزید یہ کہ ان پیراگرافوں کے اندر جو مضامین ہیں وہ وزارتی وفد کے ان اعترافات کے متضاد اور برعکس ہیں جو بیان کے پیراگراف ۵ - ۱۲ میں حسب ذیل مفہوم پر مشتمل موجود ہیں۔

اول یہ کہ مشن مسلمانوں کی اس حقیقی اور گہری پریشانی سے بہت متاثر ہوا ہے کہ کہیں وہ اپنے کو ہندو اکثریت کی مستقل حکومت کے ماتحت نہ پائیں۔ دوم یہ کہ یہ جذبہ مسلمانوں میں اس قدر مضبوطی اور وسعت سے پھیل گیا ہے کہ اسے صرف کاغذی تحفظات سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ سوم یہ کہ اگر ہندوستان میں امن قائم ہوتا ہے تو اسے ایسے اقدامات سے حاصل کیا جانا چاہئے جس سے مسلمانوں کو یہ یقین ہو کہ انہیں اپنے تمدن۔ مذہب۔ معیشت یا دوسرے مفادات پر مکمل قابو ہے۔

چہارم یہ کہ مسلمانوں میں اس معاملہ میں بہت صحیح پریشانی موجود ہے کہ ان کا تمدن اور سیاسی سماجی زندگی ممکن ہے کہ ایک خالص وحدانی ہندوستان میں جس کے اندر ہندو اپنی بہت بڑی عددی اکثریت کی بنا پر غالب ہوں گے ڈوب نہ جائے۔

اس مقصد کے کسی حصہ میں کوئی شبہ باقی نہ رہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ اس امر کی تکرار اور اعادہ کرتی ہے کہ مسلم ہندوستان کا نصب العین مکمل با اختیار پاکستان کا حصول بھی ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے اگر ضرورت پڑی تو پھر اس طریقہ کو جو ان کے اختیار میں ہوگا استعمال کریں گے اور ان کے نزدیک اس کے لئے کوئی قربانی اور مصیبت زیادہ نہ ہوگی۔

وزارتی وفد کے بیان کی تمہید میں نامناسب الفاظ میں مسلم جذبات کی توہین کی پروا نہ کرتے ہوئے مسلم لیگ معاملہ کے خطرناک سوالات کو سامنے رکھتے ہوئے اور اگر ممکن ہو تو ہندوستانی دستوری مسئلہ کے پر امن حل کی خواہش سے متاثر ہو کر

وزارتی مشن کی مجوزہ اسکیم سے اشتراک عمل پر تیار ہے۔ کیونکہ مشن کے پلان میں چھ مسلم صوبوں کے سیکشن (ب) اور (ج) میں درج لازمی جتھا بندی پاکستان کی بنیاد کے طور پر موجود ہے۔ (حیات محمد علی جناح مرتبہ رئیس احمد صاحب جعفری ص۵۵۶ تا ص۵۵۹)

تجویز کا خلاصہ یہ کہ باوجودیکہ وزارتی مشن کا پلان سراسر مسلمانوں کے جذبات اور اُن کی ضروری خواہشات کے مخالف ہے مگر تاہم مسلم لیگ اس کو منظور کرتی ہے۔ کیونکہ۔

(الف) اس کے رد کرنے میں جو خطرات ہیں وہ مسلم لیگ کے پیش نظر ہیں

(ب) ہندوستانی مسئلہ کا حل یہی ہے۔

(ج) صوبجات کی جتھا بندی پاکستان کی بنیاد ہے۔

پاکستان بگورستان

لیگ کی اس تجویز نے تقسیم ہند اور مطالبۂ پاکستان کو ختم کر دیا اور مخالفین کے اس خیال کو تقویت پہنچادی کہ لیگ صرف منفی پہلو کو ابھار سکتی ہے لیکن اثباتی پہلو پر وہ قائم نہیں رہ سکتی بلکہ جب امتحان کا موقع پیش آتا ہے تو ایثار اور قربانی کے بجائے وہ اپنے مطالبہ کی توجیہ اور تاویل کرڈالتی ہے۔

روزنامہ انقلاب نے مسٹر جناح کے اُن تمام اقوال وارشادات کو (جو متحدہ ہندوستان کی مخالفت اور پاکستان کی حمایت میں چار سال متواتر اپنی زبان اور اپنے قلم سے صادر کرتے رہے) نقل کرنے کے بعد لکھا تھا۔

"اگر مرکز کو کسی شکل میں بھی قبول کرنا مسلمانوں کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، تعلیمی اور ثقافتی بے بسی کا سرچشمہ اور ہند دراج کے قیام کا مقدمہ تھا تو اب اس میں سے پاکستان پیدا کرنے کی امیدیں کیونکر صورت پذیر ہونگی۔ ہائی کمان کے موجودہ فیصلے کے حامیوں کو یا تو یہ اعتراف کرنا چاہئیے کہ مسٹر جناح نے پہلے جو کچھ فرمایا تھا وہ صحیح نہ تھا حالانکہ ہمارے نزدیک وہ کلیۃً صحیح تھا یا پھر یہ ماننا چاہیے کہ لیگ ہائی کمان نے اب جو فیصلہ کیا ہے صحیح نہیں ہے دونوں چیزیں بیک وقت درست نہیں ہو سکتیں" (انقلاب مورخہ ۲۰، جولائی ۴۶ء)

مولانا حسرت موہانی نے جو آخر تک مذکورہ بالا تجویز کے مخالف رہے فرمایا۔ ہم نے مسلمانوں کو دھوکا دیا۔ اسلام سے غداری کی قرآن سے غداری کی۔

مختصر یہ کہ مسلم لیگ نے اپنے اجلاس مورخہ ۶، جون ۴۶ء میں وزارتی مشن کی سفارشات منظور کرتے ہوئے نمائندہ اسمبلی کی شرکت منظور کرلی یعنی تقسیم ہند اور پاکستان کے مطالبہ کو "خیرباد" کہتے ہوئے ایک یونین، ایک مرکز، ایک اسمبلی تسلیم کرلی عام مسلمان جو پاکستان کو اسلامی حکومت سمجھ کر اس کے لئے جان قربان کرنے کا تہیہ کر چکے تھے خود اپنے زعماء کی اس کمزوری سے متاثر ہوئے اور لیگ کی طرف سے ایک گونہ بے اعتمادی پیدا ہونے لگی۔

کانگریس نے بھی اگرچہ جبریہ گروپ بندی کی مخالفت کی اور یہ ظاہر کیا کہ گروپ میں جبریہ شرکت صوبجات کی مسلم خود ارادی اور خود مختاری کے خلاف ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی وزارتی مشن کی جدوجہد کی تعریف کی اور سفارشات کو منظور کر لیا۔

خاتمۂ بحث پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان سفارشات کا مکمل متن ان صفحات میں محفوظ کر دیں۔ کیونکہ یہ آئین ہند کے لئے دستور اساسی کی حیثیت رکھتا ہے۔

وزارتی مشن کی سفارشات

(۱) پندرہ مارچ کو کابینی وفد کے ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے برطانی وزیر اعظم مسٹر ایٹلی نے یہ الفاظ کہے تھے۔

میرے ساتھی اس ارادہ کے ساتھ ہندوستان جا رہے ہیں کہ اسے جتنی جلد اور جتنے مکمل طور سے ہو سکے آزادی حاصل کرنے میں اپنے امکان بھر زیادہ سے زیادہ مدد دیں۔ یہ فیصلہ کرنا ہندوستان کا کام ہے کہ موجودہ حکومت کی جگہ کس قسم کی حکومت قائم کی جائے لیکن ہماری خواہش ہے کہ اسے یہ فیصلہ کرنے والی مشنری قائم کرنے میں مدد دیں۔

مجھے امید ہے کہ ہندوستان اور اس کے باشندے دولت مشترکہ کے اندر رہیں گے مجھے یقین ہے کہ ان کو اس میں بڑا فائدہ ہوگا لیکن اگر وہ ایسا پسند کریں تو یہ اُن کی آزاد مرضی سے ہونا چاہیئے۔ برطانی دولت مشترکہ اور سلطنت بیرونی جبر کے رشتہ سے منسلک نہیں ہے۔ یہ آزاد قوموں کی ایک آزاد انجمن ہے۔ اگر اس کے برخلاف ہندوستان آزاد ہونا چاہے تو ہماری رائے میں اسے اس کا حق ہے۔ ہمارا کام یہ ہوگا کہ اس عبوری دور کو زیادہ سے زیادہ پرامن اور آسان بنانے میں مدد دیں۔

(۲) ان تاریخی الفاظ کی ہدایت کے ساتھ ہم کابینی وزیروں اور وائسرائے نے ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتوں کو ہندوستان کے اتحاد یا تقسیم کے بنیادی

مسئلہ پر سمجھوتہ کرنے میں مدد دینے کیلئے اپنے امکان بھر پوری کوشش کی۔ نئی دہلی میں طویل طویل گفت و شنید کے بعد ہم شملہ میں ایک کانفرنس میں لیگ اور کانگریس کو ایک جا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں پورے طور پر تبادلۂ خیال ہوا اور دونوں جماعتیں سمجھوتہ کی کوشش کرنے اور اس کی صورت نکالنے کیلئے تیار تھیں مگر ان کے درمیان اخیر میں جو خلیج رہ گئی اسے پاٹنا ناممکن ہو گیا اور اس طرح کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا چونکہ کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا ہے اس لئے ہم اسے اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم ایسا بندوبست پیش کر دیں جو ہمارے خیال میں نئے دستور کی جلد تیاری کو یقینی کرنے کے لئے سب سے اچھا ہے۔ یہ بیان برطانیہ میں ملک معظم کی حکومت کی پوری پوری منظوری کے ساتھ دیا جا رہا ہے۔

اس لئے ہم نے طے کیا ہے کہ فوراً ایسا بندوبست کر دیا جائے جس کے ذریعہ ہندوستان کے باشندے ہندوستان کے آئندہ دستور کی بابت فیصلہ کر سکیں اور فوراً ہی ایک عبوری حکومت قائم کر دی جائے جو نئے دستور کی تشکیل تک برطانی ہند کا نظم و نسق چلا سکے۔ ہم نے قوم کے چھوٹے اور بڑے دونوں طرح کے طبقوں کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی ہے جس کے ذریعہ مستقبل کے ہندوستان کی حکومت کیلئے ایک قابل عمل طریقہ نکل آئے اور جس سے دفاع کے لئے ایک مستحکم بنیاد بن جائے۔ اور سماجی، سیاسی، معاشی میدانوں میں ترقی کا ایک اچھا موقع مل جائے۔

(۴) اس بیان میں ان طویل بیانات پر جو وفد کے سامنے پیش کئے گئے ہیں تبصرہ کرنا مقصود نہیں ہے لیکن یہ بیان کر دینا مناسب ہوگا کہ ہم نے مسلم لیگ

کے حامیوں کے علاوہ تقریباً تمام طبقوں میں ہندوستان کی سالمیت کی ایک عام خواہش پائی۔

پاکستان اور اس کی مضمرات

(۵) لیکن یہ بات ہمارے لئے ہندوستان کی تقسیم کے امکان پر قریبی اور غیر جانبدارانہ غور و خوض کرنے میں حارج نہیں ہوئی۔ اس لئے ہم مسلمانوں کے اس حقیقی اور شدید تردد سے بہت زیادہ متاثر تھے کہ کہیں ان کے اوپر ہندو اکثریت کا مستقل راج نہ قائم ہو جائے۔

یہ احساس مسلمانوں میں اتنا قوی اور وسیع ہو گیا ہے کہ اسے محض کاغذی تحفظات سے دور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہندوستان میں داخلی امن قائم ہوتا ہے تو اسے ان طریقوں کے ذریعہ قائم کرنا ہوگا جن سے مسلمانوں کو تمام ایسے امور پر قابو حاصل ہو جائے جو ان کے تمدنی، مذہبی، معاشی اور دوسرے مفادات کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

(۶) اس سے ہم نے پہلے مسلم لیگ کے مطالبہ کے مطابق پاکستان کی ایک الگ اور پورے طور سے آزاد اور با اقتدار مملکت کے مسئلہ پر غور کیا۔ اس طرح کہ پاکستان دو علاقوں پر مشتمل ہوتا۔ ایک شمال مغرب جس کے اندر بنگال اور آسام کے صوبے ہوتے۔ لیگ سرحدوں کا تصفیہ بعد کو کرنے پر تیار تھی۔ لیکن اس بات پر اصرار کرتی تھی کہ پہلے پاکستان کے اصول کو تسلیم کر لیا جائے۔ پاکستان کی الگ مملکت کے لئے ایک استدلال یہ تھا کہ مسلم اکثریت کو اپنی خواہش کے مطابق اپنے طرز حکومت کے تصفیہ کا حق حاصل ہے اور دوسرے یہ کہ اس میں ایسے کافی بڑے

علاقوں شامل کرلیا جانا ضروری ہے جن میں مسلمانوں کی اقلیت ہے تاکہ پاکستان نظم ونسق اور معاشیات کے اعتبار سے قابل عمل ہوجائے۔

مذکورہ بالا چھ صوبوں سے مل کر جو پاکستان بنے گا اس میں غیر مسلم اقلیتوں کی تعداد بہت کافی ہوگی جیسا کہ ذیل کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے:۔

مغربی شمالی علاقہ	مسلمان	غیر مسلم
پنجاب	۱۶۲۱۷۲۴۲	۱۲۲۰۱۵۷۷
صوبہ سرحد	۲۷۸۸۷۹۷	۲۴۹۲۷۰
سندھ	۳۲۰۸۳۲۵	۱۲۲۶۶۸۳
برطانوی بلوچستان	۴۳۸۹۳۰	۶۲۷۰۱
	۲۲۶۵۱۲۹۴	۱۳۸۴۰۲۲۱
	۶۲٫۰۷ فیصدی	۳۷٫۹۳ فیصدی

شمالی مشرقی علاقہ		
بنگال	۳۳۰۰۵۴۳۴	۲۷۳۰۱۰۹۱
آسام	۳۴۴۲۴۷۹	۶۷۶۲۲۵۶
	۳۶۴۴۷۹۱۳	۳۴۰۶۳۳۴۷
	۵۱٫۶۹ فیصدی	۴۸٫۳۱ فیصدی

مسلم اقلیتوں کی تعداد جو کہ باقی ہندوستان میں رہ جائینگی تقریباً ۲ کروڑ ہوگی۔ جو تقریباً ۲۰ کروڑ اسی لاکھ آبادی میں بٹی ہوئی ہوگی۔

ان اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مسلم لیگ کے مطالبہ کے بموجب پاکستان

کی ایک الگ ریاست قائم کی گئی تو اس سے مسلم اکثریت کا مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔

تقسیم کی دشواریاں

ساتھ ہی ساتھ ہم کو اس بات میں بھی کوئی صداقت نظر نہیں آتی کہ پاکستان میں پنجاب، بنگال اور آسام کے ان اضلاع کو شامل رکھا جائے جن میں کہ غیر مسلموں کی اکثریت ہے۔ ہماری رائے میں جو دلیلیں پاکستان کے حق میں استعمال کی جاتی ہیں وہی دلیلیں اس بات کیلئے بھی استعمال کی جاسکتی ہیں کہ ان اضلاع کو پاکستان سے الگ کر دیا جائے اس بات کا اثر سکھوں پر خاص طور سے پڑتا ہے۔

(۷) اس وجہ سے ہم نے خیال کیا کہ ایک چھوٹی سی آزاد پاکستانی ریاست کو جس میں کہ اکثریت مسلمانوں کی ہو سمجھوتہ کی بنا قرار دیا جائے لیکن مسلم لیگ کے نزدیک ایسا پاکستان غیر ممکن ہے کیونکہ اس طرح پاکستان سے یہ علاقے خارج ہو جائیں گے (۱) پنجاب میں انبالہ اور جالندھر کے اضلاع (۲) سوائے سلہٹ کے سارا آسام۔ (۳) مغربی بنگال کا ایک بہت بڑا حصہ مع کلکتہ کے جس میں مسلمانوں کی آبادی ۲۳٫۶ فیصدی ہے۔ ہم کو اس بات کا یقین ہے کہ کوئی ایسا حل جس میں کہ پنجاب اور بنگال کی کوئی زبردست تقسیم کرنا پڑے۔ جیسا کہ اسی طرح ہو جائے گا۔ وہ خود ان صوبوں کے رہنے والوں کی اکثریت کی مرضی اور مفاد کے خلاف ہوگا۔ بنگال اور پنجاب دونوں ایسے علاقے ہیں جن کی اپنی زبان ہے اور اپنی طویل تاریخ اور روایات ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ پنجاب کی تقسیم سے فوری طور پر سکھ بھی تقسیم ہو جائیں گے اور دونوں طرف بہت کافی تعداد میں ہوں گے اس وجہ سے

ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ بڑا پاکستان بنے یا چھوٹا پاکستان کسی سے بھی فرقہ وارانہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا طاقت و دلائل سے قطع نظر کرکے اس راہ میں بہت بھاری انتظامی اقتصادی اور دفاعی دشواریاں ہیں۔ سارے ہندوستان کے رسل و رسائل ڈاک اور تار کا انتظام متحدہ ہندوستان کے نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے۔ اس کو توڑ ڈالنے سے ہندوستان کے دونوں حصوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ متحدہ دفاع کا مسئلہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ہندوستان کی دفاعی فوج متحدہ ہندوستان سے بنائی گئی ہے۔ اس کو اگر دو ٹکڑوں میں توڑا جائیگا تو اس سے ہندوستانی فوج کی کافی پرانی روایات اور عبارت کو سخت ضرب پہنچے گی اور اس راہ میں بہت سے خطروں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہندوستانی بحری فوج اور ہندوستانی ہوائی فوج بہت کم موثر رہ جائیں گی۔ پاکستان کے دونوں علاقوں کے حصہ میں ہندوستان کی سب سے زیادہ کمزور سرحدیں پڑتی ہیں اور ان کے دفاع کے لئے پاکستان کے علاقے کی گہرائی بالکل ناکافی ثابت ہوگی

(۹) ایک بات اور بھی مد نظر ہے وہ یہ کہ اگر ہندوستان تقسیم ہو گیا تو ہندوستانی ریاستوں کو اپنے سے وابستہ کرنے میں دشواریاں بڑھ جائیں گی۔

(۱۰) آخری بات یہ جغرافیائی واقعہ ہے کہ پاکستان کے دونوں حصوں کے درمیان تقریباً سات سو میل کی دوری ہوگی اور دونوں کے درمیان رسل و رسائل چاہے جنگ کی حالت ہو یا صلح کی ہندوستان کی مرضی پر منحصر ہوں گے۔

(۱۱) اس وجہ سے ہم لوگ برطانی حکومت کو اس بات کا مشورہ نہیں دے سکتے ہیں کہ فرماں روائی کو جو اس وقت اس کے ہاتھ میں ہے وہ بالکل جداگانہ

ریاستوں کو سونپے۔

کانگریس کی تجاویز

(۱۴) لیکن اس فیصلے سے ہم نے مسلمانوں کے اس حقیقی اندیشے سے چشم پوشی نہیں کی ہے کہ کہیں ان کا کلچر اور اُن کی سیاسی سماجی زندگی ایک پوری طرح وحدانی ہندوستان میں جہاں ہندو اپنی بڑی عددی اکثریت کی وجہ سے حاوی ہوں گے، مغلوب نہ ہو جائے۔ اس اندیشہ کو دور کرنے کیلئے کانگریس نے ایک ایسی اسکیم پیش کی ہے جس کے تحت صوبوں کو پوری خود مختاری حاصل ہوگی اور مرکز کے پاس کم سے کم شعبے رہیں گے مثلاً امور خارجہ، دفاع اور رسل و رسائل۔

اس اسکیم کے تحت صوبے اگر بڑے پیمانہ پر معاشی اور انتظامی منصوبہ بندی کے ساتھ شرکت کرنا چاہیں تو اوپر بیان کئے ہوئے لازمی امور کے علاوہ مرکز کو اختیاری امور بھی سپرد کر سکتے ہیں۔

اس اسکیم سے ہماری رائے میں خاصی دستوری دشواریاں اور تناقض پیدا ہو جائیں گے۔ مرکز میں ایک ایسی عاملہ اور مجلس قانون ساز سے کام لینا دشوار ہوگا۔ جس میں بعض وزیر جن سے لازمی امور متعلق ہوں پورے ہندوستان کے سامنے جوابدہ رہیں اور دوسرے وزیر جن سے لازمی امور متعلق ہوں صرف ان صوبوں کے سامنے جوابدہ رہیں جو ان امور میں ایک ساتھ رہنا پسند کریں۔ یہ دشواری مرکزی مجلس قانون ساز میں اور بڑھ جائے گی جہاں بعض ارکان کو ایسے امور کے تذکرہ اور مشورہ اور اُن کے متعلق رائے شماری سے خارج کر دینا پڑے گا۔ جو ان صوبوں سے تعلق رکھتے ہوں۔

اس اسکیم کی عملی دشواریوں کے علاوہ ہماری رائے میں یہ مناسب نہیں ہوگا کہ دوسرے صوبوں کو جو اختیاری مسائل مرکز کے سپرد کردینے پر تیار نہ ہوں اس غرض کیلئے اپنی گروہ بندی کرنے کے حق سے محروم کردیا جائے۔

ہندوستانی ریاستیں اور برطانی ہند

(۱۴) اپنی سفارشات پیش کرنے سے پہلے ہم برطانی ہند کے ساتھ ہندوستانی ریاستوں کے تعلقات سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ یہ چیز صاف ظاہر ہے کہ برطانی ہند کے آزادی حاصل کرلینے پر خواہ وہ برطانی دولت مشترکہ کے اندر ہو یا اس سے باہر، ریاستی حکمرانوں اور برطانی تاج کے درمیان موجودہ تعلق برقرار نہیں رہ سکیگا اقتدار اعلیٰ نہ تو تاج برطانیہ کے پاس رہ سکتا ہے اور نہ نئی حکومت کو منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے ریاستوں کی طرف سے جن لوگوں سے ملاقات کی انھوں نے اس بات کو پوری طرح تسلیم کرلیا ہے اس کے ساتھ ہی انھوں نے ہم کو یقین دلایا ہے کہ وہ آیسہ ہندوستان کی نئی ترقی میں اشتراک عمل کرنے کو تیار ہیں۔ اس اشتراک عمل کی صحیح صورت کا تعین نئے دستور کی تیاری کے دوران میں گفت و شنید کے ذریعہ ہوگا اور ان کا کسی طرح یہ مطالبہ نہیں ہے کہ تمام ریاستوں کے لئے صورت یکساں رہے گی اسلئے ہم نے آگے کے پیرا میں ریاستوں سے اتنی مفصل بحث نہیں کی ہے جتنی کہ برطانی ہند کے صوبوں سے۔

دستور کی بنیادی شکل

(۱۵) اب ہم اُس حل کی نوعیت بیان کریں گے جو ہماری رائے میں تمام جماعتوں اور ان کے ضروری مطالبات کو دیکھتے ہوئے مناسب اور اس کے ساتھ

ہی ساتھ جو پورے ہندوستان کے لئے ایک مستحکم اور قابل عمل دستور کی تیاری میں مدد اور معاون ہوگا۔ ہم سفارش کرتے ہیں کہ دستور کو مندرجہ ذیل بنیادی شکل اختیار کرنی چاہئے

(۱) برطانی ہند اور ریاستوں کی ایک یونین ہو جس کے ہاتھ میں امور خارجہ، دفاع اور رسل و رسائل ہوں اور جسے اُن کے لئے ضروری اخراجات کے واسطے روپیہ حاصل کرنے کا اختیار ہو۔

(۲) یونین میں ایک عاملہ اور ایک مجلس ہو جو برطانی ہند اور ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔

(۳) یونین کے معاملات کے علاوہ تمام معاملات اور اختیارات باقی صوبوں کے ہاتھ میں ہوں گے

(۴) یونین کے حوالے کر دئیے جانے والے اختیارات کے علاوہ ریاستوں کے ہاتھ میں تمام معاملات اور اختیارات ہوں گے۔

(۵) صوبوں کو اپنی مجالس عاملہ اور مجالس انتظامیہ کے ساتھ گروہ بندی کا اختیار ہوگا اور ہر گروہ کو حق ہوگا کہ صوبجاتی اختیارات مشترک کر لئے جائیں۔

(۶) یونین اور گروپ کے دستور میں ایک یہ بھی شرط شامل ہوگی۔ جس کی رو سے صوبے اپنی مجالس قانونساز کی اکثریت سے ایک دس سال کی ابتدائی میعاد اور اس کے بعد ہر دس دس سال پر دستور کی شرائط پر از سر نو غور کر سکیں۔

(۱۶) ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ مندرجہ بالا خطوط پر کسی دستور کی تفصیل

بیان کی جائے بلکہ ہندوستان کے لئے ہندوستانیوں کے تیار کردہ آئین کی تیاری کیلئے راستہ صاف کرنا چاہتے ہیں۔

پھر بھی ہمارے لئے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ آئندہ دستور کی عام بنیاد کیلئے یہ سفارش کریں۔ کیوں کہ گفت وشنید کے دوران میں ہم پر یہ بات واضح ہوگئی کہ جب تک ایسا نہ کیا جائے گا اس وقت تک دستور سازی کے انتظامات میں دو بڑے فرقوں کے اشتراک کی کوئی امید نہیں ہے۔

(۱۷) اب ہم اس دستوری انتظام کا ذکر کریں گے جو نئے دستور کو چلانے کے لئے ضروری ہے۔

ٹھیک ٹھیک نمائندگی

(۱۸) نئے دستوری نظام کے فیصلہ کے لئے کوئی مجلس قائم کرتے وقت پہلا مسئلہ جہاں تک ممکن ہو پوری آبادی کی وسیع پیمانے پر اور ٹھیک ٹھیک نمائندگی ہے ظاہر ہے کہ بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر انتخاب ہی سب سے زیادہ اطمینان بخش صورت ہے لیکن ایسی کارروائی پر اس وقت عمل پیرا ہونے کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ نئے دستور کی تیاری میں بہت نامناسب تاخیر ہوگی۔ اس لئے سب سے مناسب قابل عمل متبادل صورت یہی ہے کہ حال کی منتخبہ صوبجاتی مجالس قانون ساز کو انتخاب کرنے والی جماعت تسلیم کرلیا جائے لیکن ان کی تشکیل میں دو باتیں ایسی ہیں جو اس اقدام کو مشکل بنادیتی ہیں۔ صوبجاتی مجالس قانون ساز کی رکنیت کا تناسب متعلقہ صوبے کی آزادی کے مطابق نہیں ہے۔ آسام کی آبادی ایک کروڑ ہے اور وہاں کی اسمبلی میں ۱۰۸ ممبر ہوتے ہیں۔ بنگال کی آبادی آسام کی آبادی کی چھ گنی ہے لیکن وہاں کی اسمبلی

میں صرف ۲۵۰ ممبر ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ کمیونل اوارڈ کے مطابق اقلیتوں کو آبادی سے زائد نمائندگی دی گئی ہے۔ اسلئے صوبجاتی مجالس قانون ساز میں فرقوں کی نمائندگی ان کی آبادی کے تناسب سے نہیں ہے۔ بنگال اسمبلی میں مسلمانوں کو صرف ۴۰ فیصدی نشستیں حاصل ہیں حالانکہ صوبے میں ان کی آبادی ۵۵ فیصدی ہے۔ ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے مختلف طریقوں پر اچھی طرح غور و خوض کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سب سے زیادہ معقول اور قابل عمل صورت حسب ذیل ہوگی۔

(ا) ہر صوبے کے لئے اس کی آبادی کے تناسب سے اس کی نشستوں کی ایک مجموعی تعداد مقرر کر دی جائے جو بالغ رائے دہندگی کے بجائے بنیاد کی تجویز کے طور پر تقریباً ہر دس لاکھ آبادی پر ایک نمائندگی شکل میں ہو۔

(ب) نشستوں کی صوبجاتی تعین کے بعد ہر صوبے میں فرقہ وارانہ تناسب کے مطابق نشستیں تقسیم کر دیجائیں۔

(ج) ہر صوبے کے مقررہ نمائندے اس کی مجلس قانون ساز کے اراکین منتخب کریں گے۔

صرف تین فرقے

ہمارا خیال ہے کہ ان مقاصد کے لئے ہندوستان میں صرف تین فرقے تسلیم کئے جائیں۔ عام، مسلم اور سکھ۔ عام میں وہ تمام فرقے شامل ہوں گے جو مسلمان اور سکھ نہیں ہیں چونکہ چھوٹے فرقوں کی آبادی کی بنیاد پر بہت کم یا بالکل نمائندگی نہ حاصل ہوگی کیونکہ انہیں آبادی سے زائد نمائندگی نہ مل سکے گی اس لئے ہم نے پیراگراف ۲۰

مندرجہ ذیل میں ایسی تجاویز پیش کی ہیں جن کی رو سے مخصوص ... نادے کے تمام معاملات میں انھیں پوری نمائندگی حاصل ہوگی۔

(۱۰۹) (ک) اس لئے ہماری تجویز یہ ہے کہ ہر صوبجاتی مجلس قانون ساز نمائندوں کی مندرجہ تعداد منتخب کرے گی مجلس کا ہر حصہ (عام، مسلم یا سکھ آبادی کے تناسب کے مطابق واحد منقولہ (سنگل ٹرانسفرایبل) ووٹ کے ذریعہ اپنے نمائندے منتخب کریگا۔

گوشوارہ نمائندگی

ا

صوبے	عام	مسلم	میزان
مدراس	۴۵	۴	۴۹
بمبئی	۱۹	۲	۲۱
یوپی	۴۷	۸	۵۵
بہار	۳۱	۵	۳۶
سی پی	۱۶	۱	۱۷
اڑیسہ	۹	-	۹
میزان	۱۶۷	۲۰	۱۸۷

(ب)

صوبے	عام	مسلم	سکھ	میزان
پنجاب	۸	۱۶	۴	۲۸

سرحد	۰	۳	۰	۳
سندھ	۱	۳	۲	۴
میزان	۹	۲۲	۲	۲۵

(ج)

صوبہ	عام	مسلم	میزان
بنگال	۲۷	۳۳	۶۰
آسام	۷	۳	۱۰
میزان	۳۴	۳۶	۷۰

میزان برائے برطانی ہند ۲۹۲

مجموعی تعداد برائے ریاست ۹۳

میزان ۳۸۵

مجلس دستور ساز میں نمائندگی

(نوٹ) چیف کمشنر کے صوبوں کی نمائندگی کے لئے مرکزی مجلس قانون ساز میں دہلی، اجمیر، میرواڑہ، اور کورگ کونسل کے ایک ایک رکن کا اضافہ کردیا جائیگا دفعہ ب میں برطانی بلوچستان کے ایک نمائندہ کا اضافہ کردیا جائیگا

(۲) ارادہ کیا جاتا ہے کہ مجلس دستور ساز میں ریاستوں کو مناسب نمائندگی حاصل ہوگی جو برطانی ہند کے حساب کی بنیاد کے مطابق ۹۳ سے زائد نہ ہوگی لیکن انتخاب کا طریقہ مشاورت سے طے کیا جائے گا۔ ابتدائی دور میں ریاستوں کی نمائندگی ایک گفت وشنید کی کمیٹی کرے گی۔

(۳) اس طرح منتخب ہونے والے نمائندوں کا نئی دہلی میں جلد از جلد ایک اجلاس ہوگا۔

(۴) پہلے ایک ابتدائی اجلاس ہوگا جس میں کارروائی کی تمام ترتیب کا فیصلہ کیا جائیگا۔صدر اور دوسرے عہدہ داروں کا انتخاب ہوگا اور شہریوں۔ اقلیتوں قبائلی اور علیحدہ کرد علاقوں کے لئے ایک مشاورتی کمیٹی (ایڈوائزری کمیٹی) مقرر کی جائے گی۔

اس کے بعد صوبجاتی نمائندے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الف ب اور ج کے تین حصوں میں تقسیم کردئے جائیں گے۔

صوبائی آئین کا تصفیہ

(۵) یہ حصے اپنے اپنے صوبوں کے لئے صوبجاتی آئین کا تصفیہ کریں گے اور یہ بھی طے کریں گے کہ ان صوبوں میں کوئی گروہ وزی دستور قائم کیا جائے یا نہیں اور اگر قائم کیا جائے تو کسی گروہ کے اختیار میں کتنے صوبہ جاتی ۔ ۔ ۔ ہوں صوبوں کو اختیار ہوگا کہ وہ ذیلی دفعہ (۸) کی رو سے گروپ سے علیحدہ ہو جائیں

(۶) اجزا اور ریاستوں کے نمائندوں کا انتخابات کو تصفیہ کے لئے ایک اور اجلاس ہوگا۔

(۷) یونین کی مجلس دستور سازیں دفعہ ۱۲۶ مذکورہ بالا یا کسی سوال کی تبدیلی کے لئے موجودہ بننے والے نمائندوں کی اکثریت کی رائے یعنی ضروری ہوتی ہے

اسمبلی کا صدر اس امر کا فیصلہ کرے گا کہ کس قرارداد سے اہم فرقہ وارانہ مسئلہ ماگر ہے تو پیدا ہوتا ہے اور اگر دونوں فرقوں میں سے کسی ایک فرقے کے نمائندوں کی اکثریت اس کی درخواست کرے تو وہ اپنا فیصلہ دینے سے پہلے فیڈرل کورٹ سے مشورہ کرے۔

(۸) جدید آئینی انتظامات کے عمل میں لائے جانے کے بعد صوبوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے مقررہ گروپ سے علیحدہ ہو جائیں۔ اس کا فیصلہ نئے آئین کے مطابق عام انتخابات کے بعد صوبے کی نئی مجلس قانون ساز کرے گی

(۲۰) شہریوں کے حقوق اقلیتوں اور قبائلی اور علیحدہ کردہ علاقوں کی مشاورتی کمیٹی میں متعلقہ مفاد کی پوری پوری نمائندگی اور اس کا کام بنیادی حقوق اقلیتوں کے حفظ اور قبائلی اور علیحدہ کردہ علاقوں کے نظم و نسق کے انتظامات کے لئے یونین کی مجلس قانون ساز کو ایک رپورٹ پیش کرنا ہوگا اور وہ مشورہ دے گی کہ یہ حقوق صوبجاتی یا گروہ واری یا یونین کے آئین میں شامل کئے جائیں۔

(۲۱) ہز ایکسلنسی وائسرائے فوراً صوبائی مجالس قانون ساز سے درخواست کریں گے کہ وہ اپنے نمائندے منتخب کریں اور ریاستوں سے کہیں گے کہ وہ ایک گفت و شنید کی کمیٹی مقرر کر دیں۔ امید کی جاتی ہے کہ دستور سازی کا کام اتنی رفتار سے چل سکے گا جتنی رفتار سے کام کی پیچیدگیاں اس کی اجازت دیں تاکہ عبوری دور کم سے کم ہو جائے۔

(۲۲) یونین کو دستور ساز اسمبلی اور برطانیہ میں ایک ایسا معاہدہ ترغیب دینا ضروری ہوگا جس میں بعض ایسے امور کا بندوبست کر دیا جائے جو اقتدار کی نقل

سے پیدا ہوں

عبوری دور کا بندوبست

دستور سازی کے دوران میں ہندوستان کا نظم و نسق بھی جاری رکھنا ہوگا اس لئے ہم فی الفور ایک ایسی عبوری حکومت کے قیام کو بڑی اہمیت دیتے ہیں جسے بڑی بڑی سیاسی جماعتوں کی تائید حاصل ہو۔ عبوری دور میں یہ ضروری ہے کہ ان دشوار کاموں کی انجام دہی کیلئے جن سے حکومت ہند دو چار ہے زیادہ سے زیادہ اشتراک عمل ہو۔ روزمرہ کے نظم و نسق کے بھاری کام کے علاوہ قحط کے زبردست خطرہ کا بھی مقابلہ کرنا ہے اور بعد جنگ ترقی کے سلسلہ میں بھی فیصلے کرنا ہیں جن کا ہندوستان کے مستقبل پر دوررس اثر پڑے گا۔ اس کے علاوہ اہم بین الاقوامی کانفرنسیں بھی ہیں جن میں ہندوستان کی نمائندگی ہوگی۔ ان تمام کاموں کے لئے ایک ایسی حکومت ضروری ہے جسے عوام کی نمائندگی حاصل ہو۔

اس مقصد کے لئے وائسرائے نے بات چیت شروع کر دی ہے اور ان کو امید ہے کہ عنقریب وہ ایک ایسی عبوری حکومت بنائیں گے جس میں تمام محکمے اور اور جنگ کا محکمہ بھی ایسے ہندوستانی لیڈروں کے سپرد کر دیا جائے جنکو عوام کا اعتماد حاصل ہوگا حکومت برطانیہ اس حکومت کے ساتھ جو اسطرح تشکیل پائیگی پورا پورا تعاون کریگی تاکہ نظم و نسق کے کام مکمل ہوتے رہیں۔ اور انتقال اختیارات کا کام جہاں تک ممکن ہو جلد از جلد آسان طریق سے ہو سکے۔

اہل ہند سے اپیل

(۲۳) اہل ہند کے لیڈروں ۔ ۔ ۔ کو مکمل آزادی کا موقع مل رہا ہے ۔

آخر میں یہ کہیں گے کہ ہم کو اور ہماری حکومت کو اور ہمارے وطنوں کو امید تھی کہ ہندوستان کے لوگ خود ہی اس نئے دستور کو تیار کرنے کے طریقے پر جس کے تحت ان کو زندگی بسر کرنا ہے کوئی سمجھوتہ کریں گے۔ ہم نے ہندوستانی جماعتوں کے ساتھ مل کر اس کیلئے کوشش کی اور ہر طرف سے بہت زیادہ صبر اور خیر خواہی کا مظاہرہ ہوا مگر یہ مقصد پورا نہیں ہو سکا۔ اس لئے اب ہم آپ کے سامنے تجویزیں پیش کرتے ہیں۔ تمام فریقوں کے نقطہ نظر پر بہت کچھ غور کرنے کے بعد ہم کو امید ہے کہ ان تجویزوں سے آپ کو کم سے کم وقت میں اور داخلی ہنگامے اور جھگڑے کے کم سے کم خطرہ کے ساتھ اپنی آزادی حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ یہ امکان ضرور ہے کہ سب جماعتیں ان تجویزوں سے پوری طرح مطمئن نہ ہوں۔ لیکن آپ ہمارے اس خیال سے متفق ہوں گے کہ ہندوستان کی تاریخ کے اس نازک ترین دور میں باہمی رواداری کی ضرورت ہے

متبادل صورت کیا ہوگی

ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس بات پر غور کریں کہ ان تجویزوں کو مسترد کرنے کی صورت میں کیا حالت ہوگی ہم نے اور ہندوستانی جماعتوں نے مفاہمت کے لئے آخری حد تک کوشش کی ہیں ان کے بعد بھی ہم کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ صرف ہندوستانی جماعتوں کے درمیان کسی بات کی سمجھوتہ کی امید بہت ہی کم ہے اس لئے اس کی متبادل صورت یہ ہے کہ تشدد مل جل، درخانہ جنگی تک کا زبردست خطرہ پیدا ہو جائیگا۔ اس قسم کی بدنظمی اور خانہ جنگی اور اس کے نتیجہ کی بابت کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس طرح لاکھوں مردوں

عورتوں اور بچوں پر زبردست تباہی نازل ہو جائے گی یہ ایک ایسا امکان ہے جس کو اہل ہند ہمارے ہم وطن اور ساری دنیا یکساں طور پر ناپسند کریں گے

اس لئے ہم یہ تجویزیں آپ کے سامنے اس قوی امید کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ آپ اسی رواداری اور خیر خواہی سے جس کے ساتھ یہ پیش کی گئی ہیں ان کو قبول کرلیں گے اور ان پر عمل کریں گے ہم ان تمام لوگوں سے جو ہندوستان کا بھلا چاہتے ہیں اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی نگاہ کو اپنے فرقہ یا اپنے مفاد سے آگے بڑھا کر ہندوستان کی پوری چالیس کروڑ آبادی تک لے جائیں۔

ہمیں امید ہے کہ نیا آزاد ہندوستان برطانوی دولت مشترکہ کا رکن رہنا پسند کرے گا۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہر حال میں ہماری قوم کے ساتھ قریبی اور دوستانہ تعلق قائم رکھ سکیں گے لیکن یہ ایسے مسئلے ہیں جن کی بابت آپ کو خودی آزادانہ طور پر فیصلہ کرنا ہے۔ یہ فیصلہ جو بھی ہو مگر ہم آپ کے ساتھ دنیا کی بڑی قوموں کی برادری میں آپ کی روزافزوں خوشحالی اور ایک ایسے مستقبل کے متمنی ہیں جو آپ کے ماضی سے بھی زیادہ شاندار ہو۔

عارضی حکومت کا مسئلہ سفارشات کی منظوری کے بعد عارضی حکومت بنانے کا فوری مسئلہ درپیش تھا مسلم لیگ کانگریس اور وزارتی مشن ایک ماہ تک اسکے نقشے بناتے اور بگاڑتے رہے بالآخر ۱۶ رجون ۱۹۴۶ء اتوار کی شام کو چار بجے لارڈ ویول وائسرائے ہند اور وزارتی مشن نے ایک بیان جاری کیا۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

وائسرائے کیبنٹ مشن کے ممبروں سے مشورہ کرکے ایک ایسی گورنمنٹ

بنانے کے امکانات معلوم کر رہے تھے جس میں دو بڑی پارٹیوں اور اقلیتوں کے
چند نمائندے شامل ہوں۔ بات چیت اور بحث سے ان مشکلات کا انکشاف
ہوا جو اس قسم کی حکومت بنانے کیلئے دو بڑی پارٹیوں کے درمیان سمجھوتے کے
راستہ میں حائل تھیں وائسرائے اور کیبنٹ مشن ان مشکلات اور ان کوششوں
کو جو اُن کے دور کرنے کے لئے دونوں پارٹیوں نے کیں سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے
کہ بات چیت کا سلسلہ بڑھانے سے کوئی مفید مطلب نہیں نکل سکتا۔ یہ نہایت
ضروری ہے کہ ایک مضبوط معاہدہ اور نمائندہ انٹریم گورنمنٹ اس بھاری اور
اہم کام کو سرانجام دینے کیلئے بنائی جائے۔ جو اس وقت ملک کے روبرو ہے۔

پھر عارضی گورنمنٹ کے لئے مجوزہ ناموں کی فہرست پیش کرنے کے بعد
بیان میں کہا گیا۔

وائسرائے عہدوں کی تقسیم دو بڑی پارٹیوں کے مشورہ سے کریں گے۔
انٹریم گورنمنٹ کی مذکورہ تشکیل کسی صورت میں بھی اور کسی فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل
کے لئے نظیر ثابت نہیں ہوگی۔ موجودہ مشکل کو حل کرنے اور بہترین کولیشن گورنمنٹ
بنانے کے لئے یہی ایک مناسب حل ہے

وائسرائے اور کیبنٹ مشن کو یقین ہے کہ تمام فرقوں کے ہندوستانی اس معاملہ
کو جلد سے جلد حل کرنا چاہتے ہیں تاکہ آئین بنانے کا کام آگے چلے اور تاکہ حکومت
ہند زیادہ سے زیادہ صلاحیت کے ساتھ چل سکے۔ اگر یہ تجویز منظور کرلی گئی تو وائسرائے
۲۶ جون تک نئی وزارت قائم کردیں گے۔

اگر کسی ایک پارٹی یا دونوں پارٹیوں نے مندرجہ بالا باتوں پر مخلوط (کولیشن)

حکومت کی شرکت سے انکار کیا تو وائسرائے پھر ایک ایسی حکومت قائم کرینگے
جسے زیادہ سے زیادہ حد تک نمائندہ حیثیت حاصل ہو اور جس نے ارکان ۱۶ ؍ مئی
کے اعلان کو منظور کرتے ہوں۔

(ضمیمہ تیج مورخہ ۱۶ ؍ جون ۱۹۴۶ء انجام مورخہ ۲۰ ؍ جون ۱۹۴۶ء ص ۱۴۲ ؍ ۱۶۷)

کانگریس کی تنقید کانگریس نے اس بیان پر تنقید کرتے ہوئے ایک
اصولی مطالبہ یہ پیش کیا کہ کانگریس کو حق دیا جائے کہ وہ اپنے کوٹہ میں سے جس کو
چاہے نامزد کرے اور اسی بنا پر اس نے ایک مسلم ممبر کی نامزدگی اور ہندوؤں
کے ناموں میں اپنے نقطۂ نظر کے بموجب تبدیلی کا مطالبہ کیا۔ مگر وائسرائے ہند
نے کوئی خاص توجہ نہ کی اور لیگ نے مسلم ممبر کی خصوصیت سے مخالفت کی۔

نئی دشواری صدر کانگریس (مولانا آزاد) نے ۲۱ ؍ جون کو وائسرائے کو لکھا۔
پرانی دشواریوں کے علاوہ ایک نئی دشواری مسٹر جناح کے اس خط سے جو
انہوں نے آپ کو لکھا ہے اور جس کا مضمون اخباروں میں شائع ہوا ہے پیدا
ہو گئی ہے۔ جس میں عارضی حکومت میں کانگریس کی نامزدگی کے متعلق اعتراض
کیا گیا ہے۔ اگر آپ اُن خطوط اور اُن کے جوابات کی نقل روانہ کر دیں تو ورکنگ
کمیٹی کے لئے بڑی مدد کا باعث ہو۔

(قومی آواز لکھنؤ یکم جولائی ۱۹۴۶ء ص ۱۶۵ ؍ ۱۶)

وائسرائے نے اس کے جواب میں مسٹر جناح کے ۹ ؍ جون والے خط
کا خلاصہ لکھ دیا جس میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ اگر کسی اقلیت کی جگہ خالی رہ جائے
تو اس کو وائسرائے کس طرح پُر کریں گے اور جس کا جواب وائسرائے نے

یہ لکھا تھا " اقلیتوں کے نمائندے کے لئے فی الحال جو نشستیں مقرر کی گئی ہیں اگر ان میں سے کوئی جگہ خالی ہو جائے تو میں اسے پُر کرنے سے پہلے قدرتی طور پر دونوں بڑی پارٹیوں سے مشورہ کروں گا۔ لیکن مسٹر جناح نے ۲۹ رجون کو جو خط وکتابت شائع کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جناح نے ۸ رجون کو بھی وائسرائے ہند کو ایک خط لکھا تھا جس میں پوری قوت سے یہ کہا تھا " آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ممکن ہے کانگریس، اپنے کوٹہ میں کسی مسلمان کو شامل کرکے ایک تکلیف دہ رویہ اختیار کرے۔ اس لئے میں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ وہ ہماری راہ میں بڑی رکاوٹ ہوگی۔ (ذی آنر مورخہ یکم جولائی ۱۹۴۶ء ص $\frac{165}{17}$)

الجام ۲ر جولائی ۱۹۴۶ء ص $\frac{152}{17}$

علاوہ ازیں ۱۹ر جون کو بھی مسٹر جناح نے وائسرائے اور وزارتی مشن کے نام ایک مختصر خفیہ خط بھیجا تھا جو معنی خیز طور پر کسی نہ کسی طرح اخبارات میں شائع ہوگیا مسٹر جناح نے اس میں کہا تھا۔

> مسلم لیگ یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتی کہ عارضی حکومت میں کوئی غیر لیگی مسلمان شامل کیا جائے۔ یہ ہمارا بنیادی اصول ہے اور ہم اسکو پس پشت نہیں ڈال سکتے۔ (انصاری ۱۰ر اکتوبر ۱۹۴۶ء)

بہرحال کانگریس کو اپنے نمائندگان کے حق انتخاب سے محروم کردینا یا اس پر پابندی لگادینا ایک ایسا فعل تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ انٹریم گورنمنٹ میں کانگریس اپنی طاقت کو مضمحل کردیتی جو رفتہ رفتہ اس کو فنا کے گھاٹ اتار سکتی تھی۔

ایک قوم پرور مسلمان کو لئے جانے کا مسئلہ اگرچہ نہایت ابر تھا مگر کانگریس ہائی کمانڈ اندرونی طور پر یہ طے کر چکا تھا کہ صرف اس مسئلہ پر گفتگو نہیں توڑا جائیگا۔ یہ راز درون پردہ یہاں تک طشت از بام ہو گیا تھا کہ کانگریس دشمن اخبار "انجام" نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۵ جون ۱۹۴۶ء میں نہایت اہمیت کے ساتھ یہ خبر شائع ہوئی کہ

راشٹرپتی آزاد کا شروع سے یہ خیال رہا ہے کہ وائسرائے نے عارضی حکومت کی تشکیل کے لئے جو دعوت نامے جاری کئے ہیں وہ کانگریس اور لیگ پارٹیوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ فرقہ وارانہ نمائندگی کی بنیاد پر ہیں۔ اس لئے کانگریس کا چھ ہندو اور اچھوت نشستوں کو کانگریس کوٹہ کا غلط نام دیکر ایک نیشنلسٹ مسلمان کے اضافہ کے لئے لڑنا اور اس چھوٹی سی بات پر جس کا مقصد مسلم لیگ کے ساتھ طفلانہ چھیڑ چھاڑ سے زیادہ اور کچھ نہیں مشن کی تجاویز کو مسترد کر دینا سخت غلطی ہے۔

(انجام ۲۵ جون ۱۹۴۶ء مطابق ۲۴ رجب ۱۳۶۵ھ ص ۱۰۷)

لیکن مسٹر جناح کا اصرار یہ رہا کہ کانگریس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے کوٹہ میں سے کسی مسلمان کو نامزد کر سکے۔ اگر ایسا کیا گیا تو لیگ عارضی حکومت میں شامل نہ ہوگی اور وائسرائے نے بھی مسٹر جناح کے اس اصرار کی حمایت کی چنانچہ ۲۲ جون ۱۹۴۶ء کو وائسرائے نے صدر کانگریس مولانا آزاد کو لکھا:۔

مجھے اخباروں کی اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ کانگریسی حلقوں

میں شدت کے ساتھ یہ بات محسوس کی جارہی ہے کہ عبوری حکومت میں شمولیت کے لئے پارٹی کو اپنے نمائندوں میں اپنی مرضی کے مطابق ایک مسلمان کو شامل کرنے کے حق پر اصرار کرنا چاہئے ان وجوہ کی بنا پر جن سے آپ واقف ہیں کانفرنس وفد یا میرے لئے یہ درخواست منظور کرنا ممکن نہیں۔

(قومی آواز لکھنؤ۔ انجام وغیرہ)

مختصر یہ کہ نئی بحث یہ پیدا ہوگئی کہ کانگریس کو یہ حق بھی پہونچتا ہے کہ وہ اپنے کوٹہ میں سے کسی مسلمان کو نامزد کرے یا نہیں۔ مسٹر جناح کا اصرار تھا کہ کانگریس کو یہ حق ہی نہیں اس صورت میں اگر کانگریس عارضی حکومت میں شامل ہوتی تو اس کو تسلیم کرنا پڑتا تھا کہ (۱) وہ تمام ہندوستانیوں کی مشترک جماعت نہیں بلکہ صرف اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہے۔

(۲) وہ کسی مسلمان کو اپنے کوٹہ میں سے نامزد نہیں کرسکتی۔

(۳) ہریجن ہندوؤں کے ماسوا ایک اقلیت ہے۔

(۴) اگر ہریجن نمائندہ کی جگہ خالی ہوجائے تو اس کی جگہ پر کرنے کا حق صرف کانگریس کو نہ ہوگا بلکہ دونوں بڑی پارٹیوں کے مشورہ سے وائسرائے اس کے نمائندہ کو نامزد کریں گے۔

اس قسم کی اور بھی چند خامیاں تھیں جنکی تصریح مولانا آزاد صدر کانگریس نے اپنے ۲۵ جون والے مفصل مکتوب میں کی ہے۔

کانگریس نے گوارا نہ کیا کہ عارضی حکومت کی چند نشستوں کے واسطے وہ

اپنے ان اصولوں کو قربان کر دے جن کے لئے وہ نصف صدی سے زائد سے قربانیاں پیش کرتی چلی آتی تھی لہذا مولانا آزاد صدر کانگریس نے ۲۲ جون ۱۹۴۶ء کو وائسرائے ہند کو لکھ دیا

پوری طرح غور و خوض کرنے کے بعد ورکنگ کمیٹی نے بڑی بے دلی سے آپ کی بنائی ہوئی عارضی حکومت کی تجاویز کو منظور کرنے کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ (قومی آواز مورخہ یکم جولائی ۱۹۴۶ء)

لیگ کا فیصلہ | مسٹر جناح کا بیان ہے کہ

۲۵ جون کی شام کو مجھے وزارتی مشن اور وائسرائے سے ملاقات کرنے کیلئے مدعو کیا گیا۔ وہاں مجھے صدر کانگریس کے خط مورخہ ۲۵ جون کی ایک نقل دی گئی ہیں نے یہ جواب اپنی ورکنگ کمیٹی کے سامنے فوراً پیش کر دیا۔ اور اسی دن رات کو گیارہ بجے ورکنگ کمیٹی نے عارضی حکومت میں شرکت کی تجویز پاس کر لی جو ہز ایکسیلنسی وائسرائے کو اسی شب میں بھیج دی گئی (انجام مورخہ ۲۸ جون ۱۹۴۶ء)

(منشور مورخہ ۹ جون ۱۹۴۶ء ۲۸ رجب ۱۳۶۵ھ $\frac{15}{7}$)

مسٹر جناح کی خوش فہمی اور وائسرائے کا کورا جواب

باوجودیکہ ۱۶ جون ۱۹۴۶ء کے اعلان میں وزارتی مشن اور وائسرائے نے تصریح کر دی تھی کہ اگر ان کی پیش کردہ لائنوں پر ایک پارٹی یا دونوں بڑی پارٹیوں نے حکومت کی شرکت سے انکار کیا تو پھر عارضی حکومت کا بنانا وائسرائے کا کام ہوگا مگر مسٹر جناح کو خوش فہمی کی بنا پر یقین ہو گیا کہ

انکی وکیلانہ موشگافی اور لیگ کی ازلی وفا کیشی وزارتی مشن کے دربو کوششیں اتار لنگی اور جب عارضی حکومت کی تشکیل ان کے سپرد ہوگی تو سلطنت مغلیہ کا مٹا ہوا نقشہ تازہ ہو جائیگا۔

مگر وائے ناکامی مسٹر جناح کا یقین غلط ثابت ہوا اور وفادارانہ پیش کش کے جواب میں ۲۶ رجون ۴۶ئ کو کابینہ وفد اور وائسرائے نے مندرجہ ذیل بیان شائع کر دیا۔

"کابینہ وفد اور وائسرائے کو اس بات کا افسوس ہے کہ اب تک عارضی مخلوط حکومت کا قیام ممکن نہیں ہو سکا ہے لیکن ہمارا ارادہ ہے ۱۶ رجون کے بیان کے فقرہ ۸ کے بموجب ہم اس کی کوشش کو جاری رکھیں گے۔

تاہم اس کے پیش نظر کہ پچھلے تین ماہ سے پارٹی لیڈروں اور وائسرائے پر کام کا بہت بوجھ رہا ہے یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ اس سلسلہ میں مزید گفت و شنید کو تھوڑے عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ اس عرصہ میں دستور ساز اسمبلی کے انتخابات ہوں گے۔

خیال ہے کہ جب گفت و شنید کو دوبارہ شروع کیا جائے تو بڑی جماعتوں کے لیڈر جنہوں نے وائسرائے اور کابینہ وفد سے عارضی نمائندہ حکومت کی پوری ضرورت پر زور دیا ہے ایسی حکومت کی تشکیل کے لئے ہر امکانی کوشش کرینگے لیکن اس عرصہ میں جب تک عارضی حکومت قائم نہ ہو حکومت ہند کا جاری رہنا ضروری ہے

اس لئے وائسرائے کا ارادہ ہے کہ وہ سرکاری عہدہ داروں کی عارضی نگران حکومت قائم کر دیں۔ (قومی آواز مورخہ ۲۸ رجون سنہ ۴۶ء)

وائسرائے اور وزارتی مشن کے مذکورہ بالا کورے جواب نے دلوں کو مجروح اور حوصلوں کو پست کر دیا۔ قیمتی سوٹ جو تیار کرلئے گئے تھے وبال خاطر ہو گئے۔ اعزازی پارٹیوں کے پروگرام منسوخ کرنے پڑے اور مسٹر جناح جو سالہا سال سے انگریز کے سہارے پر تحریکات آزادی کا مقابلہ کر رہے تھے اور مسلمانوں کو سبز باغ دکھا کر ایشیا براہ ترقی سے روک رہے تھے بہت برافروختہ ہوئے۔ ایک طویل بیان اخبارات کو اشاعت کے لئے دیا جس میں ظاہر کیا کہ وزارتی مشن نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر کانگریس شامل نہ ہوئی تو نمائندگان لیگ کو شامل کر کے عارضی حکومت بنائیں گے اور اس وقت وزارتی مشن اور وائسرائے نے لیگ کی ساتھ عہد شکنی اور غداری کی ہے وغیرہ وغیرہ

مگر وائسرائے نے مسٹر جناح کے بیان کو غلط قرار دیا اور ۱۶ رجون کے بیان کو پیش کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ وائسرائے یا وزارتی مشن نے لیگ کے ساتھ کوئی غداری نہیں کی خود مسٹر جناح کو مغالطہ ہوا ہے۔

وائسرائے ہند نے ۲۸ رجون کو مسٹر جناح کو لکھا!

کیبنٹ مشن کے ممبر اور میں محسوس کرتے ہیں کہ آپ نے کل کے اخباری بیان میں چند ایسی باتیں کہی گئی ہیں جن کا جواب نہ دینا غلطی ہوگی۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ۲۵ رجون کو جب آپ نے مشن کی اور میری ساتھ

ملاقات کی تھی تو ہم لوگوں نے آپ سے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے آئین ساز اسمبلی میں شامل ہونا منظور کر لیا ہے مگر عارضی مرکزی حکومت میں شامل نہیں ہوئی۔ اس سے نئی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ یہ درست ہے کہ ہمارے ۱۶ جون کے بیان میں فقرہ ۸ میں درج تھا کہ ہمارا ارادہ ۲۶ جون تک عارضی گورنمنٹ قائم کرنے کا ہے۔ اگر دونوں پارٹیوں میں سے ایک شامل نہ ہونے کا فیصلہ بھی کرے۔ مگر ہم نے آپ سے ۲۵ جون کو لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس سے پہلے کہہ دیا تھا کہ چونکہ اب کانگریس اور لیگ دونوں نے آئین ساز اسمبلی کے پروگرام کو منظور کر لیا ہے لہذا ہماری یہ خواہش ہے کہ دونوں پارٹیوں کی شمولیت سے عارضی مرکزی گورنمنٹ قائم کی جائے اور جس قدر جلد ممکن ہو ایسا کیا جائے مگر چونکہ پہلے ہی کئی ہفتے اس گفت و شنید میں لگ چکے تھے اور ہم سب کو اور بھی کام کرنا ہے۔ ہم نے محسوس کیا کہ یہ بہتر ہوگا کہ اگر مزید گفت و شنید شروع کرنے سے پیشتر کچھ وقفہ دیا جائے یہ سب آپ کو بتا دیا تھا۔ لہذا آپ ہمارے ۱۶ جون کے فقرہ ۸ کا خواہ کچھ ہی مطلب بھی لیں مگر آپ کی ورکنگ کمیٹی کو مکمل طور پر علم تھا کہ ہم کیا کرنے والے ہیں اور اس کے بعد ہی آپ کی ورکنگ کمیٹی نے ریزولیشن پاس کیا۔ اس روز جو کچھ ہم نے آپ کو زبانی کہا تھا اسی شام کو میں نے تحریری طور پر آپ کو لکھ کر بھیج دیا تھا۔

برابری کا وعدہ بھول جاؤ دوسری بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو اقرار میں نے آپ کو دیا تھا اور جس کا حوالہ آپ نے اپنے خط میں دیا ہے وہ صرف اسی عارضی گورنمنٹ کے لئے تھا جو مقرر کی جاتی۔ اگر دونوں پارٹیاں ہمارے ۱۶ رجون والے بیان کو منظور کر لیتیں۔ لہذا[1] اب اس وعدہ کی پابندی ضروری نہیں۔

(۲۸ رجون ۱۹۴۶ء ماخوذ از مدینہ ۵ رجولائی ۱۹۴۶ء)

مسٹر جناح اور وائسرائے کے اس نزاع پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا حامد الانصاری غازی مدیر اخبار مدینہ نے لکھا تھا۔

۱۶ رمئی اور ۱۶ رجون کا اعلان

مسلم لیگ ہائی کمان آج کل ۱۶ رمئی اور ۱۶ رجون کے اعلان پر بحث کر رہی ہے ہم نہایت سنجیدگی سے عرض کریں گے کہ یہ بحث صرف اس لئے ہے کہ مسلمانوں کی عقل و دانش پر پردہ ڈالدیا جائے غلطی اور غلطی پر اصرار۔ کمزوری اور کمزوری سے انکار۔ یہ ہے اس بحث کا حاصل! ہم مسٹر جناح کی توہین نہیں کرنا چاہتے اور نہ مسلم لیگ کو

---

[1] یہ فقرہ شہادت دیتا ہے کہ انٹریم گورنمنٹ میں داخل ہوتے ہوئے مسٹر جناح نے اپنی مرضی سے یہ شور زمانہ مندل کو لیگ کے کوٹہ میں داخل نہیں کیا بلکہ وائسرائے کے اس اعلان کی پابندی پر وہ مجبور تھے البتہ انکی خوبصورت شکل یہ کردی گئی کہ لیگ کے کوٹہ میں ایک اچھوت کو داخل کر دیا گیا گویا سلطنت برطانیہ کے نمائندے نے مسلمانوں کو صرف چار نشستیں دیں جیسے کہ وائسرائے کی سابق ایگزیکٹیو کونسل میں انکو چار نشستیں دی گئی تھیں باقی جو کچھ ہے وہ انگریز کا لطف و کرم ہے۔ محمد میاں

ذلیل کرنے کے آرزو مند ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ جب جماعت ناکارہ ہو، رہنما مطلق العنان اور ضدی ہو اور جماعت کا ہائی کمانڈ خود غرض اور مطلب پرست ہو اور جمہور اپنے رہنما کو "امام معصوم" سمجھیں تو اس کا حاصل وہی ہوگا جو آج نظر آرہا ہے۔ اگر دنیا کی کوئی جماعت ایسی غلطی کا ارتکاب کرتی تو اسے زمین کے ساتویں طبقہ میں دفن کر دیا جاتا اور اگر کوئی کمانڈر سیاست و حکمت میں اتنا خام کار ہوتا اور قوم کو اس طرح گرا دیتا تو فوجی عدالت میں اس کا کورٹ مارشل ہوتا مگر وہ ملت جو صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے جواب طلب کر لیتی تھی مسلم لیگ اور اس کے صدر مطلق کے سامنے کلمۂ حق بلند نہیں کر سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ شروع سے لیکر آخر تک خود غرضوں کا اجتماع ہے۔ دہلی کے حلف سے لیکر پاکستان کے نشان مزار تک ـــــــــــ علامہ عثمانی کے اعلان جہاد سے لیکر لارڈ ویول کے اعلان وزارت تک مطلب پرستوں کا ہجوم ہے اور بیچارہ مسلمان اس طوفان بے پایاں میں بہہ رہا ہے۔

۱۶ رجون ۴۶ء کا اعلان ـــــ

کہا جاتا ہے کہ ۱۶ رجون ۱۹۴۶ء کا اعلان سرکاری طور پر ہوا۔ اور اس کے بعد اس کی خلاف ورزی کی گئی۔ یہ اعلان کیا ہے۔

"ضروری ہے کہ ایک مضبوط اور نمائندہ عارضی حکومت اس اہم اور عظیم الشان کام کو سرانجام دینے کے لئے بنائی جائے جو اس وقت ملک کے سامنے ہے۔ یقین ہے کہ دو بڑی پارٹیاں اس تجویز

کو منظور کر لیں گی۔ اگر تجویز منظور کر لی گئی تو وائسرائے ۲۶ رجون کو
نئی حکومت کا افتتاح کر دیں گے۔ لیکن اگر ایک پارٹی نے مشترکہ
حکومت میں شریک ہونا منظور نہ کیا تو وائسرائے کا ارادہ ہے کہ
وہ عارضی حکومت ایسے لوگوں کی بنائیں جو ۱۶ رمئی کے اعلان کو
منظور کرتے ہیں۔

مسلم لیگ کا دعوے ہے کہ کانگریس کے انکار کے بعد وائسرائے
کا فرض ہے کہ وہ لیگ کی حمایت حاصل کر کے نئی حکومت قائم کریں
دعویٰ موجود ہے مگر یہ دلیل غلطی کی پہلی بنیاد اسی دعوے میں
موجود ہے۔ اس اعلان میں ۱۶ رمئی کے بیان کا حوالہ موجود ہے۔
اگر لیگ ہائی کمانڈ میں دو درجن وکیلوں کی جگہ ایک بھی سیاسی مدبر
ہوتا تو وہ کسی فیصلہ پر پہنچنے سے پہلے ۱۶ رمئی کے اعلان کا بغور مطالعہ
کرتا اور ان لفظوں کو غور سے دیکھتا۔

(۲۳) "دستور سازی کے دوران میں ہندوستانی حکومت کا نظم و
نسق بھی جاری رکھنا ہوگا۔ اسلئے ہم فی الفور ایک ایسی عبوری حکومت
کے قیام کو بڑی اہمیت دیتے ہیں جسے بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں کی
تائید حاصل ہو۔ کیونکہ عبوری دور میں دشوار کاموں کی انجام دہی
کے لئے زیادہ سے زیادہ اشتراک عمل کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ
وائسرائے ایسی حکومت بنائیں گے جس میں تمام محکمے اور جنگ کا
محکمہ بھی ایسے ہندوستانی لیڈروں کے سپرد کیا جائے گا جن کو عوام کا

اعتماد حاصل ہو۔

ہم عام مسلمانوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ۱۶ر مئی کا اعلان حکومت برطانیہ کے وزارتی مشن کا بنیادی اعلان ہے اور اس کو مکمل طور پر دستاویزی اہمیت حاصل ہے۔ لیگ نے اس کو دیکھنے اور سمجھنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس اعلان میں دو باتیں صاف ہیں ہندوستان کی عارضی حکومت لازماً دو پارٹیوں کے اتحاد سے بنے گی اور حالات کی مجبوری کا تقاضہ پورا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ تعاون ضرور ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مشن سب سے بڑی پارٹی کو نظر انداز کر کے ہنگامہ اختلاف کی موجودگی میں نہ عارضی حکومت قائم کر سکتا ہے اور نہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ پھر لیگ نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ ہندوستان کو شہنشاہ پاکستان کے قبضے میں دیدیا جائے گا۔

اب ۱۶ر جون کے بیان کی طرف آئیے۔ اس اعلان میں وزراء اور مشن دونوں بڑی پارٹیوں سے حکومت میں شریک ہونے کی آرزو کرتے ہیں۔ حکومت بنانا چاہتے ہیں۔ مضبوط اور نمائندہ اور اس کے ساتھ ایک عظیم الشان اور اہم مقصد کا ذکر کرتے ہیں اور اس کا صاف اشارہ ۱۶ر مئی کی اسکیم کی طرف ہے جو نمائندہ اسمبلی اور آزادی سے متعلق ۱۶ر مئی کو پیش کی گئی ہے۔ آخر میں کہتے ہیں کہ ایسی حکومت ان لوگوں کے اشتراک سے بنائی جائیگی جو ۱۶ر مئی کا اعلان

اور سرکاری اسکیم کو مانتے ہیں "۔ ارشاد فرمایئے ان الفاظ میں کون سا دھوکا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ کانگریس ۱۶ رمئی کا اعلان کو تسلیم کر چکی ہے۔ ۱۶ رجون کے بیان کی رو سے مشن کا فرض تھا اور اس نے اپنا فرض اس طرح پورا کیا کہ عارضی حکومت میں کانگریس کی شرکت کو لازمی سمجھا اور حکومت سازی کا کام کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کر دیا۔ اگر تنہا مسلم لیگ کو حکومت دیدی جاتی تو وہ حکومت نہ تو مضبوط ہوتی نہ نمائندہ نہ دونوں پارٹیوں کی مخلوط اور نہ ۱۶ رمئی کے اعلان کے مطابق۔ افسوس یہ ہے کہ لیگ ورکنگ کمیٹی تمام عاقل بالغ ارکان ان سیاسی اصولوں اور سیاسی حکمت عملی کی ان حقیقتوں سے غافل ہو گئے جو اس ملک کے کرۂ ہوائی میں جاری و ساری تھیں۔

غور طلب؟

اس مرحلہ پر ایک اہم اور غور طلب بات یہ تھی کہ مسلم لیگ اس نقشہ جنگ پر نظر رکھتی جس کا نمونہ ملک نے پیش کیا تھا مگر جو لوگ ایک نعرہ لگا کر دس کروڑ مسلمانوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور ۳۰ کروڑ ہندوستان پر الفاظ کی حکومت کا سکہ چلانا چاہتے ہیں عہدوں کے آرزو مند ہیں اور قربانی سے ڈرتے ہیں۔ ان کو کسی نقشہ جنگ پر غور کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سب جانتے ہیں تمام ملک میں انقلاب کی بجلی بھری ہوئی ہے اور اس کا بین ثبوت کانگریس کی مٹھی میں ہے۔ آزاد ہند فوج کا طوفان، بحری ملاحوں کی بغاوت،

۱۰ لاکھ ریلوے ملازمین کی ہڑتال۔ ڈاکخانہ کے ملازموں کی صف بندی، ۱۹۴۶ء کے انقلابیوں کا عزم آہنیں ——————

ہندوستانی ریاستوں اور کشمیر کی تحریک اور سب سے زیادہ کانگریس کی فوج جس کا ہر سپاہی بارہا اپنا خون اور پسینہ ایک کر چکا ہے اس نقشہ کی موجودگی میں لیگ کے پاس کونسی طاقت تھی جس سے حکومت مرعوب ہوتی۔ حکومت اچھی طرح جانتی ہے کہ آزادی کی طاقت خود پیدا ہوئی ہے اور لیگ کی طاقت حکومت کا خود کاشتہ پودا ہے کیا حکومت فیروزخان نون۔ ناظم الدین اور سعد اللہ کی طاقت سے ناواقف ہے۔ لیگ اگر تدبر سے کام لیتی تو سمجھ سکتی تھی کہ اس کے لئے عارضی حکومت بنانے کا کوئی موقع نہ تھا۔

ایک اور پہلو جس پر لیگ نے توجہ نہیں کی یہ ہے کہ حکومت کانگریس انکار کر چکی تھی۔ سکھ انکار کر چکے تھے۔ سر جان متھائی عیسائی انکار کر چکے تھے، پارسی انجمن انکار کر چکی تھی اور اچھوت لیڈر انکار کر چکے تھے۔ اینگلو انڈین مخالفت کر چکے تھے۔ ملک کے تمام عناصر فوج در فوج ایک طرف تھے مسلم لیگ تنہا ایک طرف تھی۔ ادنیٰ سی عقل رکھنے والا انسان فیصلہ کر سکتا ہے کہ حکومت ایسی حالت میں کیا کرتی اور اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔

مسلم لیگ نے اپنی عقل و حکمت کا سارا سرمایہ دو چیزوں پر ضائع کر دیا۔ ان مسلمانوں کی مخالفت پر جو ۱۸۵۷ء سے آزادی کے

محاذ پر لڑ رہے تھے اور وائسرائے کی زبانی باتوں پر جن کا نام صدر لیگ کے وائسرائے کے وعدے رکھا ہے۔ مسٹر جناح سکھوں سے عقل مانگ لیتے تو تمام مسلمانوں کو ایک محاذ پر جمع کر کے درمیانی راہ نکالنے پر سارا زور صرف کر دیتے اور مسولینی کا یہ قول یاد رکھتے "وعدے مقدس ہوتے ہیں مگر جن باتوں کی وجہ سے ان کو توڑا جاتا ہے وہ ان سے بھی زیادہ مقدس ہوتی ہیں"

ہمیں اپنے مسلم لیگی بھائیوں کی فراست میں عقل و دانش کی کسی بات پر خوش ہونے اور کسی بات سے ملول ہونے میں بچوں کی سی خصلتوں کا نمونہ نظر آتا ہے۔ ایک طرف یہ لوگ ہیں اور دوسری طرف ایک جماعت جو اپنی جگہ مینار کی طرح کھڑی ہے۔ آزادی۔ اتحاد و اصول موجود ہیں اور عمارت کبھی ان اصولوں سے جدا نہیں ہو سکتی۔ محرومی کا غم نہیں اور موت کا خوف نہیں۔

نواب زادہ صاحب اعتراف کرتے ہیں کہ کانگریس اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی اور ہم نیچے اترتے چلے گئے کیا یہ بھی کوئی کردار ہے۔ درحقیقت مسلم لیگ کے پانچ آدمیوں نے عہدوں کے لئے پاکستان کو دھوکا دیا۔ اسلام کو مسلمانوں کو قرآن کو دھوکا دیا اور عہدے ان کو فریب دیکر آگے بڑھ گئے۔ وہ خود بھی ذلیل ہوئے اور انھوں نے مسلمانوں کو بھی ذلت کی پستی میں ڈال دیا تھا"

(مدینہ ۵ شعبان ۶۹ھ کالم ا ص ۲)

بہرحال جب کانگریس کے انکار کے باعث عارضی گورنمنٹ کا بنانا بقول
وائسرائے قانوناً غلط ہو گیا تو وائسرائے نے اپنے اعلان کے مطابق ۴؍جولائی
کو نگراں حکومت کا اعلان کر دیا۔ ہندوستان کے اعلیٰ افسر اس کے ارکان مقرر
کر دیئے۔

لیگ کی رجعت قہقری نمائندہ اسمبلی کی شرکت سے بھی انکار۔

عارضی گورنمنٹ میں شرکت سے
ناکامی ایک ایسا حادثہ تھا جس
نے زعماء لیگ کا پیمانہ صبر لبریز
کر دیا۔ ضبط و تحمل کی طاقت جاتی رہی اور جس کی زبان نے جہاں تک یاری کی
وائسرائے اور وزارتی مشن کو برا بھلا کہنے میں کوتاہی نہیں کی۔

بدقسمتی سے ان ہی ایام میں پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریس کے کسی دوسرے
لیڈر نے یہ بھی کہہ دیا کہ دستور ساز اسمبلی کے فیصلے آخری فیصلے ہوں گے۔ وہ
بااختیار اسمبلی ہوگی۔ اس کے فیصلے برطانوی پارلیمنٹ کی منظوری کے محتاج
نہ ہوں گے۔

ان بیانات کا روئے سخن اگرچہ برطانیہ کی جانب تھا مگر بقول "دیوانہ را ہوئے
بس است" لیگ کے ترجمانوں کو پروپیگنڈے کا موقع مل گیا اور فوراً مسلم حقوق
کو سامنے رکھ کر پروپیگنڈہ کیا جانے لگا کہ ایسی اسمبلی میں شرکت بیکار ہے جس میں
ہندوؤں کی اکثریت ہو اور اس کے فیصلوں پر کہیں نظر ثانی بھی نہ ہو سکے چنانچہ
نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب نے ۱۰؍جولائی ۱۹۴۶ء کو ایک بیان میں فرمایا

کانگریس کی پوزیشن آئین ساز اسمبلی کو ایک خود مختار ادارہ کی حیثیت

دیدیگی اور اگر ایسا ہوا تو اس میں ہمارے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی کیونکہ چار کے مقابلہ میں ہماری حیثیت ایک کی ہوگی۔ تاوقتیکہ اس صورت حال کی وضاحت نہ کر دی جائے۔ مسلم لیگ کا آئین ساز اسمبلی میں شامل ہونا خودکشی کے ہم معنی ہوگا۔

آپ سے دریافت کیا گیا کہ اگر مسلم لیگ کے بغیر بھی آئین ساز اسمبلی چلانے کا فیصلہ کیا گیا تو اس صورت میں کیا ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ بلاشک وشبہ اختیارات کی منتقلی پرامن نہیں ہوگی۔ مسلمان اسے بآسانی منظور نہیں کریں گے۔

منشور ۱۲ر جولائی ۱۹۴۶ء ۱۲ر شعبان ۱۳۶۵ھ ص۹ ج۱

باوجودیکہ وزارتی مشن نے اپنی سفارشات میں تصریح کر دی تھی کہ کوئی فرقہ وار مسئلہ اس وقت تک طے نہیں ہوگا جب تک متعلقہ فریقین کی اکثریت اسکی موافقت میں رائے نہ دے۔

مزید براں جواہر لال کو جب توجہ دلائی گئی کہ اس کی تقریر کے یہ معنی لئے گئے ہیں تو اس نے اپنے منشاء اور مراد کی وضاحت بھی کر دی[1]۔ لیکن جس جماعت کا مقصود

---

[1] اس کے بعد ۱۰ر اگست کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ورکنگ کمیٹی نے اجلاس وار دھا میں ایک تجویز پاس کی جس کا ایک فقرہ یہ تھا:

مجلس عاملہ نے دستور ساز اسمبلی کی باقتدار حیثیت پر زور دیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی بیرونی طاقت کے اثر و اختیار کی مداخلت کے بغیر کام کرنے اور ہندوستان کا دستور بنانے کا حق رکھتی ہوگی۔ اسمبلی لازمی طور پر ان مذہبی حد بندیوں کے اندر کام کرے گی (باقی ص۴۴۸ پر)

ہی یہ ہو کہ غلط پروپیگنڈہ کر کے مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں مبتلا رکھے۔ وہ ان چیزوں کی طرف کب توجہ کر سکتی تھی۔ خصوصاً جب کہ یہ بیز موقع ہاتھ آرہا ہو۔ کہ عارضی گورنمنٹ سے اخراج کے صدمہ اور وائسرائے کی بے رخی کے رنج و ملال کو کانگریسی لیڈروں کے بیانات کے پردہ میں چھپایا جا سکے۔

بہر حال ۶ رجون کے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کے لئے ۲۷، ۲۸، ۲۹ رجولائی کو بمبئی میں لیگ کونسل کا اجلاس طلب کر لیا گیا۔

کنونشن دہلی کی طرح اس اجلاس میں بھی لیگ کے خان بہادروں اور سروں نے گرم گرم تقریریں کیں اور ۶ رجون کے فیصلہ کو منسوخ کر کے وزارتی مشن کی سفارشات کو مسترد کر دیا۔ مطالبہ پاکستان کو دوبارہ زندہ کیا گیا اور طے کیا گیا کہ تعاون کے طریقہ کو ترک کر کے عدم تعاون کی راہ اختیار کی جائے۔ خطابات واپس کر دیئے جائیں۔ ۱۶ راگست کو یوم براہ راست اقدام (ڈائرکٹ ایکشن ڈے) منایا جائے۔ ایک مجلس عمل مرتب کی گئی جو عدم تعاون یا ڈائرکٹ ایکشن کے لئے پروگرام مرتب کرے

پہاڑ کی برابر غلطی

جس وقت لیگ وزارتی مشن کی سفارشات کو رد کر کے مطالبہ پاکستان کی طرف رجوع کر رہی تھی سنجیدہ اور عاقبت اندیش دماغ اُس کی اس مجنونانہ حرکت پر افسوس کر رہے تھے کیونکہ وزارتی مشن کی سفارشات کو مسترد

(صفحہ ۴۴۷ سے) جو اس کے کام کے لئے لازم ہیں اور آزاد ہندوستان کا دستور بنانے میں زیادہ سے زیادہ اشتراک عمل کرنے اور تمام جائز مطالبات اور مفادات کو زیادہ سے زیادہ آزادی دیگی

اجمل بمبئی مورخہ ۱۲ راگست ۴۶ء

کردینے کے دوسرے معنی یہ تھے کہ وائسرائے کو موقع دیا جارہا تھا کہ ۱۶ر جون کے فقرہ ۸ کی روشنی میں وہ لیگ کو نظرانداز کردے اور فقط کانگریسی ممبروں کو لیکر عارضی گورنمنٹ بنادے۔ کیونکہ اب صرف کانگریس ہی ایسی جماعت تھی جو فقرہ ۸ کی شرط کو پورا کرتی تھی۔ یعنی وزارتی مشن کی سفارشات کو طویل المیعاد اسکیم کے سلسلہ میں مانتی تھی۔ باقی لیگ نے دونوں اسکیموں کو مسترد کرکے فقرہ ۸ کی شرط کے جامہ کو نکال پھینکا تھا۔ لیگ کونسل نے ۲۹ر جولائی کو وزارتی مشن کی سفارشات رد کرکے وائسرائے کے لئے راستہ صاف کردیا اور اس طرح اپنے پاؤں پر خود اپنے ہاتھ سے کلہاڑا مار لیا۔

عارضی حکومت کی تشکیل کانگریس کے حوالہ

جبکہ لیگ ۶ر جون والا فیصلہ واپس لے کر وائسرائے کے راستہ سے رکاوٹ دور کرچکی تھی تو ابھی دو ہفتے نہ گذرے تھے کہ وائسرائے نے بڑے اطمینان سے عارضی گورنمنٹ کی تشکیل کانگریس کے حوالہ کردی چنانچہ ۱۲ر اگست ۴۶ء مطابق ۱۴ر رمضان ۶۵ھ کو وائسرائے ہاؤس سے حسب ذیل اعلان شائع کیا گیا۔

ہز ایکسلنسی وائسرائے نے ملک معظم کی حکومت کی منظوری سے کانگریس کے صدر پنڈت جواہرلال نہرو کو دعوت دی ہے کہ عارضی حکومت کی فوری تشکیل کے بارہ میں تجویزیں پیش کردیں اور صدر کانگریس نے یہ دعوت قبول کرلی ہے۔ پنڈت جواہرلال نہرو بہت جلد دہلی میں وائسرائے سے مل کر اپنی تجویزیں پیش کریں گے۔

(اخبار خلافت بمبئی مورخہ ۱۴ر اگست ۴۶ء ۱۹۲/۱۴۲)

اگر لیگ ۶ جون والی تجویز کو مسترد نہ کرتی تو یا تو عارضی گورنمنٹ بننے کی نوبت ہی نہ آتی اور اگر کانگریس لیگ مفاہمت کے بعد عارضی حکومت کی نوبت آتی تو اس کی تشکیل کانگریس اور لیگ دونوں کے سپرد ہوتی اور دونوں جماعتیں مساویانہ حیثیت سے تشکیل میں حصہ لیتیں۔ لیکن اس اعلان کے بعد کانگریس نے اصل جانشین کی حیثیت حاصل کر لی اور لیگ تابع اور خوشہ چیں کی حیثیت میں آگئی۔ یہ ہے بغاوت عظمیٰ کی برکت۔

منظوری کے بعد سب سے پہلا عمل | پنڈت جواہر لال نہرو صدر کانگریس اور جدید وزیر اعظم نے وزارت عظمیٰ کی ذمہ داری قبول کر لینے کے بعد سب سے پہلے مسٹر جناح کی کوٹھی کا رخ کیا۔ ۱۴ اگست کو ایک خاص ایلچی کے ذریعہ خط بھیجا جس میں ملاقات کی اجازت چاہی تھی اور پھر ۱۵ اگست کو بمبئی پہنچ کر ۶ بجے شام کو مسٹر جناح سے ملاقات کی۔

مگر افسوس کشمکش میں اضافہ ـــــ ملاقات کا نتیجہ تھا۔

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے ۱۸ اگست ۴۶ء کو ایک بیان میں فرمایا:۔

> سب جانتے ہیں کہ کانگریس نے عارضی مدت کی تجاویز کو مشروط ہونے کی بناء پر رد کر دیا تھا۔ وائسرائے نے اب نیا دعوت نامہ بھیجا ہے جو غیر مشروط ہے اور کانگریس آزاد ہے جو تجویز چاہے پیش کرے۔ لیکن لیگ اور دیگر فرقوں سے مصالحت کے پیش نظر کانگریس کسی نئی تجویز کو پیش کرنے سے باز رہی اور وہ پہلی ہی بنیاد پر عارضی حکومت بنانے کے لئے تیار ہے یعنی ۶ کانگریسی۔ ۵ لیگی

اور تین دیگر اقلیتوں کے نمائندے کل ۱۴۔

لیگ نے قطعی طور پر اسے تسلیم کر لیا تھا۔ چنانچہ کانگریس کے رد کردینے کے بعد بھی وہ اسی بنیاد پر عارضی حکومت کے بنانے پر مصر رہی۔ اسی طرح کانگریس نے وہ پیش کش لیگ کے سامنے رکھدی ہے جو وہ برطانیہ کی طرف سے پہلے قبول کر چکی ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اب برطانیہ نہیں بلکہ کابینہ بنا رہی ہے۔ بدقسمتی سے مسٹر جناح نے کانگریس کی طرف سے تعاون کی اپیل کو رد کر دیا۔ وقت بہت نازک ہے اور خطرت سے پُر ہے۔ لہذا غصہ اور جلدبازی سے کوئی قدم نہ اٹھانا چاہیے۔ برطانیہ اس پر رضامند ہو گیا ہے کہ بغیر اس کی مداخلت کے ہندوستانی خود معاملات طے کریں۔ مسلم لیگ کے لیڈروں کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ کانگریس نے دوستی کا جو ہاتھ بڑھایا ہے وہ اسے پکڑتے ہیں یا حقارت سے جھٹک دیتے ہیں۔ میں پھر مسلم لیگ کے لیڈروں سے اپیل کرتا ہوں کہ ٹھنڈے دل سے صورت حالات کا جائزہ لیں اور ایک ایسا فیصلہ کریں جو ملک اور قوم کے لئے فائدہ مند ہو۔

اخبار اجمل بمبئی ۱۹ اگست ۱۹۴۶ء $\frac{۲۰۶}{۱۹۶}$

مسٹر جناح نے نہ جواہر لال کی درخواست تعاون اور اس کی حاضری کا کوئی لحاظ کیا۔ نہ مسلم اور غیر مسلم زعماء وطن کی اپیلیں جناح کا التفات حاصل کر سکیں کیونکہ کانگریس ایک سخت ترین جرم کا ارتکاب کر رہی تھی۔ یعنی کانگریس

اعلان کرتی ہے کہ دستور ساز اسمبلی آزاد ہوگی اور جو اس کی اکثریت فیصلہ کردیگی وہی آخری فیصلہ ہوگا۔ (خلافت بمبئی ۱۴ر اگست ۴۶ء ۱۹۲/۲۵۶)

یعنی مسٹر جناح ایسی اسمبلی چاہتے تھے جو برطانوی پارلیمنٹ کی دست نگر ہو۔ دو چار سال کا عرصہ نشستن و گفتن میں صرف کرنے کے بعد بھی غلامی کے اسی نقطہ پر قائم رہے جہاں سے یہ عبث حرکت شروع کی تھی اس کے بخلاف

عارضی حکومت کی حیثیت

پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک سوال کے جواب میں صاف طور پر اعلان کردیا کہ یہ عارضی حکومت محض وائسرائے کی کونسل نہیں ہوگی بلکہ ایک آزاد حکومت ہوگی۔ وائسرائے کی حیثیت آئینی صدر کی ہوگی۔ (ہلال بمبئی ۱۰ر اگست ۴۶ء)

عارضی حکومت کی یہ حیثیت اگرچہ ایک ہی خواہ وطن کیلئے باعث مسرت اور ہر ایک سنجیدہ ہندوستانی کیلئے اطمینان بخش تھی مگر بدقسمتی سے یہی حیثیت مسٹر جناح کے لئے پریشان کن تھی۔

چنانچہ مسٹر جناح نے اپنے ۱۰ر اگست ۴۶ء کے بیان میں جواہر لال کی ملاقات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا جو تجاویز جواہر لال نے پیش کیں وہ یہ تھیں کہ کانگریس وزارت بنائیگی اور وہ چودہ نشستوں میں سے پانچ نشستیں مسلم لیگ کو دینے پر تیار ہے اور باقی نو نشستیں کانگریس نمائندوں سے پوری کی جائینگی۔ جن میں ایک کانگریس کا پسند کردہ مسلمان بھی شامل ہوگا۔ اور یہ کہ یہ کابینہ صرف موجودہ مرکزی اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہوگی۔ جہاں کہ کانگریس کو ایک مسلمان ووٹ کے مقابلہ میں کم از کم تین ووٹ حاصل ہیں اور مزید یہ کہ۔ وائسرائے

ایک آئینی گورنر جنرل ہوں گے اور وہ اپنا حق استرداد نہیں استعمال کر سکتے۔ (کتنا بڑا جرم ہے!) اور نہ کوئی دوسری بیرونی طاقت اس کابینہ کے کاموں میں مداخلت کر سکتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ وہ موجودہ آئین کے مطابق گورنر جنرل کی ایگزیکٹیو کونسل مرتب کر رہے ہیں۔ بلکہ اس طرح مرتب کی ہوئی حکومت ایک عارضی قومی حکومت ہوگی۔ یہی وہ پلان تھا جس کا اظہار جواہر لال نے مجھ سے کیا۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ میں اس قسم کی تجویز کو قطعاً منظور نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس کو منظور کرنے کے بعد مسلم مطالبہ اور ہماری منزل پاکستان پر گفتگو کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔

(اجمل بمبئی مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۴۶ء ۲۱ رمضان ۱۳۶۵ھ)

مسٹر جناح نے اس بیان میں جس غلط بیانی اور توہم پرستی سے کام لیا ہے وہ قائد اعظم کے لئے حد درجہ شرمناک ہے۔

آپ نے کانگریسی مسلمان کو گویا دائرہ اسلام سے بھی خارج سمجھا اور اقلیتوں کے نمائندوں کو بھی کانگریس نمائندہ ہی کہا۔ مزید براں مرکزی اسمبلی میں کانگریس کو لیگ کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ بتایا۔ حالانکہ مرکزی اسمبلی[1] میں ۱۴۲ ممبروں میں کانگریس

---

[1] مرکزی اسمبلی میں ۱۹۴۵ء کے انتخابات کے بموجب پارٹی پوزیشن حسب ذیل ہے۔
کانگریس چھپن ۵۶۔ مسلم لیگ تیس ۳۰۔ اکالی ۲۔ یوروپین ۸۔ دیگر متفرق ۶۔ کل ۱۰۲ ممبر جو انتخاب کے ذریعہ ممبر بنے۔ ان کے علاوہ چالیس سرکاری ممبر ہوتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ :۔
وائسرائے کے نامزد ممبر (نان آفیشیل) ۱۴۔ سرکاری (آفیشل جو سرکاری عہدہ کی بنا پر اسمبلی کے ممبر بن جاتے ہیں) ۲۶۔ کل ۴۰۔

کے ممبر صرف چھپن ۵۶ ہیں۔ چالیس ممبر سرکاری ہیں اور لیگ کے ممبر ۳۰ ہیں۔ باقی دوسری جماعتوں اور اقلیتوں کے ممبر ہیں۔ اب تمام غیر لیگی ممبروں کو کانگریس ممبر قرار دینا اور یہ توقع قائم کرنا کہ ہر موقع پر وہ کانگریس ہی کا ساتھ دیں گے۔ انتہائی درجہ توہم پرستی ہے جو مرکزی اسمبلی کی تاریخ کے سراسر مخالف ہے۔ مسٹر جناح نے اس اعلان میں اس کا بھی اعتراف کرلیا کہ ان کی اور ان کی لیگ کی سیاست کا مدار صرف وائسرائے بہادر اور وزیر ہند کی نظر عنایت پر ہے

خود اپنی قوت کے اعتماد پر مسلم لیگ اپنی سیاست میں ناکام ہے یا یہ کہ اپنی کوئی سیاسی قوت رکھتی ہی نہیں۔

بہرحال مسٹر جناح نے مصالحت کے اس زریں موقع کو بھی کھو دیا اور جو دلیلیں پیش کیں وہ قطعاً لغو اور لچر۔ جو چیز ان دلائل سے نمایاں تھی وہ یہ کہ وائسرائے کے ویٹو اور امتیازی اختیارات کا بار بار تذکرہ کرکے اپنی نیازمندی کا خوشامدانہ ثبوت دیا جارہا تھا اور کانگریس کے برخلاف برطانوی ارکان دولت کو برانگیختہ کیا جارہا تھا۔

عارضی قومی حکومت کا قیام ضروری امور کے طے کرنے میں تقریباً دو ہفتہ صرف ہوئے۔ پھر اگست کی آخری تاریخوں میں ارکان حکومت اور ان کے متعلق محکموں کا اعلان کردیا گیا اور ۲ ستمبر ۴۶ء ۵ شوال ۶۵ھ یوم دوشنبہ کو نامزد ارکان نے اپنے محکموں کا چارج لیکر کام شروع کردیا۔

۲۴ اگست ۴۶ء کو ارکان حکومت کے ناموں کے اعلان کے ساتھ وائسرائے ہند نے ایک تقریر براڈ کاسٹ کی اس تقریر میں آپ نے لیگ کو

مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"کسی کو اس بات پر مجھ سے زیادہ یقین نہ ہوگا کہ ہندوستان کی تمام جماعتوں اور فرقوں کے مفاد کی خاطر ایک ایسی مخلوط حکومت کی ضرورت ہے جس میں دونوں بڑی جماعتوں کو نمائندگی حاصل ہو۔ مجھے علم ہے کہ صدر کانگریس پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کے رفقاء کار اس خیال سے میری طرح شدت سے متفق ہیں۔ میری طرح صدر کانگریس کی اب بھی یہی کوشش ہوگی کہ لیگ کو حکومت میں شامل ہونے پر راضی کیا جائے۔ مجھے اس پیشکش کو جو کہ مسلم لیگ کو کی گئی ہے اور جو اب بھی قائم ہے وضاحت سے بیان کرنا چاہئے۔ وہ چودہ ممبروں پر مشتمل حکومت کی پانچ نشستوں کے لئے نام پیش کر سکتی ہے جن میں ۶ کانگریس نامزد کرے گی اور تین اقلیتوں کے نمائندے ہوں گے۔ اگر یہ نام میرے لئے قابل قبول ہوں اور ملک معظم بھی انہیں منظور کرلیں تو حکومت کو فوراً تبدیل کر کے انہیں اس میں شامل کر لیا جائیگا۔

مسلم لیگ کو اس بات کا کوئی خوف نہ ہونا چاہئے کہ کسی اہم معاملے میں اسے ووٹ کی اکثریت سے شکست دیدی جائیگی مخلوط حکومت صرف اس شرط پر ہی قائم رہ سکتی اور کام کر سکتی ہے کہ اس میں شریک ہونے والی دو پارٹیوں کو اطمینان حاصل ہو۔ میں یہ خیال رکھوں گا کہ وزارت کے اہم قلمدانوں کی تقسیم مساوی طور پر ہو۔ مجھے خلوص سے

ساتھ اعتماد ہے کہ لیگ اپنی پالیسی پر دوبارہ غور کرے گی اور حکومت
میں شامل ہونے کا فیصلہ کرے گی۔ اس دوران میں ہندوستان
کے نظم و نسق کو جاری رہنا ہے اور بعض ایسے مسائل درپیش ہیں جن
کا فیصلہ کرنا ضروری ہے۔ میں خوش ہوں کہ ملک کے سیاسی خیالات
کی بہت بڑی جماعت کے نمائندے حکومت کا کام چلانے میں میرے
شریک کار ہوں گے۔ میں اپنی کونسل میں اُن لوگوں کو خوش آمدید
کہتا ہوں۔ میں خوش ہوں کہ اب سکھوں نے بھی آئین ساز اسمبلی اور
عارضی حکومت میں شریک ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھے اس میں
کوئی شبہ نہیں کہ یہ فیصلہ خردمندانہ تھا۔

تیج مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۴۶ء ۲۵۶/۱۷

۲۵ اگست ۱۹۴۶ء کو مسٹر جناح نے ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے
کی اس تقریر کے متعلق کہا کہ۔ گمراہ کن اور واقعات کے خلاف ہے۔

(قومی گزٹ دہلی ۲۷ اگست ۱۹۴۶ء)

اس کے بعد تقریباً تین ہفتہ تک مسٹر جناح روٹھے رہے پھر دوبارہ
راہ و رسم شروع ہو گئی۔ چند روز ناز و انداز کے بعد بالآخر ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو لیگ
نے بلا شرط عارضی حکومت میں داخلہ منظور کر لیا۔

ڈائرکٹ ایکشن ڈے۔ اور ۱۶ اگست کا خونی حادثہ

۲۸، ۲۹ جولائی کے اجلاس بمبئی
میں لیگ کونسل نے طے کیا تھا کہ
۱۶ اگست کو ڈائرکٹ ایکشن ڈے

"یوم براہ راست اقدام" منایا جائے۔

اگرچہ اس روز کا پروگرام یہی تھا کہ مسلمان کاروبار کی ہڑتال کریں دوکانیں بند رکھیں۔ جلسے کریں۔ لیکن "براہ راست اقدام" کے لفظ سے عوام کے دماغوں پر جو اثر پڑ سکتا تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ بنگال کی لیگی وزارت نے لیگیت کے مظاہرہ کے لئے ۱۶ راگست کی عام تعطیل کا بھی اعلان کردیا۔ اس اعلان سے قدرتی طور پر لیگی جذبات میں ایک قسم کی جرات پیدا ہوگئی۔ مزید براں جب ۱۲ راگست کو عارضی گورنمنٹ کی تشکیل کانگریس کے حوالہ کردی گئی تو لیگی جذبات نے اشتعالی کیفیت اختیار کرلی اور جگہ جگہ فتنہ وفساد کے خطرات پیدا ہوگئے۔

یو۔پی گورنمنٹ کے وزیر نظم مسٹر رفیع احمد صاحب قدوائی نے اس موقع پر دانشمندی کا ثبوت دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ لیگ کے پروگرام میں حکومت یو۔پی کسی قسم کی مداخلت کا ارادہ نہیں رکھتی [1]۔

اس اعلان نے کم از کم صوبہ یو۔پی میں نفسیاتی طور پر لیگیوں کے مشتعل جذبات کو ساکن کردیا۔ چنانچہ ۱۶ راگست کو صوبہ یو۔پی میں کسی جگہ بھی فساد نہیں ہوا۔ بالکل آخری وقت یعنی ۱۴ راگست ۱۹۴۶ء کو مسٹر جناح نے ڈائرکٹ ایکشن ڈے کی غرض وغایت واضح کرنے کے لئے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا۔

> ۱۶ راگست کی تاریخ اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ اجلاس بمبئی منعقدہ ۲۹ رجولائی کی منظور کردہ تجاویز سمجھائی جائیں۔ اور مسلمانوں کو پوری طرح اس صورت حال سے واقف کر دیا جائے۔ جس کا سامنا مسلم ہندوستان کو کرنا پڑ رہا ہے تاکہ جو صورت بھی سامنے آنے

اُس کے لئے وہ خود کو تیار کر سکیں۔

اس بات کا احساس کرنا چاہیے کہ ہماری پالیسی میں ایک انقلابی تبدیلی ہوئی ہے اور ہم نے اعلان کیا ہے کہ جب ضرورت محسوس ہوگی تو ہم عملی اقدام شروع کر دیں گے

لیکن ۱۶؍اگست کسی شکل و صورت میں بھی عملی اقدام کا دن نہیں اسلئے میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ وہ ہدایات پر عمل کریں اور اُن کی پوری پوری پابندی کریں اپنے کام کو پورے امن کے ساتھ منظم طور پر انجام دیں اور دشمن کے ہاتھوں کا کھلونا نہ بن جائیں۔

قائد تحریک کا فرض ہوتا ہے کہ وہ تحریک کو صحیح لائنوں پر باقی رکھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ وضاحت کردے اور پروگرام کے ہر گوشہ کو پوری طرح ذہن نشین کرادے۔ کانگریس کی تیس سالہ تحریک جمعیۃ علماء ہند کی تحریک، سارداایکٹ اور تحریک مدح صحابہ کی نظیریں زعماء لیگ کے سامنے تھیں۔ عوام کے جذبات کو قابو میں رکھنے کے لئے کس احتیاط سے کام لیا گیا اور کس طرح خطرناک عناصر کی پہلے ہی روک تھام کردی گئی۔ بالخصوص ایسی صورت میں کہ پروگرام کا نام "براہ راست اقدام" دماغوں کو برانگیختہ کر رہا ہو اور عوام کے جذبات بھی حد سے زیادہ مشتعل ہو چکے ہوں۔

مگر مسٹر جناح اور زعماء لیگ کے پیش نظر اگر واقعی کوئی معین نصب العین ہوتا جس کا حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے ضروری سمجھا جاتا تو اُس کے لئے کوئی پروگرام بھی مرتب کیا جاتا اور ضروری احتیاط کام میں لائی جاتی۔ لیکن وہاں تو

حقیقت یہ تھی قائد کو خود منزل کا پتہ نہ تھا۔ پاکستان دفن کر کے وزارتی سفارشات منظور کی گئیں اور جب عارضی گورنمنٹ سے نکال دیا گیا تو پھر دوبارہ پاکستان کا نعرہ بلند کیا جانے لگا۔ ہڑبونگ اور شور و شغب کے ذریعہ سے اپنی لیڈری تسلیم کرانے کے علاوہ نہ پہلے کوئی نصب العین یا پروگرام تھا۔ نہ اب ہے۔

مگر افسوس اس کجروی کا۔ نقصان عام مسلمانوں کو تباہی اور بربادی کی شکل میں اٹھانا پڑا ــــ چنانچہ ۱۶ راگست ۴۶ء کو کلکتہ میں ہولناک قتل و غارتگری شروع ہوئی اور کم و بیش ایک ہفتہ تک اس کا سلسلہ انتہائی شدد مد سے جاری رہا۔ اخباری بیانات کے بموجب اربوں روپیہ کا مالی نقصان تاجروں کو برداشت کرنا پڑا۔ لاکھوں انسان بے خان ومان ہوئے اور چالیس[1] ہزار مرد عورتیں اور بچے بدترین وحشت و بربریت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ لیگی لیڈروں نے دھمکی دی تھی کہ وہ مسلمان ہلاکو اور چنگیز کی یاد تازہ کر دیں گے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ کلکتہ کے فسادات میں ہندو اور مسلمانوں نے انسانیت اور جنسی ہمدردی سے دامن جھاڑ کر جس درندگی سے کام لیا۔ ہلاکو اور چنگیز کی روحیں اس سے کانپ اٹھیں۔

---

[1] تمام اخبارات میں مقتولین کی تعداد دس ہزار آئی ہے مگر ۱۱ر اکتوبر ۴۶ء کو سر مبزی ٹونہم گورنمنٹ وسطی ہند نے بیان کیا کہ حکومت بنگال نے کلکتہ کے فسادات کے ہلاک شدگان کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔ اسے حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ ہلاک شدگان کی تعداد چالیس ہزار سے زائد ہے حکومت بنگال نے صرف ان لاشوں کو شمار کیا جو گلی کوچوں میں پائی گئیں۔ باقی جو لاشیں دریا برد کی گئیں وہ شمار نہیں ہوئیں۔ آزاد لاہور ۵ رذی قعدہ ۶۵ھ ۱۱ر اکتوبر ۴۶ء

ہم نہیں چاہتے کہ اس شرمناک بربریت کا تذکرہ تاریخ ہند کے صفحات میں باقی رہے۔ لہذا ہم اس فساد سے متعلق مزید تفصیلات سے اجتناب کرتے ہیں البتہ قائدین لیگ پر تنقید ہمارا فرض ہے اور ہم نہایت افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ ڈائرکٹ ایکشن کا نام لے کر اور مجلس عمل کا ڈھونگ رچا کر انھوں نے اپنی بے عملی بلکہ بد عملی کا ثبوت مکمل کر دیا۔ اور مسلمانوں کے حریفوں کے دل ودماغ سے مسلمانوں کی عظمت اور اہمیت کو ختم کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ عام مسلمانوں کے جذبات سے کھیل کر لاکھوں انسانوں کو تباہ کیا۔ کاروبار کو برباد کیا اور ہندو اور مسلمانوں میں منافرت کی وہ خلیج پیدا کر دی جس کو سالہا سال تک نہیں پاٹا جا سکتا اور لطف یہ کہ جو غریب تباہ وبرباد ہوئے لیگ کی قیادت عظمیٰ نے اُن کو غنڈوں کا خطاب دیا اور اعلان کر دیا کہ وہ دشمنوں کے ہاتھ میں کھیلے ہیں۔

خطابات کی واپسی عملی پروگرام کے سلسلہ میں ۲۹ رجولائی کو طے کیا گیا تھا کہ خطابات واپس کئے جائیں۔ یہ پروگرام سب سے زیادہ آسان تھا۔ نہ کوئی جانی خطرہ تھا نہ مالی نقصان۔ علاوہ ازیں یہ متاع گراں بہا اب بازار کا کھوٹا سکہ بن چکا تھا۔ کیونکہ خطابات پرور انگریزی حکومت اختیارات کانگریس کو منتقل کر رہی تھی۔ اور کانگریس کے "فنڈامنٹل رائٹس" اور بنیادی حقوق میں یہ دفعہ داخل کی جا چکی ہے کہ اسٹیٹ کی طرف سے خطابات نہ دیئے جائیں گے۔

لیکن اس تمام کساد بازاری کے باوجود مکمل دو ماہ کے عرصہ میں زائد سے زائد ۱۰ فیصدی خطابات واپس کئے جا سکے اور وہ بھی اس طرح کہ واپسی خطاب کا

اعلان کر دیا اور حکومت کو اطلاع نہیں دی۔ چنانچہ گورنر سندھ کے سکریٹری نے اعلان کیا کہ ان کے پاس واپسی خطاب کی باقاعدہ اطلاع ایک بھی نہیں پہونچی۔

مجلس عمل کی کارگذاری ۱۸ر ستمبر ۱۹۴۶ء سے دہلی میں مجلس عمل کا اجلاس شروع ہوا۔ ارکان مجلس عمل کے علاوہ دیگر علماء اور مشائخ کو بھی دعوت دی گئی مگر سب سے پہلی کمزوری یہ تھی کہ حضرت قائداعظم غائب تھے تقریباً دو ہفتہ نشستن و گفتن کا سلسلہ جاری رہا مگر کوئی پروگرام مرتب نہ ہو سکا[1] صرف یہ پاس کیا گیا کہ صوبوں میں گشت کر کے لیگ کی تنظیم کو مکمل کیا جائے یعنی واحد نمائندگی کے فلک شگاف دعوں کے باوجود گذشتہ دس سال میں تو تنظیم مکمل نہ ہو چکی تھی۔ اب اولاً دورے کر کے نظم مکمل کیا جاتا۔ پھر کوئی عملی پروگرام شروع کیا جاتا۔ درانحالیکہ ۲ر ستمبر سے کانگریس گورنمنٹ کو سنبھال کر تمام مرکزی دفاتر پر قبضہ بھی شروع کر دیا تھا۔ معاذاللہ ابلہ فریبی کی انتہا ہو گئی؟ ——

مگر افسوس بدبخت مسلمان اس پر بھی لیگ ہی کے فریفتہ نظر آتے تھے حقیقت یہ ہے کہ زعماء لیگ کی غلطی نہیں بلکہ غلطی اس قوم کی ہے جس نے ناکارہ انسانوں کو قائد بنا رکھا ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک روز تقریر میں فرمایا۔

اگر میں کجروی اختیار کروں تو تم کیا کرو گے حاضرین میں سے ایک نے کھڑے ہو کر کہا تلے کی طرح سیدھا کر دیں گے۔ فاروق اعظم نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا

---

[1] بقول سر ضیاء الدین احمد صاحب۔ سردار عبدالرب نشتر کے علاوہ مجلس عمل کا اور کوئی ممبر ڈائرکٹ ایکشن کا حامی نہ تھا۔ تیج مورخہ ۵ر اکتوبر ۱۹۴۶ء

جب تک جماعت میں یہ صلاحیت موجود ہو کوئی قانون کچھ رد نہیں ہو سکتا۔

سیاسیاتِ ہندوستان کا نیا باب

قومی حکومت کا قیام۔ لیگ کی طرف سے ردِ عمل۔ جمعیۃ علماء ہند کی تنبیہ۔ قومی حکومت کی حیثیت، برطانوی ایجنٹوں کی دو رخی پالیسی۔ لیگ کی شرکت

۲ ستمبر ۴۶ء سے سیاسیات ہندوستان کا نیا باب شروع ہوا۔ جب کہ کانگریس کے نامزد گیارہ ارکان نے مرکزی محکموں کے تمام دفتر پر قبضہ کر لیا اور وائسرائے ہند سے یہ طے کر لیا گیا کہ ویٹو اور اختیارات خصوصی کو استعمال نہیں کیا جائیگا اور ارکان حکومت خود مختار وزارت کے ذمہ دار وزیروں کی حیثیت سے کام کرینگے یعنی بقول مسٹر چرچل وائسرائے کی کونسل کے ہندوستانی ممبروں کو علیحدہ کر کے ہندوستان کی حکومت "پنڈت نہرو" کے سپرد کر دی گئی .... جو ہندوستان اور دولت مشترکہ برطانیہ میں تعلقات کے قیام کا سخت مخالف ہے۔[1]

زعماء لیگ نے بارہا کہا تھا کہ اگر لیگ کی رضامندی کے بغیر کوئی گورنمنٹ بنائی گئی تو ہندوستان میں بغاوت پھیل جائیگی۔ ایسی حکومت ۲۴ گھنٹے بھی قائم

[1] دار العوام میں مسٹر چرچل کی تقریر مورخہ ۶ مارچ ۴۷ء بحوالہ منشور مورخہ ۹ مارچ ۴۷ء

نہیں رہ سکتی۔ مسلمان ہلاکو اور چنگیز خاں کی یاد تازہ کر دیں گے (وغیرہ وغیرہ)

اس موقع پر بھی آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سکرٹری "نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب" نے ہدایت کر دی تھی کہ ۲ ستمبر کو تمام دوکانوں اور مکانات پر سیاہ جھنڈیوں کا مظاہرہ کیا جائے۔ مسرت کے موقع پر ماتمی مظاہرہ خود اشتعال انگیز تھا۔ چنانچہ بمبئی میں یکم ستمبر ہی سے لیگ اور کانگریس کی جھنڈیوں کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ لیگ کی سیاہ جھنڈیوں کے مقابلہ میں کانگریس کے ترنگے جھنڈے لہرانے شروع کر دیئے گئے اور اسی سے فساد کا آغاز ہو گیا۔ حکومت بمبئی نے حالات پر قابو پانے کی انتہائی جدوجہد کی۔ تاہم یہ سلسلہ دو ماہ سے زائد جاری رہا۔ اور ہوم منسٹر بمبئی کے بیان کے بموجب تقریباً ایک ہزار اشخاص ہلاک ہو گئے اور نوے لاکھ کا مالی نقصان ہوا[۱]۔

بمبئی کے علاوہ مالیگاؤں، ڈھاکہ اور الٰہ آباد میں بھی فسادات ہوئے مگر اُن کا دائرہ بہت محدود رہا۔ تقریباً ایک درجن آدمی ہلاک ہوئے۔ باقی تمام ہندوستان میں امن رہا۔

جب نہ ہم گھنٹہ میں کوئی انقلاب ہو سکا۔ نہ ہلاکو اور چنگیز کی تاریخ دہرائی جا سکی[۲]

---

[۱] اسمبلی میں ہوم منسٹر کی تقریر بحوالہ انجام مورخہ ۱۰ مارچ ۴۷ء۔

[۲] یکم دسمبر ۴۶ء کو مسٹر پٹیل ہوم منسٹر نے چوپاٹی پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر جناح کہتے ہیں کہ موجودہ حکومت ۱۹۱۹ء کے قانون کے مطابق بنی ہے مگر ہم وائسرائے سے وعدہ لے چکے ہیں کہ یہ حکومت ستمراتی حکومتوں کی طرح کام کرے گی۔ غیر ممالک نے بھی ہماری حکومت کو تسلیم کر لیا ہے۔ امریکہ، روس اور دوسری حکومتوں نے ہماری حکومت کو تسلیم کر لینے کا ارادہ ظاہر کیا ہے (اجمل بمبئی مورخہ ۳ دسمبر ۴۶ء)

تو لیگی پریس نے عارضی حکومت کی حیثیت پر بحث شروع کردی کہ ممبران کی حیثیت کیبنٹ کے وزراء کی نہیں۔ بلکہ ایگزیکٹیو کونسل کے ممبران کی حیثیت ہے اینگلو انڈین پریس بھی لیگ کا ہمنوا تھا۔ کیونکہ یہ بحث اس کے مطلب سے موافق تھی۔

عارضی حکومت کی حیثیت لیگی اور اینگلو انڈین پریس اس بحث میں مصروف تھا اور دوسری جانب کانگریسی ممبران نے زمام حکومت سنبھالنے کے بعد بلا کسی توقف کے دفتری امور پر قابو حاصل کرلینے کی کوشش شروع کردی۔ اور چند روز بعد تمام سکرٹریوں کو ہدایت کردی کہ وہ تمام معاملات ممبران حکومت کے سامنے پیش کریں۔ کسی معاملہ میں بھی براہ راست وائسرائے سے تعلق نہ رکھیں ـــ اور پھر ۲۳ روز بعد یعنی ۲۶ ستمبر ۴۶ء کو وزیراعظم اور وزیر امور خارجہ کی حیثیت سے پنڈت جواہر لال نہرو نے پریس کانفرنس میں اعلان کردیا کہ :-

> ہم بین الاقوامی سیاست میں برٹش کامن ویلتھ بلاک کا جزو بن کر کام نہیں کریں گے۔ بلکہ ہم اپنی آزادانہ پالیسی پر عمل کریں گے اور یہ نوبت آسکتی ہے کہ ہمارے نمائندوں کو برطانوی ڈیلیگیشن کے خلاف جانا پڑے۔ ہمارے تمام نمائندے براہ راست ہم سے ہدایات لینگے اور ان کی پابندی کریں گے۔
>
> اس وقت سب ملکوں سے ہمارے تعلقات براہ راست نہیں ہیں۔ صرف چین اور امریکہ سے براہ راست تعلقات ہیں آئندہ دو تین مہینوں میں بلکہ اس سے بھی جلد موجودہ نمائندے بدل دینگے

اور ان کا درجہ مکمل سفیر کا ہوگا۔

ہم محکوم نوآبادیوں سے ہر سسٹم اور لوٹ کھسوٹ کی ہر پالیسی کا خاتمہ چاہتے ہیں اور طاقتوں کی دھڑے بندی سے الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ دنیا میں سب سے الگ رہنا مشکل ہے۔ پھر بھی ہم کسی بڑی طاقت کا دُم چھلا نہیں بنیں گے۔

جس گروپ کی پالیسی ہمیں پسند ہوگی ہم اس کا ساتھ دیں گے۔ ایشیائی ملکوں سے ہم خاص طور پر دوستانہ تعلقات قائم کریںگے۔ ہم دوسرے ملکوں سے اپنی مرضی کے مطابق تعلقات قائم کرینگے اس میں کوئی طاقت رخنہ نہیں ڈال سکتی۔

برطانیہ میں اس وقت ہمارا ہائی کمشنر کامرس ڈیپارٹمنٹ کے ماتحت صرف تجارتی معاملات کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے اختیارات بہت محدود ہیں۔ آئندہ وہ خارجی امور، کامن ویلتھ، کامرس اور انفرمیشن چار محکموں کی نمائندگی کریگا اور اس کی سرگرمی کا دائرہ بہت بڑھ جائے گا۔ دیگر ممالک میں ہمارے جس ترجمان کو ہماری پالیسی کی تعمیل میں پس و پیش ہوگا اُسے الگ ہونا پڑے گا۔ صرف صرف وہی لوگ عہدہ پر رہ سکیں گے جو ہماری پالیسی کا ترجمانی کرنے کو تیار ہوں۔

انٹرم گورنمنٹ بننے کے بعد وائسرائے کی طرف سے انہیں پوری آزادی مل گئی ہے وہ پیرس کی صلح کانفرنس میں ہندوستان کے نمائندے

تبدیل کر سکتے ہیں اور ہم تبدیلی کی ضرورت محسوس کریں تو ہماری
... کا وقت ہیں۔ یورپ کے ملکوں اور ... سے پہلے
غور کریں یا نئے تجربات کی بازی لگائیں سے اچھے نتیجے نکلے تو ان کی
روشنی میں ان ملکوں سے باہمی تعلقات قائم کئے جائیں گے۔

(تیج مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۴۶ء)

شمالی مغربی سرحدی پالیسی کے متعلق جواہر لال نے کہا کہ:-

سرحد کا مسئلہ تمام ہندوستان کے لئے اہمیت رکھتا ہے۔ اس
علاقہ میں بسنے والے قبائل ہندوستانی دروازہ کے محافظ ہیں۔ میرا یہ
ارادہ ہرگز نہیں کہ میں ان قبائلی علاقوں پر کسی قسم کی پابندی لگانے
کا خیال کروں۔ ان لوگوں نے اپنی آزادی کو نہایت بہادری اور
بے جگری کے ساتھ اب تک باقی رکھا ہے۔ ان کی مرضی کے خلاف
ان پر کوئی اسکیم عائد نہ کی جائیگی۔ گورنمنٹ ان کے مسائل کو دوستانہ
طریقہ پر طے کرنا چاہتی ہے جس میں ان کی رائے کو ہر موقع پر خوش
آمدید کی جائیگی خصوصاً ان کی راؤں کو جو اقتصادی دشواریوں سے
تعلق رکھتی ہوں یا اُن کی بھلائیوں سے اور ہمسایہ ممالک سے
بہتر تعلقات رکھنے سے متعلق ہوں۔

(انصاری مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۴۶ء ۔ قومی آواز ۲۶ ستمبر ۱۹۴۶ء وغیرہ)

جمعیۃ علماء ہند کی تنبیہ جب کہ پنڈت جواہر لال نہرو۔ مولانا ابوالکلام
صاحب آزاد اور وائسرائے ہند کی جانب سے عارضی گورنمنٹ کی تشکیل کے

وقت لیگ کو پانچ نشستوں کی پیش کش کی جا چکی تھی اور لیگ کی طرف سے واضح طور پر اس پیش کش کی تردید نہیں ہوئی تھی تو ایسی صورت میں کانگریس نے یہ تو مناسب نہ سمجھا کہ مسلمانوں کی نشستوں کو مستقل طور پر پُر کر دے۔ تاہم اُس نے یہ بھی پسند نہ کیا کہ عارضی حکومت دفاتر کو اس حالت میں سنبھالے کہ ایک مسلمان بھی شریک حکومت نہ ہو۔ لہٰذا کانگریس کے پارلیمنٹری بورڈ نے طے کیا کہ "تا وقتیکہ لیگ کی جانب سے کوئی قطعی فیصلہ ہو ان نشستوں کو عارضی طور پر پُر کر دیا جائے"۔ کانگریس کے لئے آخری چارہ کار یہی تھا مگر دشواری یہ تھی کہ جمعیۃ علماء ہند یا کوئی باوقار جماعت اس کو بھی پسند نہ کر سکتی تھی کہ وہ اس مذبذب صورت حال کے لئے اپنے معزز نمائندوں کو پیش کرے۔ لہٰذا کانگریس نے جمعیۃ علماء ہند، مجلس احرار اسلام وغیرہ قوم پرور جماعتوں کے توسط کے بغیر براہ راست قوم پرور مسلمانوں سے گفتگو شروع کی مگر یہی دشواری یہاں بھی درپیش تھی کہ حاجی مولا بخش صاحب ایم۔ ایل۔ اے (سندھ) ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب پرنسپل جامعہ ملیہ (دہلی) مولوی محمد احمد صاحب کاظمی۔ خان بہادر محمد جان کلکتہ۔ مولوی عبد المجید صاحب حریری (بنارس) وغیرہ قوم پرور حضرات نے اس عارضی شرکت کو اپنی خودداری کے خلاف سمجھا۔

اس میں شک نہیں کہ بہتر صورت یہی تھی کہ کانگریس کا پارلیمنٹری بورڈ اس پیچیدہ صورت حال کو قوم پرور جماعتوں کے سامنے رکھ کر ان سے درخواست کرتا کہ مشکل کشائی کے لئے کانگریس کی امداد کریں اور اپنے خوددار اور موقر نمائندوں کو اس ایثار پر مجبور کر دیں مگر کانگریس پارلیمنٹری بورڈ نے اس بہتر طریقہ عمل کو چھوڑ کر یہ دوسرا

مسٹر شفاعت احمد خاں، اور مسٹر علی ظہیر کو نامزد کردیا ۔۔۔۔۔ اور پھر ارکان حکومت کی قابلیت کا موازنہ کرتے ہوئے قلمدان وزارت بھی اس طرح تقسیم کئے گئے کہ اہم محکمے مسلمانوں کو نہ مل سکے۔ اگرچہ مسلمانوں کی دو نشستیں اب بھی خالی تھیں مگر اس طرز عمل نے ایک تنبیہ کی ضرورت پیدا کردی تھی۔ لہٰذا جمعیۃ علماء ہند نے اس ضرورت کی طرف بروقت توجہ کی۔ چنانچہ ۲۴ر شوال ۶۵ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۴۶ء کو مجلس عاملہ کا جو اجلاس طلب کیا گیا تھا اُس میں مجلس احرار اسلام وغیرہ دوسری قوم پرور جماعتوں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور ۲۳ر ستمبر کو مندرجہ ذیل تجویز پاس کرکے تنبیہ کے اس فریضہ کو انجام دیا۔ اگرچہ چند روز بعد لیگ کے داخلہ کے باعث اس تنبیہ پر عمل نہیں ہو سکا۔ مگر خود کانگریسی حلقوں نے جمعیۃ علماء ہند کی اس صاف گوئی کی قدر کی۔ اسی تاریخ کو (۲۳ر ستمبر کو) آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نے اس تجویز کی روشنی میں کانگریس ہائی کمانڈ پر سخت نکتہ چینی کی نیشنلسٹ پریس نے مولانا کی اس تنقید کو سراہا اور کانگریس ہائی کمانڈ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

تجویز مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کی تجویز یہ تھی۔

(تجویز ۱) مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس، اگرچہ اس اعلان کو جو برطانوی حکومت نے ہندوستان کی آزادی کے متعلق کیا ہے۔ نیز اس کارروائی کو جو ہندوستانیوں کی طرف اختیارات منتقل کرنے کے متعلق کی گئی ہے بڑی حد تک قابل اطمینان سمجھتا ہے۔ مگر اس امر کو واضح کردینا چاہتا ہے کہ آزادی وطن کی جدوجہد ابھی ختم نہیں ہوئی ہے اور آزادی طلب جماعتوں کی منزل مقصود

ابھی دور ہے۔

اجلاس ہذا کی رائے میں یہ امر نہایت افسوس ناک ہے کہ مسلم لیگ کی غلط قیادت کے باعث عارضی حکومت میں مسلمانوں کو اب تک وہ درجہ حاصل نہیں ہو سکا جو اُن کی قومی و وطنی اہمیت کے اعتبار سے اُن کا جائز حق ہے۔

مجلس عاملہ اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتی کہ عارضی حکومت کی تشکیل کے موقع پر کانگریس ہائی کمانڈ نے قوم پرور مسلمانوں کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار نہیں کیا جو اس کا فرض تھا۔ اگر مسلم لیگ کی غیر موجودگی کی صورت میں مسلم نشستوں کا پُر کرنا ضروری سمجھا گیا تھا تو اس کے لئے وہی ممبر مسلمانوں کو مطمئن کر سکتے تھے جو قوم پرور مسلم جماعتوں کے منتخب کردہ ہوتے۔

مزید برآں حکومت کے ممبروں میں اہم محکمے مساویانہ طریقہ پر تقسیم نہ کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ بھی مسلمانوں کے نزدیک تسلی بخش نہیں ہے۔

مجلس عاملہ مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر کانگریس ہائی کمانڈ کے طریق کار کو قومی نقطۂ نگاہ سے قابلِ اعتراض سمجھتی ہے اور امید کرتی ہے کہ عارضی حکومت کو پوری طرح مفید اور نمائندہ بنانے کے لئے جلد از جلد مؤثر طریقے اختیار کئے جائیں گے۔

برطانی کارندوں کی دورخی پالیسی (۱) ایک طرف وائسرائے کی جانب سے کانگریس کو غیر مشروط طور پر تشکیل حکومت کی پیش کش کی جا رہی تھی۔ اس کی شرکت پر مسرت کا اظہار کیا جا رہا تھا اور دوسری جانب انتہائی

روزداری کے ساتھ وزیرستان کے پٹھانوں پر بمباری کی جا رہی تھی۔ اگست کے
پورے ہفتے شدومد کے ساتھ یہ بمباری جاری رہی اور اس بمباری کو اس
طرح راز میں رکھا گیا کہ صوبائی حکومت کو بھی اس کا علم نہیں ہوا۔ بقول خان
عبدالغفار خاں انگریز افسروں نے عارضی حکومت کے قیام کے وقت بمباری
شروع کرنے کی سازش کی تھی۔ اب بھی دیہاتوں میں برطانوی افسر
... کا نام درست ہے۔

تقریر خان عبدالغفار خاں بجواب ... ستمبر ۱۹۴۶ء مدینہ ۲۰ ستمبر

برطانیہ کی اس پالیسی کا پورا مظاہرہ جواہر لال کے دورے کے وقت ہوا۔
جب کہ پولیٹیکل ایجنٹ نے جو انتظامات کا ذمہ دار تھا، وظیفہ خوار قبائلی لوگوں
کو سکھا پڑھا کر جواہر لال کے برخلاف مظاہرہ پر آمادہ کر دیا اور متعدد خطرناک
حملے کرائے۔ جس کا تذکرہ ۱۷ اکتوبر تا ۲۴ اکتوبر کے اخبارات میں تفصیل سے
آ چکا ہے۔

مسلم لیگ کی ابلہ فریبی | آزاد قبائل کے متعلق تقریباً ایک سو برس سے
سے حکومت برطانیہ جس پالیسی پر اقدام کر رہی ہے اور اس پالیسی کے ماتحت ہر سال
... آزاد قبائل کے خوددار پٹھانوں کی گردنیں برٹش سامراج کے سامنے جھکنے کے لئے کبھی بھی
تیار نہیں ہوئیں۔ ان کی بہادری طاقت قدرتی محافظ ہے اور حضرت سید احمد شہید کے پس ماندہ مجاہدین
ناقابل ... (جن کو ... سمجھتے ... آزادی ... تھا) ان کی خودداری گردنوں کی رگوں کو اور زیادہ
مضبوط کر دیا تھا۔ اس کے برعکس برطانوی مفاد کے ایجنٹوں کا نظریہ یہ تھا کہ ان قبائل پر مسلسل
فوج کشی ہوتی رہے اور جو علاقہ قبضہ میں آجائے اس میں سڑکیں بنا دی جائیں (باقی حاشیہ)

ہمیشہ اس پالیسی کی مخالفت کرتی رہی اور اس کے برعکس مسلم لیگ نے اس پالیسی کی حمایت کی۔ لیکن جب کانگریس گورنمنٹ کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو آزاد قبائل سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے، اُن کی اقتصادی حالت کی اصلاح کے لئے ان کی امداد کرنے اور آئندہ کے لئے جارحانہ پالیسی بند کر دینے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں تو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے مسلم لیگ کی مجلس عمل ایک تجویز پاس کرتی ہے جس میں وزیرستان کی مذکورہ بالا بمباری کی مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ آئندہ آزاد قبائل پر بمباری نہ کی جائے۔ معاذ اللہ۔ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے

(صفحہ ۴۷۱ سے) سر سید کے اس ریزولیشن کے برخلاف کانگریس حسب ذیل تجویز پاس کرتی ہے

سرحد کی پیش قدمی کی پالیسی سلطنت برطانیہ کے لئے اور بالخصوص ملک ہندوستان کے مفاد کے لئے مضرت رساں ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ملک ہندوستان کی حدود سے باہر فوجی مہمات بھیجنی پڑتی ہیں جس سے قیمتی جانیں تلف ہوتی ہیں اور رعایا کا روپیہ ضائع ہوتا ہے اس لئے کانگریس مستدعی ہے کہ اس جارحانہ کارروائی کو بند کیا جائے اور یہ امر قرار دیا جائے کہ درانحالیکہ یہ مہمات شاہی اغراض کے لئے ضروری سمجھی جائیں تو اُن کے صرف کا بڑا حصہ سلطنت برطانیہ کے خزانہ سے ادا کیا جائے۔ اس کے بعد کانگریس نے دوسری قرارداد میں گورنمنٹ کی پیش قدمی کی پالیسی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ سرحدوں کے ساتھ پرانی دوستانہ پالیسی کی طرف رجوع کیا جائے اور دادی سوات میں جو کثیر اخراجات کئے جاتے ہیں انہیں بند کیا جائے (روح روشن مستقبل ص۱۸)

اس کے بعد تقریباً نصف صدی تک برطانوی ایجنٹ ان علاقوں کو گولوں کا نشانہ بناتے رہے کانگریس بار بار اس پالیسی کی مذمت اور فوجی اخراجات میں کمی کا مطالبہ کرتی رہی مگر مسلمانوں کی واحد نمائندگی کی مدعی جماعت حکومت برطانیہ کی خوشامد میں مصروف رہی   محمد میاں

عیاری کی انتہا ہو گئی

(۲) کلکتہ کے خون ریز فسادات سے متاثر ہو کر فوری طور پر کلکتہ کے یورپین ممبران اسمبلی اور اینگلو انڈین اخبارات بھی جو ہمیشہ لیگ کی مدح سرائی اور حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے یہ مطالبہ کرنے لگے کہ سہروردی کی لیگی وزارت کو فوراً برخاست کر دیا جائے یہ وزارت ضبط و نظم قائم کرنے میں قطعاً ناکام رہی ہے۔ ایک ہفتہ کی چیخ و پکار کے بعد ۲۴ اگست ۱۹۴۶ء کو وائسرائے ہند کے "کوکبۂ ناز" نے کلکتہ کا رخ کیا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر یورپین گروپ اور اینگلو انڈین اخبارات پر ایسا افسون کیا کہ یہ سب دم بخود ہو گئے۔ اس کے بعد یورپین یا اینگلو انڈین حلقوں سے کوئی آواز سہروردی کے خلاف نہیں اٹھی۔ بلکہ اس کے برعکس وہی مجرم "سہروردی" جس کی گردن پر ہزاروں بے گناہ انسانوں کا خون تھا وائسرائے کا "راز دار خاص" بن کر مسٹر جناح کے پاس گیا۔ پھر وائسرائے کی نظر لطف نے نہ صرف یہ کہ اس کے قصور اور کوتاہی سے چشم پوشی کی بلکہ اسکی وزارت کو بھی زوال سے محفوظ کر دیا۔

(۳) وزارتی مشن اپنی سفارشات میں تصریح کر چکا تھا کہ نہ چھوٹا پاکستان بن سکتا ہے نہ بڑا پاکستان۔ لیکن شہید صاحب کے خاص دوست مسٹر ایم اے اصفہانی[1]

---

[1] مسٹر اصفہانی بنگال کے بہت بڑے تاجر ہیں جب صوبہ بنگال میں قحط پڑا اور لاکھوں مرد عورتیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے اُس وقت اُن کے گوداموں میں لاکھوں ٹن چاول بھرا ہوا تھا کیونکہ بنگال کے وزیر اعظم مسٹر "حسین شہید سہروردی" جنہیں مجاہد اعظم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے بنگال میں سول سپلائز کے وزیر تھے اور انھوں نے اپنے دوست اصفہانی کو چاولوں کا ٹھیکہ دے دیا تھا۔ حال ہی میں مسٹر اصفہانی اور راجہ صاحب محمود آباد نے (باقی ص۴۷۴ پر)

متعلق سب سے پہلے دفتر ہند کے خاص پروپیگنڈا افسر "جوائس" نے تحریک کی تھی۔ جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ "مسز وجے لکشمی" امریکہ جا رہی ہے "جوائس" نے وائسرائے ہند کے مشیروں کو مشورہ دیا کہ وہ لیگ والوں کیلئے امریکہ جانے کا انتظام کریں۔ چنانچہ "مسز وجے لکشمی" کے نیویارک جانے میں اگرچہ روڑے اٹکائے گئے تھے مگر لیگی نمائندوں کو ضابطہ کی کاروائی کے بغیر ہی پاسپورٹ دے دیا گیا اور جہاز کا انتظام کرا دیا گیا

(الفضل مورخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۱)

(۴) صوبہ سندھ میں سر غلام حسین ہدایت اللہ کی لیگی وزارت گورنر سندھ کی زیر سرپرستی زندگی کے سانس پوری کر رہی تھی۔ جی۔ ایم۔ سید اور حاجی مولا بخش صاحب کی کولیشن پارٹی کو مساوات کا دعویٰ تھا۔ مگر اکثریت حاصل نہ تھی۔ آخر اگست ۱۹۴۶ء میں جی۔ ایم۔ سید نے تحریک بے اعتمادی کا نوٹس دیا گورنر سندھ نے اجلاس ملتوی کر دیا۔ ۱۴ستمبر ۱۹۴۶ء کو سید پارٹی میں مزید دو ممبر شامل ہو گئے اور اب سید پارٹی کو ۳۰ کے مقابلہ میں ۳۲ کی اکثریت حاصل ہو گئی۔ گورنر سندھ نے فوراً اسمبلی توڑ کر غلام وزارت کو بے اعتمادی سے بچا لیا اور پھر حکومت کا نظم ونسق سنبھالنے کے لئے سر غلام حسین اور اُن کے ایک لیگی ساتھی کو کاروبار حکومت کا نگران مقرر کر دیا۔ جی۔ ایم سید اور حاجی مولا بخش نے احتجاج کیا کہ الیکشن کے زمانہ میں لیگی وزراء کے ہاتھ میں زمام حکومت نہ رہنی چاہیے اور اگر نگرانی کے لئے کچھ وزراء کی ضرورت ہے تو دو وزیر دوسری پارٹی کے بھی لے لئے جائیں۔ مگر گورنر سندھ نے جی۔ ایم۔ سید کی پارٹی کے

بجائے لیگ ہی کے دو وزیروں کا اضافہ کر دیا اور بجائے دو کے لیگ کے چار وزیر حکومت کے نگران قرار دیئے گئے۔

مذکورہ بالا واقعات شاطران برطانیہ کی ذہنیت اور ان کی درپردہ پالیسی کو طشت ازبام کر دینے کے لئے کافی ہیں۔

مزید براں ۲۶ ستمبر والی جواہر لال کی پریس کانفرنس کی تقریر مفاد برطانیہ کے لئے برق خرمن سوز تھی۔ لہذا کیبنٹ میں ایسی چیلیوں کو شامل کرنا سامراجی مفاد کے لئے انتہا درجہ ضروری ہو گیا جو شاطران برطانیہ کے اشاروں پر رقص کرتی رہیں۔ چنانچہ قائد لیگ سے نامہ و پیام شروع ہوا اور چند روز بعد اس میں کامیابی ہو گئی۔

لیگ کا داخلہ

قائد اعظم لیگ نے ۳ ستمبر ۴۶ء کو فرمایا تھا

اب پاکستان کے علاوہ اور کوئی فیصلہ کا راستہ نہیں

آپ نے ۱۰ ستمبر کو فرمایا۔ میرے جو چھرا گھونپا گیا ہے وہ الفاظ سے مندمل نہیں ہو سکتا۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر پارلیمنٹ کے اراکین مجھے اور کانگریس کے نمائندوں کو لندن بلا کر گفتگو کریں تو میں عارضی گورنمنٹ کو تسلیم کر سکوں گا۔

لیکن چند روز بعد آپ لارڈ ویول کے ایما پر لندن کے بجائے دہلی روانہ ہو گئے اور وائسرائے کی بارگاہ میں باریاب ہو کر گفتگو سے شرکت شروع کر دی یکم اکتوبر کو اخبارات نے گفتگو ٹوٹ جانے کی خبر شائع کی مگر دوسرے تیسرے روز نواب بھوپال ثالث بالخیر بنکر پہونچے اور گفتگو کا رشتہ دوبارہ جوڑ دیا۔ لیکن

لیگ کانگریس کے بارہ میں یہ جدوجہد ناکام ثابت ہوئی حتیٰ کہ ۱۲ راکتوبر کو لیگ کانگریس گفتگو کی ناکامی کا اعلان ہو گیا۔

شائع شدہ مراسلات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتداً مسٹر گاندھی اور مسٹر جناح میں ایک فارمولا طے ہو چکا تھا۔ مسٹر جناح کے بیان کے بموجب فارمولا حسب ذیل تھا:۔

کانگریس مسلم لیگ کے اس دعوے کو چیلنج نہیں کرتی بلکہ تسلیم کرتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی ایک بھاری اکثریت کی نمائندہ ہے۔ اس لئے ڈیموکریٹک اصول کی بناء پر اس کو ہی ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کا حق حاصل ہے لیکن کانگریس اس امر کو منظور کرنے کے لئے تیار نہیں کہ مسلم لیگ کسی ایسی پابندی کو قبول کرے جس کی بناء پر کانگریس اپنے نمائندے لیگ کی مرضی کے مطابق منتخب کرنے پر مجبور ہو۔ مکتوب مسٹر جناح بنام نہرو مورخہ ۷ راکتوبر ۱۹۴۶ء

(آزاد لاہور ۱۶ راکتوبر ۱۹۴۶ء۔ ویر بھارت لاہور ۱۷ راکتوبر ۱۹۴۶ء)

جواہر لال نہرو نے اس فارمولا کے متعلق اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے تحریر کیا:۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس فارمولا کی عبارت تسلی بخش نہیں۔ اس کی تہ میں جو مقاصد پیش نظر رکھے گئے ہیں ہم ان پر معترض نہیں۔ انتخابات کے نتائج کی روشنی میں ہم یہ ماننے کو تیار ہیں کہ مسلم لیگ ہندوستان کی بھاری اکثریت کی نمائندہ جماعت ہے۔ اندریں حالات جمہوری

اصولوں کے پیش نظر ہمارے نزدیک مسلم لیگ کی نمائندگی مسلمہ
ہے بشرطیکہ مسلم لیگ کانگریس کو بھی تمام غیر مسلم طبقوں اور اُن
مسلمانوں کی نمائندہ تسلیم کرے جو کافی تعداد میں قوم پروری کے
زیر اثر کانگریس سے وابستہ ہیں۔ لیکن کانگریس مسلم لیگ کی کسی ایسی
پابندی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں جس کی بناء پر کانگریس اپنے
حلقوں میں سے اپنے نمائندے صرف مسلم لیگ کی مرضی کے مطابق
منتخب کرنے پر مجبور ہو۔ اس لئے ہم تجویز کرتے ہیں کہ کوئی فارمولا
ضروری نہیں اور ہر جماعت اپنی مرضی سے اپنے مقام پر اور اپنے
اصولوں پر قائم رہ سکتی ہے۔

(مکتوب جواہر لال بنام مسٹر جناح مورخہ ۶ر اکتوبر ۱۹۴۶ء)

اس فارمولا کے علاوہ مسٹر جناح کی طرف سے چند اور نکات بھی پیش کر دیئے
گئے جن کے متعلق جواہر لال نہرو نے اپنے ۸ر اکتوبر کے مکتوب میں تحریر کیا کہ

میں اور میرے ساتھی ان نکات کی فہرست سے پریشان ہوئے جو
آپ نے ساتھ روانہ کی تھی۔ اس فہرست پر ہم نے پہلے غور نہیں کیا
تھا اس کا ہماری بات چیت سے بہت کم تعلق تھا۔

بہر حال یہ نکات بھی اگرچہ پیچیدگی میں اضافہ کرنے کے لئے کافی تھے مگر
مراسلات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیچیدگی قابل حل تھی۔ اس کے
باعث گفتگو ناکام نہیں ہوئی۔ گفتگو کی ناکامی کا سبب جواہر لال کا یہ اصرار تھا کہ
کانگریس اور لیگ کے ممبر وائسرائے کی مداخلت سے بالا ہو کر آپس میں مل کر کام

کریں۔ نیز جواہر لال کا دعویٰ تھا کہ زیرِ بحث گاندھی جناح فارمولے میں ایک فقرہ اس مضمون کا موجود تھی مگر مسٹر جناح نے اس فقرہ کو قطعاً نظر انداز کر دیا اور جب توجہ دلائی گئی تو اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ جواہر لال نے اپنے مکتوب مورخہ ۸ راکتوبر میں لکھا تھا۔

جیسا کہ میں نے اپنے ۶ راکتوبر کے خط میں بھی لکھا ہے کہ اس فارمولا میں ایک اور پیراگراف (فقرہ) بھی شامل تھا جس کا ذکر آپ نے اپنے خط میں نہیں کیا ہے۔

(حذف کردہ فقرہ) "یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ عارضی حکومت کے وزراء کو سارے ہندوستان کی بہبودی کے لئے ایک ٹیم کی طرح کام کرنا ہوگا اور کسی صورت میں گورنر جنرل کو مداخلت پر آمادہ نہ کیا جائے گا۔"

اس کے بعد جواہر لال نے لکھا تھا۔

جہاں تک ہمارا یہ خیال ہے کہ اس فارمولا کے الفاظ تسلی بخش نہیں تاہم سمجھوتے کی خاطر جس کے ہم نہایت سرگرمی سے خواہش مند ہیں اسے کلیۃً منظور کرتے ہیں اور اس پیراگراف کو بھی تسلیم کرتے ہیں جسے آپ نے اپنے خط میں چھوڑ دیا ہے۔

(مکتوب جواہر لال بنام مسٹر جناح مورخہ ۸ راکتوبر ۱۹۴۶ء)

مگر مسٹر جناح نے اس پیراگراف کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ اپنے مکتوب مورخہ ۱۲ راکتوبر ۱۹۴۶ء میں مسٹر جناح نے تحریر کیا۔

آپ ۸ راکتوبر کے خط میں لکھتے ہیں کہ آپ کی پوزیشن وہی ہو جسکا

ذکر آپ نے ۲ر اکتوبر کے خط میں کیا ہے۔ میں اس سے یہ مطلب اخذ
کرتا ہوں کہ آپ فارمولا قبول کریں گے بشرطیکہ پیراگراف ۷ (جس کو
مسٹر جناح نے نظر انداز کر دیا تھا) اس میں شامل کیا جائے اور اسے
اس کا جزو سمجھا جائے۔ ایسا کرنے سے اصل فارمولا میں بڑی ترمیم
ہوتی ہے۔ میں یہ تبدیلی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

(ویربھارت مورخہ ۷ار اکتوبر ۱۹۴۶ء)

مختصر یہ کہ اور شرائط طے ہونے کے قریب ہوئیں تو مسٹر جناح نے وائسرائے
کی مداخلت کی شرط لگا کر کانگریس کو مجبور کرنا چاہا کہ اختیارات اور استقلال کا جو درجہ
حاصل کر چکی ہے وہ اس سے دست بردار ہو جائے۔ اگر کانگریس کو صرف وزارت
کی کرسیاں مطلوب ہوتیں تو وہ ایسا کر سکتی تھی۔ لیکن جب اُس نے عارضی حکومت
کو منظور ہی اس غرض سے کیا تھا کہ وہ آزادی کی طرف ایک قدم ہے تو مسٹر جناح کی

لہ اخبار کوثر لاہور جو لیگ اور کانگریس دونوں کے لحاظ سے غیر جانبدار ہے اور مولانا
صاحب مودودی کی تحریک کا حامی ہے وہ اپنی ۷ار اکتوبر کی اشاعت میں رقمطراز ہے۔

ایک اطلاع کا مفاد یہ ہے کہ مسٹر جناح نے جہاں اور شرطیں لگائی ہیں وہاں
ایک یہ بھی ہے کہ اس عبوری حکومت کے ارکان کی حیثیت وزراء کی نہ ہو۔ بلکہ ایگزیکٹیو
کونسلروں کی ہو جیسا کہ اس سے قبل ہوا کرتے تھے۔ اس وقت مسلم لیگ عبوری حکومت
میں جو شریک ہو رہی ہے تو اس کی نوعیت یہ ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں
مفاہمت نہیں ہوئی۔

(کوثر لاہور ۷ار اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۳)

اس شرط کو تسلیم کر لینا کانگریس کے لئے خودکشی کے مرادف تھا۔ کانگریس مجبور تھی کہ اس تنزل پذیر شرط کو منظور کرنے سے انکار کر دے۔ چنانچہ ۱۲ر اکتوبر کو گفتگو کی ناکامی کا اعلان ہو گیا۔

اب مسٹر جناح نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ وائسرائے کی ۲۴ر اگست والی تقریر کو بنیاد قرار دیکر بلا شرط عارضی حکومت میں شرکت کو منظور کر لیا۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ وائسرائے کی زیر سرپرستی وزارت کی چند کرسیاں مسلم لیگ کا مطمح نظر ہیں اور بس۔

(یا بعنوان دیگر) وہ کانگریس سے اشتراک و تعاون کر کے آزاد ہند اور ہندستانیوں کے مفاد کے لئے عارضی حکومت میں شامل نہیں ہوئے۔ بلکہ انگریز کا آلہ کار بننے کے لئے۔ تاکہ کانگریس کا راستہ روکیں۔ چنانچہ ۱۳ر اکتوبر کی صبح کو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے عارضی حکومت کی شرکت کی تجویز منظور کر لی اور ۱۴ر اکتوبر ۴۶ء کو مسلم لیگ کے پانچ نمائندوں کے نام وائسرائے کے پاس بھیجدیئے۔ لیگ کا یہ داخلہ کس ذلت کے ساتھ ہوا۔ اس کا اندازہ لارڈ ویول وائسرائے ہند اور مسٹر جناح کے خط وکتابت سے ہو سکتا ہے جو ۲۵، ۳۰ر اکتوبر کے انگریزی اور اردو اخبارات میں شائع ہوئی۔ ہم اس خط وکتابت پر کسی تبصرہ کو خود اہل بصیرت حضرات کے حوالہ کرتے ہیں۔

مسٹر جناح کا خط وائسرائے کے نام ۲ر اکتوبر ۱۹۴۶ء

ڈیر لارڈ ویول!

۲ر اکتوبر کو ہماری جو ملاقات ہوئی تھی اُس کے خاتمہ پہ طے ہوا تھا

کہ میں آپ کے سامنے آخری اور فیصلہ کن طور پر وہ مختلف تجاویز آپ کے
غور اور جواب کے لئے پیش کروں جو ہماری بات چیت کے نتیجہ کے
طور پر پیدا ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کے مطابق میں وہ مختلف تجاویز اس
خط کے ہمراہ بھیج رہا ہوں جو میں نے وضع کی ہیں
مسلکہ تجاویز: "ایگزیکٹیو کونسل کے کل ممبروں کی تعداد ۱۴ ہونی چاہیئے
(۲) کانگریس کے نامزد کئے ہوئے ۶ ممبروں میں سے اچھوتوں کا ایک
نمائندہ ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ مسلم لیگ نے
اچھوت نمائندے کی نامزدگی کو منظور کر لیا ہے۔ اس سلسلہ میں آخری
ذمہ داری گورنر جنرل اور وائسرائے کی ہوگی (۳) کانگریس اپنے
حصہ کی باقی ۵ نشستوں پر کسی اپنی پسند کے مسلمان کو نامزد نہ
کرے گی۔
(۴) **تحفظات** یہ رواج قائم ہونا چاہیے کہ بڑے بڑے فرقہ وارانہ
مسائل پر اگر ہندو اور مسلمان ممبروں کی اکثریت [illegible] نہ ہو تو
فیصلہ نہ کیا جائے۔

(۵) دونوں فرقوں کے ساتھ انصاف کے طور پر [illegible]
باری باری دونوں جماعتوں سے مقرر کیا جائے یا [illegible] موقع
پر صدارت بدلتی ہے جیسا کہ اقوام متحدہ میں ہوتا ہے۔
(۶) تین اقلیتوں میں سکھوں، ہندوستانی عیسائیوں اور پارسیوں
کی نامزدگی کے وقت مسلم لیگ سے مشورہ نہیں لیا گیا۔ اس سے یہ

سمجھنا چاہئے کہ مسلم لیگ ان نامزدگیوں کو منظور کرتی ہے لیکن مستقبل میں اگر موت، استعفیٰ یا کسی اور وجہ سے کوئی جگہ خالی ہو تو اس کو دونوں بڑی جماعتوں کانگریس اور لیگ کے مشورہ سے پُر کیا جائے

(۷) **عہدوں کا مسئلہ** - سب سے زیادہ اہم محکموں کو دو بڑی جماعتوں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا جائے

(۸) یہ کہ مذکورہ بالا انتظام میں اس وقت تک کوئی تبدیلی نہ کی جائے جب تک کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں متفق نہ ہو جائیں۔

(۹) طویل المیعاد تجاویز پر تصفیہ کے سوال کو اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دیا جائے جب تک کہ زیادہ بہتر فضا پیدا نہ ہو جائے اور مذکورہ بالا نکات پر تصفیہ نہ ہو جائے اور عارضی حکومت کی نئے سرے سے تشکیل نہ ہو جائے۔

وائسرائے کا جواب

لارڈ ویول کا خط مسٹر جناح کے نام ۴ر اکتوبر ۱۹۴۶ء

ڈیر مسٹر جناح!

آپ کے کل کے خط کا شکریہ - آپ کے نو نکات کے بارے میں میرا جواب حسب ذیل ہے:-

(۱) یہ طے شدہ مسئلہ ہے۔

(۲) آپ جو کچھ کہتے ہیں میں اسے نوٹ کرتا ہوں اور یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ذمہ داری میری ہے۔

(۳) میں اس بات پر متفق نہیں ہو سکتا۔ ہر پارٹی کو اس بات کی پوری آزادی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے نمائندے اپنی مرضی کے مطابق منتخب کر سکے۔

(۴) ایک کولیشن گورنمنٹ میں یہ بات ناممکن ہے کہ پالیسی کے بڑے بڑے مسائل کا ایسی شکل میں فیصلہ کیا جائے جبکہ کولیشن کی ایک بڑی پارٹی ایک تجویز کی سخت مخالف ہو۔ میرے موجودہ رفقار کار اور میں اس بات پر متفق ہیں کہ بڑے بڑے فرقہ وارانہ مسائل کو کثرت رائے سے طے کرنا سخت مہلک ثابت ہوگا۔ وزارت کی عمدگی اور وقار کا اس بات پر انحصار ہوگا کہ اختلافات کو وزارت کے جلسوں سے پہلے دوستانہ بات چیت کے ذریعہ طے کر لیا جائے۔ ایک کولیشن حکومت یا تو باہمی میل جول اور رواداری سے کام کرتی اور یا پھر وہ کام ہی نہیں کرتی۔

(۵) وائس پریسیڈنٹ کے باری باری تقرر کا مسئلہ بھی مشکلات پیدا کرے گا اور میں نا قابل عمل خیال نہیں کرتا۔ بہر حال میں یہ انتظام کر دوں گا کہ ایک لیگی ممبر گورنر جنرل اور وائس پریسیڈنٹ کی عدم موجودگی میں وزارت کے جلسوں کی صدارت کرے۔ لیکن ایک مسلم لیگی ممبر کو آرڈی نیشن کمیٹی کا وائس پریسیڈنٹ بھی نامزد کر دوں گا۔ میں اس کمیٹی کا چیرمین ہوں اور سابق میں تقریباً ہمیشہ ہی اس کی صدارت کرتا رہا ہوں لیکن آئندہ میں خاص خاص موقعوں پر اس کی صدارت کرونگا

(۶) میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ان تینوں نشستوں میں سے کسی کے خالی ہونے پر دونوں بڑی جماعتوں سے مشورہ لیا جائے گا۔

(۷) موجودہ حالات میں وزارت کے تمام محکمے بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور یہ اپنا اپنا خیال ہے کہ کون سے محکمے زیادہ اہم ہیں بڑے بڑے محکموں میں حصہ ملنے سے اقلیتوں کے نمائندوں کو محروم نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی مناسب ہوگا کہ مسٹر جگ جیون رام کو لیبر محکمہ کا انچارج رہنے دیا جائے اور بہت ہی اہم محکموں میں کانگریس اور لیگ کے درمیان مساویانہ تقسیم ہو گی۔ تفصیلات بات چیت سے طے ہو سکتی ہیں۔

(۸) مجھے اس سے اتفاق ہے۔

(۹) چونکہ وزارت میں شمولیت کی بنیاد ۱۶ مئی کے بیان کو منظور کرنا ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ مسلم لیگ کی کونسل بہت جلد اپنا اجلاس منعقد کرے گی اور اپنے بمبئی کے فیصلہ پر دوبارہ غور کرے گی۔

آپ کا مخلص (ویول)

وائسرائے کا خط مسٹر جناح کے نام ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۶ء

ڈیر مسٹر جناح

میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے آج شام کو آپ سے یہ کہا تھا کہ مسلم لیگ کو اس بات کی پوری آزادی ہے کہ وزارت میں اپنی

مقررہ نشستوں کے لئے جس کو چاہیں نامزد کر دیں لیکن تقرر سے قبل میری اور ملک معظم کی منظوری لازمی ہے۔

(۲) میں محکموں کے بارے میں اس وقت گفتگو کرنا چاہتا ہوں جب مجھے مسلم لیگ اور کانگریس کی جانب سے تمام نام موصول ہو جائینگے

لیگ کا رویہ

مسٹر جناح کا خط وائسرائے کے نام ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۶ء

ڈیر لارڈ ویول

آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے تمام مسئلہ پر پوری طرح غور کر لیا ہے اور مجھے یہ کہنے کا اختیار دیا ہے کہ وہ عارضی حکومت کو بنانے کی اس بنیاد اور اسکیم کو منظور نہیں کرتی جس کا آپ نے غالباً ملک معظم کی حکومت کی جانب سے فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے کمیٹی آپ کے اس فیصلہ سے متفق نہیں اور نہ یہ ہو سکتی ہے۔ جو آپ کر چکے ہیں اور نہ ہی ان انتظامات سے متفق ہے جو آپ پہلے ہی عمل میں لا چکے ہیں

ہمارا یہ خیال ہے اور ہم اس بات پر اب بھی قائم ہیں کہ اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کا مطلب ۸ اگست ۱۹۴۰ء کے اعلان کے منافی ہے لیکن چونکہ آپ کے فیصلہ کے مطابق ہمیں مسلم لیگ کی جانب سے ایگزیکٹیو کونسل کے لئے پانچ ممبر نامزد کرنے کا حق حاصل ہے اسلئے میری کمیٹی مختلف وجوہات کی بناء پر اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کے مفاد کے لئے یہ بات مہلک ہوگی کہ مرکزی حکومت

کا تمام کاروبار کانگریس کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے۔ اس کے علاوہ آپ کو اس بات کیلئے بھی مجبور کیا جائیگا کہ عارضی حکومت میں ایسے مسلمانوں کو لیا جائے جن کو مسلم ہند کا اعتماد حاصل نہیں۔ اس کے نتائج بہت خطرناک ہوں گے۔ اس کے علاوہ دوسری بہت ہونی اور معقول وجوہات کی بناء پر جن کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور جو بالکل عیاں ہیں ہم نے مسلم لیگ کی جانب سے آپ کی ۲۴ راگست کی براڈ کاسٹ تقریر اور آپ کے ۴ راور ۱۲ را کتوبر کے دو خطوں کی بنیاد پر ۵ اشخاص کو نامزد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

آپ کا مخلص
ایم۔ اے۔ جناح

وائسرائے کا خط مسٹر جناح کے نام۔ ۱۳ر اکتوبر ۴۶ئ

ڈیر مسٹر جناح!

آپ کے آج کے خط کا شکریہ مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ مسلم لیگ نے عارضی حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ براہ کرم مجھے اپنے ۵ نمائندوں کے نام بھیجدیجئے۔ کیونکہ مجھے ان کے نام منظوری کے لئے ملک معظم کے پاس بھیجنے ہوں گے اور یہ کہ میں حکومت کو جلد از جلد نئے سرے سے تشکیل دینا چاہتا ہوں۔

(۲) آپ نے کل وعدہ کیا تھا کہ مجھے آج نام بھیجدیں گے۔

لیگ کے نمائندے

مسٹر جناح کا خط وائسرائے کے نام۔ ۱۴ر اکتوبر ۴۶ئ

ڈیر لارڈ ویول!

آپ کے ۱۳ اکتوبر کے خط کا شکریہ۔ میں آپ کو مسلم لیگ کے ۵ نمائندوں کے نام بھیج رہا ہوں جیسا کہ ہماری کل کی ملاقات میں طے پایا تھا۔

(۱) مسٹر لیاقت علی خاں۔ آنریری سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ ایم۔ایل۔اے۔ (مرکزی)

(۲) مسٹر آئی۔آئی چندریگر ایم۔ایل۔اے بمبئی۔ صدر صوبائی مسلم لیگ اور لیڈر بمبئی اسمبلی لیگ پارٹی۔

(۳) مسٹر عبدالرب نشتر ایڈووکیٹ صوبہ سرحد ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ کمیٹی آف ایکشن و کونسل۔

(۴) مسٹر غضنفر علی خاں ایم۔ایل۔اے (پنجاب) ممبر کونسل آل انڈیا مسلم لیگ پراونشل مسلم لیگ و ممبر پنجاب مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی

(۵) مسٹر جوگندر ناتھ منڈل ایڈووکیٹ (بنگال) حال وزیر حکومت بنگال۔

آپ کا مخلص

ایم۔اے۔جناح

وائسرائے کا خط مسٹر جناح کے نام مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء

ڈیر مسٹر جناح

عارضی حکومت میں میں مسلم لیگ کو حسب ذیل محکمے دے سکتا ہوں۔ مالیات، کامرس، ڈاک دیر، صحت اور لیجسلیٹو۔

(۲) میں مشکور ہوں گا کہ اگر آپ مجھے یہ مطلع کریں کہ ان محکموں کو مسلم لیگی ممبروں کے درمیان کس طرح تقسیم کیا جائے۔

(۳) میں آج رات کو ایک اعلان کرنا چاہتا ہوں اور کل نئے ممبروں سے حلف اٹھوانا چاہتا ہوں

آپ کا مخلص ویول

عہدوں کی تقسیم

مسٹر جناح کا خط وائسرائے کے نام مورخہ ۲۵ راکتوبر ۱۹۴۶ء

ڈیر لارڈ ویول

آپ کا ۲۵ راکتوبر کا وہ خط مجھے ۵ بجے شام کو ملا جس میں محکموں کی تقسیم کے بارے میں آپ کا فیصلہ درج ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں اس تقسیم کو مساوی اور منصفانہ نہیں مان سکتا لیکن ہم تمام نشیب و فراز پر تبادلۂ خیالات کر چکے ہیں اور چونکہ آپکا فیصلہ آخری ہے اسلئے میں اس معاملہ کو مزید بڑھانا نہیں چاہتا۔

میں ان مسلم لیگی ممبروں کے نام بھیج رہا ہوں جن سے یہ ممبران کہہ کہ یہ محکمے کس طرح تقسیم کئے جائیں۔

مالیات :- مسٹر لیاقت علی خاں۔ | کامرس۔ مسٹر آئی۔ آئی چندریگر

پوسٹ اینڈ ایئر۔ مسٹر عبدالرب نشتر۔ | صحت۔ مسٹر غضنفر علی خاں

لیجسلیٹیو :- مسٹر جوگندر ناتھ منڈل

آپ کا مخلص :- ایم۔ اے جناح

ایک سازش کا انکشاف

روزنامہ "ہندوستان اسٹینڈرڈ کلکتہ" نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۱ ستمبر ۴۶ء میں امریکن مصنف "مسٹر لوئی فیشر" کا ایک بیان شائع کیا تھا۔ یہ بیان بہت طویل ہے۔ ہم اس کا اہم اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"ونسٹن چرچل ہندوستان کی آزادی کے سخت دشمن رہے ہیں۔ خود ان کی پارٹی کے بہت سے ممبر آزادیٔ ہند کے متعلق اختلاف رکھتے ہیں لیکن چرچل کی شاہیت پسند پالیسی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ مسٹر محمد علی جناح اور ان کی لیگ نے جس کے وہ صدر ہیں گذشتہ چند سالوں میں آزادیٔ ہند کے بارے میں کسی خلوص کا ثبوت نہیں دیا ہے۔

زمینداروں کا طبقہ جس کی لیگ کی کونسل اور کمیٹیوں میں بھاری اکثریت ہے متحدہ ہندوستان کی تعمیر کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں ان کا نقصان اور غریب کسانوں کا فائدہ ہے۔

اس لئے اس سے زیادہ قدرتی بات کیا ہو سکتی ہے کہ چرچل اور جناح کے درمیان گذشتہ مہینوں میں ہندوستان کی قسمت کے متعلق نامہ و پیام ہوتا رہا ہے اور ان دونوں نے نہایت رازدارانہ طور پر آپس میں خط و کتابت اور رابطہ کی ابتدا کی ہے۔

برطانوی وزارتی وفد کیبنٹ مشن کی تجاویز اور دستور ساز اسمبلی میں شرکت کو منظور کر لینے کے بعد مسلم لیگ کا ان تجاویز پر دوبارہ غور کرنا اور

کانسٹیٹوئنٹ اسمبلی سے مقاطعہ کا فیصلہ کر دینا چرچل کے ایک خفیہ خط کے بعد ظہور پذیر ہوا ہے۔

برطانوی مشن نے انتھک کوشش کی کہ سیاسی طاقت برطانیہ کے ہاتھوں سے ہندوستانیوں کو منتقل کر دینے کا راستہ صاف کر دے۔ مگر چرچل اور جناح دونوں ان کوششوں کو ناکام کرنے کی سعی میں مصروف ہیں۔

مسٹر جناح کے نئے طرزِ سیاسی کا ایک پہلو کلکتہ میں قتل و غارتگری کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ جو شخص اپنے پیروؤں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا وہ بالضرور بے لگام کر دے گا۔

طویل المیعاد تجاویز کو رد کر دینے میں مسٹر جناح نے انتہائی غیر ذمہ داری سے کام لیا ہے۔ لیکن چرچل کی غیر ذمہ داری اور بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے کیونکہ وہ بہت اونچے عہدے پر رہ چکے ہیں اور غالباً وہ امن و قانون کے مغربی اصول سے واقف ہوں گے۔

شاید جناح کو معلوم نہ ہو کہ چرچل کا اثر برطانیہ میں اور ٹوری پارٹی میں کس حد تک زائل ہو چکا ہے لیکن چرچل شاید یقین رکھتے ہیں کہ جناح کے ذریعے مزدور حکومت کو ہندوستان آزاد کرنے سے باز رکھیں گے ....

درحقیقت یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جناح اور ان کی مسلم لیگ یعنی زمینداروں کی تنظیم، چرچل کی شاہیت پسند ٹوری پارٹی کی طرف جھکی ہوئی ہے تعجب کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کے سمجھدار اور روشن خیال طبقے جناح کی حمایت میں پیش پیش رہے ہیں۔ (ہندوستان اسٹینڈرڈ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۱ و ۵)

مسٹر جناح صاحب نے ۱۳ راگست ۱۹۴۶ء کو ایک بیان کے ذریعہ اس الزام کی تردید کرنی چاہی مگر اس تردید کو اعتراف بھی کہا جا سکتا ہے۔

مسٹر جناح کے مکمل بیان کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

میری توجہ اس پریس نوٹ کی طرف مبذول کرائی گئی جو کہ مسٹر مائیکل فوٹ ممبر پارلیمنٹ نے (لیبر حکومت کے سرکاری ترجمان) ڈیلی ہیرلڈ میں شائع کی ہے کہ ایک زمانہ سے میرے اور چرچل کے درمیان خط وکتابت ہو رہی ہے۔ یہ غلط اور شرارت آمیز ہے۔ میں نے مسٹر ایٹلی وزیر اعظم برطانیہ کو ۶ رجولائی ۱۹۴۶ء کو لکھا کہ کس طرح وزارتی وفد اور وائسرائے نے مسلم لیگ کو نظر انداز کیا ہے اور اس کے ساتھ میں نے اپنے بیانات مورخہ ۶، ۷ ر۲۰ رجون مع چند دیگر ضروری کاغذات کے شامل کر دیئے تھے۔ یہ خط وزارتی وفد کی روانگی کے وقت لکھا گیا تھا کیونکہ یہ اعلان کیا گیا تھا کہ یہ تمام معاملات پارلیمنٹ کے سامنے رکھے جائیں گے۔

اسی قسم کا ایک خط میں نے مسٹر چرچل کو بھی لکھا جس میں چند ضروری کاغذات اور تفاصیل شامل تھیں۔ اس کے بارے میں ایٹلی کو بھی مطلع کر دیا تھا مجھے دونوں کے جوابات موصول ہوئے ہیں۔ پھر دونوں کو تفصیلی حالات سے مطلع کیا جو نازک صورت اختیار کرنے والے ہیں۔

{روزنامہ ہندوستان اسٹنڈرڈ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء
صفحہ ۷ کالم ۵}

ممکن ہے بقول مسٹر جناح "ایک زمانہ" سے چرچل جناح خط وکتابت کا سلسلہ

نہ رہا ہو۔ لیکن اس الزام کے جواب سے مسٹر جناح نے پہلو بچالیا کہ جبکہ وسط جون میں وزارتی مشن کی تجاویز کو منظور کر چکے تھے تو اواخر جولائی میں ان سے انکار کرنا چرچل کے کسی خفیہ خط یا اشارہ سے نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں دسمبر ۴۶ء اور مارچ ۴۷ء میں پارلیمنٹ میں مسٹر چرچل نے جو تقریر کی وہ "کنزرویٹو" اور لیگ"۔ "چرچل" اور "جناح" اتحاد نظر اور قدرتی تعاون اور اشتراک کا بین ثبوت اور شاہد عدل ہے۔

(یہ تقریریں آئندہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیے۔)

فسادات کا سلسلہ

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ۲۹ رجولائی ۴۶ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے اجلاس بمبئی میں ڈائرکٹ ایکشن کی تجویز پاس کی اور ۱۶ راگست ۴۶ء مطابق ۱۸ ررمضان ۱۳۶۵ھ یوم جمعہ اس کے لئے مقرر کیا گیا۔

اس وقت پورے ہندوستان میں صرف صوبہ بنگال کی وزارت میں لیگ کی طاقت قابل اطمینان تھی۔ سندھ میں سر غلام حسین ہدایت اللہ کی وزارت اگرچہ لیگی تھی مگر صرف ۲ ووٹ کی اکثریت اس کو حاصل تھی۔ سرحد میں کانگریسی وزارت تھی۔ اور پنجاب میں یونینسٹ کی وزارت۔ صرف صوبہ بنگال ہی ایسا صوبہ تھا کہ وہاں من مانی کارروائی کی جاسکتی تھی چنانچہ وزارت بنگال نے ۱۶ راگست کو عام تعطیل کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ ایک گورنمنٹ اور ایک حکومت۔ صرف اسی صورت میں ہڑتال کر سکتی تھی۔

نفسیاتی طور پر اس کا اثر عوام پر اور بالخصوص اوباش طبقہ پر یہی پڑ سکتا تھا کہ اس تاریخ کی کارروائیوں میں حکومت کی پشت پناہی ان کو حاصل ہے۔

یکم رمضان (۳ر اگست) سے ۱۱ر رمضان (۱۳ر اگست) تک کاتب حروف کا قیام کلکتہ میں رہا۔ ہم نے دیکھا کہ حکومت کے اس فعل سے کوتاہ اندیش عوام کے حوصلے بلند تھے اور خود لیگیوں کا سنجیدہ طبقہ وزارت کی اس ناعاقبت اندیشی کے خطرات سے خائف تھا۔

مزید براں عوام کے جذبات میں ہیجان پیدا کرنے کے لئے جس قسم کی تقریریں کی گئیں اور تحریریں شائع کی گئیں ان کا اندازہ ایک اشتہار کے عنوان سے ہوتا ہے جو سید محمد عثمان صاحب "سکریٹری کلکتہ ضلع مسلم لیگ" نے طبع کرا کر شائع کیا تھا عنوانات ملاحظہ ہوں۔

آل انڈیا یوم نفیر جہاد پاکستان اور دس کروڑ مسلمانان ہند کی امام بندی۔

اسلامی ہند اور اسلامی دنیا کی آزادی کے لئے مسلم لیگ کا اقدامی قدم

نفیر جہاد پر لبیک کہو۔ ملت اسلامیہ کی امام بندی ہے، [illegible] اپنے [illegible]

کا فاتحانہ آغاز کرو۔

کوشش کرو کہ کوئی تندرست [illegible] گھر میں نہ رہے اور دس لاکھ انسان میدان

میں جمع ہو جائیں۔

مسلمانو اٹھو۔ نئی شان سے اٹھو۔ طوفان و سیلاب بن کر اٹھو۔ اور دنیا کو

اپنے اٹھان اپنے ابھار اور اپنے انقلاب سے حیران کردو۔

ضمنی سرخیاں تھیں۔ راست عمل جہاد و انقلاب کی تاریخی قرارداد ـــ آل انڈیا

یوم نفیر جہاد پاکستان کا پروگرام۔
اس طویل پوسٹر کے آخر میں درج تھا۔
۱۶ر اگست ۴۶ئہ کا یہ آل انڈیا مظاہرہ پاکستان کی انقلابی جنگ اور ہمارے نئے دور جہاد کا مظاہرہ آغاز ہے۔ پس لازم ہے کہ آپ کم از کم دس لاکھ انسانوں کا ایسا مظاہرہ پیش کیجئے کہ اندھے بھی دیکھ لیں۔ بہرے بھی سن لیں اور گونگے بھی بول اٹھیں کہ مسلمان قوم اللہ کی زبان۔ اللہ کی اٹل تقدیر ہے۔ اور آزادی اس کا حق ہے۔ یاد رکھئے یہ مسلمانان ہند کی آل انڈیا جماعت "مسلم لیگ" کا پہلا انقلابی قدم ہے۔ وغیرہ وغیرہ

کاتب حروف ۱۱ر رمضان کو کلکتہ سے روانہ ہوکر ۱۳ر رمضان کو بمبئی پہنچ گیا۔ حکومت کی طرف سے ۱۶ر اگست کے لئے کافی انتظامات تھے۔ کچھ فوجی دستے بھی طلب کر لئے گئے تھے۔ ۱۶ر اگست خیریت سے گذر گیا۔ مگر طلبہ لاریوں پر سوار ہوکر نعرے لگاتے ہوئے شہر کا گشت کرتے رہے اور جا بجا موٹو پر اقبال مرحوم کا یہ شعر لکھا ہوا تھا:۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

بہرحال "آل انڈیا یوم نفیر جہاد پاکستان"۔۔۔ "نئے دور جہاد کا مظاہرہ آغاز"۔۔۔ یا۔۔ "مسلم لیگ کا پہلا انقلابی قدم" کشت و خون قتل کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ ہندوستان کا یہ سب سے بڑا شہر ایک ہفتہ تک وحشت و بربریت کا آماجگاہ بنا رہا۔ بوڑھوں اپاہجوں، عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے میں

درندگی اور سنگدلی کی بدترین مثالیں قائم کی گئیں۔ جائدادیں تباہ کی گئیں۔ دوکانیں نذر آتش کر دی گئیں۔

مگر عجیب بات یہ تھی کہ نہ کسی پولیس مین کو کوئی گزند پہنچا۔ نہ کسی یوروپین یا اینگلو انڈین کے کوئی خراش آیا۔ اس دور وحشت میں بدمعاشوں غنڈوں اور لٹیروں کا راج تھا۔ ہر ایک باعزت آبرو باختہ تھا۔

ایک ہفتہ کے بعد بحرانی کیفیت میں تخفیف ہوئی۔ مگر امن و اطمینان مفقود تھا۔ اکے دکے حملے اور لوٹ مار کی کوشش آج تک جاری ہے اور دس ماہ گذر چکنے کے باوجود کلکتہ والوں کو اطمینان نصیب نہیں۔ پاکستان شریف کے اس مرکزی شہر میں مسلمانوں کی سلامتی صرف چند محلوں میں محدود ہو گئی ہے۔

جانی اور مالی نقصانات کے صحیح اعداد و شمار آجتک نہیں حاصل ہو سکے۔ ہلاک شدگان کی تعداد پانچ ہزار[1] نفوس سے لیکر چالیس ہزار[2] تک بیان کی جاتی ہے اور مالی نقصانات کے متعلق تقریباً دو ارب کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

اس طوفان قتل و ذبح کے بعد جب جائزہ لیا گیا تو جہاد پاکستان کے نبرد آزما ماتم کر رہے تھے کہ ساٹھ فیصدی مسلمان کام آ گئے اور بھارت ورش کے ہندو اور سکھ سورما کف افسوس مل رہے تھے کہ ان کا مالی نقصان ستر فیصدی ہو گیا۔

اس ہنگامہ خونیں کا بدترین نتیجہ یہ تھا کہ بے پناہ قتل و غارت کے باوجود کسی فریق کا دل ٹھنڈا نہیں ہوا۔ ہر ایک فریق کو اس احساس نے آمادہ انتقام کر دیا کہ "زیادہ نقصان ادھر کا ہوا ہے"۔

---

[1] بموجب بیان وزیر ہند۔ [2] بموجب بیان گورنر سی۔ پی

اس نامراد رزم نے ایک بدعت ایجاد کی۔ یعنی منظم اور اجتماعی حملے۔ اگرچہ تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو کی بنیادی پالیسی نے حکومت برطانیہ کے آغاز اور بالخصوص جداگانہ انتخاب کے رواج کے بعد سے سینکڑوں مرتبہ ایک قصبہ ایک شہر کے رہنے والوں ملکی اور وطنی بھائیوں کو آپس میں دست و گریبان کیا تھا۔ مگر ہزاروں کے مجمع کی ایک دوسرے کے مقابلہ میں لام بندی کی نوبت کبھی نہیں آئی تھی

فسادات کلکتہ کے منظم اجتماعی حملوں کی تباہ کن مثال قائم کردی۔ فسادات کلکتہ سے تقریباً بیس روز بعد وسط ستمبر میں ضلع مظفر پور صوبہ بہار کے ہندوؤں نے اس مثال کی تقلید کی۔ جبکہ دیہات کے ہزاروں ہندوؤں نے اجتماعی طور پر "بنی آباد" کے مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ حافظ محمد شفیع صاحب اور ان کے خاندان کے چند افراد اور ان کے علاوہ چند مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ مگر چونکہ خود بنی آباد کا ایک شخصی معاملہ اس کا محرک تھا لہٰذا اس کو فسادات کلکتہ کا ردعمل نہیں کہا جاسکتا۔ حکومت بہار نے اگرچہ حملہ آوروں کو عبرت آموز سزا دینے میں چستی سے کام نہیں لیا۔ مگر تاہم یہ فساد بنی آباد سے آگے ہی نہیں بڑھ سکا اور صوبہ کے حالات قابو میں رہے۔

جوں جوں فساد کلکتہ پر دن گذرتے جارہے تھے۔ ملک کی ظاہری سطح میں سکون اور اطمینان پیدا ہو رہا تھا۔ اور غالباً مسٹر جناح اور قائدین لیگ بھی مزید ہنگاموں سے مایوس ہوچکے تھے۔ چنانچہ ۱۲ اکتوبر ۴۶ء کو اس پستی اور فروتنی کے ساتھ "عارضی حکومت" میں داخلہ منظور کرلیا تھا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

فسادات نواکھالی لیکن یکایک پورے ہندوستان میں سنسنی پھیل گئی جب ۱۵ اکتوبر ۴۶ء کو یہ خبر شائع ہوئی کہ ضلع نواکھالی بنگال میں مسلمانوں نے وہاں

نے آسمان کو سر پر اٹھالیا۔ اور جس سے تمام ہندوستان کے ہندوؤں کو مشتعل کر دیا۔ صرف سوا دو سو یا ڈھائی سو ہندو ہلاک ہوئے۔ البتہ جبریہ تبدیل مذہب اور اغوا کے واقعات بکثرت ہوئے۔ چند دیہات کو لوٹا گیا اور برباد کیا گیا۔

ہمسایہ اور پڑوسیوں کے ساتھ یہ حرکت اگرچہ اسلامی نقطہ نظر سے انتہا درجہ نفرت انگیز تھی۔ لیکن جہاد اسلامی کا بگڑا ہوا دھندلا سا نقش جوان کے دماغوں میں تھا اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ہزاروں جانیں قتل و خون سے بچ گئیں اور نمایشی اسلام نے بھی حملہ آوروں کے خنجروں کو کند کر دیا۔

فسادات بہار نواکھالی کے اس ہنگامہ کی خبر پاتے ہی صوبہ بہار میں انتقام کی تیاری ہونے لگی۔

نواکھالی کے ہندوؤں کا ایک گروہ دہلی پہنچا۔ اول شہر کے ہندوؤں کو بھڑکانے کی کوشش کی۔ ہندو دھرم کے نام پر عام ہڑتال کی اپیل کی۔ اس میں ناکامی رہی تو گاندھی جی کی پرارتھنا میں پہنچ گئے اور۔ سہروردی کی وزارت برباد۔ "نواکھالی کا بدلہ لیں گے" جیسے اشتعال انگیز نعروں سے آسمان کو سر پر اٹھالیا۔

اس واویلا سے متاثر ہو کر گاندھی جی نے بھی پرارتھنا میں کہہ دیا کہ ہندو بھائیوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کے طور پر اس سال دیوالی میں چراغاں نہ کرنی چاہئے۔ ممکن ہے گاندھی جی کو اندازہ نہ ہوا ہو کہ ان کے اس جملہ کا عوام پر کیا اثر ہوگا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ شر انگیز طبقہ نے اس جملہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور تحریک انتقام کو عام دماغوں پر مسلط کر دیا۔

ملک اور ملک کی نمائندہ جماعت یعنی کانگریس کی بدقسمتی تھی کہ اس سال کانگریس

کی صدارت کا ٹیکہ اچاریہ کرپلانی کے ماتھے پر لگ گیا۔

نواکھالی میں ہندو جاتی کی مصیبت کی داستان سن کر اپنی لیڈی صاحبہ کے ساتھ وہ نواکھالی پہنچ گئے اور ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو ایک بیان دے دیا۔

تحریک انتقام کے علمبرداروں کو ایک اور نادر ترین موقعہ میسر آگیا۔ ہندو پریس نے اشتعال انگیز نمایاں سرخیوں کے ساتھ اس بیان کو شائع کیا اور انتقامی جذبات میں اشتعال پیدا کر دیا۔

ان خارجی اسباب کے علاوہ بہار کے وہ ہزاروں ستم رسیدہ ہندو تھے[ف] جنکو

[ف] یہ بیان ۱۲ نمبروں پر مشتمل ہے۔ اہم نمبر یہ ہیں۔ (۱) نواکھالی اور ٹپرہ کے اضلاع میں جو حملہ ہوا وہ طے شدہ مسلم پالیسی و تیاری کے بعد کیا گیا۔ اگر براہ راست مسلم لیگ نے اس میں حصہ نہیں لیا تب بھی یہ اس کے پروپیگنڈے کا ثمرہ ہے۔ (۲) حکام کو پہلے سے اطلاع دیدی گئی تھی مگر انہوں نے کوئی انتظام نہیں کیا۔ مسلمان افسروں نے چشم پوشی اختیار کی۔ مسلمانوں کا عام خیال تھا کہ ہندوؤں کے خلاف جو کچھ بھی کیا جائیگا حکومت کوئی کارروائی نہیں کریگی (۳) سینکڑوں کی تعداد میں اکٹھا حملہ کیا گیا۔ ادائیگی کیلئے جبریہ چندہ وصول کیا جاتا تھا اور بعض دفعہ کلکتہ کے مصیبت زدگان کیلئے چندہ وصول کرتے تھے مسلم لیگ زندہ باد لیکے رہینگے پاکستان کے نعرے لگاتے تھے۔ ہندو آبادی سے یہ بھی کہا گیا کہ یہ لوٹ مار اور قتل کلکتہ میں مسلمانوں کا انتقام ہے۔ جبریہ مسلمان ہو جانے کے بعد بھی بسا اوقات ہر ایک چیز کو لوٹ لیا۔ ہندو گھروں کی مورتیاں توڑیں۔ مندر لوٹ لئے گئے۔ جبریہ شادیاں۔ زنا بالجبر۔ ایک جگہ غنڈوں نے عورتوں کو لٹا کر ان کی پیشانیوں کے تلک پاؤں کے انگوٹھوں سے مٹائے۔ پولیس کی تھی۔ میں اپنے بچاؤ کے سوا گولی چلانیکا حکم نہیں۔ تمام ہنگاموں کے باوجود گیارہ ہفتہ کے عرصہ میں صرف پچاس مسلمان گرفتار کئے گئے (ملخصاً تیج ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء $\frac{۲۳۳}{۲۵۶}$)

[ف] یہ تمام ستم مسلمان کلکتہ پر بھی ہوئے مگر وہ صوبہ بہار میں اقلیت میں تھے قدرتاً انتقامی جذبات کے اندر نہیں بھڑک سکتا تھا۔ جب یہ

کلکتہ کے فسادات میں ذاتی طور پر نقصان پہنچا تھا۔ کسی کا بھائی قتل کر دیا گیا۔ کسی کی بیوی ذبح کر دی گئی تھی۔ کسی کا لخت جگر خاک و خون میں غلطاں کر دیا گیا تھا۔ وہ بہار کی سرزمین میں مسلمانوں کو دیکھ کر تلملا رہا تھا۔ ہر ایک مسلمان صورت اس کے دل کے زخم کو تازہ کر رہی تھی۔ یہ لوگ عموماً ہندوؤں کے نیچے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اخلاق سے ناآشنا رحم و کرم سے بے بہرہ۔ اشتعال کے وقت وحشی درندہ اور غصہ کے وقت گرگ خون چشیدہ۔

ان کی آواز ہندو طبقہ میں کچھ زیادہ اثر نہ رکھتی تھی۔ لیکن نواکھالی کے واقعات نے جب ہندوؤں کے دماغوں کو ماؤف کر دیا تو ان کی آواز تحریک انتقام کا اہم جزو بن گئی۔

بہار کے دفاتر سکریٹریٹ اور سرکاری محکموں میں بنگالی ہندوؤں کی کثرت ہے۔ تحریک انتقام کو قدرتی طور پر اس طبقہ کی ہمدردی بھی حاصل تھی اور یہ طبقہ اس تحریک کیلئے وہ سب کچھ کر سکتا تھا جو اس کے امکان میں تھا۔

پولیس کو کانگریسی وزارت سے خدا واسطے کا بغض تھا۔ یوروپین افسروں کی دلچسپی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب پٹنہ ضلع میں قتل و خون کا بازار گرم تھا تو گورنر صاحب بہادر اپنی میم صاحبہ کے استقبال کے لئے ٹرین کے ذریعہ بمبئی تشریف لے گئے تھے۔

دیہات تباہ کئے جا رہے تھے۔ بلوائیوں کے جھرمٹ اور بڑے بڑے گروہ قیامت بپا کئے ہوئے تھے۔ مگر سری کرشن سنہا وزیر اعظم کی دوڑ دھوپ اور بار بار کی جدوجہد کے بعد جو فوج انتظام اور حفاظت کے لئے ملی تھی۔ وہ صرف بڑی بڑی سڑکوں

پرگشت کررہی تھی جو دیہات سڑکوں سے فاصلہ پر تھے اور تباہی اور بربادی کا نشانہ بن رہے تھے وہاں تک پہونچنے کی ان کو ہدایت نہ تھی۔ گولی چلانے میں بھی وہ بہت محتاط واقع ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ جنگ فرقہ وارانہ تھی۔ انگریز کے مقابلہ پر سیاسی[۱] جنگ نہیں تھی۔ مختصر یہ کہ وزیر اعظم کا کنٹرول نہ پولیس پر تھا نہ فوج پر۔ اور پھر وزراء کی باہمی چپقلش نے شہید سہروردی کی طرح سنہا کے کام کو بھی دشوار کردیا تھا۔

ان فسادات کا سلسلہ ۲۵ر اکتوبر ۴۶ء کو چھپرا شہر اور تحصیل چھپرا (چھپرا سب ڈویژن) سے شروع ہوا۔ اور ۵ر نومبر ۴۶ء ۱۰ر ذی الحجہ ۶۵ھ تک اس کا سلسلہ شدومد سے جاری رہا۔

ضلع پٹنہ کے سب ڈویژن باڑھ۔ سب ڈویژن بہار شریف اور صدر سب ڈویژن بہار یعنی تحصیل پٹنہ۔

ضلع گیا کی صدر سب ڈویژن یعنی تحصیل گیا اور سب ڈویژن جہان آباد۔ سب ڈویژن نوادہ

شہر مونگیر۔ اور تحصیل مونگیر نیز تحصیل جموئی ضلع مونگیر کا ایک گاؤں۔ شہر بھاگلپور اور تحصیل بھاگلپور نیز تحصیل بانکہ ضلع بھاگلپور کے چند مواضعات۔

ضلع سنتھال پرگنہ کی تحصیل صاحبگنج اور تحصیل گڈا کے سرحدی مواضعات مذکورہ بالا یہ تحصیلیں اس فساد کی آماجگاہ رہیں اور کم و بیش دس ہزار مسلمان مرد عورتیں اور بچے اس فساد کی نذر ہوگئے۔ ہزاروں گھر تباہ اور لاکھوں

---

[۱] معلوم ہوا ہے کہ گورنر نے یہی وجہ بیان کی۔ اور جب تک سنہا سے اس مضمون کی تحریر نہیں حاصل کرلی کہ کانگریسی حکومت فیل ہوگئی حسب ضرورت فوج کا انتظام نہیں کیا۔

مسلمان خانماں برباد ہو گئے۔

یہ حملے اجتماعی طور پر ہوئے۔ ایک ایک حملہ میں ہزاروں بلوائیوں نے حصہ لیا۔ بہت سے مواقع پر مسلمانوں نے استقلال سے مقابلہ کیا۔ بعض بعض جگہ وہ کامیاب بھی ہو گئے مگر عموماً ناکامی رہی۔ درحقیقت ایک سیلاب کی صورت تھی۔ بلوائیوں کے ہجوم نے جس طرف رخ کر لیا۔ تباہ و برباد کرتا ہوا چلا گیا۔ مال و اسباب لوٹا گیا۔ مکانات نذر آتش کئے گئے۔ آبادیوں کو برباد کیا گیا۔ بچوں اور عورتوں کو ذبح کیا گیا۔ کمزور انسانوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ غرض وحشت۔ بربریت۔ خونخواری اور کمینگی کی جو حرکتیں ہو سکتی ہیں انتہائی بے حیائی کے ساتھ اس کا مظاہرہ کیا گیا۔

مگر عصمت دری۔ اغوا۔ اور تبدیل مذہب کے واقعات بہت کم پیش آئے کیونکہ ان کے جذبہ انتقام یا جذبہ درندگی اور وحشت کو سکون صرف ذبح و ذبح ہی سے ہوتا تھا۔

<u>حادثہ گڈھ مکتیسر</u> ابھی [illegible] طرح فرو نہ ہوئے تھے کہ ۶ نومبر ۴۶ء ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ کو گڈھ مکتیسر [illegible]

گڈھ مکتیسر ضلع میرٹھ کا ایک [illegible] ہندوؤں کیلئے ایک تیرتھ کی حیثیت رکھتا ہے۔

کسی زمانہ میں یہ دریائے گنگا کے کنارہ پر تھا۔ مگر اب دریائے گنگا اس قصبہ سے تقریباً ۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔

اس مقام پر دریائے گنگا ضلع میرٹھ اور ضلع مراد آباد کے درمیان حد فاصل ہے

چنانچہ نوچندی کے میلہ میں جو کاتک مہینہ میں گنگا کے دونوں کناروں پر لگتا ہے گڈھ مکتیسر کے جانب میلہ کے انتظامات کی نگرانی کلکٹر میرٹھ کے سپرد ہوتی ہے اور دوسری جانب میلہ کے انتظامات مرادآباد کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کرتا ہے۔

اس میلہ میں تقریباً چھ سات لاکھ ہندوؤں کا اجتماع ہوتا ہے۔

۶ر نومبر کو دوپہر کے وقت ایک تماشہ گاہ پر فساد کا آغاز ہوا۔ اور ہندوؤں کی ایک مخصوص ٹولی نے جس کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ رہتک کے جاٹوں کی جماعت تھی مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔

اس حقیقت کو چھپا لینا فن تاریخ کی دیانت کے خلاف ہے کہ عام ہندو مسلمانوں کے قتل کے درپے نہ تھے۔ بلکہ اس فساد سے وہ بھی سراسیمہ ہو گئے۔ اور میلہ سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عام ہندوؤں نے مسلمانوں کی حفاظت کی۔ اور ان کو اس نرغہ سے نکال دینے میں عجیب عجیب صورتیں اختیار کیں۔

تاہم قتل و غارتگری کا یہ سلسلہ رات کے ۹ دس بجے تک جاری رہا۔ اور پولیس قابو نہ پا سکی۔ ۷ر نومبر کو میلہ میں غالباً اس لئے امن رہا کہ تمام مسلمان نکل چکے تھے۔ البتہ اس غارتگر اور سفاک جماعت نے گڈھ مکتیسر کا رخ کیا مسلمانوں کا جو محلہ سامنے آیا اسکو برباد کر دیا۔

تقریباً پونے دو سو مسلمان مرد عورتیں اور بچے شہید کر دیئے گئے اور لاکھوں روپیہ کا مال تباہ کر دیا گیا۔ میلہ میں شہید ہونیوالے مسلمانوں کی تعداد اس کے ماسوا ہے۔ اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ بچ نکلنے کے امکانات میلہ میں بہت کافی تھے اور مسلمانوں

نے ان سے فائدہ بھی اٹھایا۔ تاہم دو سو کے قریب مسلمان میلہ میں بھی شہید کر دیئے گئے۔

اس قتل و غارتگری کی نوعیت کو واضح کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے وفد کی رپورٹ کا یہ فقرہ کافی ہے۔

بے رحم قاتلوں کے اس گروہ سے جو انسانیت سوز اور نفرت انگیز حرکات اس قتل عام میں کی ہیں ان کے آثار اور شہادتوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو نہ اپنی انسانیت کا شعور تھا۔ نہ اُن مظلوموں کے جاندار ہونے کا کوئی احساس تھا جو ان کی درندگی اور بہیمیت کا شکار ہوئے۔ جوانوں، بوڑھوں، عورتوں، اور بچوں کا قتل عام زندہ جلانا۔ بچوں کی تڑپتی ہوئی نعشیں نیزوں پر چڑھانا، ماؤں کی گودوں میں سے چھین چھین کر ان کو ہلاک کرنا۔ بوڑھی عورتوں کو چھتوں اور بالاخانوں سے گرا کر ہلاک کرنا، اور عورتوں کے ساتھ ہر وہ بے رحمانہ اور قابل لعنت سلوک کرنا، جو ایک آبرو باختہ غنڈہ کے دماغ میں آسکتا ہے گڑھ مکتیسر کے فسادیوں کی وہ حرکات ہیں جن پر انسانیت ہمیشہ شرماتی رہیگی۔

اس ہولناک فساد میں راشٹریہ سیوک سنگھ اور جاٹ کانفرنس کی اشتعال انگیزیوں کو بڑا دخل ہے۔ اور اول الذکر کی تو شرکت بھی بتائی جاتی ہے۔

اسی بیان میں کہا گیا ہے کہ:-

میلہ میں اور قصبہ میں بہت سے ہندوؤں نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کی - اور مختلف طریقوں سے بلوائیوں کے نرغے سے نکالا - اور اس سلسلہ میں بعض ہندوؤں کو زدوکوب بھی کیا گیا - اور مسلمانوں کو پناہ دینے کے جرم میں اُن کے مال و اسباب کو لوٹ لیا گیا - چنانچہ مقامی ہسپتال کے ایک ہندو ڈاکٹر کا مکان اس لئے تباہ کر دیا گیا کہ اس نے بابو نورالدین صاحب مرحوم اور ان کے بعض رفقاء کو بچانے کی کوشش کی تھی۔

رپورٹ جمعیۃ علماء ہند - بحوالہ انصاری ۲ دسمبر ۴۶ء

(سنڈے ایڈیشن)

ردعمل گڑھ کے اس واقعہ نے ضلع میرٹھ کے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا - چنانچہ موضع شاہجہانپور کے مسلمانوں نے "یاتریوں" کے ایک قافلہ کو ختم کر دیا - جس میں ۲۵ ہندو تھے اور بیل گاڑیوں کے ذریعہ سے یہ قافلہ سفر کر رہا تھا تین پہلوان جو اس قافلہ کی گاڑیوں کو ہانک رہے تھے مسلمان تھے مگر جوش انتقام کے اشتعال نے تمیز کی قوت ختم کر دی تھی۔

خطرہ تھا کہ یہ میرٹھ کے ٹڈی دل یاتری موضع شاہجہانپور اور کٹھور پر جو بند دیہات کے وسیع حلقہ میں گھرے ہوئے ہیں، حملہ کر کے ان قصبوں کا نام و نشان ختم کر دیں گے - مگر مسٹر پنتھ وزیر اعظم یو - پی - اور مس مردولا بائی جنرل سکریٹری انڈین نیشنل کانگریس کی انتھک کوششوں نے میلہ والے ہندوؤں کو روکنے اور ان کے اشتعال کو فرو کرنے میں کامیابی حاصل کر لی -

ڈاسنہ کے قریب اسی قسم کا ایک دوسرا ہنگامہ ہوا۔ اسٹیشن ڈاسنہ پر گاڑی میں سوار ہونیوالوں اور میلہ سے واپس ہونیوالے ہندؤں کے درمیان گاڑی میں سوار ہونے پر جھگڑا ہوا۔ اس نے فوراً ہی ہندو مسلم بلوہ کی شکل اختیار کرلی۔ جو ہندو گاڑی پر سوار تھے وہ بھاگنے لگے۔ انتہا یہ کہ جب گاڑی دہلی پہنچی تو اس میں صرف چار ریلوے کے ملازم تھے اور ۹ لاشیں تھیں۔

بہر حال گڈھ اور ڈاسنہ و شاہجہانپور کے ہنگاموں میں تقریبًا پانچسو آدمی ختم ہو گئے۔ یہ بات قابل تذکرہ ہے کہ اسی میلہ کے دوسرے حصہ میں جو گنگا کے دوسرے کنارہ پر ضلع مرادآباد میں تھا ایک متنفس کے نکسیر بھی نہیں پھوٹا۔

ضلع مرادآباد کا کلکٹر بھی جاٹ برادری کا ہندو دھرپال سنگھ تھا۔ مگر اس نے میلہ کے دوسرے حصہ میں فساد کی خبر پاتے ہی پل کے راستہ کو بند کردیا تاکہ فسادی گروہ اس طرف نہ آسکے اور میلہ میں خود گشت کرکے مسلمان دوکانداروں کے مال کی حفاظت کا خود ذمہ لیا اور تمام مسلمانوں کو ہدایت کی کہ فوراً یہاں سے روانہ ہوجائیں چنانچہ تمام مسلمان اور اور ان کے مال واسباب محفوظ رہے۔

بہر حال کلکتہ۔ بمبئی۔ نواکھالی۔ بہار اور گڈھ کے ہنگاموں نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک نہایت شرمناک اور ننگ انسانیت مثال قائم کردی ان کے بعد صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے فسادات بھی اگرچہ وحشت و بربریت میں کم نہیں اور تحفظ انسانیت ان کی وجہ سے بھی ماتم زدہ ہے مگر اس کے اسباب ہمارے خیال میں کسی قدر مختلف ہیں اسی لئے ہم ان کو "لیگ کے دوسرے قدم" کے زیر عنوان علیحدہ باب میں بیان کرینگے (انشاءاللہ)

مسٹر جناح کے تاثرات

بہار اور گڈھ وغیرہ کے ہنگاموں کے بعد اکثر مسلمانوں نے توجمعیۃ علماء اور قوم پرور مسلمانوں پر برہمی اور نفرت وملامت کا اظہار شروع کر دیا اور ایک عجیب وغریب اور بالکل ہی انوکھے استدلال کے ساتھ یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر یہ مسلمان ہندوؤں کا ساتھ نہ دیتے تو نہ ہندو تحریک آزادی میں یہ کامیابی حاصل کر سکتا تھا اور اس کی یہ ہمت ہو سکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے۔

حالانکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت کے بعد مسلمانوں کی اسّی فیصدی اکثریت نے تحریک حریت اور تحریک کانگریس کی مخالفت کی۔ اور آزادی کے متعلق عام مسلمانوں کے جذبات خواہ کچھ بھی ہوں مگر ان کے رجعت پسند لیڈروں نے کانگریس کی تحریک کو ہندوازم اور رام راج کی تحریک قرار دے کر حامیان تحریک کو زیادہ سے زیادہ مطعون کرنے اور ٹوری انگریزوں کی حمایت اور اعانت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا۔ لیکن باایں ہمہ انقلاب کی جو روح پیدا ہو چکی تھی۔ فطرت کے قانون کے بموجب اس کو بڑھنا تھا۔ ترقی کرنا تھا اور کامیاب ہونا تھا۔ قدرت کا یہی قانون ہے کہ کمزور اور قوی۔ محکوم اور حاکم۔ غلام اور چیرہ دست آقا کی جنگ میں کمزوروں کی امداد ہوتی ہے۔ چیرہ دست کی چیرہ دستی ختم ہوتی ہے زمام اقتدار قوی کے بجائے کمزوروں کے ہاتھ میں آتی ہے۔

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمۃ ونجعلہم	ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو ملک میں کمزور کر دیے گئے ہیں اور انکو زعیم

الوارثین ونمکن لھم فی الارض۔ (سورہ قصص ۱۶)	بنادیں اور اُن کو (ملک کا) وارث کریں۔ اور ملک میں اُن کو اقتدار بخشیں۔

درحقیقت علماء نے ہندو کا ساتھ نہیں دیا۔ بلکہ انھوں نے نظر غائر سے فلسفۂ انقلاب کا مطالعہ کرکے مسلمانوں کو انقلاب کی زد سے بچانا چاہا اور یہ کوشش کی قانون فطرت کے اجراء و نفاذ کے لئے ہندوؤں کی طرح مسلمان بھی انقلاب کا دست بازو بنکر ہند کو سنانو سا ئلانہ حیثیت میں نہ آئیں۔ بلکہ وہ ایک سہیم و شریک کی حیثیت سے برابر کے حصہ دار ہوں۔

انقلاب کی گردشیں جو اغنیاء کو فقراء۔ اہل عزت کو ذلیل و رسوا کر دیا کرتی ہیں وہ مسلمانوں کے برخلاف نہ ہوں۔ بلکہ مسلمانوں کے ہاتھ انقلاب کی گردشوں پر قابض ہوں اور اس سیلاب کی زد میں صرف وہی لوگ آئیں جو سامراج پسند۔ شاہیت پرست۔ ہواخواہان انگریز اور بدخواہان حریت ہوں۔

مسٹر جناح سمجھتے تھے کہ ان کی منفی پالیسی۔ نفرت انگیزی۔ غیر مصالحانہ رویہ۔ ڈ ٹیشن اور تقسیم ہند وغیرہ کے نعروں کا انجام لامحالہ ایک سول وار ہوگا۔ جس میں ہندو سے زیادہ مسلمان کو نقصان پہنچے گا۔ حتیٰ کہ اقلیت کے صوبوں کے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جائیگا۔ (معاذ اللہ)

چنانچہ آپ نے تحریک پاکستان کے آغاز ہی میں یعنی مارچ ۱۹۴۱ء میں مسلم طلبہ کے فیڈریشن کے اجلاس کانپور میں فرمایا۔

ہم اکثریت والے سات کروڑ مسلمانوں کو آزاد کرانے کے لئے دو کروڑ مسلمانوں کی شہادت کی آخری رسم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ سات

کروڑ مسلمانوں کی آزادی کی خاطر دو کروڑ[ل] مسلمانوں کو کچل جانے دو۔
(نئی زندگی کا خاص نمبر ۱۹۴۶ء)

لہٰذا فسادات بہر حال ایسے فسادات نہ صرف یہ کہ آپ کی توقع کے مطابق ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی منشا کے عین مطابق ہیں۔ چنانچہ فسادات پر رنج و الم کے اظہار کے بجائے آپ نے اس امر پر اطمینان ظاہر کیا کہ ان سے مطالبہ پاکستان واجب التسلیم ہو گیا۔

آپ نے ۱۱ر نومبر ۱۹۴۶ء کو نئی دہلی سے ایک بیان جاری کیا۔ جس میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کے بے پناہ مصائب اور اُن کا جو قتل عام ہوا اور جس طرح ان پر سفاکانہ اور بہیمانہ مظالم ہوئے وہ رائیگاں نہ جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ قربانی ہمارے مطالبہ پاکستان کو مسلم کر دیگی۔ جو لوگ مارے گئے یا مجروح ہوئے یا جن کا مالی نقصان ہوا۔ ان سب کو تسلی دینی چاہیئے کہ انھوں نے ہماری آزادی اور حصول

ل یہاں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ مسٹر جناح نے اکثریت اور اقلیت کے صوبوں کے مسلمانوں کے تعداد و شمار بیان کرنے میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ اگرچہ کسی ایک مسلمان کو بھی خطرہ میں ڈالدینا سیاست کی ناکامی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اقلیت کے صوبوں کے مسلمانوں کی تعداد ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے بموجب جیسا کہ خود لیگ کے اردو ترجمان (روزنامہ منشور مورخہ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۴۵ء) میں شائع ہوئی ہے تین کروڑ تئیس لاکھ چھپن ہزار آٹھ سو نواسی (۳,۲۹۵۶۸۸۹) ہے۔
(ملاحظہ ہو "جامع تبصرہ" مرتبہ چودھری رحم علی صاحب۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند)

پاکستان کے سامنے اپنا حق ادا کر دیا۔

(اخبار منشور ۱۴ر نومبر ۱۹۴۶ء ۱۹ر ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ نمبر ۲۶۰ ج ۹)

۴ر نومبر ۱۹۴۶ء عیدالاضحی کے روز سرزمین بہار مظلوم مسلمانوں بے کس عورتوں اور بے گناہ بچوں کے خون ناحق سے لالہ زار بنی ہوئی تھی اور ان کے قائد اعظم مسٹر جناح جشن عید منا رہے تھے اور خود ستائی میں مصروف تھے۔

آپ نے اپنی بساط سیاست کے مخصوص "مہرہ" جگندر ناتھ منڈل کو خاص طور پر مدعو کیا تھا۔ اور جشن عید کی تقریر کے دوران میں آپ نے منڈل صاحب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا

یہ بہت شرمناک بات ہے کہ چھ کروڑ انسانوں پر اچھوت ہونے کا عیب لگایا جاتا ہے۔ گول میز کانفرنس میں میں آپ کی قوم کیلئے مسلمانوں کے معاملہ سے زیادہ لڑا۔

وائسرائے سے جو میری خط و کتابت ہوئی اس میں اچھوتوں کے لئے بہت لڑا۔

الکشنوں میں ۹۵ فیصدی کامیابی۔ کلکتہ کے یوم تعمیر جہاد پاکستان، نواکھالی جہاد اور بہار کے قتل عام کے بعد بھی قائد اعظم کے نزدیک مسلمانوں کے لئے عمل کا وقت نہیں آیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اسی تقریر عید میں ارشاد فرمایا۔

جہاں کہیں میں جاتا ہوں۔ یہ شور سنتا ہوں کہ قائد اعظم ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ میں آپ لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ قائد اعظم آپکو کوئی حکم اس وقت تک دینے کو تیار نہیں جبتک انکو یہ معلوم ہو جائے

کہ آپ مکمل طور پر تیار ہو گئے ہیں۔ اگر اس سے (قائد اعظم نے) اس
سے قبل کوئی حکم دیدیا تو وہ بہت بڑا مجرم ہوگا جنرل نہیں ہوگا۔

بہت بڑا ایثار | اسی تقریر میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

بہار میں بہت خوفناک واقعات پیش آرہے ہیں جن کے متعلق میں ابھی کچھ
کہنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ یہ بہت نازک حالت ہے۔ طبعًا اور تربیۃً میں مطمئن
آدمی ہوں۔ جذبات سے مجھے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جب میں سمجھونگا کہ
میرا بہار جانا مفید ہوگا۔ میں اول فرصت میں فوراً پٹنہ پہنچوں گا۔ میں
باغپت جانے والا تھا۔ لیکن بہار کے واقعات کی وجہ سے میں نے
وہاں جانا ترک کردیا میں دہلی میں مقیم ہوں اور حالات کا مطالعہ کر رہا
ہوں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری زندگی مسلمانوں کے لئے وقف
ہے میں آپ کو مایوس نہیں کرونگا۔

(انصاری مورخہ ۸ ر نومبر ۴۶ء)

مسلمان ایسے لیڈر کو قائد اعظم کیسے نہ کہیں۔ اس کے حکم کو معاذ اللہ جزو
ایمان کیونکر نہ بنالیں جو بہار جیسے ہنگامہ کے موقع پر باغپت جانے کا پروگرام
فسخ کردے جو دہلی سے تقریبًا چالیس میل کے فاصلہ پر ضلع میرٹھ کا ایک معمولی قصبہ
اور ایک نواب صاحب کی راجدھانی ہے)

آج (تحریر سطور کی تاریخ تک) ۸ ماہ گذر چکے مگر مسلمانوں کی بدقسمتی یا خوش قسمتی
سے مسلمانوں کے لئے اپنی زندگی وقف کرنیوالے مسٹر جناح کو اب تک نہیں محسوس
کہ ان کا بہار جانا مفید ہے۔ غالبًا آئندہ الیکشن کے موقع پر وہ مناسب وقت آئیگا۔

اسی طرح تعجب یہ ہے کہ تقریباً چالیس لاکھ روپیہ کی رقم جو قائد اعظم کی اپیل پر مسلمانان بہار کی امداد کے لئے "حبیب بنک" میں جمع کر دی گئی ہے۔ اس کے خرچ کرنے کا بھی مناسب وقت نہیں آیا۔ البتہ اس رقم سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ حبیب بنک کی ساکھ قائم ہو گئی۔ جو قائد اعظم کے ہم مذہب و ہم مشرب کا ایک نیا بنک ہے۔

یہ تو تھے قائد اعظم کے تاثرات اور ان کے ارشادات۔ ان کے تبعین اور پیروؤں کے حالات اس قسم کے ہیں کہ ان کی تحریر سے قلم قاصر ہے اور شرم سے سرنگوں۔

گورنمنٹ بہار نے پناہ گزینوں کے لئے خوراک فراہم کی۔ کمبل فراہم کئے لیگی دوستوں نے موقع غنیمت جان کر بلیک مارکٹنگ میں کوتاہی نہیں کی۔ بیشمار شکایتیں سننے میں آ رہی ہیں کہ ان خادمان ملت کے ہاتھوں نہ پناہ گزینوں کے مال محفوظ رہے نہ اُن کی عزت اور عصمت (انا للہ وانا الیہ راجعون)

لوگوں کو بھڑکایا گیا کہ "بہار چھوڑ دو" اور اپنی جائداد فروخت کر کے بنگال چلے جاؤ۔ اور دوسری طرف ہندو ساہو کاروں سے دلالی کی۔ کافی رقم وصول کر کے معمولی سے معمولی قیمت پر مسلمانوں کی جائیدادیں ہندو ساہو کاروں کے ہاتھ فروخت کرادی گئیں اس طرح ہزاروں لاکھوں روپیہ کی جائیدادیں چند دہائیوں یا سینکڑوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر ہندوؤں کے پاس پہنچ گئیں۔

"بہار چھوڑ دو" کی تحریک بالآخر ناکام ہو رہی ہے۔ تقریباً پچاس لاکھ مسلمان ہجرت کر کے کہاں جائیں۔ جن لوگوں کو سبز باغ دکھایا گیا تھا کہ بنگال گورنمنٹ ان کے

قیام وسکونت کا انتظام کرے گی۔ انھوں نے جب بنگال پہنچ کر یہ تجربہ کیا کہ امداد و اعانت تو در کنار۔ ان کا رہا سہا سرمایہ اور ان کی عزت و آبرو چند خود غرض نفس پرستوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی ہے تو وہ بہزار پشیمانی وطن واپس ہو رہے ہیں۔

اے کاش۔ صرف الیکشنی مقاصد ان کے سامنے ہوتے تب بھی صبر کی جگہ تھی کہ صرف ایک جماعت کے نقطۂ نظر سے ہی اعتراض کی گنجائش تھی۔ عام مسلمانوں کو تو فائدہ پہنچتا ـــ مگر افسوس ان بندگان اغراض کے سامنے تو صرف اپنی ذاتی غرض اور ہوا پرستیاں ہیں اور اسی بہترین سرمایہ کے اعتماد پر وہ رات دن علمار کرام پر تبرا کرتے ہوئے نہ شرماتے ہیں نہ جھکتے ہیں۔ انا للہ

فسادات اور ان کا سلسلہ لیبر ممبران پارلمینٹ کی نظر میں

سر اسٹیفورڈ کرپس نے ۱۲ دسمبر ۴۶ء کو ہندوستان کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تقریر میں بیان کیا۔

ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی اتنی بڑی تعداد اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ فرقہ وارانہ جذبات کس قدر بھڑک اٹھے ہیں اور حالانکہ اس کا ہر اس شخص کو غم ہوگا جسے ہندوستان کا مفاد عزیز ہے۔ پھر بھی یہ ایک تلخ حقیقت ہے۔ اس سے کوئی بات حل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے تصفیہ میں اور دشواری ہوتی ہے لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جسے ہم میں سے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا۔

مسلم لیگ کے ۱۶ راگست کو یوم جارحانہ اقدام منانے پر کلکتہ میں فساد ہوگیا۔ یہ فساد اتنا زبردست تھا کہ ساری دنیا کانپ گئی۔ اس میں چار

ہزار اشخاص ہلاک اور دس ہزار زخمی ہوئے۔ اس کے بعد مشرقی بنگال کی باری آئی اور مسلمان غنڈوں نے اس علاقہ میں تہلکہ مچادیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچاس ہزار آدمی بھاگ نکلے اور کوئی دو سو ہلاک ہوئے۔ ساتھ ساتھ اغوار عصمت دری اور جبریہ تبدیلی مذہب کا بھی دور دورہ رہا جس سے ایسی افواہیں پھیل گئیں جن میں ان مذموم حرکات کو کہیں بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا تھا۔

بہار میں اس سے بھی شدید تشدد اور خونریزی کا دور دورہ ہوگیا اور یہ آندھی یو۔پی تک پھیل گئی۔ بہار کے ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی صحیح تعداد بتانا ناممکن ہے۔ لیکن یہ تقریباً سب کے سب مسلمان تھے۔ اور ان میں بہت سی عورتیں اور بچے بھی تھے۔ صرف مقتولین کی تعداد پانچ ہزار بتانا غالباً مبالغہ نہ ہوگا۔

تخمینہ ہے کہ یو۔پی۔ میں یکم ستمبر کے بعد سے بلووں میں ۲۴۵ آدمی ہلاک ہوئے ہیں۔

(قومی آواز مورخہ ۱۴ دسمبر ۴۶ء منشور دہلی ۵ دسمبر ۴۶ء)

جمعیۃ علماء ہند اور قوم پرور مسلمان اور مصیبت زدگان بہار و گڈھ کی امداد و اعانت

ان تمام ہنگاموں کے سلسلہ میں ارکان جمعیۃ علماء ہند اور قوم پرور مسلمان کی حیثیت عجیب ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ مسلمانوں کی غلط قیادت کے

نتائج بد ہیں انھیں صدمہ ہے کہ کوتاہ اندیش مسلمان جذبات کی رو میں بہ رہے ہیں
ہندو مسلم منافرت جس کو انگریز کی دو سو سالہ "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی نے
پیدا کیا اور پروان چڑھایا ان کی قائد راہ ہے۔

مگر باایں ہمہ کسی ایک مسلمان کے خون کا ایک قطرہ بھی ان کی شہ رگ کا خون ہے
اس کا درد ان کے دل کی ٹیس ہے۔ اس کی پریشانی ان کے باطن کا سوز ہے۔

ان کی شان سب سے نرالی ہے۔ مہاسبھائی ذہنیت کو ان سے بغض ہے کہ وہ
پکے مسلمان ہیں۔ ان کی وضع قطع اسلامی ان کی شکل و صورت ممتاز۔ ان کے دل و
دماغ کے ہر گوشہ میں اسلامیت رچی ہوئی ہے۔ لیگی ذہنیت اس لئے درپئے آزار
ہے کہ وہ کانگریسی ہیں اور لیگ کی تباہ کن قیادت سے بیزار ہیں نتیجہ یہ ہے کہ اپنے
بیگانہ ہو رہے ہیں اور بیگانہ دشمن جان۔ نہ ان کی عزت و آبرو محفوظ ہے اور نہ جان و
مال خدشات سے آزاد۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ مخلصانہ ہمدردی اور حمیت اسلام کے
شجاعانہ جذبات تمام خطرات سے بفضلہ تعالیٰ غالب آئے ہوئے ہیں اور وہ
نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اسی راستہ پر قدم بڑھا رہے ہیں جو اُن کے نزدیک
صراط مستقیم ہے۔ گڈھ مکٹیسر کے حادثہ کی اطلاع پاتے ہی حضرت مولانا حفظ الرحمٰن
صاحب ناظم اعلیٰ گڈھ مکٹیسر پہنچے اور کانگریس کے ذمہ دار لیڈروں کے ساتھ مل کر
اُن ٹڈی دل بلوائیوں کو روکا جو موضع شاہجہانپور اور قصبہ کٹھور کی طرف بڑھ رہے
تھے تاکہ جو تیس پینتیس یاتریوں کے اس قافلہ کا انتقام لیں جو شاہجہانپور کے قریب
قتل کر دیئے گئے تھے۔

شاہجہانپور اور کٹھور خود قرب و جوار کی ہندو آبادی کے درمیان محصور تھے زیدیاں

خونخوار بلوائیوں کا حملہ شاہجہانپور، اور کٹھور، کو دوسرا گڈھ مکٹیسر بنا سکتا تھا۔ اسی ارادہ سے وہ حملہ کرنا چاہتے تھے۔

مولانا بشیر احمد صاحب رکن مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند اور چودھری لطف علیخاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے (جمعیۃ) بروقت موجود رہے اور مسلمانوں کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔

اُس کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند، مولانا محمد میاں صاحب فاروقی الہ آباد، مولانا حکیم عبدالجلیل صاحب (فرشیر) پر مشتمل ایک وفد گڈھ مکٹیسر گیا۔ اسی دوران میں خان عبدالغفار خاں صاحب بھی گڈھ مکٹیسر تشریف لے گئے۔ واقعات کی تحقیقات کی۔ رپورٹ مرتب کی۔ یو۔ پی گورنمنٹ کو مصیبت زدگان کی فوری امداد پر مجبور کیا۔ اور پھر یہ اعلان کرایا کہ جن مسلمانوں کو نقصان پہنچا ہے حکومت ان کے نقصانات کا معاوضہ ادا کریگی۔ شہداء کے وارثوں کی امداد کرے گی۔ جن مساجد کو نقصان پہنچا تھا اُن کی مرمت کے لئے حکومت سے مطالبہ کو وفد جمعیۃ نے اسلامی خودداری کے خلاف سمجھا۔ لہذا جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ایک رکن[1] کو مامور کیا کہ وہ مساجد کی مرمت کرائیں۔ اور مرمت کے مصارف کی ادائیگی کا تکفل جمعیۃ علماء نے کیا۔

فسادات بہار کی لرزہ خیز خبریں اخبارات میں شائع ہو رہی تھیں۔ ٹرینوں پر حملے ہو رہے تھے راستے غیر محفوظ تھے۔ مگر جمعیۃ علماء کا ایک[2] وفد بہار بھیجا گیا۔ اُس نے

---

[1] جناب اسد اللہ خاں صاحب نیمندار و ناظم جمعیۃ علماء بگرا سی ضلع بلند شہر

[2] مولانا ضیاء الحسن صاحب خلف حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی اور راقم الحروف (بقیہ ص ۵۱۸ پر)

انھیں خطرات کے دوران میں فسادزدہ مقامات کے مشتہر مقامات کا دورہ کیا۔ وزراء سے ملاقات کرکے فوری امداد کی صورتیں طے کرائیں اور ان پر عمل کرانے کی کوشش کی اور ان مطالبات کا خاکہ مرتب کیا جو صوبہ بہار کے حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے لئے تلافی نقصانات اور آئندہ تحفظ کے ضامن ہو سکتے ہیں۔ مقامی سنسر سے بے نیاز ہو کر مختلف صورتوں سے قوم پرور اخبارات کو صحیح حالات کی اطلاع دی تاکہ قوم پرور طبقہ لیگی اخبارات کے بیان کو پروپیگنڈہ اور مبالغہ پر محمول کرکے نظر انداز نہ کردے۔ تقریباً دو ہفتہ کے دورہ کے بعد واقعات کی صحیح رپورٹ پیش کی۔ پھر مجلس عاملہ کے اجلاس میں صوبہ بہار کے متعدد نمائندگان کو طلب کرکے ضروری مطالبات مرتب کئے۔ خان عبدالغفار خان صاحب سے ملاقات کرکے ان کو دورہ بہار کا مشورہ دیا۔ خان موصوف سخت علیل تھے مگر بایں ہمہ انھوں نے خود اپنی خواہش کا بھی اظہار فرمایا۔ چنانچہ چندروز بعد خان صاحب موصوف اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نے بہار کا دورہ کیا۔ حکومت پر زور ڈالا کہ وہ جمعیۃ کے مطالبات پر عمل پیرا ہو۔ خوفزدہ مسلمانوں کے پاس پہنچکر ان کو اطمینان دلایا اور ان کے حوصلے بلند کئے۔

گاندھی جی کو (جو نواکھالی میں قیام پذیر تھے اور وہاں ہندو مسلم تعلقات کی اصلاح میں مصروف تھے اور اب تک ان کو بہار کے واقعات سے بے خبر رکھا گیا تھا)

(بسلسلہ ص ۵۱۷) اس وفد کے ارکان تھے۔ پھلواری شریف سے مولانا حکیم نوراللہ صاحب ناظم جمعیۃ علماء صوبہ بہار اور محمد صاحب عثمانی (جہاں آباد ضلع گیا) بھی وفد میں بحیثیت رکن شامل کرلئے گئے۔ ۱۲ محمد میاں

صحیح حالات سے مطلع کرکے بہار کے دورہ کی طرف متوجہ کیا۔

مقامی جمعیتوں نے جو خدمات انجام دیں ان کی تفصیل ایک مستقل تصنیف کی محتاج اور ان اوراق کی گنجایش سے خارج ہے۔

بہر حال ہمیں تمام مصیبت زدگان سے بہت گہری ہمدردی ہے۔ مگر اس پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے ارکان جمعیۃ علماء کو بروقت امداد کی توفیق عطا فرمائی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے ہمنوا قوم پرور مسلمان ہی ہیں جو اس وقت باہمی رابطہ کے لئے سنہری کڑے ثابت ہو رہے ہیں۔ ورنہ لیگ کی پالیسی کے بموجب ہندو کو سرزنش کرنے اور مسلمان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے کے مطالبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب مسٹر جناح اور ان کی جماعت ہندو پر کوئی اعتماد قائم کرنا ہی نہیں چاہتی اور اس بنا پر تقسیم ہند کا مطالبہ کر رہی ہے اور یہ اعلان کر رہی ہے کہ ہندو بدترین دشمن اور ظالم ہم وطن ہے اس کے ساتھ ایک ملک میں نہیں رہا جا سکتا تو پھر اس قسم کے فسادات پر اس کا شکوہ بے معنی۔

انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس میرٹھ

اچاریہ کرپلانی کی صدارت سے کانگریس کا سنجیدہ طبقہ خوش نہیں تھا۔ بدقسمتی سے صدارت کا آغاز بھی ایسے ہنگامہ سے ہوا جو ہمیشہ تاریخ ہند کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ رہے گا۔ ہنگامہ گڈھ و بہار سے تقریباً دو ہفتہ بعد یہ اجلاس میرٹھ میں ہونے والا تھا۔ مگر ان افسوسناک حالات کی بنا پر اجلاس عام (سیشن) کو ملتوی کر دیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ صرف ارکان کانگریس اجلاس میں

شرکت کریں گے۔

اس اجلاس میں ان ہنگاموں کے خلاف گرما گرم تقریریں کی گئیں۔

سردار پٹیل نے اپنی تقریر میں ایک جملہ ادا کیا جس کا مفہوم کچھ حضرات نے تو یہ سمجھا کہ تلوار کا جواب تلوار سے دیا جائیگا۔ اس پر مولانا حکیم عبدالجلیل صاحب دفر نٹیر) مس ارونا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہ نے جوابی تقریریں بہت سخت کیں۔

سردار پٹیل کے جملہ کا دوسرا مفہوم یہ لیا گیا۔

غنڈوں سے بچنے کیلئے تیار رہو۔ فسادیوں سے خود مقابلہ کرو۔ اپنے جان و مال کی خود حفاظت کرو۔ (قومی آواز۔ ا دسمبر ص۲ کالم ۱)

بہرحال سردار پٹیل کے جملہ کو اس وقت عام طور پر محل اور موقع کے خلاف سمجھا گیا۔ عام مقررین نے اس کے خلاف تقریریں کیں اور خود مولانا ابوالکلام آزاد نے جو تقریر کی اس کو لیگی حلقوں میں بھی یہاں تک پسند کیا گیا کہ لیگی اخبارات نے اس کو نہایت جلی عنوان سے شائع کیا۔ دہلی کا ایک لیگی اخبار جو قوم پرور مسلمانوں اور بالخصوص مولانا آزاد کے خلاف پروپیگنڈے میں ممتاز شان رکھتا ہے۔ اس کے عنوانات یہ تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا اعلان حق۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر۔ ؎۱

بہرحال مولانا آزاد نے ارشاد فرمایا:۔

اگر کانگریس والوں نے ملک میں خونی سیلاب اور طوفان بربادی کو نہ روکا تو

؎۱ روزنامہ پیام دہلی مورخہ ۲۰ نومبر ۴۶ء۔

پھر کانگریس کا وجود بھی باقی نہ رکھ سکیں گے۔

کانگریسیوں کو اپنے قلب پر ہاتھ رکھ کر سوچنا چاہئے کہ وہ خود تو وقت کے مجنونانہ جذبات کی رو میں نہیں بہے چلے جا رہے ہیں۔

اگر کانگریس کے اراکین فی نفسہ ان خون انگیزیوں سے متاثر ہو چکے ہیں تو پھر مجھے خوف ہے کہ رشتۂ حیات کانگریس کے ایام بہت مختصر ہیں۔

اگر کانگریس نے اس نازک ترین دور میں اپنے فرائض کو نہ پہچانا تو وہ اپنے محضر قتل پر خود ہی دستخط کر دیگی۔

ہر ایک کانگریس مین کا فرض ہے کہ فرقہ وارانہ جھگڑے سے اپنا دامن پاک رکھے اور جارحانہ اقدام کرنیوالوں کے مقابلہ میں کچلے ہوئے مظلوموں کی اعانت کرے۔

عزیزانِ من! سچائی اور خلوص کے سوا کوئی بھی فوج لادی ہوا خونی طوفان کو نہیں روک سکتی۔ مسلمان کانگریس مینوں کو اپنی روایات کے پیش نظر۔ ایمان داری۔ دیانت۔ خلوص۔ اور سچائی کے ساتھ کام کرنا ہے۔ اگر ہم سچائی کے ساتھ فرقہ وارانہ خون ریزی کو روکنا چاہینگے تو کامیابی یقینی ہے۔ مایوسی کی ضرورت نہیں۔

اخبار پیام

مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۴۶ء

کانسٹیٹیوئنٹ اسمبلی کے التواء کا مطالبہ
اور اس کی ناکامی

کلکتہ، نواکھالی۔ بہار اور گڈھ کے فسادات سے اپنے مقصود کو پورا کرنے میں مسٹر جناح نے کوتاہی نہیں کی۔

چنانچہ گڈھ اور بہار کے فسادات کے فوراً بعد مسٹر جناح نے ۱۱ر نومبر کو نئی دہلی سے ایک بیان جاری کیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کے بے پناہ مصائب اور ان کا جو قتل عام ہوا ہے اور جس طرح امن پسند کا نہ اور بہیمانہ مظالم ہوئے وہ رائیگاں نہ جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ قربانی ہمارے مطالبۂ پاکستان کو "مسلّمہ" کر دے گی۔ جو لوگ مارے گئے یا مجروح ہوئے یا جن کا مالی نقصان ہوا ان سب کو تسلی دینی چاہئے کہ انھوں نے ہماری آزادی اور حصول پاکستان کے سامنے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔

روزنامہ منشور دہلی ۔ ۱۴ر نومبر ۴۶ء ۱۹ر ذی الحجہ ۶۵ھ $\frac{26}{9}$

دوسری جانب آپ نے ۲۲ر نومبر ۴۶ء کو سلطنت برطانیہ کے نائب اعظم "وائسرائے ہند" کو خط لکھا کہ

چونکہ حالات بہت زیادہ خراب ہیں لہذا کانسٹیٹیوٹ اسمبلی کی تاریخ جو ۹ر دسمبر ۴۶ء طے ہو چکی ہے ملتوی کر دی جائے۔

وائسرائے بہادر نے اس مطالبہ کو معقول قرار دیا اور پنڈت جواہر لال نہرو

نوابزادہ کرناچاہا کہ وہ اس مطالبہ کو منظور کرلیں۔

لیکن اگر فضا کے موجودہ تکدر کے باعث اسمبلی کا اجلاس ملتوی کیا جاسکتا تھا تو اس کی کیا ضمانت ہوسکتی تھی کہ آئندہ جو تاریخ بھی مقرر کی جائیگی اس سے چند روز پیشتر ملک کے لاکھوں میل مربع طول و عرض میں بہار جیسا کوئی قتل عام نہیں ہوگا لہذا پنڈت جواہرلال نہرو نے التوائے تاریخ سے انکار کردیا۔ وائسرائے بہادر نے ثالث بالخیر بنکر ۵ ۲ر نومبر کو جناح اور جواہرلال کی مشترکہ میٹنگ اپنے یہاں کی۔ مگر پنڈت جواہرلال نہرو کا اصرار بدستور رہا کہ ۹ر دسمبر سے کانسٹیٹیونٹ اسمبلی کا اجلاس ہوگا وہ ملتوی نہیں ہوسکتا۔

اس وقت یقیناً انقلاب فرانس کا نقشہ وائسرائے کی نظروں کے سامنے آگیا ہوگا کہ "لوئی شانزدہم" نے کانسٹیٹیونٹ اسمبلی منظور کرکے اس کو مسترد کردیا تو انقلابی جماعت نے شاہنشاہ کی حکم عدولی کرتے ہوئے دستور ساز اسمبلی منعقد کی اور یہ سکون تبدیلی نے خونی انقلاب کی شکل اختیار کرلی۔ جس کے طوفان میں فرانس کے امپیریلزم کا بیڑہ ہمیشہ کے لئے غرق ہوگیا۔ بہرحال پنڈت جواہرلال نہرو کے اصرار کے سامنے لارڈ ویول وائسرائے ہند کو ہتھیار ڈالنے پڑے مگر اب ایک دوسری نوعیت سے جدوجہد شروع ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۷ر نومبر ۴۶ء کو پارلیمنٹ کی طرف سے لیگ۔ کانگریس اور سکھوں کے نمائندوں کو لندن طلب کیا۔ لیکن کانگریس نے اس دعوت کو بے معنی قرار دیا اور اپنے نمائندے لندن بھیجنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ اعلان ہوا کہ ۳۰ر نومبر ۴۶ء کو وائسرائے ہند۔ مسٹر جناح اور نواب زادہ لیاقت علیخاں کی ہمراہ لندن جائینگے

لیکن برطانوی کیبنٹ اس سے مطمئن نہیں ہوا۔ چنانچہ ۲۹ر نومبر ۴۶ء کو برطانوی حکومت کے وزیر اعظم مسٹر ایٹلی اور پنڈت نہرو کے درمیان پیغامات کا تبادلہ ہوا۔ ان پیغامات میں مسٹر ایٹلی نے پنڈت نہرو کو یقین دلایا کہ برطانوی حکومت وزارتی مشن کی تجاویز میں تبدیلی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی اور نہ ہی وہ دستور ساز اسمبلی کے ۹ر دسمبر کے اجلاس کو ملتوی کرنا چاہتی ہے۔ اس یقین دہانی پر پنڈت نہرو نے لندن جانے کی دعوت منظور کرلی۔

الضاری ۶ر محرم ۶۶ھ یکم دسمبر ۴۶ء۔

چنانچہ ۳۰ر نومبر کو وائسرائے ہند، پنڈت جواہر لال نہرو۔ مسٹر جناح۔ اور سردار بلدیو سنگھ کے ساتھ ہوائی جہاز کے ذریعہ لندن روانہ ہو گئے۔ یہ وعدہ کرلیا گیا تھا کہ پنڈت جواہر لال نہرو کو ۹ر دسمبر سے پہلے ہندوستان پہونچا دیا جائے گا۔ چنانچہ خاص طور پر تیز رفتار ہوائی جہازوں کا انتظام کیا گیا۔

لارڈ ویول اور ہندوستانی لیڈروں کو ۴ر دسمبر (چہارشنبہ) کی دوپہر کو قصر بکنگھم میں شاہ جارج کے ساتھ ضیافت کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ مگر راستہ میں ہوائی جہاز کچھ خراب ہو گیا اور چند گھنٹہ مالٹا میں قیام کرنا پڑا۔ اسلئے دوپہر کی دعوت کا پروگرام فسخ ہو گیا۔ رات کو دعوت ہوئی۔ (عرفت ربی بفسخ العزائم)

مضحکہ انگیز تعالی مسٹر ایٹلی وزیر اعظم برطانیہ کے اس پختہ وعدہ کے بعد کہ نہ وزارتی مشن کی تجاویز میں کوئی تبدیلی ہوگی اور نہ کانسٹیٹیونٹ اسمبلی کی تاریخوں میں التوا ہوگا۔ مسٹر جناح اور ان کے رفیق کا لندن جانا لاحاصل اور فعل عبث تھا لیکن بظاہر یہ ہمت بھی نہ تھی کہ شاہی دعوت کو مسترد

کردیا جائے۔ مسٹر جناح اس وقت عجیب کشمکش میں ہوں گے۔ اس پس وپیش کو ختم کرنے اور عوام کو مبتلائے فریب کرنے کے لئے آپ نے بھی مسٹر ایٹلی کو پیغام بھیجا:۔

آج رات کو مجھے آپ کا وہ پیغام ملا جو آپ نے پنڈت نہرو کو بھیجا ہے۔ لیکن مجھے وہ پیغامات موصول نہیں ہوسکے جو پنڈت نہرو نے آپ کو بھیجے ہیں۔ آپ کے اس پیغام کے بعد اور ایک نئی صورت پیدا ہوگئی ہے اور ہمارے لندن جانے کی دعوت قبول کرنے کے حالات بدل گئے ہیں۔

مسٹر ایٹلی نے مسٹر جناح کو جواب دیا:۔

مجھے امید ہے کہ آپ لندن آئیں گے۔ آپ کے انکار کی وجہ صرف یہ ہوسکتی ہے کہ آپ پنڈت نہرو کے نام میرے پیغام کا مطلب غلط سمجھے ہیں۔ اس میں کوئی بات ایسی نہیں جو تمام نظریوں اور نکتوں پر غور کرنے کی راہ میں حائل ہوسکے۔

مسٹر جناح صاحب بالقابہ نے جواب دیا:۔

میں آپ کے اس پیغام کا جو مجھے آج صبح ملا شکریہ ادا کرتا ہوں آپ کی جانب سے وضاحت کئے جانے اور اطمینان دلانے پر میں نے کل صبح لندن کے لئے روانہ ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

(انصاری سنڈے ایڈیشن ۲ دسمبر ۴۶ء)

مسٹر ایٹلی کی طفل تسلی اور قائداعظم کی حسن عقیدت قابل داد ہیں۔ مختصر یہ کہ

مسٹر جناح اور نواب زادہ لیاقت علیخاں سفر لندن اور وائسرائے ہند کی ذاقت کا شرف صرف اسلئے حاصل کر رہے ہیں کہ وہاں پہنچکر ایسے مسائل کے متعلق غور وخوض کر لیا جائیگا۔ جن میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان پہلے ہی ختم کر دیا گیا ہے۔ گویا کورس کی ایک کتاب کو سمجھنے کے لئے مسلمانان ہند کے یہ دونوں قائد۔ لندن تشریف لے جارہے ہیں۔

این کار از تو آمد و مرداں چنیں کنند

ان ناخدایان مسلم ہندی کے اس فعل کو "مضحکہ انگیز نقالی" نہ کہا جائے اور مناسب تعبیر کیا ہوسکتی ہے؟

البتہ ایک فائدہ ضرور ہوا۔ وہ یہ کہ مسٹر جناح صاحب کو مسٹر چرچل اور ان کی پارٹی سے ملاقات کرنے، گفتگو کرنے اور ایک دوسرے کی ہمنوائی کی صورتیں سوچنے کا موقع اچھی طرح مل گیا۔ چنانچہ اسی دوران میں مسٹر چرچل نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ہندوستان کے مسئلہ پر جلد از جلد پارلیمنٹ میں مباحثہ ہو۔ صرف ایک ہفتہ کے قلیل عرصہ کے بعد مسٹر ایٹلی کے بیان مورخہ ۱۲؍دسمبر ۴۶ء پر پارلیمنٹ میں مباحثہ شروع ہوا۔ مسٹر جناح وزیٹرس کی گیلری میں موجود تھے مسٹر چرچل نے اپنی تقریر میں ارشاد فرمایا:۔

میں نے ۱۹۳۱ء ہی میں ایوان کو آگاہ کر دیا تھا کہ اگر ہم ہندوستان سے اپنی ذمہ داری سے دست بردار ہو جائیں تو ہندو مسلمانوں میں خانہ جنگی

سلہ تقریر کے تمام اقتباسات لیگ کے ترجمان اخبار منشور دہلی مورخہ ۱۵؍دسمبر ۴۶ء سے ماخوذ ہیں۔

۲۸۶
۹۴

پیدا ہو جائیگی - لیکن اس پر کسی نے دھیان نہیں دیا -

مجھ کو میرے والد کے وہ الفاظ ہمیشہ یاد رہتے ہیں جو انھوں نے ۱۸۸۵ء میں بحیثیت وزیر ہند کہے تھے کہ ہندوستان میں ہماری حکومت کی مثال تیل کی سطح کی طرح ہے جس کے نیچے انسانیت کے سمندر کا طوفان پوشیدہ ہے -

اس فرض کو انھوں نے ملکہ وکٹوریہ کی جانشینی کے وقت سے آخر تک وفاداری سے انجام دیا - اب ہم اس فرض سے دست بردا ہونا چاہتے ہیں لیکن اس سے قبل ہم کو یقین ہونا چاہئے کہ ہندوستان کی مختلف نسلوں مذاہب اور جماعتوں میں اتحاد ہو گیا ہے تاکہ ہم اپنے بعد نفرت انگیز تباہی اور بربادی چھوڑ کر جانے کے ذمہ دار نہ ٹھہریں ہندوستان کی مختلف جماعتوں میں سمجھوتہ ناگزیر شرط ہے جو اب تک نہیں ہوا - ہاں لڑائی اور خونریزی کا زور ہے اور اس میں زیادہ شدت کا امکان ہے (کیوں نہ ہو جب کہ حضور کی منشا، کے عین مطابق ہے)

برطانوی حکومت نے ۱۲ر اگست کو صرف کانگریس کے ہاتھ میں اختیار دیکر بنیادی غلطی کی ہے - اس طرح ہندوستان میں قتل و خونریزی کا دروازہ کھول دیا - یہ حقیقت ہے کہ پنڈت نہرو کی حکومت کے قیام کے بعد چار ماہ کے اندر جس قدر انسان تشدد کا شکار ہوئے ہیں اتنے گذشتہ نوے سال میں نہیں ہوئے ہیں

(مسٹر چرچل اس حقیقت کو بھول گئے - یا قصداً اس حقیقت پر پردہ ڈالا کہ پنڈت نہرو

کی حکومت ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو قائم ہوئی اور کلکتہ کا فساد اس سے پیشتر ۱۶ اگست سے شروع ہو گیا تھا۔)

حقیقت یہ ہے کہ اب ہم بے رحم ہو گئے ہیں بے حس ہو گئے ہیں۔ دنیا مصیبت اور تباہی میں مبتلا ہے لیکن ہم پر اس کا وہ اثر نہیں ہوا جو اس ایوان کے بزرگوں پر ہوتا تھا۔

(غالباً مسٹر چرچل اس وقت بہت رحیم و کریم تھے جب اُن کے دور حکومت میں بنگال میں تقریباً نوے لاکھ آدمی ایڑیاں رگڑ کر سسک سسک کر مر گئے مگر غلہ کا ایک دانہ میسر نہ آسکا۔ حالانکہ نہ صرف گورنمنٹ بلکہ گورنمنٹ کے ٹھیکیداروں کا (سنڈیکیٹ) کے گوداموں میں لاکھوں من غلہ بھرا ہوا تھا۔ محمد میاں)

مسٹر چرچل نے کہا:۔

اگر کانگریس نے مغربی تہذیب کی حکومت یعنی اکثریت کی حکومت جو ہندو حکومت ہوگی قائم کرنے کی کوشش کی اور مغربی طریقے استعمال کئے تو ہندوستان کی وحدت بہت جلد پاش پاش ہو جائیگی جھگڑے اور جمود بذات خود کوئی چیز نہیں یہ تو صرف ہزاروں سال کی نفرت اور

؎ مسٹر چرچل انتہائی تلبیس سے کام لیتے ہوئے کیبنٹ مشن کی سفارشات کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ ان سفارشات میں جملہ اختیارات صوبوں کے حوالہ کئے گئے ہیں صرف تین شعبے مرکز کے سپرد ہیں۔ دفاع۔ امور خارجہ اور مواصلات۔ پھر تشکیل مرکز کی ابھی کوئی صورت متعین نہیں ہوئی۔ ہند و مسلم مساوات کا فارمولا پیش نظر ہے درحقیقت اس تقریر کا مقصد صرف اشتعال کو بڑھانا ہے۔

جذبات کا آئینہ ہیں ہندوستان کی وحدت حکومت برطانیہ کی قائم
کی ہوئی سطحی چیز ہے اور جوں ہی یہ بیرونی طاقت سے ہٹ جائیگی
وحدت[1] بھی ختم ہو جائیگی۔

مسٹر چرچل نے فرمایا:-

برطانوی حکومت کو ان نو کروڑ مسلمانوں کی حفاظت کا فرض انجام
دینا ہے جو ہندوستان کے جنگجو عناصر کی اکثریت ہیں اور ساتھ ہی ان
اچھوتوں کی حفاظت کرنی ہے جو چار کروڑ کے لگ بھگ ہیں۔

دستور ساز اسمبلی کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر چرچل نے کہا:-

بظاہر یہ ہندوستانی جمہوریت کے لئے دستور بنا رہی ہے اور تمام
ہندوستانیوں کی قسمت کا فیصلہ کر رہی ہے۔ دراصلیکہ ان کا بہت
بڑا حصہ شامل ہی نہیں ہے .... کیا یہ دستور ساز اسمبلی
فی الواقعہ جائز اور حق بجانب اسمبلی ہے جبکہ مسلم لیگ کے تمام نمائندے
اس کا بائیکاٹ کر رہے ہیں۔

---

[1] کس قدر فریب اور دھوکہ ہے جو مسٹر چرچل اور جناح کی طرف سے دیا جاتا ہے اوّلاً تو ہندوستان کی وحدت حکومت برطانیہ سے پیشتر سلطان [illegible] قائم کر چکے تھے دوم یہ کہ ہندوستان کی خانہ جنگی ہندو مسلم سوال پر کبھی بھی نہیں ہوئی بلکہ شمالی اور جنوبی ہند کی تقسیم پر خانہ جنگی ہندو حکومت کے زمانہ میں بھی ہوتی رہی اور مسلمانوں کی حکومت کے دوران میں بھی شمالی ہند کے فرمانرواؤں کا ایک گروپ تھا۔ دوسرا گروپ جنوبی ہند کے [illegible] فرمانرواؤں کا تھا۔ ہر ایک گروپ میں ہندو [illegible] شامل تھے تاریخ کے اوراق شاہد ہیں [illegible] ہم نے [illegible]

[illegible] وحدت حکومت [illegible] تفصیل سے بیان [illegible]

مسٹر چرچل نے سر کرپس پر اعتراض کیا اور تقریر کی رو میں یہ بھی کہہ گئے کہ جب میرے زمانہ حکومت میں ہندوستان گئے تھے۔ ابھی اس سے آگے کہنے نہ پائے تھے کہ سر اسٹیفورڈ کرپس غصہ سے تملا کر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔

اگر مسٹر چرچل اس زمانہ میں اس راز و نیاز کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو میرے اور ان کے درمیان ہوئے تو شوق سے بیان کریں۔

اس پر مسٹر چرچل نے بات کا رخ بدل دیا اور فرمایا۔ "میں اس نکتہ پر زور نہ دوں گا۔

منشور مورخہ ۱۵ ار دسمبر ۱۹۴۶ء

مسٹر چرچل نے اس تقریر میں جن نکات پر بحث کی وہ وہی ہیں جن کو مسٹر جناح ۱۹۴۰ء سے بار بار اپنے بیانات میں دہراتے رہے۔

اس تقریر کے مطالعہ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ مسٹر جناح ۱۹۴۰ء سے مسٹر چرچل کے اشاروں پر عمل کرتے رہے اور اب تک وہ مسٹر چرچل کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔

اس تقریر کے مطالعہ کے بعد یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اگست ۱۹۴۶ء سے اس وقت تک جتنے فسادات ہندوستان میں ہوئے وہ خفیہ اشارات کی بنا پر تھے جن سے اس تقریر کے لئے مواد تیار کیا گیا تھا۔

یہ تقریر اس حقیقت کو بھی واشگاف کرتی ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات درحقیقت ہندو اور مسلمانوں کے ذاتی جذبات کی بنا پر نہیں بلکہ برطانیہ کی ٹوری پارٹی اور ترقی پسند لیبر پارٹی کا سیاسی نزاع ہے جس نے ہندوستان

میں کانگریس اور لیگ کی شکل اختیار کرلی ہے اور افسوس یہ ہے کہ ٹوری پارٹی اپنی اغراض کے قربان گاہ پر مسلمانوں کو ذبح کررہی ہے۔

ممکن ہے مسٹر جناح دیانۃ" ٹوری پارٹی کی حمایت کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتے ہوں مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ رجعت پسند جماعتیں دنیا میں تنزل پذیر ہیں۔ اور ان کی حمایت قوم کو پستی کی دعوت دینا ہے ترقی کی رہنمائی نہیں۔

سنہ ۴۲ء میں سر اسٹیفورڈ کرپس اور چرچل میں جو راز و نیاز جاری رہا اگرچہ مسٹر چرچل نے اس کی وضاحت سے پہلوتہی کرلی۔ مگر بہر حال مسٹر جناح کی چرچل پرستی۔ اور چرچل کی دو عملی پالیسی کا ایک اندازہ ہوگیا۔ مسٹر ایل سیڈلٹن (لیبر ممبر) نے مسٹر چرچل کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے کہا:۔

ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات کی ابتری کی ذمہ داری سب سے زیادہ مسٹر چرچل پر ہے۔ کرپس والی پیشکش کو ہندوستان نے کیوں مسترد کردیا اس کا جواب دیتے ہوئے مسٹر سیڈلٹن نے کہا۔ ہندوستان اس کے لئے تیار نہیں ہوا کہ کرپس کے لیڈر یعنی چرچل کا ایک آئندہ تاریخ کا خالی چیک قبول کرے۔ مسٹر چرچل کی کل کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کا یہ عمل کتنا درست ہے۔

قومی آواز مورخہ ۱۶ دسمبر ۴۶ء صہ ۲ کالم ۴

لیبر پارٹی کے دوسرے ممبر مسٹر ڈبلیو۔ جی کو دے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:۔

قدامت پرست پارٹی ابھی تک پرانی سامراجی پالیسی پر عمل کررہی ہے کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو لڑاؤ اور فتح کرو۔ ان کی طرف سے مسلمانوں

اور ہندوؤں کے درمیان اتحاد کی کوئی موثر خواہش نہیں کی گئی۔

مسٹر کوڈ نے کہا۔ ہم ایک طویل عرصہ سے ہندوستان میں فرقہ وارانہ اختلاف کی ہمت افزائی کرتے رہے ہیں لیکن لیبر حکومت کے آجانے سے یہ جذبہ ختم ہو گیا ہے۔ ہندوستان کے ہنگاموں سے کیا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہاں برطانوی راج درہم برہم ہو گیا ہے۔ کیا ان ہنگاموں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک نئی پالیسی اور نئے رویہ کی ضرورت ہے۔ اب برطانیہ کے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ ہندوستان پر اپنا قبضہ قائم رکھ سکے۔ اس کے علاوہ برطانیہ کو اپنی تجارت اور صنعت کے لئے ہندوستان کی مدد درکار ہوگی۔ قومی آواز مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۴۶ء

مسٹر جناح صاحب نے اس موقعہ پر چرچل کی ہمنوائی میں کافی جدوجہد کی۔ برطانوی مسلم لیگ کے زیر اہتمام ۱۲ دسمبر ۱۹۴۶ء کو کنگس وے ہال میں ایک جلسہ کیا گیا جس میں آپ نے وزارتی مشن کی اسکیم کی قباحتیں بیان کیں اور انہیں چیزوں کا اعادہ کیا جن کو مسٹر چرچل نے پارلیمانی تقریر میں بیان کیا تھا اس کے علاوہ آپ نے اہل امریکہ کے نام ایک تقریر براڈ کاسٹ کی۔ جس میں آپ نے فرمایا:

زندگی کے ہر شعبہ کے لحاظ سے ہندو اور مسلمان دو مختلف قومیں ہیں اگر ایسے المناک حادثہ کو (کانگریس کو اختیارات منتقل کرنا) جو چند ماہ پہلے ہندوستان میں پیش آچکا ہے۔ فوراً ہی نہیں روکا گیا اور وقت کے مطابق برطانیہ نے اپنی پالیسی کا رخ نہ بدلا۔ کانسٹیٹیوشنٹ اسمبلی کو غیر قانونی نہ قرار دیا اور وزارتی مشن کی سفارشات پر خط تنسیخ نہ کھینچا تو اس کے

نتیجہ میں ہندوستان کے اندر ایسی خانہ جنگی شروع ہو جائیگی جس کے اثرات ساری دنیا پر پڑیں گے۔ متحدہ ہندوستان کے لئے ہر زمانہ میں ہر قسم کی جدوجہد کی جاتی رہی۔ لیکن وہ ہر بار ناکام ہی ہوتی رہی اور اب تو اس قسم کی جدوجہد کا خیال ہی ناممکن ہو گیا ہے۔ نام نہاد ہندوستان برطانوی ساخت کا ہندوستان ہے۔ یہ تلوار کے زور سے بنایا گیا اور اسے تلوار کے زور سے ہی متحد رکھا جا سکتا ہے

منشور دہلی و قومی آواز لکھنؤ

مورخہ ۱۶ دسمبر ۴۶ء

تقسیم پنجاب و بنگال کی طرف اشارہ

کنگس وے ہال (لندن) کی تقریر میں اور امریکہ کے نام براڈ کاسٹنگ تقریر میں مسٹر جناح نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

پاکستان کیا ہے۔ آخر اس میں کون سی خطرناک یا خوفناک بات ہے ہندوستان کے شمالی مغربی اور شمالی مشرقی علاقوں میں جو ہماری سرزمین ہے اور جہاں ہم اونچی ذات ہندوؤں کے مقابلہ میں ستر فیصدی اکثریت رکھتے ہیں۔ ہم اپنی ایک علیحدہ مملکت چاہتے ہیں۔ یہاں ہم خود اپنے نظریات زندگی کے مطابق زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

منشور مورخہ ۱۶ دسمبر ۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۲

اس تقریر میں مسٹر جناح نے بنگال و پنجاب کا نام نہیں لیا۔ بلکہ اس علاقہ

علاقہ کا تذکرہ کیا جہاں ان کی ستر فیصدی اکثریت ہے۔ اس طرح مسٹر جناح نے خود تقسیم بنگال و تقسیم پنجاب کے مطالبہ کی رہنمائی کی۔ جو اس تقریر سے تقریباً دو ماہ بعد سکھوں اور بنگالی ہندوؤں کی طرف سے پیش کیا گیا اور پھر کانگریس کی مجلس عاملہ نے بھی اس کی تائید کی۔

مسٹر جناح نے اگر یہ الفاظ سوچ سمجھ کر کہے تھے تو پھر اس کے دو ہی مقصد ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ ان کے پیش نظر یہی حصہ ہے اور اسی کی علیحدگی کا وہ مطالبہ کر رہے ہیں جس میں مسلمان ۷۰ فیصدی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اجلاس لاہور منعقدہ ۱۹۴۰ء کی اس تجویز میں جس کو "تجویز پاکستان" کہا جاتا ہے۔ یہی الفاظ ادا کئے ہیں۔

اور اگر مسٹر جناح اس قسم کا پاکستان نہیں چاہتے تو انھوں نے یہ الفاظ ادا کر کے ایک نئی جنگ کا تخم بو دیا جو مطالبہ تقسیم پنجاب و بنگال کے عنوان سے رونما ہوئی۔

گروپ بندی کا قضیہ

کیبنٹ مشن نے اپنی سفارشات میں صوبائی گروپ بندی کا شاخسانہ بھی لگا دیا تھا۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ

(الف) ہر ایک سیکشن ماتحت صوبوں کے لئے صوبائی کانسٹی ٹیوشن (صوبائی دستور حکومت) طے کریگا۔

(ب) ہر ایک سیکشن یہ طے کریگا کہ ان صوبوں کیلئے کوئی گروپ کانسٹیٹیوشن

(اجتماعی دستور حکومت) درکار ہے یا نہیں ؟

(ج) اگر گروپ کانسٹی ٹیوشن (اجتماعی دستور حکومت) کی ضرورت سمجھی جائے تو یہ سیکشن طے کرے گا کہ کن صوبائی صیغوں کا کام گروپ کو کرنا ہوگا اور کون سے صیغے صوبجات کے حوالہ رہیں گے۔

(د) جس وقت نئے انتظامات عمل میں آجائیں گے تو صوبائی اسمبلی کے جدید انتخاب کے بعد ہر صوبہ کو اختیار مل جائیگا کہ جس گروپ میں وہ شامل کیا گیا ہے وہ اس سے اپنی علیحدگی کا فیصلہ کرے۔

پہلے گذر چکا ہے کہ مسٹر جناح نے وزارتی مشن کی تجاویز منظور کرتے ہوئے اس گروپ بندی کو پاکستان کا سنگ بنیاد قرار دیا تھا۔[1]

مسٹر جناح وزارتی مشن کی دفعہ ۱۹ ضمن ۵ و ضمن ۸ کا مفاد یہ بتاتے تھے کہ ہر صوبہ کو گروپ میں شامل ہونا ضروری ہے۔ پھر سیکشن کی اکثریت جو کچھ فیصلہ کرے اس کا ماننا لازم ہوگا۔

چونکہ انہیں سفارشات میں ان مخصوص اور محدود اختیارات کے علاوہ جو مرکز کے حوالہ کئے گئے تھے باقی تمام امور میں صوبجات کو خود مختار قرار دیا تھا۔ لہذا کانگریس کا دعوے یہ تھا کہ مجموعی طور پر سفارشات کے مطالعہ سے یہ

---

[1] حالانکہ وہ سراسر فریب نظر تھا۔ کیونکہ پاکستان کی بنیاد تقسیم ہندوستان پر ہے اور وزارتی مشن نے اپنی سفارشات میں تقسیم کی صراحۃً مخالفت کرتے ہوئے وحدت مرکز کو ہمیشہ کے لئے ضروری کر دیا تھا صرف یہ حق دیا تھا کہ دس سال کے بعد اس پر دوبارہ غور کیا جا سکیگا۔ ۱۲

معلوم ہوتا ہے کہ :-

"گروپ میں شامل ہونا لازم نہیں بلکہ ہر ایک صوبہ کو حق ہے کہ وہ گروپ میں شامل ہونے سے انکار کر دے اور اپنا آئین خود مرتب کرے۔"

اسی تضاد کے پیش نظر مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اجلاس مورخہ ۹، ۱۰، ۱۱ رجب ۱۳۶۵ھ ۱۰، ۱۱، ۱۲ جون ۱۹۴۶ء کی ایک تجویز میں سفارشات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

یہ بات (گروپنگ سسٹم) خواہ قابل عمل قرار پائے یا نہ پائے اور مستقل حیثیت اختیار کرے یا نہ کرے۔ لیکن اس سے صرف ایک ہی بات حاصل ہو سکتی ہے کہ یہ حیلہ جو طبیعتوں کے لئے فتنہ کا ذریعہ بن سکتا ہے اور اس کے ذریعہ سے افتراق انگیزی کو مدد مل سکتی ہے۔

چنانچہ یہ پیشین گوئی صادق ہوئی اور "گروپ بندی" کا مسئلہ لیگ و کانگریس کے مابین نقطۂ اختلاف بن گیا۔ انتہا یہ کہ لندن میں ایک گول میز کانفرنس کی نوبت آئی۔ اس کانفرنس کا اگر کوئی نتیجہ برآمد ہوا تو صرف یہ کہ ۶ دسمبر ۱۹۴۶ء کو برطانوی حکومت کی طرف سے ایک اعلان کیا گیا جس میں لیگ کے نظریہ کی حمایت کرتے ہوئے یہ خواہش کی گئی تھی۔

کانگریس بھی اسی نظریہ کو منظور کرلے تاکہ مسلم لیگ کو اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنے کی راہ نکل آئے۔ لیکن اگر کیبنٹ مشن کی پیش کردہ

وضاحت کے بعد کانگریس یہ چاہتی ہے کہ یہ بنیادی معاملہ فیڈرل
کورٹ سے طے ہونا چاہیے تو اس معاملہ کو جلد از جلد فیڈرل کورٹ
کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے سیکشنوں کی نشست
سے پہلے ہی فیڈرل کورٹ کا فیصلہ معلوم ہو جائے۔

(تیج مورخہ ۹ر دسمبر ۴۶ء)

مذکورہ بالا اعلان میں کانگریس کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ اس مسئلہ کو فیڈرل
کورٹ میں پیش کر دے مگر اس اعلان سے ۸ روز بعد مسٹر جناح نے لندن میں
ایک پریس کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے فرمایا۔

میں بتائے دیتا ہوں کہ اس نکتہ پر میں کسی عدالت کے فیصلہ پر
بھروسہ نہیں کرونگا۔

قومی آواز ص۴ کالم ۴ مورخہ ۱۶ر دسمبر ۴۶ء

پھر ۱۶ر دسمبر ۴۶ء کو وزیر ہند نے برطانوی دارالعوام میں اعلان کر دیا۔

فیڈرل کورٹ کے مخالف فیصلہ کا بھی حکومت کے رویہ پر کوئی
اثر نہیں پڑے گا۔

وزیر ہند نے فرمایا۔

میں یہ بات صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ
ملک معظم کی حکومت ۱۶ر مئی کے بیان کی اس توضیح پر قائم ہے
جو وہ متعدد بار کر چکی ہے اور وہ اس سے فیڈرل کورٹ کی مخالف
فیصلہ کی شکل میں بھی انحراف نہیں کریگی (انصاری مورخہ ۱۹ر دسمبر ۴۶ء)

اگرچہ اس اعلان سے چند روز پیشتر یعنی ۱۲ر دسمبر ۴۶ء کو سراسٹیفورڈ کرپس پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے اس شرط کا اعادہ کر چکے تھے کہ

کوئی صوبہ اپنی مرضی کے خلاف گروپ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔

(قومی آواز ۱۴ر دسمبر ۴۶ء)

(یعنی انتخاب جدید کے بعد اس کو گروپ سے علیحدہ ہو جانے کا حق ہے۔)

مگر بہر حال سوقت گروپ بندی کو لازم کر کے کانگریس کے لئے ایک پیچیدہ سوال پیش کر دیا تھا اگر کانگریس اس سے انحراف کرتی تو عربی کی مثل تاویل القول بما لا یرضی بہ قائلہ[1] کی مضحکہ انگیز پوزیشن اختیار کرنی پڑتی تھی نیز کیبنٹ مشن کی سفارشات کو تسلیم کرنے کے بعد ایک ایسے نکتہ سے انحراف جس کو مسلمان اپنے لئے مفید سمجھنے لگے تھے مسلمانوں کے لئے یقیناً قابل اعتراض تھا۔ چنانچہ مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اجلاس مورخہ ۱۹ تا ۲۱ محرم ۶۶ھ و ۱۴ تا ۱۶ ر دسمبر ۴۶ء میں مندرجہ ذیل تجویز منظور کی۔

گروپنگ سسٹم گو مسلمانوں کے لئے جمعیۃ علماء کے خیال میں کچھ مفید نہیں ہے تاہم چونکہ ہندوستان کے لئے دستور اساسی کی مجلس (کانسٹیٹیوٹ اسمبلی) میں مسلم لیگ کی شرکت اسی مسئلہ پر مرکوز ہو رہی ہے اسلئے جمعیۃ علماء ہند کی رائے ہے کہ کانگریس کو یہ موقع ہاتھ سے نہ دینا چاہیے اور گروپنگ سسٹم کی جو تشریح کیبنٹ مشن نے کی ہے اس کو تسلیم کر لینا چاہیے

[1] کسی قول کے ایسے معنی بیان کرنا جو قائل کی مرضی کے خلاف ہوں۔ ۱۲۔

تاکہ ہندوستان کی آزادی میں تمام ہندوستانی متفقہ طور پر شریک ہوکر اصل مقصد حاصل کرسکیں۔

اگرچہ ہندو پریس[1] اور بعض ایسے دوستوں نے جو نیشنلزم میں خود کو بہت فارورڈ اور پیش رو دیکھنا چاہتے ہیں جمعیۃ علماء ہند کی اس تجویز پر اعتراض کیا مگر جمعیۃ علماء ہر ایک موقع پر وہی فیصلہ کرتی ہے جس کو وہ حق و صداقت۔ دیانت اور صفائی دماغ کے ساتھ درست اور ملک و ملت کے لئے مفید سمجھتی ہے چنانچہ اس نے اس موقعہ پر بھی ایسا ہی کیا۔

جمعیۃ علماء ہند کی اس تجویز سے بیس روز بعد ۶ر جنوری ۴۷ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا اور اس نے ایک طویل[2] تجویز کے ذریعہ برطانوی حکومت کی ۶ر دسمبر والی تشریح کو منظور کرلیا۔

---

[1] گاندھی جی تو خلاف معمول اس قدر برافروختہ تھے کہ انھوں نے کہہ دیا کہ آسام ایک ہندو صوبہ ہے وہ بنگال کے ماتحت ختم ہو جائے گا۔ اگر کانگریس کوئی خلاف فیصلہ کرے تو آسام کو کانگریس کے برخلاف بھی بغاوت کرنی چاہئے۔ ہندو پریس کے لئے اس سے زیادہ پشت پناہی اور کیا ہوسکتی تھی۔ محمد میاں۔

[2] آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ان واقعات پر غور کیا جو نومبر میں میرٹھ کانگریس کے اجلاس کے بعد رونما ہوئے۔ نیز اس بیان پر جو برطانوی حکومت نے ۶ر دسمبر کو جاری کیا اور وہ بیان جو ورکنگ کمیٹی نے ۲۲ر دسمبر کو جاری کیا۔ اور کانگریسیوں کو ان کی صلاح حسب ذیل ہے

(۱) آل انڈیا کانگریس کمیٹی ورکنگ کمیٹی کے ۲۲ر دسمبر والے بیان کی تائید کرتی ہے اور جن رایوں کا اس میں اظہار کیا گیا ہے ان سے اتفاق کرتی ہے۔ (بقیہ صفحہ [illegible] پر)

کانگریس کے اس ریزولیشن کے تین حصے ہیں اور ہر ایک حصہ ایک جداگانہ مقصد کو ظاہر کرتا ہے۔

(بسلسلہ صفحہ ۵۳۹) (۲) حالانکہ کانگریس کی ہمیشہ یہی رائے رہی ہے کہ تشریح کا مسئلہ جس پر جھگڑا ہے اسے فیڈرل کورٹ کے حوالہ کیا جائے۔ لیکن برطانوی حکومت کی طرف سے جو حال ہی میں بیانات ہوئے ہیں ان کے پیش نظر یہ حوالہ بالکل بے سود اور نامناسب ہے۔

(۳) آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی یہ پکی رائے ہے کہ ایک آزاد خود مختار ہندوستان کا آئین ہندوستان کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اتفاق کی بنا پر بنانا چاہئے۔ کسی بھی بیرونی طاقت کی طرف سے کوئی مداخلت نہ ہونی چاہئے اور نہ ہی کسی ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ یا صوبہ کے کسی حصہ پر جبر ہونا چاہئے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی ان دقتوں کو محسوس کرتی اور سمجھتی ہے جو چند صوبوں خصوصاً آسام۔ سرحد اور پنجاب میں سکھوں کے راستہ میں برطانوی حکومت کی تجویز (۱۶ رمئی ۱۹۴۶ء) نے حائل کر دی ہیں اور خصوصاً اس توضیح نے جو برطانوی حکومت نے اپنے ۶ دسمبر کے بیان میں دی ہے۔ کانگریس کسی جبر کی حامی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس سے متعلق لوگوں کی مرضی کے خلاف ان پر کوئی جبر ڈال سکتی ہے اس اصول کو خود برطانوی حکومت نے تسلیم کیا ہے۔

(۴) آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی خواہش ہے کہ کانسٹیٹیوئنٹ اسمبلی آزاد ہندوستان کا آئین بنانے کا کام سب جماعتوں کی خیر خواہی سے جاری رکھے اور اس لئے جو مشکلات مختلف توضیحات سے پیدا ہو گئی ہیں ان کو ہٹانے کے لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی یہ صلاح ہے کہ برطانوی حکومت نے سیکشنوں میں طریق کار کے بارے میں جو تشریح پیش کی ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ یہ امر اچھی طرح واضح رہے (باقی صفحہ ۵۴۱ پر)

(۱) کانگریس اختلافی نکات کی تشریح کے لئے ہمیشہ فیڈرل کورٹ میں معاملہ پیش کرنے کی حامی رہی ہے۔ چونکہ حکومت برطانیہ اور مسلم لیگ اس کے لئے رضامند نہیں ہیں اس لئے فیڈرل کورٹ میں معاملہ پیش کرنا فضول ہے۔

(۲) کمیٹی یہ محسوس کرتی ہے کہ برطانوی وزارتی مشن کے ۱۶ مئی کے بیان سے صوبہ آسام۔ صوبہ سرحد۔ اور پنجاب کے سکھوں کے لئے زبردست مشکلات پیدا کی گئی ہیں اور ۶ دسمبر کے بیان کی تفسیر و تشریح سے یہ مشکلات اور زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ کانگریس کسی ایسے جبر میں شریک نہیں ہو سکتی جو کسی صوبہ میں اسکی مرضی کے خلاف عائد کیا جائے۔

(۳) کمیٹی کی رائے ہے کہ ایک آزاد اور خود مختار ہندوستان کا دستور زیادہ سے زیادہ سمجھوتہ کرنے کے بعد ہندوستان کے لوگوں کو اس طرح بنانا چاہئے کہ اس میں کسی بیرونی طاقت کی مداخلت نہ ہو۔

کمیٹی کی خواہش ہے کہ نمائندہ دستوری اسمبلی تمام پارٹیوں کی خیر سگالی اور نیک نیتی کے ذریعہ آزاد ہندوستان کا دستور بنانے کی مہم کو جاری رکھے۔ اسلئے وہ مختلف تفسیروں کی وجہ سے پیدا ہونے والی مشکلات کے پیش نظر یہ

(حاشیہ ۵۴۱) کہ اس سے کسی صوبہ پر جبر نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی پنجاب میں سکھوں کے حقوق کو نقصان پہونچنا چاہئے۔ اگر جبر کی ایسی کوشش ہوئی تو ایک صوبہ یا صوبہ کے کسی ٹکڑے کو حق ہوگا کہ وہ متعلقہ لوگوں کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے مناسب کا [illegible] پیش آنیوالے واقعات [illegible] اسلئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی ورکنگ کمیٹی کے [illegible] صوبائی خود مختاری کے بنیادی اصول کے مطابق مناسب طرح [illegible] (بقیہ)

رائے دیتی ہے کہ مجوزہ سیکشنوں میں حکومت برطانیہ کی تفسیر کو قبول کر لیا جائے لیکن یہ بات صاف ہے کہ اس کی وجہ سے کسی صوبہ پر یا صوبہ کے کسی حصہ پر جبر نہیں ہوگا اس قسم کے جبر کی صورت میں ضروری اقدام کا حق محفوظ ہے اور اس کا دارومدار آئندہ حالات پر ہے۔

کانگریس کی تجویز کے الفاظ اگرچہ اتنے واضح نہیں تھے جس قدر مسلم لیگ کی خواہش یا کم از کم مسٹر جناح کا مطالبہ تھا۔ (۱) لیکن بقول مولانا حامد الانصاری غازی مدیر اخبار مدینہ (بجنور) مسلم لیگ ہائی کمانڈ کو سارے معاملہ پر اس نقطۂ نگاہ سے غور کرنا چاہئے تھا کہ اس بارہ میں خود کانگریس کے اندر دو گروہ تھے اور گاندھی جی مخالف جماعت کے رہنما تھے۔ لیکن اس کے باوجود کانگریس میں قوم پرست مسلمانوں کے جمعیۃ العلمائی گروپ کو کامیابی حاصل ہوئی۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسہ میں آسام کے نمائندہ مسٹر پنچ ناتھ وغیرہ نے کہا۔ آسام کے لئے سیکشنوں میں بیٹھنا موت کے مترادف ہوگا۔ آسام کی "نمائندی" "شریمتی لیشپ لتا بہن" نے اعلان کیا آسام ۶ر دسمبر کے برطانوی اعلان کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ آسام مطمئن ہے کہ اس کے ساتھ مہاتما جی کی اشیرواد ہے۔ سوامی سہجانند کی رائے تھی کہ اس ریزولیشن کا پاس ہونا کانگریس کے لئے خودکشی کی برابر ہوگا۔ سردار ہوتا سنگھ نے پنجاب کے سکھوں کے جنگی رجحان کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ ۶ر دسمبر کے بیان کو تسلیم کرنا ہندوستان کے جسم پر عمل جراحی کرنا ہے اور اس کے گلے پر چھری پھیرنا ہے۔

۱۔ اخبار مدینہ - ۱۳ر جنوری ۱۹۴۷ء

بابو جے پرکاش نارائن (سوشلسٹ لیڈر) نے کہا۔ کانگریس ۱۶ رمئی سے اس وقت تک غلط فیصلے کر رہی ہے۔ اگر کمیٹی سمجھ بوجھ سے فیصلہ نہ کرے گی تو مجھ جیسے لوگوں کیلئے اس میں رہنا مشکل ہو جائیگا۔

اسی طرح پرشوتم داس ٹنڈن وغیرہ کانگریس کے ممتاز ارکان نے شدت سے اس کی مخالفت کی۔ حتیٰ کہ سرت چندر بوس سو بھاش چندر بوس کے بھائی اور بنگال کے لیڈر نے اس فیصلہ کے خلاف غصہ میں آکر استعفا دیدیا۔

یہ تھا مخالفت کا وہ محاذ جسے مسلم لیگ ہائی کمانڈ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی تھا درحقیقت پنڈت جواہر لال نہرو مولانا حفظ الرحمٰن مسٹر آصف علی پنڈت گوبند پنتھ نے ایک ایسے محاذ کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی تھی جس کی کمان گاندھی جی کے ہاتھ میں تھی اور ٹنڈن۔ جے پرکاش جیسے لیڈر۔ پنجاب کے سکھ اور آسام کے پہاڑی سپاہی اس کی فوج میں موجود تھے۔

(۲) اس کے ماسوا یہ بھی واقعہ تھا کہ مسٹر جناح نے بھی صاف طور سے اعلان نہیں کیا تھا کہ اگر کانگریس ۶ ر دسمبر والی تشریح کو تسلیم کریگی تو وہ کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی میں شرکت کرلیں گے۔ ان کا بیان بھی غیر اطمینان بخش تھا کہ اگر کانگریس تسلیم کریگی تو میں آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل میں اس مسئلہ کو غور کیلئے پیش کر دوں گا۔ ایسی مذبذب صورت میں کانگریس کے لئے صورت حالی بہت نازک تھی۔

(۳) بایں ہمہ مولانا آزاد نے ایک بیان کے ذریعہ معاملہ کی بالکل توضیح کردی اور جو شکوک پیدا ہو سکتے تھے ان کا قلع قمع کر دیا۔ آپ نے اس طرح پر

بیان میں فرمایا کہ

گروپ بندی کو لازم کر دینے سے صوبہ آسام کے لوگوں میں سخت بے چینی پھیل گئی کیونکہ سیکشن (سی) میں صوبہ بنگال کی خالص اکثریت ہے — آسام کو ڈر ہے کہ صوبہ بنگال اپنی اکثریت کے بل بوتے پر ایسا آئین تیار کر لیگا کہ بعد ازاں صوبہ آسام کا گروپ سے نکلنا ہی ناممکن ہو جائے - وزیر ہند اور سر اسٹیفورڈ کرپس نے پارلیمنٹ میں بیان دیتے ہوئے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ صوبوں کا گروپوں سے علیحدہ ہو جانے کا حق ہر صورت میں برقرار رہے گا اور کوئی ایسا آئین بنانا جس میں صوبوں کے اس حق کو چھیننے کی کوشش کی جائیگی - کیبنٹ مشن کے ۱۶ر مئی کے اعلان کی اسپرٹ کے خلاف رہیگا - کانگریس نے ۶ر جنوری کو ایک ریزولیشن کے ذریعہ حکومت برطانیہ کا ۶ر دسمبر کا اعلان منظور کر لیا اور یہ بات مان لی کہ سیکشنوں میں جو فیصلے ہوں گے وہ سارے سیکشن کے ممبروں کی کثرت آراء سے ہوں گے - اور اگر سیکشن گروہ بندی کا دستور بنانا چاہیں تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائیگی - بشرطیکہ صوبوں کے لئے حق علیحدگی کا استعمال محفوظ رہے - اب معاملہ کی صورت صرف یہ ہے کہ اگر صوبہ بنگال ایسا قانون بناتا ہے کہ صوبہ آسام کے لئے گروپ سے باہر نکلنا ناممکن ہو جائے تو ایسی صورت میں صوبہ آسام کو دوبارہ ووٹ کرنے کا

حق قدرتی طور پر حاصل ہے اور اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن اگر بنگال ایسی زیادتی نہیں کرتا تو کوئی جھگڑا ابھی پیدا نہیں ہوتا۔ صرف حق کا معاملہ ہے کہ جدید آسام کو ایک حق حاصل ہے۔ کہ اگر چاہے تو وہ علیحدہ ہو جائے۔

آپ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ میرا خیال یہی ہے کہ چھوٹے صوبے بڑے صوبوں سے علیحدگی خود ہی پسند نہ کریں گے۔ بشرطیکہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے جس سے ان کا حق خود ارادیت سلب ہوتا ہو۔

(مختصراً) ماخوذ از تیج مورخہ ۳۰ر جنوری ۴۶ء

چنانچہ مولانا آزاد کے اس توضیحی بیان کے بعد روزنامہ انقلاب نے اپنے افتتاحیہ میں جس کا عنوان تھا۔ "اب لیگ کی شرکت میں کونسا امر مانع ہے؟" تحریر کیا۔

ہمارے نزدیک مولانا کا بیان کانگریس کے تمام بڑے لیڈروں کی رائے اور مشورہ کے مطابق اور ان کے اتفاق سے ساری پوزیشن کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ارکان مسلم لیگ کے نزدیک یہ کافی نہ ہو۔ لیکن بہتر ہو کہ وہ توضیحات کی مزید تصریح پر وقت صرف کرنے کے بجائے ویسے ہی اس کی تصدیق کرا لیں۔

(روزنامہ انقلاب لاہور۔ ۹ر ربیع الاول سنہ ۱۳۶۵ھ
۲ر فروری ۴۶ء)

اور اس کو خلاف قاعدہ قرار دینے کی کوشش کی تھی اور اسی طرح چند دوسری بے محل باتوں کا تذکرہ کر کے الفاظ کے مجموعہ کو بڑھایا گیا تھا اور صحیح جوابات مقصود سے پہلو تہی کر کے پنجاب اور فرنٹیر کے ہنگاموں کو موضوع بنا کر لیا گیا تھا۔

مجلس دستور ساز ہند (کانسٹی ٹیوشنٹ اسمبلی) کا افتتاح

۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کی تاریخ ہندوستان کے لئے مبارک تاریخ تھی۔ اب وہ مطالبہ جو ہندوستانیوں نے پچیس سال پیشتر کیا تھا آج پورا ہو رہا تھا:

ہندوستانیوں کو حق ہو کہ اپنی حکومت کا دستور خود بنائیں اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں اپنے جھگڑوں کو آپس میں خود طے کریں۔ اپنے خدشات کو خود رفع کریں یہ ہے کانسٹیٹیوشنٹ اسمبلی جس کا آج افتتاح ہو رہا ہے۔

یہ ہر ایک ہندوستانی کے لئے فال نیک ہے۔ ہر ایک ہندو اور مسلمان کے لئے باعث مسرت ہے۔ مگر افسوس لیگ کی غلط قیادت نے اس تاریخ کو عام مسلمانوں کے لئے رنج والم۔ غیظ وغضب کا دن بنا دیا ہے۔ اس کے بالمقابل ہندو خوش ہے۔ پھولا نہیں سماتا کہ اس کی پچیس سالہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔ جو جدوجہد اس نے کی تھی اس کا خوشگوار ثمرہ اس کو مل رہا ہے۔ ۱۹۳۰ء و ۱۹۳۲ء کی تحریک کا نتیجہ ہے اور ۱۹۴۲ء کی قربانیوں کا تحفہ۔

۱۴ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ - ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء (دوشنبہ) دس بجے صبح کو دور جدید کے ہندوستان کی پہلی اسمبلی کا افتتاح ہوا۔ تمام صوبوں کے تقریباً ۲۰۵ منتخب نمائندے جن میں ۹ عورتیں بھی شامل ہیں موجود تھے۔ یہ لوگ کونسل چیمبر

سے گنبد دار کتب خانہ میں جسے خوب روشن کیا گیا تھا۔ صدر کی کرسی کی طرف رخ کئے قطار در قطار نصف دائرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صوبائی گروہوں میں بیٹھے ہوئے اپنے اپنے صوبوں کے لباس میں ملبوس ایک رنگ برنگا منظر پیش کر رہے تھے۔ مسلم لیگ کے اراکین غیر حاضر تھے۔ البتہ قوم پرور مسلمان ممبر جنکی زندگیاں تحریک حریت کی مکمل تاریخ ہیں اجلاس میں نمایاں طور پر تشریف فرما ہیں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد۔ مسٹر آصف علی اگلی صف میں تشریف فرما ہیں۔ خان عبدالغفار خاں (عرف خاں بادشاہ) اپنی وضع قطع شکل و صورت۔ قد و قامت میں خود ہی امتیازی شان رکھتے ہیں اور عام ممبروں کے جھرمٹ میں مسٹر رفیع احمد صاحب قدوائی (وزیر داخلہ صوبہ یو۔ پی بھی بیٹھے ہوئے تفریح کر رہے ہیں۔

مسٹر کانگریس اچاریہ کرپلانی نے ہندوستانی زبان میں ایک مختصر تقریر کی اور صدارت کے لئے ڈاکٹر سچدانند سنہا کا نام پیش کیا۔

کرپلانی نے کہا اس تاریخی اور مبارک موقع پر اس اعزاز کا مستحق ڈاکٹر سنہا سے زیادہ کوئی نہیں جو نہ صرف عمر میں بزرگ ہیں بلکہ ملک کی سیاسی زندگی میں بھی واجب التعظیم ہیں۔ ڈاکٹر سنہا نے کرسی صدارت پر پہونچنے کے بعد فرمایا۔

مجھے برطانوی بلوچستان کے خان عبدالصمد خان کی انتخابی عذر داری موصول ہوئی ہے جس میں دستور ساز اسمبلی کے لئے برطانوی بلوچستان کے نمائندہ کی حیثیت سے نواب محمد خان جوگازئی کے انتخاب کے جواز کو چیلنج کیا گیا ہے۔ میرا

لے ابتدائی اجلاس کیلئے ڈاکٹر سچدانند سنہا کو عارضی طور پر صدر اسی لئے بنایا گیا تھا کہ یہ عمر میں تمام ممبروں سے زیادہ تھے۔ محمد میاں

فیصلہ یہ ہے کہ مستقل صدر کے انتخاب کے بعد جب تک اس معاملہ کا فیصلہ نہ ہو جائے نواب محمد خان جوگا زئی باقاعدہ منتخب کئے ہوئے رکن تصور کئے جائیں گے۔

ڈاکٹر سچدانند سنہا نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا:۔
ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کو امریکہ کے دستور کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے ۔ اس لئے نہیں کہ ہم اس کو اپنا لیں بلکہ اس لئے کہ ہندوستان کی ضرورتوں اور حاجتوں کے مطابق اس کو سوچ سمجھ کر ڈھال لیں۔
امریکہ کا دستور متعدد راضی ناموں اور متعدد مفاہمتوں پر مبنی ہے اور مجھے قومی کاموں کا پچاس سال کا جو تجربہ ہے اس کی بناء پر یہ سمجھتا ہوں کہ ہندوستان جیسے ملک کا دستور مرتب کرنے میں معقولیت پسند راضی ناموں اور مدبرانہ مفاہمتوں کی جتنی ضرورت ہے۔ اتنی کسی اور ملک میں نہیں۔ ....

۱۹۴۰ء میں ملک کی دو بڑی بڑی سیاسی جماعتوں (کانگریس اور لیگ) نے ہندوستان کا دستور تیار کرنے کی واحد صورت دستور ساز اسمبلی کو قرار دیا تھا۔
فرق صرف اتنا تھا کہ کانگریس پورے ہندوستان کے لئے ایک دستور ساز اسمبلی چاہتی تھی اور مسلم لیگ دو الگ الگ مملکتوں کے مطالبہ کے مطابق ایسی دو اسمبلیاں چاہتی تھی۔

(قومی آواز ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۶ء)

عارضی صدارت کے بعد ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب (بہار) کا نام کانگریس
پارٹی نے مستقل صدارت کے لئے منتخب کیا۔ چنانچہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو بالاتفاق
ڈاکٹر صاحب موصوف کو دستور ساز اسمبلی کا مستقل صدر منتخب کر دیا گیا۔

آزاد ہند ریپبلک کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو کی تجویز

پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو مندرجہ ذیل ریزولیشن کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی میں پیش کیا جو ۲۲ر جنوری ۱۹۴۷ء کو بالاتفاق منظور ہوا۔

یہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی اپنے اس پکے اور سنجیدہ تہیہ کا اظہار کرتی ہے
کہ ہندوستان کے ایک آزاد بالادست ریپبلک ہونے کا اعلان کیا
جائے اور یہ اپنی آئندہ حکومت کے لئے ایک آئین مرتب کرے۔
جس میں وہ علاقے جن پر اب برطانوی ہندوستان مشتمل ہے اور وہ
علاقے جو ہندوستانی ریاستوں کے باہر ہیں اور ایسے دوسرے علاقے
جو آزاد بالادست ہندوستان میں شامل ہونے پر رضامند ہیں۔
[illegible] یہ علاقے اپنی موجودہ حدود کے
ساتھ یا ان حدود کے ساتھ جنہیں کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی طے کرے اور بعد میں آئین
قانون کی رو سے خود مختار حصوں کی حیثیت حاصل کریں گے
اور قائم رکھیں گے۔ اور انہیں اختیارات مابقی بھی حاصل ہوں گے
اور حکومت اور انتظام کے تمام اقتدار اور اختیار کو بروئے کار
لائیں گے۔ ایسے اقتدار اور اختیار کو محفوظ اور مستثنیٰ رکھتے ہوئے جو

یونٹوں کو حاصل رہیں یا وودیعت کئے گئے ہیں یا جو داخلی اور مفوضی
طور پر یونین کو حق دیا یا اس کا نتیجہ ہیں اور جس میں بالادست آزاد
ہندوستان، اس کے اور اس کی ترکیبی اجزا کے تمام اقتدار اور اختیار
حکومت کے ترجمان عوام سے حاصل شدہ ہوں اور جس میں ہندوستان
کے تمام باشندوں کے لئے سماجی، اقتصادی اور سیاسی انصاف،
حیثیت اور موقعوں کی برابری اور قانون کی نظر میں خیال، اظہار، عقیدہ
دین، عبادت، پیشہ، جماعت بندی اور عمل کی آزادی۔ قانون
اور اخلاق عامہ کے ماتحت حاصل ہو۔ اور جس میں اقلیتوں پس ماندہ
اور قبائلی علاقوں اور دلت اور دوسرے پس ماندہ طبقوں کے لئے کافی
تحفظات رکھے گئے ہوں۔

اور جس میں جمہوریہ کے علاقہ کا استحکام اور خشکی تری اور فضا کی
بالادست حقوق مہذب قوموں کے انصاف اور قانون کی رو
سے حاصل رہیں اور دنیا میں اپنی مستحق اور باعزت جگہ حاصل ہو
اور دنیا میں امن اور نوع انسان کی بہبودی کے لئے اپنا پورا
رضاکارانہ حصہ ادا کر سکے۔

مدینہ - ۲۸ر جنوری ۴۷ء

تیج - ۱۵ر دسمبر ۴۶ء

لیگ کا دوسرا قدم

بہار کے ہنگاموں کے بعد ضلع ہزارہ کے چند دیہات پر قبائلی لوگوں نے حملہ کرکے دس پندرہ آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔ کچھ اغوا، اور غارتگری کے واقعات ہوئے۔ ان واقعات کے متعلق اگرچہ سردار منگل سنگھ مرکزی ایم۔ ایل۔ اے۔ نے مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ:۔

یہ افسوسناک واقعات بالکل اچانک نہیں پیش آئے۔ شروع شروع میں زیادہ تر لٹیروں کی ٹولیاں چھاپے مارتی تھیں اور یہ حملے معاشی مقصد کے لئے کئے جاتے تھے۔ لیکن اس مرتبہ ان کی پشت پر ایک باقاعدہ منصوبہ تھا......... بہار کے واقعات کے بعد قبائلی علاقوں میں کئی جلسے کئے گئے۔ جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ بہار کے کچھ لوگوں اور علی گڑھ یونیورسٹی کے کچھ طالب علموں نے تقریریں کیں اور لوگوں کو جوش دلایا۔ (قومی آواز ۶ فروری ص۷ کالم ۱)

مگر حکومت ہند نے ان واقعات کو کسی منصوبہ کا نتیجہ نہیں قرار دیا بلکہ پنڈت جواہرلال نہرو۔ وزیر امور خارجہ نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

یہ حملہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس میں کچھ نئی باتیں بھی شامل ہوگئیں۔ مگر درحقیقت یہ ایک ایسی پالیسی کا نتیجہ ہے جس پر عرصہ سے عمل ہو رہا ہے۔ ہم آزادی کے اسی لئے خواہاں ہیں کہ اس قسم کی پالیسیوں کو ختم کر دیں۔ ایوان کا فرض ہے کہ کوئی بہتر

پالیسی طے کرتے۔ مگر ظاہر ہے کہ جدید پالیسی پر عمل کرنا دو چار دن کا کام نہیں ہے۔ سالہا سال کی پالیسی کو بدل دینے میں دشواریاں بھی پیش آئیں گی اور وقت بھی صرف ہوگا۔ (ملخصاً)

(قومی آواز ۵ ؍ فروری ۴۷ء)

چنانچہ سرسری واقعہ کی حیثیت سے ان واقعات کی طرف بھی توجہ کی گئی۔ اور حکومت برطانیہ کے قدیمی طرز (کہ ایسے واقعہ کے بہانہ پر اندھا دھند ہوائی جہازوں سے گولہ باری شروع کردی جاتی تھی اور ان سرسبز پہاڑیوں کو کوہ آتش فشاں بنا دیا جاتا تھا) نیز عام ہندوؤں کی خواہش کے برخلاف بقول پنڈت جواہر لال نہرو:۔

ہمارے سامنے یہ سوال تھا کہ ان علاقوں پر فوراً ہوائی جہاز سے بمباری کی جائے یا نہیں۔ بہت غور وخوض کے بعد ہم نے قدرتی طور پر بمباری کی سراسر مخالفت کی۔

ہم نے فوراً اس علاقہ میں ایک مسلح فوج روانہ کردی اور کئی قسم کی شرطوں کا اعلان کردیا۔ قبائلیوں نے شرائط منظور کرلیں۔ شرائط ایک حد تک نرم تھیں۔ پچھتر ہزار روپیہ اور پچھتر رائفلوں کا تاوان اور بطور یرغمال چالیس آدمیوں کی حوالگی۔

(قومی آواز ۵ ؍ فروری ۴۷ء ص ۶ کالم ۴)

بہرحال بہار اور گڈھ کے ہنگامہ کے بعد تمام ہندوستان میں تقریباً تین ماہ تک سکون رہا۔ بمبئی۔ کلکتہ۔ الہ آباد میں اکّا دکّا حملوں کے واقعات گاہے گاہے

پیش آتے رہے مگر وہ کسی تحریک کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ یہ صورت حال قدرتی طور پر مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کے لئے سخت خطرناک تھی۔ یکایک ۲۵ جنوری ۱۹۴۷ء کے اخبارات نے اطلاع دی کہ پنجاب میں مسلم گارڈ اور راشٹریہ سیوک سنگھ۔ غیر قانونی قرار دیدیئے گئے۔ ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو اس اقدام کے متعلق حکومت پنجاب نے اعلانیہ (کمیونکے) شائع کیا کہ :۔

حکومت پنجاب نے حال ہی میں ترمیم قانون تعزیرات ۱۹۰۸ء کی ماتحت مسلم نیشنل گارڈ اور راشٹریہ سیوک سنگھ کو غیر قانونی قرار دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس فیصلہ کی وجہ ان کے نزدیک یہ تھی کہ موجودہ حالت میں ذاتی فرقہ وارانہ فوجیں امن عامہ کے لئے خطرہ ہیں۔ یہ اعلان آج جاری کر دیا گیا تھا اور معمولاً دونوں جماعتوں کے دفتروں کی تلاشیاں لی گئیں۔ لاہور میں راشٹریہ سیوک سنگھ کے دفتروں کی تلاشی کی کارروائی میں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ لیکن مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے دفتر میں بعض حضرات نے تلاشی کے کام میں مزاحمت کی جس کی بنا پر ان لوگوں کو عام قانون کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری پر مظاہرے کئے گئے جس کی بنا پر اب تک ۴۲ گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

حکومت پنجاب اس امر کو واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اس کی یہ کارروائی کسی سیاسی جماعت کے خلاف نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ "ذاتی فرقہ وارانہ" فوجوں کی تنظیم کو روک دیا جائے جو

تمام پر امن شہریوں کے لئے بہت بڑا خطرہ ہیں۔

(قومی آواز ۲۶ جنوری ۱۹۴۷ء)

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ان مزاحمت کرنیوالوں میں پیش پیش وہ ذات[1] گرامی تھی جن کو چند ماہ پیشتر امریکہ جانے کے لئے گورنمنٹ آف انڈیا نے ہوائی جہاز مہیا کیا تھا۔ تاکہ وہاں پہنچ کر متحدہ ہندوستان کے برخلاف تقسیم ہندوستان کی حمایت میں پروپیگنڈا کریں۔[2]

اس مزاحمت میں سر فیروز خاں نون۔ مسٹر افتخار حسین خان ممدوٹ صدر پنجاب مسلم لیگ۔ میاں افتخار الدین۔ میاں ممتاز دولتانہ۔ سردار شوکت حیات خاں بھی بیگم صاحبہ کی تقلید کر رہے تھے۔ چنانچہ پاکستان شریف کے یہ تمام جگر پارے ساتھ ساتھ گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن چند روز بعد حکومت پنجاب نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ اور نیشنل گارڈ اور "راشٹریہ سیوک سنگھ" کے اوپر سے پابندی اٹھالی۔

حکومت کی یہ رجعت "بظاہر ایک کمزوری تھی۔ ارباب لیگ نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور ایک قدم آگے بڑھا کر "پبلک سیفٹی آرڈی نینس" یعنی ان پابندیوں کے خلاف جو تحفظ عوام کے نام پر حکومت پنجاب نے قائم کر رکھی تھیں سول نافرمانی شروع کر دی۔ ۳۴ روز یعنی ۲۶ فروری تک سول نافرمانی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۲۶ فروری ۱۹۴۷ء کو وزارت اور لیگ کے درمیان سمجھوتہ[3] ہو گیا

---

[1] یعنی بیگم شاہنواز۔

[2] برطانیہ کی دو عملی پالیسی کے زیر عنوان اس واقعہ کو صراحت سے بیان کیا جا چکا ہے۔

[3] سمجھوتہ کی شرطیں یہ تھیں۔ (۱) عام جلسوں پر سے پابندی ہٹالی جائیگی۔ (باقی صفحہ ۵۵۶ پر)

لیکن باہمی سمجھوتہ سے تین روز بعد ۲ر مارچ ۴۷ء کو خضر حیات خاں کی وزارت نے استعفا پیش کر دیا۔ رات کے وقت ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کو بیان دیتے ہوئے خضر حیات خاں مستعفی وزیر اعظم نے کہا:۔

سال گذشتہ جب گورنر کی دعوت پر میں نے تشکیل حکومت کی ذمہ داری قبول کی تھی تو مجھے یقین کامل تھا کہ صوبہ کا مفاد اسی میں ہے کہ حکومت کا نظم و نسق کوئی غیر فرقہ وارانہ جماعت چلائے۔ ورنہ پھر مشترکہ وزارت چلائے۔ آج بھی میں اسی کا قائل ہوں۔ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے کے خطرات اس قدر آشکارا ہیں کہ ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی بنیاد پر میں نے صوبائی اور انتظامی مسائل اور مرکزی و دستوری مسائل کے درمیان ایک حد امتیاز قائم کی ہے جب تک یہ انتظام برقرار رکھا جائیگا۔ میں اس کا قائل رہا کہ مشترکہ وزارت صوبائی نظم و نسق کو کامیابی سے چلانے کے ساتھ فرقہ وارانہ خلیج کو کم کرنے میں ایک پل کا کام کر سکتی ہے اور پنجاب کے انتظامات دوسرے صوبوں کے لئے سبق آموز ہو سکتے ہیں۔ نہایت افسوس کے ساتھ بیان کرنا پڑتا ہے کہ جو خلیج دو فرقوں کو جدا کرتی تھی وہ آج بھی اسی قدر

(بسلسلہ ۵۵۵) پنجاب سیفٹی آرڈی ننس کے بجائے پنجاب میں امن قائم رکھنے کے لئے باقاعدہ قانون بنایا جائے گا (۳) تمام قیدی رہا کئے جائیں گے مگر وہ لوگ نہ چھوڑے جائیں گے جو دفعہ ۳۲۵ یا دیگر سنگین الزامات میں ماخوذ ہیں۔ (۴) جلوس نکالنے پر پابندی قائم رہے گی۔

(منشور مورخہ یکم مارچ ۴۷ء)

وسیع ہے جس قدر پہلے تھی۔ ملک معظم کے اعلان مورخہ ۲۰ فروری
۱۹۴۷ء کے بعد صوبوں اور مرکز کی حد فاصل بالکل ختم ہو گئی ہے۔
صوبائی نظم و نسق اور مرکزی دستوری مسائل میں جو امتیازی حدیں
قائم کی تھیں وہ برقرار نہیں رہیں۔ لہذا اب مشترکہ وزارت کے ذریعہ
اختلافات کی خلیج کو پاٹنے کا کام بیکار ہے اور اس کی ساری بنیادیں
درہم برہم ہو گئیں۔ ملک معظم کی حکومت نے اپنے اس عزم کا اعلان
کردیا ہے کہ بتدریج اختیار منتقل ہوتا رہے گا اور جون ۱۹۴۸ء تک
یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اگر ملک معظم کی حکومت صوبائی حکومتوں کو
اقتدار منتقل کرے تو پنجاب کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ یہاں
بڑی سیاسی جماعتیں نظم و نسق چلانے کے متعلق کوئی باہمی سمجھوتہ
کریں تاکہ اقتدار جب منتقل ہو تو ان کے ہاتھوں میں ہو جائے۔

(منشور مورخہ ۵ مارچ ۱۹۴۷ء ۵۲/۱۰)

مسٹر جناح صاحب کی مسرت

خضر حیات خاں صاحب کے استعفے
سے مسٹر جناح صاحب کے دل و دماغ پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ آپ نے ۳ ر
مارچ کو بیان دیا کہ:-

مجھے آج صبح یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ ملک خضر حیات خاں
نے اپنا اور اپنی کابینہ کا استعفیٰ داخل کر دیا ہے۔ انھوں نے ایک
عاقلانہ فیصلہ کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب بھی
[illegible] پر عمل کریں گے [illegible] مسلمان قوم کو جس صورت [illegible]

کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ اُس کے پیش نظر یہ ازبس ضروری ہے
کہ ہم میں مکمل طور پر اتحاد ہو۔ (بیان کے آخر میں آپ نے فرمایا) اس
لئے میں دوبارہ تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ کے
پرچم تلے متحد ہو جائیں اور پھر ہم سب مل کر قوم کے سپاہیوں
کی طرح آگے بڑھیں۔

(نوائے وقت از صلا مورخہ ۵ مارچ ۱۹۴۷ء)

خضر حیات خاں کے استعفے کے بعد گورنر پنجاب نے مسٹر افتخار حسین خان
(ممدوٹ) صدر مسلم لیگ پنجاب کو بڑی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے تشکیل وزارت
کی دعوت دی اور آپ تشکیل وزارت کی دیرینہ تمنا کی تکمیل میں دوڑ دھوپ کرنے لگے۔

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

جون ہی خان ممدوٹ نے لیگی وزارت کی تشکیل کی جدوجہد شروع کی۔ اُن کو معلوم ہو گیا۔ "خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم"
قائد اعظم اور متوقع وزیر اعظم کی دل کی آرزو دل ہی میں رہ گئی۔ جب ہندوؤں اور سکھوں
نے اعلان کر دیا کہ وہ لیگی وزارت کو برداشت نہیں کریں گے۔ چنانچہ بطور احتجاج
۴ر مارچ کو استعفے کے دن، ہندو اور سکھ طلبہ نے لاہور میں ایک جلسہ بھی کر دیا۔
پولیس کی ناعاقبت اندیشی نے اس معمولی جلسہ کو کوہ آتش فشاں بنا دیا۔ اُس نے
جلسہ کو منتشر ہونے کا حکم دیا اور جب طلبہ نے منتشر ہونے سے انکار کر دیا تو پولیس
نے گولیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ جس سے بارہ طلبہ ڈھیر ہو گئے اور بہت سے
طلبہ اور حاضرین زخمی ہوئے۔ پولیس کی اس حرکت نے بارود کے ڈھیر میں دیا سلائی

کا کام کیا۔ سکھ لیڈر "ماسٹر تارا سنگھ" نے نوجوانوں سے قربانیوں کی اپیل کی چنانچہ جلسے اور جلوسوں کے بجائے پنجاب میں قتل و غارتگری کا بازار گرم ہو گیا۔ لاہور اور امرتسر میں آتش زنی اور غارتگری کے عناصر بڑے زیادہ نوٹ [illegible] بھی تباہ کن قوتوں کا مظاہرہ [illegible] کے نتیجہ میں ہزاروں [illegible] مسلمان قتل ہوئے، اور [illegible] ہوئے اور کروڑوں روپیہ کی جائیداد [illegible] اور [illegible] نذر آتش ہو گئیں۔

[illegible] کے مطابق جدید وزارت کی تشکیل تک حکومت کی ذمہ داری خضر حیات خان پر تھی۔ مگر آپ نے ۴ر مارچ ۱۹۴۷ء کو گورنر پنجاب کی خدمت میں اس ذمہ داری سے بھی معذرت پیش کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گورنر پنجاب نے اطمینان سے دفعہ ۹۳ نافذ کر دی اور تمام حکومت خود سنبھال لی۔ ملک خضر حیات خان نے نگراں حکومت سے استعفا پیش کرنے کے بعد پریس کو بیان دیا:-

جب میں نے ۲ر مارچ کو استعفا دیا تو گورنر کو یقین دلایا تھا کہ جب تک نئی وزارت نہ بن جائے میں عہدہ کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہوں لیکن میرے غیر مسلم ساتھیوں نے اب مجھے اطلاع دی ہے کہ وہ نظم و نسق کی ذمہ داری لینے سے انکار کرتے ہیں۔ لہذا مجھے گورنر کو اطلاع دینی پڑی کہ میری کابینہ استعفا دیتی ہے۔ میں اس موقع پر ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے میری مدد اور حمایت کی۔ (منشور۔ ۷ر مارچ ۱۹۴۷ء)

لالہ بھیم سین سچر۔ سردار سورن سنگھ اور چودھری بہاری سنگھ نے استعفے کے ساتھ حسب ذیل بیان دیا:-

ہم نے عام روایت کے مطابق وزیراعظم کے ساتھ ذمہ داری قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ لیکن لاہور میں فائرنگ اور فساد سے جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ اس کی ہم ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ (منشور صا مورخہ ۷ مارچ ۱۹۴۷ء ۵۲/۱۰۷)

مذکورہ بالا واقعات کے مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے کہ جب لیگ کا ڈائرکٹ ایکشن مجلس دستور ساز کو نہ روک سکا۔ اور ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء سے "کانسٹیٹیوئنٹ اسمبلی" کا اجلاس شروع ہو گیا۔ تو اب مسٹر جناح اور ان کی لیگ کی جدوجہد یہ ہوئی کہ پاکستانی علاقوں کی طرف سے "کانسٹیٹیوئنٹ اسمبلی" کا بائیکاٹ بدستور جاری رہے۔ بنگال میں لیگی وزارت تھی اور لیگ کے احکام کی پابند تھی۔ سندھ کی لیگی وزارت مخدوش پوزیشن میں تھی۔ اس کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک بھی پیش ہو چکی تھی۔ مگر گورنر سندھ اور حکومت برطانیہ نے بروقت لیگ کی امداد کی۔ سابق انتخابات کو منسوخ کر کے دوبارہ انتخابات کرائے جس میں لیگ کو اس کے پشت پناہوں کی بدولت کامیابی ہوئی۔ اب پنجاب اور صوبہ سرحد کا قصہ باقی رہ گیا۔ پنجاب میں تحریک سول نافرمانی شروع کرائی گئی ابھی وہ تحریک جاری تھی کہ ۲۰ فروری کو مسٹر اٹیلی کے بیان نے پاکستان کے امکانات اور زیادہ قوی کر دیئے۔ بلکہ پاکستان کو یقینی کر دیا۔ لہٰذا خضر حیات خاں نے سمجھوتہ کرایا۔ اور پھر وزارت سے استعفیٰ پیش کر دیا۔ ممکن تھا کہ خضر حیات خاں کو لیگی وزارت میں کچھ حصہ مل جاتا مگر ہندوؤں اور سکھوں کی جماعتوں نے اس منصوبہ کو ناکام کر دیا۔ اس کے بعد سرحدی [illegible]

سرحدی وزارت کے خلاف آج[۵] تک تحریک جاری ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ سرحد کے بیان سے پہلے مسٹر ایٹلی کا بیان نقل کردیں تاکہ معاملہ آسانی سے سمجھ میں آسکے۔

انتقال اختیارات کی تاریخ کا تقرر

مسٹر ایٹلی کا اعلان۔ پاکستان کی تقویت۔ لارڈ ویول کا استعفا

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا تقرر

فروری ۱۹۴۷ء کے پہلے ہفتہ میں پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کے آٹھ ساتھیوں نے وائسرائے ہند کو خط لکھا کہ لیگ کی مجلس عاملہ کی کراچی والی قرارداد نے پیچیدہ اور غیر معقول صورت حال پیدا کردی ہے۔ وزارتی مشن کی سفارشات کے پیش نظر یا تو لیگ کو کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی میں شرکت کرنی چاہیے ورنہ لیگی ممبران کو عارضی حکومت سے مستعفی ہو جانا چاہیے۔

انہیں ایام میں یہ اطلاعات بھی شائع ہوئیں کہ لارڈ ویول وائسرائے ہند اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے رہے ہیں۔

حکومت برطانیہ نے ممبران لیگ کے استعفے کے متعلق تو کوئی فیصلہ نہیں صادر کیا۔ البتہ ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو یہ اعلان کر دیا گیا کہ لارڈ ویول وائسرائے ہند اپنے عہدہ سے علیحدہ کر دیے گئے۔ اور ان کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند

---

[۵] یعنی ۲۹ مئی ۱۹۴۷ء تک۔

مقرر کئے گئے ہیں۔

اسی کے ساتھ دار العوام میں وزیر اعظم برطانیہ مسٹر اٹیلی نے مندرجہ ذیل طویل بیان دیا۔ جس میں ہندوستان کے متعلق برطانیہ کی پالیسی واضح کی۔

۲۰ فروری کا اعلان برطانیہ میں برسر اقتدار آنیوالی تمام حکومتوں کی یہ پالیسی رہی ہے کہ ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کے قیام کی کوشش کی جائے۔ اس پالیسی کے مطابق ہندوستان میں بڑھتی ہوئی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ اور آج شہری نظم و نسق اور ہندوستان کی مسلح فوجوں کا انحصار بہت بڑی حد تک ہندوستانی شہریوں اور ہندوستانی افسروں پر ہے۔

جہاں تک دستوری ترقی کا تعلق ہے۔ برطانوی پارلیمنٹ کے پاس کردہ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۳۵ء کے دو ایکٹوں میں بڑی حد تک سیاسی اختیارات کے منتقل کرنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔

۱۹۴۰ء میں کولیشن گورنمنٹ نے یہ اصول تسلیم کیا تھا کہ کامل طور پر خود مختار ہندوستان کے لئے ہندوستانیوں کو خود ایک نیا دستور وضع کرنا چاہئے اور ۱۹۴۲ء کی پیشکش میں اس نے ان کو دعوت دی تھی کہ اس غرض کیلئے جنگ ختم ہوتے ہی ایک دستور ساز اسمبلی قائم کریں۔

(۲) ملک معظم کی حکومت اس پالیسی کو صحیح اور محکم جمہوری اصول کے مطابق یقین کرتی ہے۔ اور وہ جب سے برسر اقتدار آئی ہے۔ اس نے اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے۔ گذشتہ مارچ کی پندرہ تاریخ کو وزیر اعظم نے جو اعلان کیا تھا............ اور جس سے پارلیمنٹ اور ملک نے

عام طور پر اتفاق کیا تھا۔ اس میں یہ امر واضح کر دیا گیا تھا کہ :-

اپنے لئے آئندہ حیثیت اور دستور اختیار کرنا ہندوستانیوں کا خود اپنا کام ہے اور یہ کہ ملک معظم کی حکومت کی رائے میں وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کی حکومت کی ذمہ داری ہندوستانیوں کو سونپ دی جائے۔

(۳) پچھلے سال جو وزارتی وفد ہندوستان بھیجا گیا تھا اس نے تین ماہ سے زیادہ عرصہ ہندوستانی رہنماؤں سے اس مقصد کے پیش نظر تبادلہ خیال کیا۔ کہ ہندوستان کا آئندہ دستور مرتب کرنے کے لئے انہیں کس طریقہ کار پر رضامند ہونے میں مدد دی جائے۔ تاکہ اختیارات کی منتقلی پر سکون طریقہ سے اور جلدی جلد عمل میں لائی جائے۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ وزارتی وفد کی طرف سے کوئی اقدام کئے بغیر کوئی تصفیہ نہیں ہو سکتا تو اس نے خود تجاویز پیش کر دیں۔

(۴) ان تجاویز میں جن کا اعلان گذشتہ مئی میں کیا گیا تھا یہ مرقوم ہے کہ ہندوستان کا آئندہ دستور ایک دستور ساز اسمبلی طے کرےگی۔ یہ اسمبلی تجاویز میں بتائے ہوئے طریقے کے مطابق برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کی تمام جماعتوں اور مفادات کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔

(۵) مشن کے واپس آجانے کے بعد سے مرکز میں ایک عارضی حکومت قائم ہو چکی ہے جو بڑی بڑی جماعتوں کے سیاسی لیڈروں پر مشتمل ہے اور جسے موجودہ دستور کے تحت وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ تمام صوبوں میں ہندوستانی حکومتیں قائم ہیں جو مجالس وضع قانون کو جواب دہ ہیں۔

(۶) ملک معظم کی حکومت کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہے کہ ہندوستانی پارٹیوں

ابھی تک اختلافات موجود ہیں جو دستور ساز اسمبلی کو اس طرح کام کرنے سے روک رہے ہیں جس طرح اسے کام کرنا چاہئے تھا۔ وزارتی اسکیم کی حقیقی معنویت یہ ہے کہ اسمبلی مختلف جماعتوں کی پوری پوری نمائندہ ہو۔

(۷) ملک معظم کی حکومت کی خواہش یہ ہے کہ وزارتی وفد کی اسکیم کے مطابق ایسے با اختیار اداروں کو ذمہ داری منتقل کردی جائے جو ہندوستان کی تمام پارٹیوں کے منظور کردہ آئین کی رو سے قائم کئے گئے ہوں۔ لیکن سردست بدقسمتی سے ایسی کوئی واضح امید نظر نہیں آتی کہ ایسا دستور اور ایسے با اختیار ادارے وجود میں آجائیں گے کہ موجودہ غیر یقینی حالت خطروں سے پُر ہے۔ اور اسے غیر معین عرصے کے لئے طول نہیں دیا جاسکتا۔ ملک معظم کی حکومت یہ واضح کردینا چاہتی ہے کہ ان کا یہ قطعی ارادہ ہے کہ حد جون ۴۸ء تک ہندوستان کے ذمہ دار ہاتھوں میں اختیارات منتقل کرنے کی غرض سے ضروری تدبیریں عمل میں لائے۔

(۸) اس بڑے ذیلی براعظم میں جس میں اس وقت چالیس کروڑ سے زیادہ لوگ آباد ہیں۔ برطانوی دولت مشترکہ اور سلطنت کے ایک حصہ کے طور پر گذشتہ سو سال کے دوران میں امن و امان کا دور دورہ رہا ہے۔ اگر ہندوستان کے لوگوں کو اقتصادی ترقی کے پورے امکانات کو عمل میں لانا اور زندگی کا ایک اعلیٰ معیار حاصل کرنا ہے تو آج امن و امان کے بدستور باقی رکھنے کی جس قدر ضرورت ہے اتنی کبھی نہ تھی۔

(۹) ملک معظم کی حکومت کی دلی خواہش ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریاں ایک ایسی حکومت کو سونپ دے جو حمایت عوام کی مستحکم بنیاد پر قائم ہو اور ہندوستان

میں امن قائم رکھنے اور انصاف اور قابلیت کے ساتھ نظم و نسق کو چلانے کی اہلیت رکھتی ہو۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ تمام جماعتیں اپنے اختلافات مٹا دیں تاکہ ان ذمہ داریوں کو جو ان پر آئندہ سال آنے والی ہیں اپنے کاندھے پر اٹھانے کیلئے تیار ہو جائیں۔

(۱۰) وزارتی وفد کی مہینوں کی محنت کے بعد اس طریقہ کار کے متعلق بہت کچھ مفاہمت ہو گئی تھی جس کے مطابق دستور وضع کیا جائے گا۔ یہ وفد کے گذشتہ مئی کے بیانات میں شامل تھا کہ ملک معظم کی حکومت اس بات پر رضامند تھی کہ اس میں مندرج تجاویز کے مطابق جو دستور ایک مکمل نمائندہ دستور ساز اسمبلی بنائے گی اسے پارلیمنٹ کے سامنے سفارشاً پیش کرے گی۔ لیکن اگر یہ ظاہر ہو کہ ایسا دستور اس وقت سے پہلے جس کا ذکر فقرہ ۷ میں ہے ایک مکمل نمائندہ اسمبلی نہ بنا سکے گی تو ملک معظم کی حکومت کو یہ غور کرنا ہوگا کہ وقت معینہ پر برطانوی ہند میں مرکزی حکومت کس کو سونپ دی جائے۔ آیا وہ یہ اختیار بحیثیت مجموعی برطانوی ہند کی کسی طرح کی مرکزی حکومت کو دیدے یا یہ بعض[۵] علاقوں میں موجودہ صوبائی حکومتوں کو۔ یا کوئی ایسا دوسرا طریقہ اختیار کرے جو ہندوستان

---

[۵] اس فقرہ کی توضیح کرتے ہوئے سر اسٹیفورڈ کرپس نے ۵ مارچ کو پارلیمنٹ کی تقریر میں فرمایا: ہم نے جو طریقہ رکھا ہے اسے کچھ لوگ مبہم بتاتے ہیں۔ ہم چاہتے تو یہی ہیں کہ اختیارات ایک ہی مرکزی حکومت کو منتقل کریں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ نہ ہی تو ہم کیا کریں گے۔ اس صورت میں ہم نے حکومت یا حکومتوں کو اختیارات منتقل کرنے کا متبادل طریقہ رکھا ہے یعنی یا تو صوبوں کی حکومتوں کو یا صوبوں کی متحدہ حکومتوں کو جیسا کچھ بھی ہندوستان کے مستقبل کیلئے بہتر ہو۔ (اخبار تیج مورخہ ۶ مارچ ۴۷ء)

کے باشندوں کے بہترین مفادات کیلئے بہترین اور سب سے زیادہ معقول ہو
(۱۱) اگرچہ ممکن ہے کہ اقتدار کی مکمل منتقلی جون ۱۹۴۸ء سے پہلے نہ ہو سکے۔ مگر ابتدائی تدبیریں پہلے سے اختیار کرنی چاہئیں۔ شہری نظم ونسق کی عمدگی برقرار رکھنی ضروری ہے اور ہندوستان کے دفاع کا پورا انتظام ہونا چاہئے۔ مگر منتقلی کا کام آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ لازمی طور سے یہ امر بھی زیادہ مشکل ہوتا جائیگا۔ کہ حکومت ہند کے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کی شرائط کے مطابق لفظ بلفظ عمل ہو اقتدار کی آخری منتقلی کو عمل میں لانے کے لئے مناسب وقت پر قانون بنایا جائے گا۔

(۱۲) ہندوستانی ریاستوں کے متعلق جیساکہ وزارتی وفد نے صاف طور پر بیان کیا تھا ملک معظم کی حکومت اپنے وہ اختیارات اور ذمہ داریاں جو اسے اقتدار اعلیٰ کے تحت حاصل ہیں کسی برطانوی ہند کی حکومت کو نہیں دینا چاہتی۔ یہ ارادہ نہیں ہے کہ ایک نظام کی حیثیت سے اقتدار اعلیٰ کو اقتدار کی آخری منتقلی کی تاریخ سے پہلے ختم کردیا جائے۔ مگر یہ منشا ہے کہ درمیانی زمانہ میں انفرادی حیثیت سے ریاستوں کے تعلقات تاج کے ساتھ مفاہمت کے ذریعہ طے کئے جائیں۔

(۱۳) ملک معظم کی حکومت ان امور کے متعلق جو اختیارات کی منتقلی کے سلسلہ میں پیدا ہوں ان لوگوں کے نمائندوں کے ساتھ معاہدے کرنے کے لئے گفت و شنید کریگی۔ جنہیں وہ اختیارات منتقل کرنا چاہتی ہے۔

(۱۴) ملک معظم کی رائے میں ہندوستان کے برطانی۔ تجارتی۔ و صنعتی مفادات

نئے حالات میں اپنے کاروبار کی مناسب توسیع کی توقع کر سکتے ہیں۔ ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان مدت سے دوستانہ تعلقات قائم ہیں۔ اور وہ باہمی فائدے ملنے کے لئے برابر قائم رہیں گے۔

(۱۵) اس وقت جبکہ باشندگان ہند اپنی حکومت خود اختیاری کے حصول کے آخری مرحلہ سے گذر رہے ہیں۔ ملک معظم کی حکومت اس ملک کے باشندوں کی طرف سے باشندگان ہند کے متعلق خیر سگالی اور خیر خواہی کا اظہار کئے بغیر اس بیان کو ختم نہیں کر سکتی۔ دستوری تبدیلیوں کے باوجود ان جزائر کے ہر ایک آدمی کی خواہش یہ ہوگی کہ باشندگان برطانیہ اور باشندگان ہند کا رابطہ ختم نہ ہونا چاہیے۔ باشندگان برطانیہ کی خواہش رہے گی کہ ہندوستان کی فلاح و بہبود کو ترقی دینے کی حتی المقدور انتہائی کوشش کریں۔

۲

وائسرائے کی تبدیلی ایوان ایک اعلان کے متعلق بھی معلومات حاصل کرنا چاہے گا جو آج پبلک کے سامنے آیا ہے۔ فیلڈ مارشل رائٹ آنریبل وائیکاونٹ ویول نے جنگ کے آغاز کے بعد مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیا اور ہندوستان میں خاص امتیاز کے ساتھ اعلی فوجی کمان کے فرائض انجام دیئے اور اس کے بعد وہ سنہ ۱۹۴۳ء میں وائسرائے مقرر کئے گئے۔ طے پایا تھا کہ یہ تقرر زمانہ جنگ کیلئے ہوگا۔ لارڈ ویول نے اس نہایت سخت دور میں اس اعلی منصب کے فرائض وفادار اور زبردست احساس فرض کے ساتھ انجام دیئے۔ لیکن ظاہر ہوا کہ یہ وقت جبکہ ہندوستان میں ایک نئے اور آخری مرحلہ کو شروع کیا جا رہا ہے اس زمانہ جنگ

یکے تقرر کو ختم کرنے کے لئے موزوں ہے۔ ملک معظم کی حکومت نے لارڈ ویول کے جانشین کے طور پر ایڈمرل ارل ماؤنٹ بیٹن کا تقرر منظور فرمالیا ہے۔ جنہیں یہ کام سپرد کیا جائیگا کہ وہ برطانوی ہند پر حکومت کرنے کی ذمہ داری باشندگان ہند کو ایسے طریقہ کے مطابق منتقل کریں جس سے ہندوستان کی آئندہ مسرت اور خوش حالی کا بہترین یقینی بندوبست ہو جائے۔ وائسرائے کی تبدیلی مارچ میں واقع ہوگی۔ ایوان کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ ملک معظم کی حکومت نے وائیکاؤنٹ ویول کو ازراہ کرم ارل کا رتبہ عطا فرمایا ہے

(ترجمہ شائع کردہ پبلک انفارمیشن گورنمنٹ آف انڈیا)

۵ رمارچ ۱۹۴۷ء کو پارلیمنٹ میں اس اعلان کی تصدیق کے متعلق تجویز پیش ہوئی۔ سر اسٹیفورڈ کرپس نے تجویز پیش کرتے ہوئے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے مسٹر چرچل کے عہد وزارت عظمیٰ میں جو وعدے ہندوستان کی آزادی کے متعلق کئے گئے تھے یہ اعلان انہیں وعدوں کی تکمیل ہے جو اس وقت برطانیہ نیز ہندوستان کے مفاد کے لئے ازبس ضروری ہے۔

اس کے بعد مسٹر چرچل نے جو مفصل تقریر کی اس کے خاص خاص اقتباسات نقل کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) ہندوستان کی سیاسی جماعتیں ہندوستان کی کثیر تعداد کی نمائندہ نہیں ہیں۔ ان سیاسی فریقوں کو حکومت ہند تفویض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ گھانس پھوس کے ایسے آدمیوں کو اختیارات منتقل کر رہے ہیں جن کا چند سال کے بعد ہی کوئی نشان باقی نہ رہے گا۔ حقیقی پارٹی وہ ہے جس نے اس جنگ میں

عملی حصہ لیا۔ چنانچہ پینتیس لاکھ ہندوستانی آگے بڑھے اور انھوں نے ملک معظم اور برطانیہ کی امداد کی۔ یہ لوگ رضاکارانہ طور پر فوج میں بھرتی ہوئے۔ وہاں کوئی جبری بھرتی نہیں تھی۔

(۲) برطانوی حکومت ہمیشہ سے ہندوستانی باشندوں کو حکومت خود اختیاری سپرد کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اگست ۱۹۱۷ء میں درجہ نوآبادیات کا وعدہ کیا گیا تھا۔ پھر ویسٹ منسٹر کے قانون کے مطابق درجہ نوآبادیات کو وسعت دی گئی تھی ۱۹۳۰ء میں سائمن کمیشن کی رپورٹ تیار ہوئی۔ ۱۹۳۵ء میں لارڈ لنلتھگو کی رپورٹ تیار ہوئی ۱۹۴۰ء میں جب میں برسر اقتدار تھا لارڈ لنلتھگو نے ہندوستانیوں سے کہا تھا کہ جنگ کے خاتمہ پر ان کو خود مختار حکومت کا آئین بنانے کی اجازت ہوگی۔

(۳) ۱۹۴۲ء کی کرپس پیشکش درحقیقت ۱۹۴۰ء کے اعلان پر ہی مبنی تھی مگر ان حالات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ جن کی موجودگی میں کرپس کی تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ مشرقی ایشیا میں جاپان کا آتش فشاں پھوٹ پڑا تھا۔ امریکی بحری بیڑہ ساحل امریکہ پر واپس چلا گیا تھا۔ پرنس آف ویلز اور ریپلز جیسے جہاز غرق ہو چکے تھے۔ سنگاپور ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ حالات ایسے ہو گئے تھے کہ ہندوستان کو جاپان کے ہاتھوں سے بچانے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں تھا۔ خلیج بنگال پر ہمارا قابو نہیں رہا تھا اور بحر ہند میں بھی قریب یہی کیفیت تھی۔ اس کا ہر لحظہ خطرہ تھا اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ بنگال اور مدراس کے صوبے کب جاپانی تاخت وتاراج کا مرکز بن جائیں گے۔

(۴) کرپس تجاویز کو ہندوستانیوں نے منظور نہیں کیا تھا۔ چنانچہ کرپس

اعلان کرآئے تھے کہ اگر یہ پیش کش منظور نہ کی گئی تو واپس لے لی جائیگی۔ مگر بعد میں مسٹر ایمری نے اعلان کر دیا تھا کہ یہ پیشکش باقی رہیگی۔

(۵) کرپس تجاویز کی لازمی شرط یہ تھی کہ ہندوستان میں جو آئین تیار کیا جائے اس پر تمام جماعتیں متفق ہوں۔ ہندو اور مسلمانوں میں معاہدہ اور تعاون ہو اقلیتوں خصوصاً اچھوتوں کے متعلق پورا تحفظ ہو۔ (مختصر یہ کہ جب وہ اضطراری حالت باقی نہ رہے جن کی بناء پر کرپس کی دلفریب تجاویز پیش کی گئی تھیں اور وہ تمام جماعتوں کے اتحاد و اتفاق کی شرط بھی پوری نہیں ہے تو اب ایفاء وعدہ برطانیہ کی روایتی ڈپلومیسی کے خلاف ہے۔)

(۶) ایسی ہندوستانی دستور ساز اسمبلی ہمارے ذہن میں نہیں ہے جو اپنا آئین پارلیمنٹ سے منظور کرائے بغیر برطانیہ سے الحاق یا علیحدہ کا فیصلہ کر سکے۔

(۷) موجودہ حکومت بہت سی غلطیاں کر رہی ہے۔ مثلاً ایک غلطی یہ ہے کہ نا کافی حق رائے دہندگی کی بنیاد پر موجودہ دستور ساز اسمبلی قائم کی گئی۔ لہذا یہ اسمبلی ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتی۔

(۸) ایک غلطی یہ ہے کہ وائسرائے کی کونسل کے ہندوستانی ممبروں کو علیحدہ کر کے ہندوستان کی حکومت پنڈت نہرو کے سپرد کر دی گئی۔ مسٹر نہرو کی حکومت مکمل تباہی اور بربادی کا باعث رہی ہے۔ اس کے قیام کے بعد ہی حکومت ہند کے محکموں میں زوال شروع ہو گیا۔ دو بڑے مذہبوں کے پیرووں میں جنگ کی وجہ سے تیس چالیس ہزار موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ لوگ ہندوستان کو آزادی دینے کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن اس نہرو حکومت کے قیام کے بعد سے آزادی

کا خاتمہ ہو گیا ہے اور ہر جگہ پابندیاں ہی پابندیاں ہیں۔ یہ ایک بنیادی غلطی تھی کہ عارضی حکومت اعلیٰ ذات کے ایک ہندو لیڈر (نہرو) کے سپرد کر دی گئی۔ یہ شخص ہندوستان اور دولت مشترکہ برطانیہ کے درمیان تعلقات کے قیام کا سخت مخالف ہے۔

(۹) حکومت نے ۱۴ ماہ کا محدود عرصہ معین کر کے ہندوستانی اتفاق کو بعید از ممکنات کر دیا ہے۔ آپ کس طرح یقین کر سکتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے صدسالہ اختلافات کی وسیع خلیج ۱۴ ماہ کے مختصر عرصہ میں پُر ہو جائیگی۔ آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ ان ۱۴ مہینوں میں ان دونوں قوموں کے درمیان سمجھوتہ ہو جائیگا۔ چنانچہ آج سے ہر قوم اپنے حق جتائیگی۔ اور ان کو اس کا یقین دلایا گیا ہے کہ جو زیادہ شور مچائیگا۔ جو زیادہ جلوس نکالے گا اور اپنے علیحدہ ہونے کا زیادہ دعویٰ کرے گا۔ اس کو حکومت تسلیم کرے گی۔ (ماخوذ از اخبار منشور مورخہ ۹ مارچ ۱۹۴۷ء)

مسٹر چرچل کی یہ تقریر اس کی شاہنشاہیت پرست ذہنیت کی دھندلی تصویر پیش کرتے ہوئے یہ بھی واضح کر دیتی ہے کہ مسٹر جناح اور مسٹر چرچل کے خیالات میں کس قدر موافقت اور یکسانیت ہے اور امریکن نمائندہ پریس کے سابق بیان کے بموجب کس قدر سازباز ہے کہ مسٹر چرچل پارلیمنٹ میں وہی کہتے ہیں جو مسٹر جناح بیانات اور تقریروں میں کہتے رہتے ہیں۔ البتہ اس تقریر میں مسٹر چرچل کا نقطۂ نظر بھی واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک ہندوستان کے ٹوڈی اور سرکار پرست ہی اس قابل تھے کہ اُن کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اسی پارٹی کی جدوجہد سے جنگ کے زمانہ میں پینتیس لاکھ ہندوستانی فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔

ٹوری پارٹی کے علاوہ مسلم لیگ بھی گمانس بھوس کی حیثیت رکھتی ہے اور آج مسٹر چرچل اس کی حمایت صرف اسلئے کر رہے ہیں کہ وہ مسٹر چرچل کی آلۂ کار بنی ہوئی ہے۔

مسٹر چرچل نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ دوران جنگ میں جو کچھ دعوے کئے گئے تھے وہ صرف نمائشی تھے جو خانہ جنگی کے بہانہ سے گاؤ خورد کئے جا سکتے تھے۔۔۔ یہ مزدور حکومت کی سادہ لوحی ہے کہ ان کی تکمیل کی فکر کر رہی ہے مسٹر چرچل نے یہ سبق بھی دے دیا کہ پاکستان کیلئے زیادہ سے زیادہ سورش کرنی چاہئے۔ بہر حال مسٹر چرچل کی یہ ذہنیت قابل تعجب نہیں ہے۔ چرچل کو دنیا کا ہر سیاسی شخص اور ہندوستان کا ہر سمجھدار انسان خوب جانتا ہے۔ البتہ مسٹر ایٹلی کا یہ اعلان آزادی یقیناً قابل تعجب ہے وہ حریت ہندی کا اعلان کرتے ہوئے کسی طرح اسی راستہ کو اختیار کر رہے ہیں جو برطانیہ کی ٹوری پارٹی کی راہ ہے۔ وہ فقرہ ۶ و ۸ میں دستور ساز اسمبلی پر لطیف پیرایہ میں تنقید کرتے ہوئے اس کی کامیابی کو مشتبہ اور مشکوک کر رہے ہیں اور اسطرح وہ اپنے اس اعلان سے انکار کر دینے کی گنجائش بھی ساتھ ساتھ پیدا کر رہے ہیں۔

پھر فقرہ ۱۰ میں وہ صاف طور پر وہ راستہ اختیار کرتے ہیں جس کا مشورہ ۱۹۳۰ء میں پلوٹن جج نے اپنے ایک خط کے ذریعہ انگلستان کے ٹوریوں کو دیا تھا کہ ہندوستان میں اپنا اقتدار قائم رکھنے کی صورت صرف یہ ہے کہ ہندوستان کو منقسم کر دیا جائے۔

یہ وہی مسٹر ایٹلی ہیں جو دس ماہ پیشتر وزارتی مشن کی سفارشات منظور

کر چکے ہیں۔ ان سفارشات میں واضح الفاظ میں کہا گیا تھا کہ نہ چھوٹا پاکستان بن سکتا ہے نہ بڑا پاکستان۔ لیکن دس ماہ بعد وہ اعلان کر رہے ہیں کہ چودہ ماہ بعد صوبوں کو علیحدہ علیحدہ یا صوبوں کی متحدہ حکومت کو بھی اختیارات منتقل کئے جاسکیں گے یعنی چھوٹا پاکستان بھی بن سکتا ہے اور بڑا پاکستان بھی۔

اس اعلان کا نمائشی پہلو اگرچہ کانگریس کی موافقت کر رہا ہے کہ ہندوستان چھوڑنے کی آخری تاریخ مقرر کی جا رہی ہے مگر حقیقی اور معنوی طور پر لیگ کے مطالبہ تقسیم میں روح پھونکی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس اعلان کے ساتھ صوبہ سرحد میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی گئی تاکہ صوبہ کی وزارت میں انقلاب پیدا کر کے اس کو کانگریس کے پنجوں سے چھڑایا جاسکے اور لیگی وزارت قائم کر کے اس کو پاکستان کا جز بنایا جاسکے اور صوبہ پنجاب میں خضر حیات خاں صاحب نے لیگ سے ظاہری سمجھوتہ اور باطنی طور پر ساز باز کر لی۔ تاکہ پنجاب بلاد غدغہ پاکستان بن جائے۔ گورنر سرحد کیرو نے کھلم کھلا لیگ کی تائید و موافقت کی۔ جس کے نتیجہ میں اس کے خلاف کانگریس پارٹی نے احتجاج کیا۔ گورنر پنجاب نے نہایت ہوشیاری سے خضر حیات کی سرپرستی سے اپنا دامن کھینچ لیا جس کی بنا پر اس کو مجبور ہونا پڑا کہ لیگ کی ناکام سول نافرمانی کو کامیاب بنائے۔ اور اس کے ساتھ ساز باز کرے۔

یہی ریشہ دوانیاں ہیں جن کی بنا پر کانگریس بار بار اس اعلان پر مجبور ہوتی ہے کہ تیسری طاقت کی موجودگی میں ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہے۔

صوبہ سرحد اور لیگ کی تحریک سول نافرمانی | ۲۴ر دسمبر ۴۶ء کو

خان عبدالغفار خاں نے نئی دہلی میں ایک اخباری ملاقات کے سلسلہ میں بیان کیا تھا کہ :-

سرحد میں سرکاری افسران خانہ جنگی کے لئے فضا تیار کر رہے ہیں۔ قبائلی علاقے کے لوگ اپنے بھائی ہیں۔ ہماری اور ان کی رگوں میں ایک ہی خون دوڑ رہا ہے وہ کوئی غیر نہیں ہیں۔ اس سے قبل جب ہم نے جنگ آزادی کی تیاری کی انھوں نے ہمارا پورا ساتھ دیا اور وہ ہمیشہ قوم پرور عناصر کے ساتھ رہے ہیں۔ اُن کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ وہ ہندوستان کو خوش حال اور اعلیٰ مرتبہ پر دیکھیں لیکن ادھر ایک سال سے انھیں بہکانے کی برابر کوشش کی جارہی ہے اور ان کے دل میں خوف اور شبہات پیدا کئے جارہے ہیں اور بے چینی کے لئے فضا تیار کی جارہی ہے۔

قبائلی علاقہ کے سیاسی محکمہ کے بہت سے افسران کی مسلسل کوشش ہے کہ جس طرح ممکن ہو کانگریس اور عارضی حکومت کو بدنام کیا جائے اور بھائیوں میں یعنی قبائلی علاقہ کے لوگوں اور پٹھانوں میں کشیدگی پیدا کر کے پورے ملک میں ایک فساد برپا کر دیا جائے اور اس طرح حصول آزادی میں روڑا اٹکایا جائے۔

قبائلی علاقہ کے افسران کے پاس صرف کرنے کے لئے کافی رقم ہوتی ہے اور ان کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ کابینی وفد کے آنے اور عارضی حکومت قائم ہونے کے بعد سے وہاں کے

فرقہ وارانہ پروپاگنڈا کرنیوالی جماعتوں کے داخلہ کی یا توہمت افزائی کرتے رہے یا کم از کم اس سے چشم پوشی کرتے رہے بہت سے ایسے لوگوں کو قبائلی علاقوں میں تقریروں کے لئے بلایا گیا جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مسلم لیگ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ برطانی افسران کے ایجنٹ ہیں اور ان سے بڑے بڑے وظیفے پاتے ہیں ۔ میں ان واقعات کو اچھی طرح جانتا ہوں اور اُن لوگوں کو بھی جانتا ہوں جنھیں اس غرض کے لئے مدعو کیا گیا۔ اس قسم کی کارروائیوں کا مقصد سرحد میں خانہ جنگی پیدا کرنیکے علاوہ اور کچھ نہیں یعنی نہ صرف ہندو مسلمانوں میں جنگ بلکہ مسلمانوں مسلمانوں کے درمیان بھی قتل و غارتگری کرانا اُن کا اصل منشا ہے

میں نے قبائلی علاقہ میں خدائی خدمت گاروں کو محبت و عدم تشدد کا پیغام دیکر روانہ کیا۔ لیکن یہ بات وہاں کے افسران کو پسند نہ آئی اور انھوں نے خدائی خدمت گاروں کا داخلہ ممنوع قرار دیدیا مجھے اس حرکت پر ذرا بھی تعجب نہیں ہوا بلکہ اس سے میرے خیال کی اور تائید ہوگی۔ (قومی آواز ۱۶ / دسمبر ۴۶ء ص ۳۲۹ ج ۱)

جب برطانوی حکام پولیٹیکل افسروں اور وظیفہ خوار ایجنٹوں کی جدوجہد سے قوم پرور طبقہ کے خلاف زمین ہموار کی جا چکی تو وقت آیا کہ سول نافرمانی کا سلسلہ شروع کیا جائے ۔

لیگ کی خوش قسمتی سے ایک سکھ عورت کا قضیہ پیش آگیا جو سرزمین سرحد

میں عوام کے اشتعال کیلئے بہترین ذریعہ بن سکتا تھا۔

جنوری ۱۹۴۷ء کے آخری ہفتہ میں ضلع ہزارہ کے جن دیہات پر حملہ کیا گیا تھا (جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے) اُن میں وہ علاقہ بھی تھا جو "طاہج علاقہ" کے نام سے مشہور ہے۔ طاہج علاقہ کے ایک سکھ نوجوان کو قتل کیا۔ اس کی نوخیز بیوی "مسماۃ یاسری" کو جو قریب قریب ۱۶ سال کی حاملہ تھی اغوا کر کے ۲۵ جنوری ۱۹۴۷ء کو خفیہ طور پر "ایبٹ آباد" لایا گیا۔ اور میر زمان۔ ساکن موضع غڑی بالا (علاقہ کالا باغ) سے اس کی شادی کر دی گئی جب اس واقعہ کی اطلاع ڈپٹی کمشنر کو ہوئی تو ۶ فروری کو وہ کالا باغ گیا اور ۹ فروری کو مسماۃ یاسری کو گرفتار کر کے اپنی حراست میں پشاور لے آیا اور وہاں اس کی حفاظت کے انتظامات کر دیئے۔

۱۸ فروری ۱۹۴۷ء کو خان صاحب عبدالرشید خان سٹی مجسٹریٹ پشاور کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ مسماۃ یاسری نے اپنی ماں نیز میر زمان اور دوسرے رشتہ داروں کی موجودگی میں بیان دیا کہ ___ مجھ سے جبراً اسلام قبول کرایا گیا۔ میر زمان سے زبردستی شادی کر دی گئی اور میں ابھی تک سکھ ہوں۔

اس ابتدائی کارروائی کے بعد سٹی مجسٹریٹ نے مسماۃ یاسری کو ایبٹ آباد بھیج دیا کہ وہاں ڈپٹی کمشنر کی حفاظت میں رہے۔

مسماۃ یاسری کا یہ معاملہ سرحدیوں کے اشتعال کیلئے کافی تھا۔ لیگ کی طرف سے کہا گیا کہ لڑکی نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا تھا۔ لہٰذا وہ مسلمان ہے اور اُس کو میر زمان کو واپس دینا چاہیے۔ چنانچہ ۱۹ فروری کو مسلم لیگ کا ایک جلوس ڈپٹی کمشنر کے پاس درخواست لایا کہ مسماۃ یاسری کو واپس نہ کیا جائے۔ ڈپٹی کمشنر نے

اطمینان دلایا کہ ان کی درخواست صوبائی حکومت کے پاس بھیجدی جائے گی لیکن جب جلوس واپس ہونے لگا تو راستہ میں ہندو دکانداروں پر حملہ کر دیا کچھ دکانیں لوٹیں اور دس ہندوؤں کو زدو کوب کیا۔ پولیس نے فوراً مداخلت کی اور حالات پر قابو پالیا۔ سترہ گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ۲۰ر فروری کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ اس کے برخلاف ہوتی مردان کے تھانہ کے قریب ایک چھوٹا سا مجمع اکٹھا ہوگیا مگر پُرامن رہا۔ تھوڑی دیر بعد خان عبدالقیوم خان۔ محمد اکبر خان۔ اور پیر محمد خان ایڈیٹر کے ہمراہ پشاور سے آگئے۔ انہوں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اجازت چاہی کہ دس منٹ کے لئے مجمع سے خطاب کرنے کا موقع دیا جائے۔ تاکہ مجمع سے منتشر ہونے کی درخواست کر سکیں۔ ان کو اس شرط پر اجازت دے دی گئی۔ لیکن جب وہ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو انھوں نے کہا کہ وہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی دفعہ ۱۴۴ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کے ارادہ سے آئے ہیں۔ چنانچہ خان عبدالقیوم خان اور ان کے دونوں ساتھی گرفتار کر لئے گئے اور مجمع کو اشک آور گیس سے منتشر کر دیا گیا۔

(حکومت سرحد کا بیان مجریہ ۲۰ر فروری ۱۹۴۷ء

بحوالہ قومی آواز مورخہ ۲۲ر فروری ۱۹۴۷ء)

یہ تھا لیگ کی سول نافرمانی کا مبارک افتتاح۔ زمین پہلے سے ہموار کی جا چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تحریک زور پکڑنے لگی۔ انتہا یہ کہ چند روز بعد ڈاکٹر خان وزیر اعظم کی کوٹھی پر حملہ کیا گیا۔ اگرچہ وہ ناکام رہا۔ ماہ مئی میں پشاور جیل کو توڑنے کی کوشش کی گئی۔ سپرنٹنڈنٹ جیل کو پیٹا گیا۔ جیل خانہ میں آگ لگا دی گئی۔ پولیس نے

بمشکل بغاوت پر قابو پایا۔

یکم مارچ ۱۹۴۷ء کو ڈاکٹر خان نے ایک بیان جاری کیا۔ جس کا یہ حصہ ہے:
بعض غیر ذمہ دار طبقوں نے صوبہ سرحد میں بدامنی پیدا کرنے کی مہم
سرحد کی حکومت کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے کہ حکومت شہری
حقوق کو دبانا چاہتی ہے۔ اگرچہ میں عام طور پر اخباری پروپیگنڈے
کی پرواہ نہیں کرتا مگر چونکہ یہ اعتراضات مسلسل کئے جا رہے ہیں لہذا
اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ صوبہ سرحد میں اس جماعت
سے زیادہ عوام کی آزادی کا کوئی حامی نہیں جس کا میں لیڈر ہوں۔
اس جماعت کے ہر ممبر نے عوام کے حقوق کی حفاظت کی ہے اور
اُن کے حصول کے لئے قربانیاں پیش کی ہیں۔ لیکن شہری حقوق
کی اجازت کے یہ معنے ہرگز نہیں ہو سکتے کہ لوٹ مار کی اجازت
دی جائے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ سرحدی حکومت نے مسلم لیگ کی تقریروں
نعروں اور مظاہروں میں کبھی مداخلت نہیں کی۔ حتیٰ کہ لیگ کی گالیوں
اور اشتعال انگیز سرگرمیوں کے خلاف بھی کوئی کارروائی نہیں
کی۔ لیکن جب پُر امن شہریوں پر جارحانہ حملے کئے گئے اور اُن کی
دوکانیں لوٹ لی گئیں، تو حکومت اسے تماشائی کی حیثیت سے نہ دیکھ
سکی جو حرکتیں ۲۸ر فروری کو مردان میں اور ۲۰ر کو پشاور میں کی گئیں انہیں کوئی
حکومت برداشت نہیں کر سکتی۔ (انجام مورخہ ۴ر مارچ ۱۹۴۷ء)

بڑی دشواری یہ تھی کہ حکام اور افسران حکومت پر بھی لیگ کا اثر غالب تھا۔ عوام کی حفاظت کے لئے وہ اپنے فرائض کی انجام دہی سے تساہل بھی کرتے تھے۔ لہذا اخبار، ..... نے فدائی خدمتگاروں کو ..... کہ وہ عوام اور بالخصوص ہندوؤں کی حفاظت کریں۔ یہ حفاظت اور بد امنی کی متصادم جدوجہد کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اس میں سیکڑوں بے گناہ موت کے گھاٹ بھی اتاری جا چکے ہیں اور بہت سی بستیاں نذر آتش کی جا چکی ہیں۔

باایں ہمہ ڈاکٹر خاں وزیر اعظم سرحد کا استقلال قابل داد ہے کہ وہ لیگ کے کسی ..... سے بھی اپنے عزم میں متزلزل نہیں ہوئے اور خضر حیات کی طرح لیگ سے خفیہ ساز باز کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ حالانکہ خضر حیات سے زیادہ لیگی حلقوں میں ان کی قدر کی جا سکتی تھی اور لیگ اس پر راضی ہو سکتی تھی کہ وزارت عظمیٰ ڈاکٹر خان ہی کے سپرد رہے۔ بشرطیکہ وہ لیگ کے سامنے شکست تسلیم کریں۔

تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال کا مطالبہ

ملک کی سب سے چھوٹی اقلیت کو اگر سب سے چھوٹے بھائی کی حیثیت دی جائے تو ناز برداری کا فرض ہر ایک پر عائد ہوتا ہے ..... بنا پر سکھ ناز برداری کے مستحق ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ کانگریس اس ناز برداری ..... حد تک پہنچ گئی کہ اس کو ضعف ..... مرعوبیت کہا جا سکتا ہے۔

۲ مارچ کو خضر حیات کی وزارت مستعفی ہوئی اور پنجاب میں ہندو مسلم فسادات کا آغاز ہوا۔ اور صرف چار روز بعد ۸ مارچ ۱۹۴۷ء سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی

ورکنگ کمیٹی کا اجلاس دہلی میں شروع ہوا۔ اس نے پنجاب کے سکھوں اور ہندوؤں کے اس مطالبہ کی تائید کردی کہ پنجاب کو دو حصوں پر تقسیم کردیا جائے۔

چند روز بعد پنڈت جواہرلال نہرو نے پنجاب کا دورہ کیا۔ آپ نے اسی دورہ کے دوران میں یہ تجویز پیش کردی کہ پنجاب کا گورنر ایک رہے مگر مشرقی۔ مغربی اور وسطی پنجاب کے تین حلقے فرض کرکے وزارت پنجاب کو تین حلقوں پر اس طرح تقسیم کردیا جائے کہ ہر حلقہ کے تناسب آبادی کے بموجب وزارت میں نمائندگی ہوتی رہے مثلاً مغربی پنجاب کے دو وزیر مسلمان ہوں ایک ہندو۔ مشرقی پنجاب کے دو وزیر سکھ ہوں ایک مسلمان اور وسط پنجاب کا ایک وزیر ہندو ہو اور ایک مسلمان۔

اگرچہ کانگریسی رہناؤں کا عذر یہ تھا کہ تقسیم ہندوستان کے مطالبہ میں اعتدال پیدا کرنے اور پاکستان کی عملی دشواریوں کو منظر پر لانے کے لئے تقسیم پنجاب کے مطالبہ کی تائید کی گئی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ پنجاب کے فسادات نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے دماغ پر غیر معمولی اثر کیا۔

اسی اثناء میں بنگال کے ہندوؤں کی طرف سے تقسیم بنگال کا مطالبہ بھی شروع ہوگیا۔ اور وہی دلائل جو لیگی رہنما تقسیم ہند کی ضرورت کیلئے پیش کیا کرتے تھے تقسیم پنجاب و تقسیم بنگال کی ضرورت کے لئے پیش کئے جانے لگے۔

لیگی رہناؤں نے الزامی جواب کے طور پر بار بار یہ بھی کہا کہ پنجاب اور بنگال اگر تقسیم کیا جاتا ہے تو یو۔پی اور بہار بھی منقسم ہونا چاہئے۔ مگر درحقیقت یہ جواب غلط ہے کیونکہ یو۔پی اور بہار میں کوئی ایک ضلع بھی ایسا نہیں جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ اس کے برخلاف مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال کے بہت سے اضلاع ایسے

ہیں کہ ان میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔

مسٹر جناح اور رہنمایان لیگ کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ ملک تقسیم کے ساتھ فوجیں بھی تقسیم ہونی چاہئیں۔ اسکے جواب میں مجلس دستور ساز (کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی) کے صدر بابو راجندر پرشاد نے ۳۰ اپریل ۱۹۴۷ء کو ایک بیان دیا۔

اگر واقعی ہندوستان کو تقسیم کرنا مقصود ہے تو یہ تقسیم ہر حیثیت سے مکمل ہونی چاہئے اور صوبہ پنجاب و صوبہ بنگال کو بھی دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے "تاکہ تصادم یا اختلاف کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہے۔ اگر اس تقسیم میں ہندوستان کی فوجوں کا بانٹنا بھی ضروری سمجھا جائے تو ایسا بھی کر دینا چاہئے اور جس قدر جلد یہ کام انجام دیا جائے گا اسی قدر اچھا نتیجہ نکلے گا۔ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ مسلم لیگ کے لاہور والے ریزولیشن سے مطابقت رکھتا ہے۔

کانگریس۔ ہندو اور سکھ کبھی اس بات کے حق میں نہ تھے کہ ہندوستان کی تقسیم کر دی جائے۔ مسلم لیگ اور قائد اعظم محمد علی جناح البتہ اس پر اصرار کرتے رہے ہیں۔ لاہور میں مسلم لیگ نے جو ریزولیشن پاس کیا تھا اس میں کہا گیا تھا کہ ہندوستان کو مسلم اور غیر مسلم علاقوں میں تقسیم کر دیا جائے جو علاقے جغرافیائی طور پر ایک دوسرے سے ملحق ہیں ان کی تقسیم اس انداز پر ہونی چاہیے کہ ان کی حدود اربعہ کا ضرورت کے مطابق تعین کیا جا سکے۔ وہ علاقے جہاں تعداد مسلمانوں کی زیادہ ہے مثلاً ہندوستان کا شمالی مغربی علاقہ اور مشرقی صوبے وہاں آزاد ریاستوں کو باہم کر کے ایک خود مختار اور ذی اقتدار سلطنت قائم کی جا سکے۔

اس ریزولیشن کی روشنی میں مسلمان ایسے علاقوں کو پاکستان میں داخل

نہیں کر سکتے جو جغرافیائی اعتبار سے ملحق نہیں اور جہاں مسلمانوں کی آبادی اکثریت میں نہیں ہے۔ انجام مورخہ ۳ مئی ۴۷ء ۱۲ جمادی الاخری ۶۶ھ

اس وقت اگرچہ عام طور پر یہ مشہور ہو چکا تھا کہ تقسیم پنجاب[1] اور تقسیم بنگال پر مسٹر جناح آمادہ ہو چکے ہیں اور لارڈ ماونٹ بیٹن کے اس فارمولے کو مسٹر جناح

لہ لارڈ ماونٹ بیٹن نے ۴ جون کو پریس کانفرنس میں فرمایا۔ تمام مسلم لیگی لیڈروں نے تقسیم کی خواہش ظاہر کی۔ ایک مرتبہ جب یہ بات اُن کے ذہن نشین ہو گئی تو دوسرا سوال پیدا ہوا کہ کیا کانگریس اس اتحاد کے اصول کو چھوڑنے پر تیار ہے جس کے لئے وہ اب تک جاں نثاری کا عہد کرتی چلی آئی تھی۔ ان کو (وائسرائے کو) معلوم ہوا کہ کانگریس عدم استبداد کے اصول پر سختی سے قائم ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کوئی صوبہ یا علاقہ جو موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرنا نہیں چاہتا ایک علیحدہ اسمبلی میں جائے گا۔ اسی طرح انھوں نے قدرتی طور پر اس امر پر بھی زور دیا کہ کسی غیر مسلم اکثریت کے علاقہ کو نئی دستور ساز میں زبردستی نہیں لایا جا سکتا جب انہوں نے یہ بات مسٹر جناح اور دوسرے لیگی لیڈروں سے کہی تو ان کو اس بات کی اتنی ہی تکلیف ہوئی جتنی تکلیف کہ کانگریس کے لیڈروں کو تقسیم سے ہوئی تھی۔ اس پر مسٹر جناح نے دریافت کیا کہ کیا پنجاب اور بنگال سے باہر بھی اس اصول پر عمل کیا جائیگا۔ وائسرائے نے اس اصول کو تسلیم کر لیا اور اس طرح سلہٹ اور قریب کے چند علاقوں کی وجہ سے جن میں یقینی طور پر مسلم اکثریت تھی آسام کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔ منشور مورخہ ۸ جون ۴۷ء - قومی آواز ۶ جون ۴۷ء

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مسٹر جناح تقسیم بنگال و پنجاب پر پہلے سے راضی ہو چکے تھے نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ مسٹر جناح نے نصف بنگال اور نصف پنجاب کو صرف سلہٹ کے ریفرنڈم کے بدلے میں بخشدیا اس سے بڑھ کر کوئی سود مند سودا ہو سکتا ہے۔ بریں عقل و دانش بباید گریست ۱۲

تسلیم کر چکے ہیں جو ان دونوں صوبوں کی تقسیم کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔ لیکن مسٹر جناح کی یہ دیدہ دلیری تعجب انگیز ہے کہ انہیں ایام میں تقسیم پنجاب و تقسیم بنگال کی تردید میں ایک طویل بیان دے کر عام مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ عام مسلمانوں کی بھیڑ بھی اس کے لئے تیار ہے کہ مسٹر جناح کے اشارہ پر وہ اپنی کھلی آنکھوں کو بند کرلے اور مسٹر جناح کی دھول کو طوطیائے چشم سمجھے۔

بیان اگرچہ طویل ہے مگر اس کا بجنسہ نقل کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اور اس موازنہ کا بھی پوری طرح موقع مل جائے گا کہ جس کو مسلمانوں نے اپنی قسمت کا مالک بنا دیا ہے وہ عیاری اور دیدہ دلیری میں کس قدر بیباک ہے۔

نئی دہلی۔ ۳۰ راپریل۔ مسٹر جناح نے ایک بیان جاری فرمایا ہے جس کا مکمل ترجمہ حسب ذیل ہے

پریس کی اطلاعات میں دیکھتا ہوں کہ آج کل کانگریس نے اس بات پر زور دینا شروع کر دیا ہے کہ اگر پاکستان اور ہندوستان قائم کر دیئے گئے تو پنجاب کی تقسیم کر دی جائیگی۔ ساتھ ہی ہندو مہاسبھا نے شدومد کے ساتھ یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے کہ بنگال کو بھی تقسیم کیا جائے۔ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس معاملہ میں سخت پراگندگی اور افراتفری سے کام لیا گیا ہے۔

تقسیم ہند کا جو مسئلہ مسلم لیگ نے پیش کیا ہے اس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلم دو اقوام بستی ہیں۔

سب سے اہم اصول یہ ہے کہ ہم اپنے مادری وطن میں ایک قومی گھر اور ایک قومی سلطنت بنانا چاہتے ہیں۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی اکثریت میں ہے اور اس سلطنت میں ہم پنجاب۔ سرحد۔ سندھ۔ بلوچستان بنگال اور آسام کے چھ صوبوں کو شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں کو اپنے قومی وطن میں ایک قومی آزاد ہندو سلطنت قائم کرنے کا موقع مل جائے گا۔

اب بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا جو سوال اٹھایا جا رہا ہے۔ اس کا کوئی دائمی مقصد نہیں ہے بلکہ اس سوال کا اٹھانا محض دشمنی اور عداوت کی وجہ سے ہے۔

چونکہ مخالف جانتے ہیں کہ ہندوستان تقسیم ہو رہا ہے اس لئے برطانوی حکومت اور وائسرائے کے راستہ میں مشکلات پیدا کرنے کے لئے تقسیم بنگال اور پنجاب کا راگ الاپا جا رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس طرح مسلمانوں کو بھی یہی بتایا جا رہا ہے کہ پاکستان تو مل جائیگا مگر قطع و برید کے بعد اس شور و غوغا کی بنیاد کسی سنجیدہ اصول پر نہیں سوائے اس کے کہ پنجاب اور بنگال کی ہندو اقلیتیں پاکستانی صوبوں کے ٹکڑے کر دینا چاہتی ہیں۔ اس طرح وہ اپنی آبادیوں کے ٹکڑے کر رہی ہیں۔ جیسا میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہندوؤں کا وطن ۶ بڑے صوبے ہیں۔ پاکستانی صوبوں میں وہ صرف اقلیتی حیثیت رکھتے ہیں۔ حکومت عالیہ کو چاہئے کہ وہ ان اقلیتوں کے مطالبات سے مرعوب نہ ہو۔ ورنہ اس طرح

ہر صوبہ کو تقسیم کرنا پڑے گا اور مستقبل میں موجودہ حالات سے زیادہ خطرناک حالات پیدا ہو جائیں گے۔ اگر ایسا کیا گیا تو ان صوبوں کے انتظامی معاملات پر برا اثر پڑے گا جو ایک صدی سے ایک حالت پر قائم ہیں اور موجودہ نظام حکومت کے ماتحت خود مختار صوبوں کی طرح کام کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ باشندوں کی سیاسی اور اقتصادی زندگی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ پاکستان کے مطالبہ کے اصول اور تمام صوبوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے مطالبہ کا مقابلہ کرنا غلطی ہے۔ مجھے امید ہے کہ وائسرائے اور برطانوی حکومت اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوں گے اور ایسی فاش غلطی نہ کریں گے۔

یہ ظاہر ہے کہ اگر پاکستان کی ہندو اقلیت اپنے وطن یعنی دوسرے صوبوں میں جانا چاہے گی تو وہ جا سکیگی۔ اسی طرح ہندوستان سے جو مسلمان پاکستان میں آنا چاہیں گے وہ آسکیں گے۔ جلد یا بدیر تبادلہ آبادی تو ہو کر ہی رہے گا۔ پاکستان اور ہندوستان کی دستور ساز جماعتیں تبادلہ آبادی پر عمل کریں گی اور دونوں حصوں کی حکومتیں اگر ضرورت ہوگی تو تبادلہ آبادی میں امداد کریں گی۔

کانگریس اپنے پروپیگنڈہ سے ایک پسندیدہ حل پیدا ہونے میں رکاوٹیں ڈالنا چاہتی ہے۔ کانگریس نے ہندو مہاسبھا کو بنگال میں اور سکھوں کو پنجاب میں اکسا کر یہ فتنہ کھڑا کیا ہے اور کانگریسی اخبارات سکھوں کو اکسا کر غلط راستہ پر ڈال رہے ہیں۔ تقسیم پنجاب سے

سکھوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی آبادی دو حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔ اگر پنجاب کی تقسیم بھی ہوجائے اس وقت بھی ان کی آدھی سے زیادہ آبادی پاکستان میں آجاتی ہے۔ جب کہ پاکستان میں ان کی ایک منظم اور مستحکم اقلیت قائم رہتی ہے۔ ہم ہمیشہ اس کے خواہشمند رہے ہیں کہ سکھوں سے مناسب سمجھوتہ کریں۔ اس کے علاوہ ۲۰ ر فروری کے قرطاس ابیض میں یہ واضح کردیا گیا ہے کہ اختیارات اس حکومت یا حکومتوں کو سونپے جائیں گے جو اس طرح بنائی جائے گی جس سے کم سے کم مشکلات پیدا ہونے کا امکان ہو۔ اگر اختیارات ایک سے زیادہ حکومتوں کو سونپا جائے تو وہ صرف دو حکومتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک پاکستانی حکومت دوسرے ہندستانی حکومت۔ یہ حکومتیں اس امر کی ذمہ دار ہونگی کہ وہ انتظام پر امن طریقے اور کامیابی سے چلائیں۔

پاکستانی اور ہندوستانی حکومتوں کو اختیارات سونپنے کے معنی یہ ہیں کہ فوجوں کو بھی تقسیم کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ فوجوں کی تقسیم جون ۱۹۴۸ء سے قبل کی جاسکتی ہے۔ اس قسم کی تقسیم سے پاکستان اور ہندوستان کی سلطنتوں کو مکمل طور پر آزادی اور خودمختاری میسر آجائیگی۔ یہ ایک صراط مستقیم ہے اور ہندوستان کے مسئلہ کا واحد حل بھی یہی ہے۔

الجام مورخہ ۳ مئی ۱۹۴۷ء ۱۱ جمادی الاخری ۱۳۶۶ھ

تقسیم ہندوستان کا اعلان

ہندوستان کے حصے بخرے - چرچل کی فتح - ہندو کی جے

لیگ کی ابلہ فریب کامیابی

مسلمانوں کی وحدت ملی پاش پاش

آخر کار ۳ر جون ۴۷ء کو حکومت برطانیہ کے نمائندے "لارڈ ماونٹ بیٹن وائسرائے ہند" نے ہندوستانیوں کے سامنے وہ پلان پیش کر دیا جو "بلوڈن زج" کے خط (۱۹۳۰ء) کے مضمرات کے بموجب تقریباً بیس سال پیشتر شاطران برطانیہ کا طے کردہ منصوبہ تھا - جس پر (مسٹر جناح کی تقریر[1] مورخہ ۱۲ر دسمبر ۴۶ء بمقام کنگس وے ہال (لندن) اور مسٹر جناح کے براڈکاسٹ بیان برائے اہل امریکہ کے اشارات کے بموجب) اوائل[2] دسمبر ۴۶ء میں جناح اور چرچل کا سمجھوتہ ہو چکا تھا۔

جس کو وزیر اعظم برطانیہ (مسٹر ایٹلی) کے بیان مورخہ ۲۰ر فروری ۴۷ء نے حتمی اور یقینی کر دیا تھا - اور لارڈ مونٹ بیٹن نے اوائل اپریل میں لیگ اور

---

[1] یہ تقریریں صفحات سابق میں ملاحظہ فرمائیے۔

[2] یعنی جب ایٹلی کی دعوت پر جواہر لال پنڈت نہرو، سردار بلدیو سنگھ اور لارڈ ویول لندن گئے تھے اور وہاں ہندوستانی اور برطانوی لیڈروں کی کانفرنس ہوئی تھی۔

کانگریس کو اُس پر متفق کر لیا تھا۔

جو لیگ کے ڈائرکٹ ایکشن کا منتہیٰ تھا۔ جس کے لئے کلکتہ کی چالیس ہزار مخلوق کو تہ تیغ کیا گیا تھا۔ صوبہ بہار کے کم از کم دس ہزار اور بقول ارباب لیگ تیس ہزار مسلمانوں کی مظلومانہ ہلاکت اور لاکھوں مسلمانان بہار کی خانماں بربادی کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔ بمبئی۔ احمد آباد۔ ڈھاکہ۔ الہ آباد۔ نواکھالی۔ گڈھ مکتیسر اور پھر سرزمین پنجاب کو دشنہائے ظلم و ستم کی خونریزیوں سے رنگین کیا گیا تھا اور ہزاروں کمزور اور بے بس انسانوں کو سامراجی اغراض کی قربان گاہ پر ذبح کر دیا گیا۔ جس کے لئے پنجاب کے مشہور تجارتی شہر امرتسر اور لاہور کو قتل و غارتگری اور آتش زنی کا جہنم بنا دیا تھا اور اس طرح ہر ایک ہندوستانی مضطرب اور بے قرار ہو گیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو کوئی فیصلہ ہو جائے۔ تاکہ وہ سکون کی زندگی بسر کر سکے۔

ملاحظہ فرمائیے محضر قتل کے متن کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

(۱) ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو ملک معظم کی حکومت نے اپنے اس فیصلہ کا اعلان کیا تھا کہ وہ جون ۱۹۴۸ء تک برطانوی ہند میں اقتدار ہندوستانیوں کو منتقل کر دیگی ملک معظم کی حکومت کو امید تھی کہ بڑی بڑی جماعتیں کابینی وفد کی ۱۶ مئی والی تجویز پر عمل کرنے میں اشتراک اور تعاون کر سکیں گی ۔ اور ہندوستانیوں کے لئے ایک ایسا دستور تیار کر سکیں گی جو تمام متعلقہ لوگوں کے لئے قابل قبول ہوگا ـــــــــ یہ امید پوری نہیں ہوئی۔

(۲) مدراس، بمبئی، یو۔پی، بہار، سی۔پی اور برار آسام اڑیسہ اور صوبہ جد

کے نمائندوں کی اکثریت اور دہلی اجمیر۔ میواڑ اور کرگ کے نمائندے ایک نیا دستور تیار کرنے میں کافی دور تک آگے جا چکے ہیں۔ دوسری طرف مسلم لیگ پارٹی نے جس میں بنگال پنجاب اور سندھ کے نمائندوں کی اکثریت۔ اور برطانوی بلوچستان کا نمائندہ بھی شامل ہے۔ یہ طے کیا ہے کہ وہ دستور ساز اسمبلی میں شرکت نہیں کریگی۔

(۳) ملک معظم کی حکومت کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ ہندوستانی عوام کی اپنی خواہشات کے مطابق اقتدار منتقل ہو۔ اگر ہندوستان کی سیاسی جماعتوں میں کوئی سمجھوتہ ہوجاتا تو اس کام میں آسانی ہوجاتی۔ ایسے سمجھوتہ کی عدم موجودگی میں یہ کام ملک معظم کی حکومت پر آپڑا ہے کہ ایک ایسا طریق کار اختیار کرے جس سے ہندوستانی عوام کی خواہشات معلوم ہوسکیں۔ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں سے پورا پورا مشورہ کرنے کے بعد ملک معظم کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ اس غرض کے لئے ذیل میں دی ہوئی پلان کو اختیار کیا جائے۔ ملک معظم کی حکومت یہ بالکل واضح کردینا چاہتی ہے کہ اس کا کوئی ارادہ نہیں کہ ہندوستان کے لئے کوئی آخری دستور بنانے کی کوشش کرے۔ یہ معاملہ ہندوستانیوں کا خود اپنا ہے اور نہ ہی اس پلان میں کوئی چیز ایسی ہے جو متحدہ ہندوستان کیلئے فرقوں کے مابین بات چیت میں مانع آئے۔

فیصلہ طلب مسائل

(۴) ملک معظم کی حکومت کا کوئی ارادہ نہیں کہ موجودہ دستور ساز اسمبلی کے کام کو روکا جائے۔ اب جبکہ ذیل میں درج شدہ خاص صوبوں کے لئے اہتمام

کردیا گیا ہے - ملک معظم کی حکومت کو اعتماد ہے کہ اس اعلان کے نتیجے کے طور پر ان صوبوں کے مسلم لیگی نمائندے بھی جو دستور ساز اسمبلی کے کام میں شریک ہوں گے - جن کے نمائندوں کی اکثریت پہلے ہی سے دستور ساز اسمبلی میں حصہ لے رہی ہے - ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی دستور جو یہ اسمبلی بنائے گی ملک کے ان حصوں پر عائد نہیں ہو سکتا جو اسے قبول کرنے پر راضی نہیں - ملک معظم کی حکومت کو اطمینان ہے کہ جس طریق عمل کا خاکہ ذیل میں دیا گیا ہے - وہ ایسے رقبوں کے لوگوں کی اس مسئلہ پر خواہشات معلوم کرنے کا بہترین قابل عمل طریقہ ہے کہ آیا ان کے لئے دستور -

(الف) موجودہ دستور ساز اسمبلی بنائے گی -

(ب) ایک نئی علیحدہ دستور ساز اسمبلی بنائیگی جس میں ان علاقوں کے نمائندے شامل ہوں گے جنہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوگا کہ موجودہ دستور ساز اسمبلی میں حصہ نہ لیا جائے -

جب یہ ہو جائیگا تو ایسے ادارے یا اداروں کا تعین ممکن ہو جائیگا جن کو اقتدار سونپا جائے -

بنگال اور پنجاب

(۵) اس لئے بنگال اور پنجاب کی ہر دو صوبائی لیجسلیٹو اسمبلیوں کو (یوروپین ممبروں کے سوائے) کہا جائے گا کہ وہ دو فریقوں میں تقسیم ہوں - ایک فریق مسلم اکثریت کے ضلعوں کی نمائندگی کرے گا - اور دوسرا فریق صوبہ کے باقی حصہ کی - ضلعوں کی آبادی کے تعین کے لئے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری

سے اعداد کو صحیح مانا جائے گا۔ ان دونوں صوبوں کے مسلم اکثریت والے ضلع اس اعلان کے ضمیمہ میں درج ہیں۔

(۶) لیجسلیٹو اسمبلی کے دو فریقوں کے ممبروں کو جن کے اجلاس علیحدہ ہوں گے اس بات پر رائے دینے کا اختیار ہوگا کہ آیا صوبہ کو تقسیم کیا جائے یا نہیں۔ اگر ہر فریق کی سادہ اکثریت تقسیم کے حق میں فیصلہ کرے گی۔ تو تقسیم عمل میں آجائے گی۔ اور اس کے لئے انتظامات کر دیئے جائیں گے۔

(۷) تقسیم کے سوال کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ پسندیدہ ہے کہ ہر فریق کے نمائندوں کو قبل ہی سے معلوم ہو کہ اگر ہر دو فریق اکٹھا رہنے کا فیصلہ کریں تو کونسی دستور ساز اسمبلی میں اس صوبہ کو بحیثیت مجموعی شامل ہونا ہوگا۔ اس لئے اگر کسی لیجسلیٹو اسمبلی کا کوئی ممبر یہ مطالبہ کرے تو لیجسلیٹو اسمبلی کے تمام ممبروں (یورپینوں کے سوائے) کا اجلاس ہوگا۔ جس میں اس مسئلہ کا فیصلہ ہوگا کہ اگر دونوں فریق اکٹھا رہنا چاہیں تو کونسی دستور ساز اسمبلی میں صوبہ بحیثیت مجموعی شامل ہوگا۔

(۸) اگر فیصلہ تقسیم کے حق میں ہوا تو لیجسلیٹو اسمبلی کا ہر فریق ان علاقوں کی طرف سے جن کی وہ نمائندگی کرتا ہے یہ فیصلہ کرے گا کہ پیراگراف نمبر ۴ کے کونسے بدل کو وہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔

(۹) مسئلہ تقسیم کے فوری فیصلہ کی غرض سے بنگال اور پنجاب کی لیجسلیٹو اسمبلیوں کے ممبر دو فریقوں میں مجتمع ہوں گے۔ ایک مسلم اکثریت کے ضلعوں (جن کی تصریح ضمیمہ میں کی گئی ہے) کا نمائندہ ہوگا۔ اور دوسرا غیر مسلم اکثریت

کے ضلعوں کا۔ یہ ایک عارضی نوعیت کا محض ابتدائی اقدام ہے۔ ظاہر ہے کہ ان صوبوں کی آخری تقسیم کے لئے حد بندی کے مسائل کی مفصل تفتیش لازمی ہوگی اور جوں ہی کہ صوبہ کی تقسیم کے متعلق فیصلہ ہو جائیگا۔ گورنر جنرل حد بندی کا کمیشن قائم کریں گے۔ اس کمیشن کے ممبروں اور حدود کار کا تعین متعلقین کے مشورہ سے ہوگا۔ اسے ہدایت ہوگی کہ پنجاب کے دونوں حصوں کی حدود اس بنا پر مقرر کرے کہ کون کون سے ملحقہ علاقوں میں مسلمانوں یا غیر مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اسے یہ بھی ہدایت ہوگی کہ دوسرے عناصر کو بھی پیش نظر رکھے۔ ایسی ہی ہدایات بنگال کی حد بندی کے کمیشن کو دی جائینگی۔ جبتک حد بندی کمیشن کی رپورٹ کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاتا۔ عارضی حدود جن کی تصریح ضمیمہ میں کی گئی ہے قائم رہیں گی۔

سندھ

(۱۰) سندھ کی لیجیلیٹو اسمبلی (یوروپین ممبروں کے سوائے) ایک خاص اجلاس میں بیٹھے گی۔ اور دیئے ہوئے پیراگراف ۴ کی متبادل صورتوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا فیصلہ کرے گی۔

شمال مغربی سرحدی صوبہ

(۱۱) شمال مغربی سرحدی صوبہ کے حالات استثنائی ہیں۔ اس صوبہ کے تین نمائندوں میں سے دو پہلے ہی موجودہ دستور ساز اسمبلی میں حصہ لے رہے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ اگر سارا پنجاب یا اس کا کوئی حصہ موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شریک نہ ہونے کا فیصلہ کرے تو شمال مغربی سرحدی صوبہ کو اسکے

جغرافیائی مقام نیز دوسرے قابل لحاظ امور کے پیش نظر اپنی پوزیشن پر دوبارہ غور کرنے کا موقع دیا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ اس صورت میں شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی موجودہ لیجسلیٹو اسمبلی کے ووٹوں سے استصواب رائے کیا جائیگا کہ وہ پیراگراف نمبر ۴ میں بیان کئے گئے بدلوں میں سے کس کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ استصواب رائے گورنر جنرل کے تحت اور صوبائی حکومت کے مشورہ سے ہوگا۔

برطانوی بلوچستان

(۱۲) برطانوی بلوچستان کے ایک نمائندہ کا انتخاب کیا ہے لیکن وہ موجودہ دستور ساز اسمبلی میں اپنی نشست پر نہیں بیٹھا۔ جغرافیائی مقام کے پیش نظر اس صوبہ کو بھی موقع دیا جائیگا کہ وہ اپنی پوزیشن پر دوبارہ غور کرے کہ پیراگراف نمبر ۴ کے بدلوں میں سے کس کو اختیار کرتا ہے۔ ہز ایکسی لنسی گورنر جنرل غور کر رہے ہیں کہ ایسا موقع دینے کی بہترین صورت کونسی ہے۔

آسام

(۱۳) اگرچہ آسام زیادہ تر ایک غیر مسلم صوبہ ہے لیکن سلہٹ کا ضلع جو بنگال سے ملحق ہے زیادہ تر مسلم ہے۔ یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر بنگال تقسیم ہو گیا تو سلہٹ کو بنگال کے مسلم حصہ میں مدغم کر دیا جائے۔ چنانچہ اگر بنگال کو تقسیم کرنے کا فیصلہ ہو گیا تو گورنر جنرل کے تحت اور آسام صوبائی حکومت کے مشورہ سے سلہٹ کے ضلع سے استصواب رائے ہوگا جس سے یہ فیصلہ ہوگا کہ سلہٹ کا ضلع آسام میں بدستور شامل رہے یا اگر مشرقی بنگال کا صوبہ راضی ہو تو اس میں مدغم ہو جائے

اگر استصواب رائے مشرقی بنگال میں مدغم ہونے کے حق میں ہو تو ایک حد بندی کا کمیشن قائم کیا جائے گا جس کی حدود کا رقبہ پنجاب اور بنگال کے کمیشنوں جیسی ہوگی۔ یہ کمیشن ضلع سلہٹ کے مسلم اکثریت والے علاقوں نیز الحاقی ضلعوں کے مسلم اکثریت والے علاقوں کی حد بندی کریگا۔ یہ تمام علاقے مشرقی بنگال میں شامل کر دیئے جائیں گے۔ صوبہ آسام کا باقی حصہ بہر صورت موجودہ دستور ساز اسمبلی کی کارروائیوں میں شریک رہے گا۔

دستور ساز اسمبلیوں میں نمائندگی

(۱۴) اگر یہ فیصلہ ہوا کہ بنگال اور پنجاب کو تقسیم کر دیا جائے تو ان کے نمائندے چننے کیلئے نئے انتخاب ضروری ہونگے۔ یہ نمائندے ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کے وزارتی مشن کے پلان میں مندرج اصولوں کے مطابق ہر دس لاکھ کی آبادی پر ایک کے حساب سے منتخب ہونگے۔ اگر یہ فیصلہ ہوا کہ سلہٹ مشرقی بنگال کا ایک حصہ ہوگا تو وہاں بھی اس قسم کے انتخابات ہوں گے۔ ہر علاقہ نمائندوں کی جو تعداد انتخاب کرے گا وہ حسب ذیل ہوگی

صوبہ	جنرل	مسلم	سکھ	میزان
ضلع سلہٹ	۱	۲	۰	۳
مغربی بنگال	۱۵	۴	۰	۱۹
مشرقی بنگال	۱۲	۲۹	۰	۴۱
مغربی پنجاب	۳	۱۲	۲	۱۷
مشرقی پنجاب	۶	۴	۲	۱۲

(۱۵) مختلف علاقوں کے نمائندے ان ہدایات کے مطابق جو انہیں ملی ہونگی یا تو موجودہ دستور ساز اسمبلی میں یا نئی دستور ساز اسمبلی میں شریک ہونگے۔

انتظامی امور

(۱۶) تقسیم کی صورت میں جو انتظامی امور پیدا ہونگے ان کا فیصلہ کرنے کیلئے ہر ممکن عجلت کے ساتھ مندرجہ ذیل مسائل میں گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا جائیگا۔

(الف) مختلف جانشین حکومتوں کے نمائندوں کے درمیان ان تمام محکموں کے بارے میں جو اس وقت مرکزی حکومت کے پاس ہیں اور جن میں دفاع، مالیات اور رسل و رسائل بھی شامل ہیں۔

(ب) انتقال اختیارات سے پیدا شدہ معاملات کے متعلق مندرجہ بالا حکومتوں اور ملک معظم کی حکومت کے درمیان معاہدات مرتب کرنے کے لئے۔

(ج) تقسیم شدہ صوبوں کی صورت میں تمام صوبائی امور کے متعلق مثلاً املاک اور قرضوں کی تقسیم۔ پولیس۔ ہائی کورٹ اور صوبائی اداروں وغیرہ کی دوسری ملازمتیں۔

سرحدی قبائل ہندوستان کے شمالی مغربی سرحدی قبائل سے معاہدوں کے لئے گفت و شنید کرنا اس اقتدار اعلیٰ کا کام ہوگا جو برطانوی حکومت کی جگہ لے گا۔

ریاستیں (۱۸) ملک معظم کی حکومت یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ جس فیصلہ کا اعلان اوپر کیا گیا ہے وہ صرف برطانوی ہندوستان سے متعلق ہے اور ریاستوں کے بارے میں اس کی اس پالیسی میں جو ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کے [illegible] کی یادداشت میں ہے۔

درج ہے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

عجلت کی ضرورت (۱۹) یہ نہایت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا صورتیں جس قدر جلد ممکن ہو سکے تکمیل کو پہنچ جائیں تاکہ جانشین حکومتوں کو اختیارات سنبھالنے کے سلسلہ میں تیاریاں مکمل کرنے کے لئے وقت مل سکے۔ چنانچہ تاخیر کو روکنے کے لئے مختلف صوبجاتی اسمبلیوں کے حصے جس حد تک ممکن ہو آزادانہ طور پر ان تجاویز کے متعلق عملدرآمد شروع کر دیں گے۔ موجودہ دستور ساز اسمبلی و اگر بنائی گئی تو دونوں اپنے اپنے علاقوں کے لئے آئین بنانے کا کام شروع کر دیں گی ظاہر ہے کہ اپنے لئے قواعد و ضوابط وضع کرنے میں انہیں پوری آزادی ہوگی۔

اختیارات کا فوری انتقال (۲۰) بڑی بڑی سیاسی جماعتوں نے بار بار اپنی اس خواہش پر زور دیا ہے کہ ہندوستان میں اختیارات جس قدر جلد ممکن ہو سکے منتقل کر دیئے جائیں۔ ملک معظم کی حکومت کو ان کی اس خواہش سے پوری پوری ہمدردی ہے اور وہ جون ۴۸ء کی تاریخ کو قریب تر لانے پر بھی راضی ہے تاکہ آزاد ہندوستانی حکومت یا حکومتیں قائم کر کے انہیں کسی قریبی تاریخ پر اختیارات سونپ دیئے جائیں۔ چنانچہ اس خواہش کو بہت ہی جلد اور درحقیقت واحد طریق عمل سے پورا کرنے کی خاطر ملک معظم کی حکومت کا ارادہ ہے کہ موجودہ اجلاس میں ہی ایک مسودہ قانون پیش کیا جائے۔ تاکہ اس اعلان کے نتیجہ میں جو صورتیں پیدا ہوں اقتدار کو درجہ نوآبادیات کی بنا پر ایک یا دو جانشین حکومتوں کو اسی سال منتقل کر دیا جائے۔ اس سے دستور ساز اسمبلیوں کے اس حق پر کوئی آنچ نہیں آتی کہ وہ مناسب وقت پر یہ فیصلہ کریں کہ آیا ہندوستان کا جو

جو حصہ ان کے تحت ہے وہ برطانی دولت مشترکہ میں رہے گا یا نہیں رہے گا۔

گورنر جنرل کے مزید اعلانات

(۲۱) ہز ایکسلنسی گورنر جنرل گاہ بگاہ ایسے مزید اعلانات کریں گے۔ جو مندرجہ ذیل انتظامات کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلہ میں ضروری ہوں گے۔ ان کا تعلق خواہ طریقہ کار سے ہو یا دوسرے معاملات سے

ضمیمہ

پنجاب اور بنگال کے وہ اضلاع جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے سنہ ۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق حسب ذیل ہیں۔

(۱) پنجاب

کمشنری لاہور۔ گجرانوالہ۔ گورداسپور۔ لاہور۔ شیخوپورہ۔ سیالکوٹ

کمشنری راولپنڈی۔ اٹک۔ گجرات۔ جہلم۔ میانوالی۔ راولپنڈی۔ شاہ پور۔

کمشنری ملتان۔ ڈیرہ غازی خاں۔ جھنگ۔ لائلپور۔ منٹگمری۔ ملتان۔ مظفرگڑھ

(۲) بنگال

کمشنری چٹاگام۔ چٹاگام۔ نواکھالی۔ ٹپرا۔

کمشنری ڈھاکہ۔ باقرگنج۔ ڈھاکہ۔ فریدپور۔ میمن سنگھ

کمشنری پریزیڈنسی۔ جیسور۔ مرشد آباد۔ نادیا

کمشنری راجشاہی۔ بوگرا۔ دیناج پور۔ مالدہ۔ پبنا۔ راجشاہی۔ رنگ پور۔

(انصاری۔ قومی آواز۔ تیج۔ منشور وغیرہ)

اس اعلان کو سنانے سے پہلے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک تقریر کی جس کے خاص خاص اقتباسات درج ذیل ہیں۔

(۱) اپنی تمام بات چیت میں میری اولین کوشش یہ تھی کہ سیاسی لیڈروں کو ترغیب دوں کہ کسی پس و پیش کے بغیر ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کی وزارتی وفد کی پلان کو قبول کر لیا جائے۔ میری رائے میں اس پلان میں ہندوستان کے تمام فرقوں کے مفاد کی نگہداشت کا بہترین انتظام کیا گیا ہے۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ یہ ممکن نہیں ہوا کہ وزارتی مشن کی پلان یا کسی اور پلان پر اتفاق ہو جاتا جس سے ہندوستان کی وحدت کو برقرار رکھا جا سکے مگر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ایسے بڑے رقبوں کو جن میں ایک فرقہ کی اکثریت ہے ان کی مرضی کے خلاف ایسی حکومت کے تحت رہنے پر مجبور کیا جائے جس میں دوسرے فرقہ کو اکثریت حاصل ہے اور جبر کا کیا بدل صرف تقسیم ہی ہے۔

لیکن جب مسلم لیگ نے ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کیا تو کانگرس نے بھی انہی دلیلوں کی بنا پر ایسی صورت میں بعض صوبوں کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔ میرے خیال میں اس دلیل کا کوئی جواب نہیں۔ درحقیقت کوئی فریق بھی اس بات پر راضی نہیں تھا کہ کسی معتدبہ علاقہ کو جس میں اس کے فرقہ کو اکثریت حاصل ہے دوسرے فرقہ کی حکومت کے تحت رہنے دے۔ بلاشبہ میں انہیں بنیادی وجوہات کی بنا پر صوبوں کی تقسیم کا بھی اتنا ہی مخالف ہوں جتنا ہندوستان کی تقسیم کا۔

(۲) میں نے ہندوستانی ریاستوں کا ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ ملک معظم کی
کی حکومت کے یہ نئے فیصلے صرف برطانوی ہند میں انتقال اختیارات کے
بارے میں ہیں۔

اس کے بعد پریس کانفرنس (مورخہ ۴ جون ۱۹۴۷ء) میں وائسرائے نے ایک سوال
کے جواب میں فرمایا۔

ہندوستانی ریاستیں نوآبادی کی حیثیت سے برطانوی دولت مشترکہ سے
الگ سے شریک نہیں ہوسکتیں۔ اقتدار اعلیٰ کے خاتمہ کے بعد ریاستوں
کو کسی ایک دستوری اسمبلی میں شریک ہونے یا حسب ضرورت انتظامات
کرنے کا اختیار ہوگا۔
ریاستوں اور ملک معظم کی حکومت میں کوئی گفت وشنید نہیں ہوسکتی۔
ہم انہیں اقتدار اعلیٰ واپس کر رہے ہیں۔
اس سوال کے جواب میں کہ اگر لیگ کونسل ان تجاویز کو نامنظور کردے
تو اس وقت ان کا رویہ کیا ہوگا وائسرائے نے کہا کہ اگر ایسا وقت آئے
تو آپ میرے سے ملاقات کریں۔ میں آپ کو بتادوں گا کہ میرا طرز عمل
کیا ہوگا۔

وائسرائے نے اس کانفرنس میں یہ بھی وضاحت کردی کہ کسی صوبہ کو یہ اختیار نہ
ہوگا کہ وہ دونوں دستور ساز اسمبلیوں میں سے کسی میں بھی شریک نہ ہو۔ آپ نے فرمایا
کہ دونوں جماعتوں کے لیڈروں سے اس مخصوص مسئلہ پر تبادلۂ خیال کے بعد میں
اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ لیڈر بجز اس اختیار کے اور کچھ نہیں چاہتے کہ انہیں دونوں

دستور ساز اسمبلیوں میں سے کسی ایک میں شامل ہونے کا اختیار دے دیا جائے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ اس طرح ہندوستان کو ایک دوسرا بلقان بنا دینے کی ہمت افزائی کی جائے۔

والسرائے کی توجہ ایک خود مختار پٹھان ریاست کی طرف مبذول کرائی گئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ سوال اصولی حیثیت سے پیدا کیا گیا ہے کہ آیا ایک صوبہ کو خود مختاریت کے لئے ووٹ دینے کی اجازت دی جائیگی یا ان کو اس پر مجبور کیا جائیگا کہ ایک نہ ایک دستور ساز اسمبلی کے لئے ووٹ دیں۔ لیکن دونوں جماعتوں کے دونوں لیڈروں نے یہ معقول عذر پیش کر کے کہ وہ بلقانستان کی حوصلہ افزائی کرنا نہیں چاہتے۔ اس مطالبہ کو مسترد کر دیا۔

آپ نے گورنر جنرل کے عہدے کے متعلق فرمایا کہ

کسی ڈومینین میں گورنر جنرل کو اس ڈومینین کا وزیر اعظم نامزد کر کے اس کا نام اپنی سفارش کے ساتھ ملک معظم کے پاس روانہ کر دیتا ہے۔ ملک معظم اس ڈومینین کے شہنشاہ ہونے کی حیثیت سے اس نام کی منظوری دیدیتے ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے۔ ہندوستان میں دو مملکتیں ہونگی جن کے گورنر جنرل بھی الگ الگ دو ہی ہوں گے۔ گورنر جنرل کے عہدہ پر وہی شخص مقرر کیا جائیگا جسے وہ مملکتیں چاہیں گی۔ ڈومینینوں کو اس کی پوری آزادی ہوگی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں فیصلہ کریں۔

(قومی آواز وغیرہ)

مسٹر جناح اور پنڈت نہرو کی تائیدی تقریریں

۳ جون کو وائسرائے ہند کی تقریر اور پلان کے اعلان کے بعد مسٹر جناح، پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ نے اپنی تقریریں نشر کیں۔

پنڈت نہرو نے اپنی تقریر میں کہا۔

آپ نے ابھی ابھی ہندوستان کے چند علاقوں میں خود مختار حکومت قائم کرنے کے طریقہ کار کے متعلق اعلان سنا ہے۔ اس اعلان سے ایک طرف اس کا امکان پایا جاتا ہے کہ یہ علاقے ہندوستان سے علیحدہ ہو جائیں۔ دوسری جانب مکمل آزادی کی طرف بہت زیادہ آگے بڑھنے کے امکان کا یقین پیدا ہو گیا ہے۔ اس زبردست تبدیلی کے متعلق اگرچہ ہمیں لازمی طور سے عوام کے آخری فیصلہ پر کاربند ہونا ہے۔ لیکن ہمیں خود بھی چند فیصلے کرنے ہیں اور منظوری کے لئے عوام سے ان کی سفارش کرنی ہے چنانچہ ہم نے ان تجاویز کو منظور کر لینے اور اپنی اعلیٰ جماعتوں سے انکی منظوری کی سفارش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

مسٹر جناح صاحب نے فرمایا۔

کونسل کا جلسہ ۹ جون کو طلب کیا گیا ہے اور کونسل ہی ہمارے دستوری طریقوں کا سابقہ نظیروں کے مطابق قطعی فیصلہ کرے گی۔ لیکن میں جہاں تک اندازہ کر سکا ہوں۔ دہلی میں مسلم لیگ کے حلقوں کا ردعمل امید افزا ہے۔ البتہ قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے اس مسئلہ کی اونچ نیچ پر بہت ہی احتیاط سے غور کرنا ہوگا۔

میں یہ ضرور کہوں گا کہ میرے خیال میں وائسرائے نے مختلف قوتوں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا ہے اور انہوں نے میرے ذہن پر جو اثر ڈالا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے انصاف پسندی کے اعلیٰ احساس اور غیر جانبداری کے جذبہ سے کام لیا ہے۔ لہٰذا جہاں تک ہمارے بس میں ہے ان کی مدد کریں تاکہ وہ ہندوستانی عوام کو اقتدار منتقل کرنے کا کام پر امن انداز میں انجام دے سکیں۔

لیگ کی تجویز

مسٹر جناح کے اعلان کے بموجب ۹ رجون کو امپیریل ہوٹل دہلی کے ایک ہال میں مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل تجویز پاس کی گئی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل پورے غور وخوض کے بعد برطانوی حکومت کے ۳ رجون والے بیان کو جس میں ہندوستان کو اختیارات سونپنے کی تجویزیں پیش کی گئی ہیں۔ اطمینان کی نظر سے دیکھتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ ۱۶ رمئی سنہ ۱۹۴۶ء کا پلان ناقابل عمل ہے اور اس وجہ سے یہ خارج از بحث ہے۔ واحد راستہ جو کھلا ہوا ہے وہ تقسیم ہند کا ہے جیسا کہ اب ۳ ر جون والی برطانوی تجاویز میں تسلیم کر لیا گیا ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کی رائے میں ہندوستان کے مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ اسی بنیاد پر کونسل نے برطانوی حکومت کے بیان پر سنجیدگی اور مستعدی کے ساتھ غور کیا ہے مگر کونسل پنجاب اور بنگال کی

تقسیم سے متفق نہیں ہے اور نہ ہی ایسی تقسیم پر رضامندی کا اظہار کرسکتی ہے لیکن اس کو انتقال اختیارات کے پورے برطانوی پلان پر غور کرتا ہے۔

بہذا کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر ایم۔ اے جناح کو پورا اختیار دیتی ہے کہ وہ اس پلان کے بنیادی اصولوں کو بطور سمجھوتہ کے تسلیم کرلیں اور ان کو پورے اختیارات کے ساتھ یہ حق دیتی ہے کہ وہ پلان کی تفصیلات پر برابری اور منصفانہ طریقہ سے عمل کرائیں اور برطانوی بیان میں جو بنیادی اصول بتائے گئے ہیں ان کی بنیاد پر ہندوستان کی مکمل تقسیم کرائیں جس میں ڈیفنس، مالیات اور رسل ورسائل بھی شامل ہیں۔

یہ کونسل اپنے صدر مسٹر جناح کو اس کا بھی پورا اختیار دیتی ہے کہ وہ اس پلان کے بارے میں جو قدم چاہیں اٹھائیں یا جو فیصلہ ضروری سمجھیں وہ کریں۔ (انصاری وغیرہ)

بہرحال کونسل نے اپنے صدر کے حضور میں حاضر ہو کر فریضۂ نیازمندی ادا کردیا اور نہایت ادب سے عرض کردیا۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

اس لنگڑے پاکستان سے کونسل کے بہت سے ممبروں کو اختلاف تھا مگر مسلمانوں کی اس واحد نمائندہ جماعت کے اولوالعزم ارکان میں سے صرف تین کو یہ ہمت ہوئی کہ وہ مخالفت میں لب کشائی کریں باقی حضرات جناب صدر کے استبداد کا چکے چپلے

شکوہ کرتے رہے کاش وہ صدر سے شکوہ کے بجائے خود اپنی دون ہمتی، بزدلی پر ماتم کرتے۔

دیکھ رہے ہیں کہ قوم کو تباہی کی دعوت دی جا رہی ہے۔ مگر اعلان حق کی جرأت مفقود ہے۔ وہی زبانیں جو علمائے حق اور مذہبی طبقہ کے مقابلہ میں شمشیر براں ہیں۔ یہاں گونگی ہو گئی ہیں صرف اسلئے کہ مبادا قائد اعظم اور اس صنم اکبر کی ناراضی ان سے وہ اعزاز سلب نہ کرے جو اس وقت حاصل ہے یا جس کی توقع ہے۔ وا اسفاہ

ایک بزرگ جو اپنی بدتمیزی اور بے باکی میں مشہور ہیں۔ چند بار تقریر کیلئے اٹھے مگر ہر دفعہ "شاہ پاکستان" کے نقیبوں اور چوبداروں نے ان کو زبردستی بٹھا دیا۔ بہر حال تجویز پاس ہو گئی۔ صرف آٹھ ووٹ خلاف میں آئے۔

کانگریس کا ریزولیشن

۱۴ جون ۱۹۴۷ء کو کانسٹیٹیوشن ہاؤس نئی دہلی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ مسٹر گوبند بلبھ پنتھ وزیر اعظم صوبہ یو۔پی نے مندرجہ ذیل تجویز پیش کی

> آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے پوری توجہ کے ساتھ ان واقعات کی رفتار پر غور کیا ہے جو اس کے گذشتہ جنوری کے اجلاس سے اب تک رونما ہوئے اور خاص طور پر ان اعلانات پر جو برطانوی حکومت کی طرف سے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء اور ۳ جون ۱۹۴۷ء کو کئے گئے۔ یہ کمیٹی ان ریزولیشنوں کی تائید و تصدیق کرتی ہے جو ورکنگ کمیٹی نے اس دوران میں پاس کئے ہیں۔
>
> یہ کمیٹی برطانوی حکومت کے اس فیصلہ کا خیر مقدم کرتی ہے کہ آئندہ

اگست تک تمام اختیارات ہندوستانیوں کو منتقل کر دئیے جائیں گے۔

کانگریس نے برطانوی کیبنٹ مشن کے اعلان مورخہ ۱۶ مئی ۴۶ء کو اور بعد میں کی گئی اس کی تشریح مورخہ ۶ دسمبر ۴۶ء کو منظور کر لیا تھا اور اسی کے مطابق وہ کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی میں جو کیبنٹ مشن کی اسکیم کی رو سے قائم کی گئی تھی کام کر رہی ہے۔ وہ اسمبلی چھ ماہ سے زیادہ سے برسرکار ہے اور نہ صرف یہ کہ اس نے ہندوستان کی ایک آزاد خود مختار ریپبلک بنانے اور ایک منصفانہ سماجی اور اقتصادی نظام قائم کرنے کے متعلق اپنے مقاصد کا اعلان کر دیا ہے۔ بلکہ وہ تمام ہندوستانیوں کے لئے آزادی اور مواقع کی برابری کے بنیادی حقوق کے اصول پر آزاد انڈیا یونین کے لئے آئین بنانے میں کافی حد تک آگے بڑھ چکی ہے۔

لیکن مسلم لیگ کے ۱۶ مئی ۴۶ء کی اسکیم کو ماننے اور کانسٹیٹیوئنٹ اسمبلی میں شرکت سے انکار کے پیش نظر نیز کانگریس کی اس پالیسی کو سامنے رکھتے ہوئے کہ وہ کسی علاقہ کے باشندوں کو ان کے اعلان کردہ اور مسلمہ رائے کے خلاف انڈین یونین میں رہنے کیلئے مجبور کرنے کا خیال بھی نہیں کر سکتی۔ اے۔ آئی۔ سی۔ سی۔ اُن تجویزوں کو منظور کرتی ہے جو ۳ جون کے اعلان میں موجود ہیں اور جن کے ذریعہ متعلقہ لوگوں کی مرضی معلوم کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ کانگریس متواتر اس بات پر قائم رہی ہے کہ ہندوستان کی ایکتا کو برقرار رکھا جائے۔ کانگریس اپنے جنم دن سے جسے ساٹھ سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ ایک آزاد اور متحدہ

ہندوستان حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتی رہی ہے اور اس مقصد کے لئے ہمارے لاکھوں آدمیوں نے مصیبتیں جھیلی ہیں۔ نہ صرف پچھلی دو مشقتیں اور قربانیاں بلکہ ہندوستان کی طویل تاریخ اور روایت بھی اس لازمی اتحاد کی شاہد ہے۔ ہندوستان کی آج کیا شکل و صورت ہے۔ یہ تو اس کے جغرافیائی حالات، پہاڑوں اور سمندروں سے بنی ہے اور کوئی انسانی ہاتھ اس شکل کو نہ تو بدل سکتا ہے نہ اس کی راہ میں رکاوٹ ڈال سکتا ہے۔ اقتصادی حالات اور بین الاقوامی معاملات کے شدید تقاضے ہندوستان کی یکتائی کو اور بھی زیادہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان کی وہ تصویر جس کو عزیز رکھنا ہم نے سیکھا ہے۔ ہمیشہ ہمارے دماغوں اور دلوں میں رہے گی۔ اے۔ آئی۔ سی۔ سی دلی خواہش کے ساتھ یہ امید رکھتی ہے کہ جب موجودہ جذبات کی شدت کم ہو جائے گی تو ہندوستان کے مسائل صحیح نقطہ نظر سے دیکھے جائیں گے اور سب لوگ ہندوستان میں دو قوموں کے غلط نظریہ کو ناپسند اور ترک کر دیں گے۔

۳ جون ۱۹۴۷ء کی تجویزوں سے اس ملک کے چند حصوں کے ہندوستان سے الگ ہونے کا امکان ہے۔ خواہ یہ امر کتنا ہی قابل افسوس ہو۔ اے۔ آئی۔ سی۔ سی۔ موجودہ حالات میں اس امکان کو منظور کرتی ہے۔ اگرچہ آزادی قریب ہے مگر وقتی مشکلات بہت ہیں اور ہندوستان کی صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ ہوشیاری سے کام

لیا جائے اور جو لوگ ہندوستان کی آزادی کے خواہاں ہیں۔ انکی طرف سے ایک متحدہ محاذ پیش کیا جائے۔ اس نازک وقت میں اور تبدیلی کے موقع پر جب کہ غیر محب وطن اور سماج کو نقصان پہنچانیوالی طاقتیں ہندوستان اور اس کے باشندوں کے کاز کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اے۔آئی۔سی۔سی ہر کانگریس مین سے اور عام لوگوں سے اپیل کرتی ہے اور ان سے مطالبہ کرتی ہے کہ اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات اور جھگڑوں کو بھول جائیں اور ہوشیار، منظم، اور مستعد ہو کر ہندوستان کی آزادی کے کاز کی خدمت کرنے کے لئے اور جو لوگ اس کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اُن سے اس کو پوری طاقت بچانے کے لئے تیار رہیں۔ (تیج مورخہ ۱۶ جون ۴۷ء)

مولانا ابوالکلام آزاد نے تجویز کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ طریقۂ کار جو ۳ جون کے پلان میں پیش کیا گیا ہے۔ قطعاً غلط ہے۔ مگر حالات نے ہر ایک دماغ کو مجبور کر دیا ہے کہ جو حل بھی موجودہ الجھاؤ کو ختم کر سکتا ہو اس کو تسلیم کرلے۔ کانگریس کے سامنے یہ سوال نہیں تھا کہ کون سا منصوبہ منظور کیا جائے بلکہ سوال یہ تھا کہ گو مگو اور غیر اطمینانی کی موجودہ تباہ کن حالت باقی رہے یا سب سے پہلی فرصت میں اس کو ختم کر دیا جائے۔ کانگریس متحدہ ہندوستان کے نظریہ سے جدا نہیں ہوئی لیکن وہ حق خود ارادیت کو بھی تسلیم کر چکی تھی اور اعلان کر چکی تھی کہ جو علاقے یونین میں شامل نہ ہونا چاہیں انہیں مجبور کرنے کے وہ خلاف ہے۔

بہرحال وجوہات خواہ کچھ ہوں مگر نتیجہ یہ ہے کہ ۳ جون کو حکومت برطانیہ نے

تقسیم ہندوستان کا پلان پیش کیا اور ۱۶؍ جون تک اس کو لیگ اور کانگریس ؎ نے منظور کر لیا۔ اس پلان کو سامنے رکھ کر اگر ہندو اور مسلمان کے مفادات پر نظر ڈالی جائے تو حقیقت بالکل عیاں ہے کہ اس تقسیم سے ہندو کو غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی اور مسلمانوں کو غیر قابل تلافی نقصان پہنچا۔

مسلمانوں کے حصہ میں ہندوستان کے چند گوشے آئے اور باقی تمام زرخیز آباد اور ایک دوسرے سے متصل ہندوستان پر ہندو کو من مانی حکومت اور ہزار دو برس بعد ایک ایسی پرشوکت اور عظیم الشان سلطنت قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ جس کا تصور کرنا بھی اس کے لئے مشکل تھا۔

ہندوستان کے بڑے بڑے شہر اور عظیم الشان بندرگاہیں ہندوؤں کے حصہ میں آئیں اور مسلمانوں کی عظمت دیرینہ کا وہ گنجینہ جسکو دہلی کہتے ہیں۔ بلا شرکت غیرے

؎ مسٹر پرشوتم داس ٹنڈن اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہ نے اس تجویز کی مخالفت کی اور چونکہ "شاہ پاکستان" کے چوبداروں کی طرح انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں مخالفین کا منھ بند کرنیوالے چوبدار یا سلاح شور رضاکار نہیں رہتے۔ اسلئے مخالفت نے یہ شان پیدا کرلی کہ کانگریس کے دیوتاؤں کو "مہادیو" گاندھی جی کی پناہ لینی پڑی۔ چنانچہ گاندھی جی نے تشریف لاکر چالیس منٹ تقریر کی۔ مگر ثابت یہ ہوا کہ گاندھی جی بھی اس تجویز کی تائید میں اس کے سوا کوئی دلیل نہیں رکھتے تھے کہ ورکنگ کمیٹی اس کو منظور کر چکی ہے اور اگر آپ نے اس کو مسترد کر دیا تو ورکنگ کمیٹی کو بھی مستعفی ہونا پڑے گا اور موجودہ گورنمنٹ بھی مستعفی ہوجائیگی۔ پھر آپ کے پاس ایسے آدمی نہیں ہیں جو کانگریس اور گورنمنٹ کو سنبھال سکیں۔ آپ نے دوسری بات یہ فرمائی کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ جو چیز منظور کی گئی ہے (باقی صفحہ پر)

ہندوؤں کے حوالہ ہوگیا۔

این ڈبلو آر اور بی-این-ڈبلو-آر کے تھوڑے تھوڑے ٹکڑوں کے علاوہ تمام ریلوے لائین-تمام بڑی بڑی فیکٹریاں تمام کانیں ہندوؤں کے سپرد کردی گئیں

اور سب سے زیادہ یہ نقصان کہ مسلمانان ہند کی وحدت ملیہ پارہ پارہ کردی گئی۔ اس تقسیم کے بموجب ترجمان لیگ (منشور اخبار) کے بیان[1] کے بموجب تقریباً پانچ کروڑ مسلمان

---

[1] منشور مورخہ ۸ رجون ۴۷ء ص ۱۳ ج ۱۰ میں پاکستانی علاقوں کی آبادی کے اعداد و شمار حسب ذیل شائع کئے گئے ہیں

رقبہ

(۱) مغربی پاکستان۔ ایک لاکھ اسی ہزار مربع میل
(۲) مشرقی پاکستان۔ ۵۶ ہزار مربع میل
کل ۲ لاکھ ۳۶ ہزار مربع میل

آبادی

(۱) مغربی پاکستان ۲ کروڑ ۴۷ لاکھ
(۲) مشرقی پاکستان ۴ " ۵۱ "
کل ۶ کروڑ ۹۸ لاکھ

مسلمان

(۱) مغربی پاکستان - ایک کروڑ ۸۶ لاکھ
(۲) مشرقی پاکستان ۳ کروڑ ۶ لاکھ
کل ۴ کروڑ ۹۲ لاکھ

یعنی صرف ایک کروڑ ۴ لاکھ غیر مسلم جن میں ہندو، سکھ، عیسائی اور شودر اقوام شامل ہیں مسلم علاقوں میں رہے جبکہ پانچ کروڑ مسلمانوں کو ہندوستان اور ریاستوں میں تقریباً ۲۹ کروڑ غیر مسلم اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔

(صفحہ ۶۰۸ سے) اچھی نہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس سے اچھائی ہی کا ظہور ہوگا اور امید ہے کہ کل ہند کانگریس اس ناقص تجویز سے اسی طرح اچھائی حاصل کرے گی جس طرح مٹی سے سونا نکالا جاتا ہے۔ بہرحال گاندھی جی کی اپیل پر ہاؤس کے خیالات میں دوبارہ تبدیلی ہوئی۔ محمد میاں

پاکستان کے دو حصوں میں تقسیم ہوئے اور باقی پانچ کروڑ مسلمانوں کو ان ایک کروڑ غیر مسلموں کے عوض میں (جو پاکستانی علاقوں میں آباد ہیں) ہندوستان کے یرغمال میں دیدیا گیا۔

اس پلان پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار مدینہ نے لکھا تھا۔

(۱) یہ صحیح ہے کہ یہ علیحدگی مسلمانوں کے مطالبہ اور حق خود اختیاری کی بنا پر ہوئی مگر اس سے زیادہ یہ صحیح ہے کہ اس تحریک کو پورے چالیس برس تک انگریزی مقاصد اور مصلحتوں کی رفاقت کا شرف حاصل رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو برطانوی شاہنشاہیت کے ارکان اور مسٹر چرچل بھی اس خوشی میں برابر کے شریک ہیں۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کابینۂ چرچل کے وزیر ہند کی حیثیت سے مسٹر ایمری بار بار[1] یہ ارشاد فرماتے رہے۔

> کانگریس غلطی پر ہے۔ ہندوستان ایسے جداگانہ عناصر کا مجموعہ ہے۔ جن کا اختلاف دنیا کی تاریخ میں بے مثال ہے اور ان میں مسلم قوم سرفہرست ہے جن کی مردم شماری ۹ کروڑ ہے۔ ہم ایک ضعیف احساس محرومی کے ماتحت ہندوستان کو تقسیم کرنے اور اس کے بعد اسے آزاد دیکھنے کے آرزومند ہیں۔

(۲) یہ صحیح ہے کہ ملک کی تقسیم کا اعلان ہو گیا۔ مگر تقسیم کی جو صورت منظور کی گئی۔ وہ مسلم لیگ کے فیصلوں کے خلاف اور کانگریس کے مقصد و منشا اور مطالبہ کے مطابق ہے

[1] مسٹر چرچل اور ایمری کی متعدد تقریریں اسی کتاب میں نقل کی جا چکی ہیں۔

اس صورت میں پنجاب کا سرسبز زراعتی علاقہ۔ کارخانوں کے شہر، صنعتی حلقے اور وہ دریا جن کی وجہ سے پنجاب کا نام پنجاب ہے نکل گئے۔ وہ مغربی بنگال جہاں نیا ہندو صوبہ بن رہا ہے جوٹ، لوہا۔ اور کوئلہ سب اس کے حصہ میں آیا۔ اس حصۂ ملک میں ہندوستان کی صنعتوں کا تیس فیصدی حصہ ہے اور اسلامی بنگال میں صرف ۲٫۷ فیصدی۔ کلکتہ بنگال کا دل ہے وہ بھی مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔

مسلم لیگی تقسیم ہند کی خوشی میں اس امر کو بھول گئے کہ یہ خوشی اُن ایک کروڑ مسلمانوں کو قربان کر کے حاصل کی گئی ہے جن کے دل مرجھائے ہوئے ہیں اور جو سب سے الگ اپنی قسمت پر از سر نو غور کر رہے ہیں۔

(مدینہ ۱۳؍ جون ۱۹۴۷ء)

آزاد خیال لیگی اخبار "روزنامہ انقلاب" نے اس اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:-

"ہمارے بعض بھائیوں نے بڑے شد و مد سے فرمایا کہ مسلمانوں نے پاکستان حاصل کر لیا لیکن جب اس شئے کو پاکستان بنانے کا فیصلہ کر لیا گیا ہو جو حسن اتفاق سے میسر آجائے تو ہمارے لئے اس معاملہ پر بحث کی کونسی گنجائش ہے؟ ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ ایسی ڈھٹائی کی جسارت ہم میں اب تک پیدا نہیں ہوئی۔ اور خدا نہ کرے کبھی پیدا ہو۔ جو لوگ مسلمانان ہند کے بنیادی قومی مقاصد سے بے تکلف اس قسم کا استہزار کر سکتے ہیں وہ قوم کی جو خدمت انجام دے سکیں گے اس کے متعلق کچھ عرض کرنا فضول ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلمان ایسا پاکستان لینے کیلئے اٹھے تھے جو ہندوستان کے

پورے چھ صوبوں پر مبنی تھا۔ دو بڑے صوبے یعنی پنجاب اور بنگال اور چار چھوٹے صوبے یعنی آسام، سرحد، سندھ اور برطانوی بلوچستان اس غرض کے لئے انھوں نے مسلم اقلیت کے صوبوں کو یہ سمجھ کر نظرانداز کیا تھا کہ مسلم اور غیر مسلم اقلیتوں کا معاملہ اسلامی اور غیر اسلامی خطوں کے نمائندوں کی رضامندی سے باہم طے ہو جائیگا۔ لیکن جو کچھ ہوا اس کو مسلمان جو چاہیں کہیں جو چاہیں سمجھیں وہ اپنی کامل شکست کو بھی فتح و کامرانی، فیروزمندی اور کار برآری قرار دینا چاہیں تو کوئی انہیں روک نہیں سکیگا۔ لیکن اگر وہ اپنے مقصد و نصب العین اور پیش نظر فیصلہ کا موازنہ کریں گے تو ہمیں یقین ہے کہ ان کو خوشی اور شادمانی کا کوئی بعید سا امکان بھی نظر نہ آئیگا بلکہ اس حالت پر انہیں ماتم کی صفیں بچھانی چاہئیں۔ اسے پاکستان کہنا ایک پاک تصور کی کھلی ہوئی ہتک ہے۔ نعرہ بازیوں کا وقت گذر چکا ہے اب عقلمند اور ذی فہم انسانوں کی طرح حقائق پر غور کا وقت ہے۔

اس خطرے سے عام مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے ہم نے ہزار کوششیں کیں۔ لیکن اس بات کی خوشی نہیں کہ جو کچھ ہم کہہ رہے تھے وہ درست ثابت ہوا۔ انتہائی رنج و قلق ہے۔ لیکن اب بھی ہمارے نزدیک صحیح راہ عمل یہی ہے کہ اس مصیبت کو روکا جائے۔ اور اس افتاد کا دروازہ بند کیا جائے۔"

(انقلاب مورخہ ۸ جون ۴۷ء ۱۵ رجب ۶۶ھ)

حقیقت یہ ہے کہ یہ پاکستان مسٹر جناح اور لیگ کی مکمل شکست اور راجگوپال آچاریہ اور ان کے ہمنوا ہندوؤں کی مکمل فتح ہے۔ کیونکہ یہ وہی پاکستان ہے۔ جس کو

راجگوپال اچاریہ ۱۹۴۴ء میں پیش کر رہے تھے اور مسٹر جناح صاحب نے اس کو مسترد کر دیا تھا۔

چنانچہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے فیصلہ کے بعد "انقلاب" نے تحریر کیا:۔
"پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا۔ حد بندی کے کمیشن مقرر کر دیئے گئے۔ اب اس بحث سے کیا حاصل ہو سکتا ہے کہ ۱۹۴۴ء میں لیگ کے سامنے جو پیش کیا گیا تھا وہ وہی تھا جو آج قبول کیا گیا ہے۔ اگر یہ ثابت بھی کر دیا جائے کہ حقیقت یہی ہے تو کیا لیگ موجودہ فیصلے کو بدل دیگی۔ ہرگز نہیں۔ لہٰذا یہ بحث اب بداہۃً فضول اور عبث ہے۔ تاہم واقعہ یہی ہے کہ اب جو قبول کیا گیا ہے وہ وہی ہے جو ۱۹۴۴ء میں کانگریس دے رہی تھی۔ ہمارے ایک لیگی معاصر کو خدا جانے کیوں اصرار ہے کہ اس باب میں جو کچھ کہا جا رہا ہے۔ وہ جھوٹ ہے۔ اس غلط فہمی کے سدباب کے لئے ضرورت ہے کہ حقیقت حال پھر واضح کی جائے اور جھوٹ کو اس کے اصل مرجع ومآب تک پہنچا دیا جائے۔

۱۰ اپریل ۱۹۴۴ء کو مسٹر راجگوپال اچاریہ نے ایک خط کے ذریعہ چند تجاویز مسٹر جناح کے پاس بھیجی تھیں۔ یہ چھ دفعات پر مشتمل تھیں مقصود یہ تھا کہ انھیں کانگریس اور لیگ کے درمیان سمجھوتہ کی بنیاد قرار دیا جائے دوسری اور چوتھی دفعہ کا متن یہ تھا۔

جنگ کے خاتمہ پر ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا جو ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق میں ان متصل اضلاع کا تعین کریگا۔ جن میں مسلمانوں کو مطلق اکثریت حاصل ہے۔ اس طرح متعین شدہ علاقوں کے تمام

تمام باشندوں سے بالغوں کے حق رائے یا کسی دوسرے ذریعہ لیکن اصل حق رائے کی بنا پر استصواب کیا جائیگا۔ اگر اکثریت کا فیصلہ ہو کہ ہندوستان سے الگ ایک خود مختار اسٹیٹ بنائی جائے تو اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنا دیا جائیگا۔ علیحدگی کی حالت میں دفاع۔ تجارت۔ وسائل حمل ونقل اور دوسرے ضروری مقاصد کے تحفظ کے لئے باہمی معاہدے ہوجائیں گے۔

مسٹر راجگوپال اچاریہ کے دعوے کے مطابق گاندھی جی ان تجاویز کے حامی تھے۔ مسٹر جناح نے ۲ر جولائی ۱۹۴۴ء کو جواب دیا کہ میں خود ان کے قبول یا عدم قبول کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ البتہ گاندھی جی یہ تجاویز براہ راست میرے پاس بھیجدیں تو انھیں مجلس عاملہ لیگ کے سامنے پیش کر دوں گا۔

مسٹر راجگوپال نے سمجھا کہ جب مسٹر جناح خود ان کی حمایت کے لئے تیار نہیں ہیں تو انھیں مجلس عاملہ کے سامنے پیش کرنے سے کیا حاصل ہوگا۔ اس طرح یہ معاملہ التوا میں پڑ گیا۔ مسٹر راجگوپال کے نزدیک لیگ کی قرارداد لاہور کے تمام مطالبات ان تجاویز میں آگئے تھے۔

۳۰ر جولائی ۱۹۴۴ء کو لاہور میں لیگ کونسل کا اجلاس ہوا۔ جس میں مسٹر جناح نے ایک لمبی تقریر فرمائی۔ ان کا خاص موضوع یہی تجاویز تھیں۔ ہم پوری کو یہاں پیش نہیں کر سکتے لیکن اس کے دو فقرے خاص توجہ کے محتاج ہیں۔ یعنی

> ان کا (راجہ جی کا) فارمولا لیگ کی مارچ ۱۹۴۰ء والی قرارداد کا غلط چربہ ہے نیز اس کی نفی ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ قرارداد مذکور کو تارپیڈو مار کر فنا کر دیا جائے اور جب وہ کہتے ہیں کہ ان کے فارمولے میں لیگ کے تمام

مطالبات آگئے ہیں جو مسلم لیگ نے اپنی قرارداد میں پیش کئے تھے تو یہ
اس قرارداد کی بدترین تخریب ہے۔

چونکہ گاندھی جی بھی ان تجاویز کے حامی تھے لہذا مسٹر جناح نے آخر میں فرمایا

جس حد تک تجاویز کی حقیقی حیثیت کا تعلق ہے میں کہتا ہوں کہ گاندھی جی
جو کچھ پیش کر رہے ہیں یہ محض سایہ ہے' چھلکا ہے' پوپلا ہے۔ لنگڑا اپاہج
اپاہج اور کرم خوردہ پاکستان ہے۔

آپ سوچیں اور غور کریں کہ کیا اس شدید مذمت کا مقصد یہ تھا کہ مسلم لیگ پنجاب اور بنگال کے مقطوع حصوں کو یا آسام کے پورے صوبہ میں سے ایک ضلع سلہٹ کو لینے کی حامی تھی ہم نہیں سمجھ سکتے کہ دنیا کے کسی ہوشمند آدمی کی رائے یہ ہو سکتی ہے۔ لیکن ذرا ٹھیرئیے اس سے واضح تر اور روشن ثبوت آگے آتا ہے۔

اس کے بعد گاندھی جی اور مسٹر جناح میں ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو ستمبر ۱۹۴۴ء میں تین ہفتہ تک بمبئی میں جاری رہا۔ ۲۴ ستمبر کو گاندھی جی نے مندرجہ ذیل تجویز پیش کی تھی۔

(۱) میں اس بنیاد پر چلتا ہوں کہ ہندوستان میں دو یا اس سے زیادہ قومیں آباد نہیں ہیں بلکہ اسے ایک ایسا گھرانا سمجھنا چاہئے جس کے کئی ممبر ہوں۔

(۲) ان میں سے وہ مسلمان باقی ہندوستان سے الگ رہنا چاہتے ہیں جو شمالی مغربی حلقے یعنی بلوچستان' سندھ۔ صوبہ سرحد میں رہتے ہیں یا پنجاب کے ان اضلاع میں جہاں انہیں دوسرے عناصر پر مطلق اکثریت حاصل ہے۔ یا مشرقی حلقہ میں بنگال و آسام کے ان اضلاع میں جہاں وہ مطلق اکثریت کے مالک ہیں۔

(۳) ان علاقوں کا تعین ایک کمیشن کے ذریعہ کیا جائے - جسے لیگ اور کانگریس دونوں کی منظوری حاصل ہو - ان کے باشندوں کی مرضی بالغوں کی حق رائے دہندگی یا کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم کر لی جائے -

(۴) اگر اکثریت کی رائے علیحدگی کے حق میں ہو تو ہندوستان جوں ہی غیر ملکی اقتدار سے نجات پائے - جلد از جلد ان علاقوں کو آزاد اور خود مختار بنا دیا جائے -

(۵) علیحدگی کا ایک معاہدہ ہو جائے - جس کے مطابق امور خارجہ دفاع - داخلی وسائل حمل و نقل - کسٹم - تجارت وغیرہ کا اطمینان بخش انتظام ہو - اور ان معاملات سے معاہد فریقوں کا یکساں مفاد وابستہ ہو -

فرمائیے اب جو حاصل کیا گیا ہے وہ اس سے کس بنا پر مختلف ہے - کیا پنجاب بنگال کے انقطاع کا فیصلہ اسمبلی کے ممبروں نے نہیں کیا - کیا سرحد اور سلہٹ میں استصواب رائے عامہ پر عمل نہیں ہو رہا - کیا بلوچستان والوں کی رائے نہیں لی گئی - اور وہی علاقے جو علیحدہ نہیں ہوئے جو ۱۹۴۴ء میں دیئے جا رہے تھے - یہاں تک کہ پنجاب کا وہ ضلع ہی مسلمانوں کے حصہ میں آیا ہے - جہاں ان کی آبادی پچاس اور اکیاون فیصدی کے درمیان ہے - یہی حالت بنگال میں کھلنا اور دیناج پور کے متعلق پیش آئی -

اس تجویز کے علاوہ گاندھی جی نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اگر یہ منظور نہ ہو تو فرما دیجئے کہ ۱۹۴۰ء والی قرارداد کے مطابق مجھے کیا کچھ ماننا چاہئے - تاکہ اس کو کانگریس سے منوانے کی کوشش کروں -

اس کے جواب میں مسٹر جناح نے کیا فرمایا - یہ کہ :-

آپ (گاندھی جی) نہیں مانتے کہ پاکستان دو حلقوں پر مشتمل ہو گا شمالی مغربی شمالی مشرقی

—— یہ حلقے چھ صوبوں پر مشتمل ہوں گے۔ یعنی سندھ، بلوچستان۔ صوبہ سرحد، پنجاب بنگال اور آسام اور ان میں صرف اس حد تک خفیف علاقہ جاتی ترمیم ہو سکتی ہے جس پر اتفاق ہو جائے۔ جیسا کہ قرارداد لاہور میں کہا گیا ہے۔

محض یہی نہیں بلکہ پنجاب، بنگال اور آسام میں سے صرف مطلق اسلامی اکثریت والے اضلاع کو حق علیحدگی دینے کی تجویز کے متعلق فرمایا۔

اگر اس کو مان لیا جائے اور اس پر عمل ہو تو صوبوں کی موجودہ حدیں کٹ جائیں گی۔ ان پر ناقابل تلافی انقطاع کا عمل جاری ہو گا اور ہمارے پاس پاکستان کا (محض چھلکا) رہ جائے گا۔ یہ تجویز قرارداد لاہور کے سراسر خلاف ہے۔

ان واضح اور روشن الفاظ کو سامنے رکھ کر بتائیے کہ کیا وہ ناشدنی بات بے تکلفی سے قبول نہ کی گئی۔ اور مصیبت یہ ہے کہ اس پر اظہار ماتم یا اعتراف مجبوری کے بجائے یوں خوشیاں منائی جا رہی ہیں کہ گویا مقصود حقیقی یہی تھا —— کیا دو بڑے صوبوں میں سے بارہ بارہ اضلاع اور ایک صوبہ میں سے ایک کے سوا سب کاٹ کر علیحدہ کر دینے کو "خفیف علاقہ جاتی ترمیم" کہا جا سکتا ہے۔

اور اگر یہ "خفیف علاقہ جاتی ترمیم" ہے —— تو اس کو ۱۹۴۴ء میں کیوں نہیں منظور کر لیا گیا تھا۔ اور آج بے شمار جانی اور مالی نقصان کے بعد کیوں اس حقیقت کا انکشاف ہو رہا ہے کہ یہ خفیف علاقہ جاتی ترمیم ہے۔ انقلاب ۷ر جولائی ۱۹۴۷ء

اس پلان کا ایک خطرناک پہلو یہ تھا کہ سکھوں کی حیثیت ختم کر دی گئی تھی۔ ان کو کوئی آزاد اسٹیٹ نہیں ملی اور پنجاب کی تقسیم نے ان کی جمعیت کو دو حصوں میں منقسم

ان کے شیرازہ کو منتشر کر دیا۔

اگرچہ تقسیم پنجاب کا مطالبہ خود سکھوں نے کیا تھا۔ لیکن محرومی کا احساس قدرتی تھا۔ مزید برآں وائسرائے نے اپنی ۳ جون کی تقریر میں ان کی بہادری کی تعریف کر کے رگ حمیت کو مضطرب بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ اگرچہ سردار بلدیو سنگھ نے پلان کی منظوری کا علان کر کے مسلمانوں اور ہندوؤں سے رواداری اور باہمی اعتماد اور حسن سلوک کی اپیل کی تھی۔ مگر سکھوں کی اکثریت نے اس پر ناراضگی اور برافروختگی کا اظہار کیا۔

جمعیۃ علماء ہند کا فیصلہ

گذشتہ تین ماہ میں جب کہ ہندوستان کی تمام ہی جماعتیں خواستہ یا بادل ناخواستہ تقسیم ہند پر متفق ہو چکی تھیں۔ صرف جمعیۃ علماء ہند ہی وہ جماعت تھی جس نے اس منحوس مطالبہ کی تائید نہیں کی۔ بلکہ اپنی استطاعت وقدرت کے بموجب وحدت ہند کے باقی رکھنے میں اپنی طاقت صرف کر دی۔

اس عرصہ میں ایک یہ سوال بھی پیش آگیا تھا کہ جب وحدت ہند اور تقسیم ہند کے مسئلہ میں کانگریس کی پالیسی صراط مستقیم سے منحرف ہو چکی ہے تو کیا جمعیۃ علماء ہند کو اب بھی کانگریس سے اشتراک وتعاون کر لینا چاہئے۔ یا قطع تعلق کا اعلان کر دینا چاہئے چنانچہ آل انڈیا جمعیۃ علماء کا ہنگامی اجلاس لکھنؤ میں طلب کیا گیا جس نے ۹ رجمادی الثانیہ ۶۶ھ ۱۰ رمئی ۴۷ء کو مندرجہ ذیل تجویز پاس کی۔

اس وقت ہندوستان ایک عظیم سیاسی انقلابی دور سے گذر رہا ہے دو سو برس پرانی شہنشاہیت کا بوسیدہ نظام حکومت مضمحل ہو رہا ہے اور اس کی جگہ ایک

نئی سیاسی طاقت جنم لے رہی ہے۔

پچھلی ایک صدی کی جد وجہد آزادی اور مسلسل قربانیوں کا حاصل آج ہمارے سامنے ہے مجلس دستور ساز اور عبوری حکومت کے قیام کے بعد اس نئے تاریخی دور کی ابتدا ہو چکی ہے۔ دوسری طرف وہ تمام طبقات جو پرانے اور بوسیدہ نظام حکومت میں اپنی کوئی جگہ رکھتے تھے ان تبدیلیوں کے خلاف صف آرا ہیں۔ رجعت و ارتقا کی یہ کشمکش انقلاب کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ہندوستان میں یہ تقاضا فرقہ وارانہ تصادم کی شکل میں پورا ہو رہا ہے۔ برطانی سیاست کاروں اور وطن دشمن عناصر کے نامبارک اتحاد نے ملک کی اندرونی زندگی میں ایک خطرناک برہمی اور انتشار پیدا کر دیا ہے۔

جمعیۃ علمار ہند ان حالات کو تشویش و اضطراب کے ساتھ دیکھتی ہے اور ان کو آزادی ہند کے محبوب نصب العین، ملک کے مجموعی مفاد، اہل وطن کی باہمی رواداری اور دائمی امن و اطمینان اور ان مشترکہ مقاصد کے لئے تباہ کن سمجھتی ہے جن کے لئے جمعیۃ علمار ہند اور دوسری آزادی پسند جماعتوں نے ماضی میں عظیم الشان قربانیاں پیش کی ہیں۔

جمعیۃ علما ہند اس بات کو واضح کر دینا چاہتی ہے کہ ۲۰ ر فروری ۱۹۴۷ء کے برطانوی اعلان نے ہندوستان کی آزادی اور ترقی کے جو امکانات پیدا کئے ہیں ان سے پورا فائدہ اٹھانا ایک محتاط اور بے لاگ سیاسی رہنمائی پر منحصر ہے۔

جمعیۃ علمار ہند نے ۲۰ ر فروری کے اعلان انتقال اختیارات کو پر امید نگاہوں سے دیکھا ہے اور اس حقیقت کو محسوس کیا ہے کہ بین الاقوامی مسائل کے الجھاؤ نے

ہندوستان پر برطانیہ کے شاہنشاہی اقتدار کو ناممکن بنا دیا ہے لیکن اس کے ساتھ برطانوی سیاست کی نفسیات کو نظر انداز نہیں کیا جو برطانیہ کی خارجی سیاست کی رہنمائی کرتا رہا ہے۔

اس لئے اس اہم اور نازک موقع پر جمعیۃ علماء اس بات سے متنبہ کرنا ضروری سمجھتی ہے کہ ۲۰ فروری کے اعلان کی اس نظر فریب صداقت کے پیچھے ایک شکست خوردہ حریف کی ناکامی اور بے بسی کا تلخ احساس بھی موجود ہے۔ اسلئے برطانیہ ہندوستانی عوام کے بڑھتے ہوئے شعور آزادی کے مقابلہ میں پسپا ہوتے ہوئے سب کچھ تباہ کر دینے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔

گذشتہ دو سال میں ہندوستانی سیاست کی سطح پر اس نے جس طرح فرقہ پرست ذہنیت کو ابھارا ہے وہ برطانیہ کی اس پالیسی کو بے نقاب کر دینے کیلئے کافی ہے۔ ہندوستان خالی کرنے کے اعلانات کے ساتھ وہ اس ملک کو متحارب فرقوں کا میدان جنگ بنانے کے منصوبے بھی تیار کر رہا ہے تاکہ ہندوستان کی وحدت اور یکجہتی کے ویران کھنڈروں پر خود برطانیہ یا انگریزی بولنے والی کوئی قوم ایک نئی شاہنشاہیت کے امکانات کی آزمائش کر سکے۔ اس لئے جمعیۃ علماء ہند تاریخ کے اس پیچیدہ اور نازک ترین دور میں حالات کی نزاکت اور اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر یہ اعلان کرنا ضروری سمجھتی ہے کہ ہندوستان کی مکمل آزادی جمعیۃ العلماء ہند کا اولین اور محبوب ترین نصب العین ہے۔ جمعیۃ العلماء اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ مسلمانان ہند اور تمام ممالک اسلامیہ کی مذہبی و سیاسی آزادی اور سیاسی فلاح و بہبود بلکہ تمام ایشیا کی آزادی اور ترقی صرف اسی پر منحصر ہے کہ ہندوستان

سے برطانوی شہنشاہیت کا کلیۃً استیصال کیا جائے۔ لہذا آزادی ہند کی آخری عملی حدتک وہ ملک کی ہر اس سیاسی جماعت کے ساتھ اشتراک عمل کریگی جو ہندوستان سے برطانیہ کے مکمل اخراج کو اپنا نصب العین قرار دیتی ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی صاف صاف کہہ دینا چاہتی ہے کہ جہانتک ملک کی سیاسی منصوبہ بندی اور آزاد ہندوستان میں مسلم مفاد کا تعلق ہے جمعیۃ علماء ہند اپنی ایک مستقل جگہ رکھتی ہے جو اس کے مجوزہ فارمولے سے ظاہر ہے۔ جمعیۃ علماء ہند اگرچہ اس پر مضبوطی سے قائم ہے لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جمعیۃ العلماء ہند کے اس فارمولے کو جو مسلمانان ہند کے لئے ازبس مفید ہے مسلم لیگ نے پاکستان کا نظریہ پیش کر کے جو مسلمانوں کی ملی وحدت اور اجتماعی حیات کے لئے باعث ہلاکت ہے عملی تشکیل سے محروم کر دیا اور گذشتہ انتخاب میں برطانوی حکومت اور لیگ کی سازش نے آئینی حل کو کانگریس اور لیگ کے درمیان محدود کر کے لاینحل بنا دیا۔ ہمیں افسوس ہے کہ کانگریس بھی اس نازک مرحلے پر اپنی جگہ مستحکم نہ رہ سکی۔ اور اس نے اپنی روایات کے خلاف تقسیم پنجاب کے مسئلہ پر مہر تصدیق ثبت کر کے قومی نقطۂ نظر کو سخت نقصان پہنچایا۔ جمعیۃ علماء ہند ان تاریک پہلوؤں کے متعلق صاف صاف اعلان کر چکی ہے کہ وہ مسلم لیگ کے مزعومہ پاکستان اور ہندو مہاسبھا کے اکھنڈ ہندوستان اور کانگریس کی حالیہ تجویز "تقسیم پنجاب" یعنی تقسیم در تقسیم کو ایک لمحہ کیلئے بھی گوارا نہیں کر سکتی۔

جمعیۃ علماء ہند ان تمام تفصیلات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ملک کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً موجودہ صورت میں صرف ایک ہی راہ ہے

کہ آزاد ہندوستان کے دستور اساس وبنیاد کے طور پر کیبینٹ مشن کے فیصلے ہی کی پابندی کی جائے۔ جس کے متعلق جمعیۃ العلمائے ہند کی ورکنگ کمیٹی نے شروع ہی میں سفارش کی تھی، نیز پنجاب وبنگال کے تمام باشندوں سے پرزور اپیل کرتی ہے کہ وہ کسی حال میں بھی تقسیم پنجاب وبنگال کو قبول نہ کریں۔

تقسیم ہند کے پلان کے بعد

۳ رجون کے پلان کے بعد ۲۰ رجون ۴۷ء کو بنگال اسمبلی نے تقسیم بنگال کا فیصلہ کر دیا اور ۲۳ رجون کو پنجاب اسمبلی نے پنجاب کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ابھی سرحد اور سلہٹ کا ریفرینڈم باقی تھا کہ حضرت صدر محترم جمعیۃ علماء ہند نے بر وقت رہنمائی کے لئے ۴ رشعبان ۶۶ھ ۲۴ رجون ۴۷ء کو مجلس عاملہ کا اجلاس طلب فرمایا۔ اس کے فیصلے درج ذیل ہیں۔

تجویز متعلق تقسیم ہند۔ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند نے ہمیشہ اس امر کا اعلان کیا ہے کہ جمعیۃ علماء کا نصب العین ہندوستان کے لئے مکمل آزادی حاصل کرنا ہے۔

اور نیز یہ کہ ہندوستان کو تقسیم کرنا باشندگان ہندوستان کے لئے عموماً اور مسلمانان ہند کیلئے خصوصاً سخت مضرت رساں اور نقصان دہ ہے۔

چونکہ جمعیۃ علماء کی یہ پختہ رائے ہے۔ اس لئے یہ جلسہ ایک دفعہ پھر مسلمانان ہند کو متنبہ کرتا ہے کہ اس ملک کی تقسیم مسلمانوں کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور مہلک ثابت ہوگی۔

اس جلسہ کی رائے میں مسلم حقوق کے تحفظ اور مسلمانوں کے سیاسی اور اقتصادی بچاؤ کی صحیح شکل وہی ہو سکتی تھی جو جمعیۃ علماء نے اپنے فارمولے میں پیش کی تھی۔

یہ جلسہ اپنے اس پختہ عقیدہ اور مضبوط رائے کا اظہار کرتے ہوئے گورنمنٹ برطانیہ کے اس پلان سے اپنی دلی بیزاری کا اظہار کرتا ہے جو گورنمنٹ برطانیہ نے ۳ جون کو ہندوستانی لیڈروں کے حوالہ کیا ہے۔

اس پلان میں نہ تو مکمل آزادی کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہندوستان کی وحدت قائم رکھی گئی ہے۔ اس پلان میں نہ صرف یہ کہ ملک کو تقسیم کیا گیا ہے بلکہ پنجاب و بنگال کے بھی ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں اور ہندوستانیوں میں باہمی منافرت بڑھا کر حکومت برطانیہ یا کسی اور اجنبی طاقت کو ہندوستان اور پاکستان میں مداخلت کے لئے آسانی پیدا کرتا ہے۔

اس پلان کی وجہ سے ہندوستان کی وحدت ہی پارہ پارہ نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ سے مسلمانانِ ہندوستان بھی تین حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور تقریباً پانچ کروڑ مسلمان ایک ایسی اکثریت کے حوالے کر دیئے گئے جس کی تعداد ۲۵ کروڑ ہے۔

مسلمانوں کی یہ تباہی اور بیکسی اس غلط اور مستبدانہ رہنمائی کا نتیجہ ہے جس میں ایک عرصہ سے وہ گمراہانہ طور پر مبتلا ہیں۔

اگر اس قسم کی نقصان دہ تقسیم ہی کو قبول کرنا تھا تو اس کا بہترین موقعہ وہ تھا جبکہ مسٹر گاندھی اور مسٹر راجگوپال آچاریہ اس قسم کی پیشکش کر رہے تھے یا اس کے لئے

وہ وقت مناسب تھا جبکہ کیبنٹ مشن سے گفتگو ہو رہی تھی، لیکن اس وقت اس پاکستان کو "چھلکا" اور "سایہ" کہہ کر مسٹر جناح نے رد کر دیا تھا۔

اگر یہ چھوٹا اور بے حقیقت پاکستان اس وقت قبول کر لیا جاتا تو یقیناً ملک وحشیانہ قتل و غارتگری میں مبتلا نہ ہوتا، اور ہزاروں بے گناہ مسلمان تباہ و برباد ہونے سے محفوظ رہتے۔

اس جلسہ کی یہ قطعی رائے ہے کہ تقریباً پانچ کروڑ مسلمانوں کو ایک خطرناک حالت میں مبتلا کر انکی تمامتر ذمہ داری مسلم لیگ کی اس غیر جمہوری اور مستبدانہ پالیسی پر عائد ہوتی ہے جو اس کا عام طرز عمل ہے۔ جمعیۃ علماء کے نزدیک یہ ایک حقیقت ہے کہ کانگریس نے اس تقسیم کو منظور کر کے ملک کے مفاد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے اور اپنے اصول سے کھلا انحراف کیا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اس امر کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ جمعیۃ علماء اپنے نصب العین مکمل آزادی کو حاصل کرنے کی جدوجہد اس وقت تک جاری رکھے گی جبتک کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاتی۔ تاہم چونکہ اب ملک کی تقسیم ہو چکی ہے اور متعلقہ پارٹیوں نے اس کو منظور کر لیا ہے اس لئے مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اپنی تمام جماعتوں اور ماتحت شاخوں کو خواہ وہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہوں یا مسلم اقلیت کے صوبوں میں، یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی غرض سے اصلاحی اور تعمیری کاموں پر توجہ کریں اور اس سلسلہ میں حسب ضرورت مرکزی دفتر سے ہدایت حاصل کرتے رہیں۔

تجویز ۳ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس ایسی حالت میں جبکہ صوبہ سرحد کے

تمام رائے دہندوں کی اکثریت نے ابھی گذشتہ انتخابات کے موقع پر پاکستان کے خلاف اپنی آخری اور فیصلہ کن رائے کا اظہار کر دیا تھا اور اس وقت حکومت نے ان ہی انتخابات کے نتائج کی بنیاد پر ملک کی آزادی کی تعمیر کا وعدہ کیا تھا۔ اب گورنمنٹ برطانیہ کے پنجاب و بنگال کے طریقے کے برعکس اس صوبہ میں استصواب رائے عامہ کے جدید شاخسانہ کو خلاف قانون اور کھلی بے انصافی و جنبہ داری خیال کرتا ہے۔

مجلس عاملہ کی رائے میں حکومت برطانیہ کا یہ اقدام اور متعلقہ جماعتوں کا اس کو قبول کرنا باشندگان سرحد کی آزادی رائے پر ناقابل تلافی ظلم ہے۔

اس کے باوجود بھی حکومت برطانیہ کو اگر بحالات موجودہ سرحد میں رائے عامہ معلوم کرنے پر اصرار ہے تو باشندگان سرحد کو صرف پاکستان اور ہندوستان میں محدود کرنے کی بجائے آئندہ طرز حکومت سے متعلق رائے کی پوری آزادی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے لئے جس قسم کی حکومت پسند کریں اختیار کریں۔

تجویز نمبر ۶۔ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اس اجلاس نے سلہٹ کے بارے میں کافی غور و خوض کیا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ سلہٹ کے مشرقی بنگال میں شامل ہو جانے سے مشرقی بنگال کی مسلم اکثریت کو تو محض ایک جزوی نفع پہنچتا ہے جبکہ سلہٹ کے آسام سے نکل جانے کے باعث آسام کی مسلم آبادی اس قدر قلیل قلیت میں رہ جائے گی کہ صوبہ مذکور میں اس کی آواز بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔ اس لئے اس مجلس کی رائے میں مسلم مفاد کے پیش نظر سلہٹ کا آسام میں شامل رہنا مشرقی بنگال میں شامل ہونے کے مقابلہ میں زیادہ نفع بخش ہے۔

سلہٹ و سرحد کی رائے شماری | ۶، ۷ جولائی ۴۷ء کو ضلع سلہٹ کی

رائے شماری ہوئی۔ کثرت آراء نے سلہٹ کو مشرقی پاکستان کا ضمیمہ بنا دیا۔

صوبہ سرحد[1] کے ریفرنڈم میں دس دن صرف کئے گئے۔ ۱۸ جولائی ۴۷ء کو یہ رائے شماری پر امن طریقہ پر ختم ہوئی اور معلوم ہوا کہ ۴۹ء ۵۰ نے پاکستان کے حق میں رائے دی اعشاریہ ۴۹ نے کاسٹنگ ووٹ کا کام کیا۔ اور پورا صوبہ سرحد پاکستان کے حوالہ کر دیا گیا۔

دوسری جنگ عظیم میں دنیا نے ذرات کی قوت معلوم کر کے ایٹم بم تیار کیا تھا۔ اس ریفرینڈم میں دنیا کو اعشاریہ کی طاقت کا انکشاف ہوا۔

ہندوستان اور پاکستان کے گورنر جنرل

۱۰ جولائی ۴۷ء کو مسٹر ایٹلی وزیر اعظم حکومت برطانیہ نے خیال ظاہر کیا کہ لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان کے گورنر جنرل ہوں گے اور مسٹر جناح پاکستان کے۔

ہندوستانیوں کی ایک ایسی جماعت ضرور موجود تھی جو اس اعلان کو مسٹر جناح کے اعلیٰ تدبر اور کانگریس کی سادگی کی دلیل گردان رہی تھی اور چونکہ مسٹر ایٹلی کے بیان کے مطابق جناح صاحب نے یہ شرط پیش کی تھی کہ مسلم لیگ کا صدر پاکستان کا گورنر جنرل

---

[1] خان عبدالغفار خان اور ان کے خدائی خدمتگاروں نے اس ریفرینڈم کا بائیکاٹ کیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ رائے شماری آزاد پٹھانستان اور پاکستان کے سوال پر ہونی چاہئے۔ ہندوستان یا پاکستان کے شمول پر رائے شماری نہ ہونی چاہئے کیونکہ پٹھان استقلال چاہتے ہیں ہندوستان یا پاکستان کا ضمیمہ بننا نہیں چاہتے اور جس حق خود ارادیت کی بنیاد پر مطالبہ پاکستان تسلیم کیا گیا ہے اس بنیاد پر مطالبہ پاکستان کی طرح ... مطالبہ بھی واجب التسلیم ہے لیکن خدائی خدمتگاروں کا یہ مطالبہ منظور نہیں کیا گیا لہذا

ہوگا۔بیشک یہ اعلان مسٹر جناح کی کامیابی کی دلیل تھا۔لیکن جو اہل بصیرت واقعات کو گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں وہ سمجھ رہے تھے کہ مسٹر جناح کھلے طور پر برطانوی مفاد کا آلہ کار بننے کے لئے راضی ہوگئے ہیں۔کیونکہ پلان کی تشریح کے مطابق گورنر جنرل پر برطانوی مفاد کی حفاظت لازم ہے۔اس پرطرہ یہ کہ گورنر جنرل برطانیہ کے ملازم کی حیثیت رکھتا ہے۔چنانچہ سنجیدہ قسم کے مسلم لیگیوں نے بھی مسٹر جناح کے اس اقدام کو ناپسند کیا۔اوران کی نظر میں کانگریس کی قدرومنزلت بڑھ گئی کہ اس کے حلقہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو برطانوی مفاد کی ذمہ داری اپنے سرلے۔

بالآخر ۳ر اگست ۱۹۴۷ء کو بادشاہ کی منظوری کے بعد باقاعدہ اس کا اعلان ہوگیا' اور ۱۵ر اگست سے پہلے مسٹر جناح نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھال لیا۔

جولائی کے پہلے ہفتہ میں آزادی ہند کابل پارلیمنٹ میں پیش ہوا جو دوسری اور تیسری خواندگی کے مراحل طے کرنے کے بعد ۱۶ر جولائی کی شب کو دارالامراء میں آخری منظوری حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا اور صرف شاہی منظوری باقی رہ گئی۔

اس مرتبہ خصوصیت یہ تھی کہ مسٹر چرچل کی پارٹی کی جانب سے اس بل کی مخالفت نہیں کی گئی۔کیونکہ تقسیم شدہ ہندوستان کی آزادی درحقیقت ان کی پالیسی کی کامیابی تھی۔

۱۸ر جولائی ۱۹۴۷ء مطابق ۲۸ر شعبان ۱۳۶۶ھ یوم جمعہ کو لندن سے رائٹر کا نامہ نگار خصوصی "فریز روائی ٹن" نے بذریعہ تار مطلع کیا۔

آج برطانیہ کے حساب سے ٹھیک دس بجکر چالیس منٹ پر (جب کہ ہندوستان میں ٹھیک چار بجکر دس منٹ تھے) برطانوی دارالامراء میں

امراء کے ایک رائل کمیشن نے تزک و احتشام اور شاہی رواسم کے ساتھ جس پر ولیم فاتح کے زمانہ سے عمل درآمد ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ہندوستان کی آزادی پر شاہی منظوری کا اعلان کیا۔ اس طرح ہندوستان اور پاکستان کی دو عظیم الشان نوآبادیاں وجود میں آگئیں اور ہندوستان کے چالیس کروڑ باشندوں کو مکمل آزادی حاصل ہو گئی۔

راے لیول ۱۰۶۶ء کی نارمن فرانسیسی زبان میں پارلیمنٹ کے کلرک سر ہنری بیڈ نے فیصلہ کن الفاظ کہے۔

"بادشاہ سلامت اسے منظور فرماتے ہیں"

اس ایک جملہ میں نوآبادیوں کا قیام اور وجود مضمر تھا۔

اس تزک و احتشام کی جو تفسیر اخبارات نے شائع کی وہ قرون وسطیٰ کے بادشاہوں کے نقیب۔ چوبداروں بردہ داروں اور زمین بوسی وغیرہ کے کہنہ مراسم و تخیلات کو زندہ کر رہی تھی۔

یہ تھا نتیجہ اس جدوجہد کا جس کا آغاز کانگریس پلیٹ فارم سے ۱۸۸۵ء سے ہوا تھا جس کی تائید و حمایت میں جمعیۃ علماء ہند کانگریس کے دوش بدوش قربانیاں پیش کرتی رہی۔

حفاظت امن کی ناکام کوششیں

بنگال، بہار اور بمبئی کے فسادات کے بعد صوبہ سرحد اور پنجاب کے واقعات نے دماغوں کو حد سے زیادہ مکدر کر دیا تھا۔

پنجاب میں جو فسادات مارچ۔ اپریل میں ہو چکے تھے ان میں سکھوں کے مقابلہ

میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا تھا حتی کہ امرتسر میں بھی سکھ مغلوب ہو چکے تھے۔ اس نے سکھوں کو ایک کانسپریسی پر آمادہ کر دیا تھا۔

یونینیسٹ وزارت کے بعد پنجاب میں دفعہ نمبر ۹۳ نافذ کر دی گئی اور صوبہ پنجاب کی زمام حکومت مسٹر جینکس (Jenkins) کے حوالہ کر دی گئی۔ سامراج پرست یوروپین افسران کے وفا شعار ہندوستانی حواریوں کے لئے (جنکو مسٹر جناح اور ان کی پارٹی کی پشت پناہی حاصل تھی) یہ موقع غنیمت تھا۔ انھوں نے ان جذبات کو مشتعل اور برانگیختہ کرنے میں دقیقہ باقی نہیں رکھا اور مشرقی اور مغربی پنجاب میں بغض وعداوت کی بارودی سرنگیں بچھا دیں۔

ابھی اختیارات ہندوستانیوں کو منتقل نہیں کئے گئے تھے اور ۱۵ اگست میں تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ باقی تھا کہ درۂ خیبر سے فوجیں ہٹالی گئیں۔ چنانچہ ۶ جولائی کو ایسوشی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے ایک نمائندہ نے جو افغانی سرحد کا دورہ کر رہا تھا یہ معنی خیز خبر دی۔

> اس وقت ایک متنفس بھی برطانوی فوجی درۂ خیبر کی نگرانی نہیں کر رہا ہے یہاں تک کہ ہندوستانی فوجیں بھی ہٹالی گئیں [illegible] درۂ خیبر افغانستان کے لئے ایک اہم راستہ ہے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ یہی درۂ خیبر فوجی اہمیت کے لحاظ سے دنیا میں سب سے اہم راستہ خیال کیا جاتا تھا اور [illegible] قلعہ بندی اور حفاظت کا انتظام کیا گیا تھا لیکن اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی تمام اہمیت نظر انداز کر دی گئی ہے۔ یہ افسانوی درہ جسکی قلعہ بندی ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۲ء کے درمیان تین کروڑ روپیہ کے

صرف سے کی گئی تھی۔ اجاڑ نظر آرہا ہے۔ (قومی آواز لکھنؤ - ۸ر جولائی ۴۷ء)

مختصر یہ کہ افغانیوں اور قبائلیوں کو گویا دعوت دیدی گئی تھی کہ وہ ہندستان میں داخل ہوکر فسادات کی بارودی سرنگوں کو آگ لگا دیں۔

اس خطرناک ماحول میں لاہور کی پوزیشن کو مستقل مادہ فساد بنا دیا گیا کیونکہ ۳ر جون کے پلان میں لاہور کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ بہانہ یہ تھا کہ یہاں مسلم اور غیر مسلم کے تناسب میں صرف ۵۰ اور ۴۹ کا فرق ہے۔ لیکن اس بہانہ سے گویا ہر فریق کو دعوت دیدی گئی تھی کہ وہ دوسرے فریق کی تعداد کم کرکے اپنی کثرت کو عیاں اور واضح کرنے کی جائز ناجائز کوشش کرے۔ سب سے زیادہ تباہ کن پوزیشن یہ اختیار کی گئی تھی .... کہ صوبائی اصول کے بجائے فرقہ وارانہ اصول پر فوج کی تقسیم کردی گئی تھی اور پنڈت جواہر لال نہرو کی اس خواہش کو فوجوں کی تقسیم صوبجاتی اصول پر ہونی چاہئے اور مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے اس اصرار کو کہ کم از کم بیس فیصدی مسلمان انڈین یونین کی فوجوں اور مرکزی دفاتر میں باقی رہنے دیئے جائیں پائے حقارت سے ٹھکرا دیا گیا تھا۔

چنانچہ مہاتما گاندھی نے اپنی عبادتی تقریر میں فرمایا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم غیر ملکی جارحانہ حملہ کے مقابلہ میں متحد کیوں نہیں ہو سکتے۔ تقسیم کے موجودہ طریقہ سے یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں فوجوں کے درمیان جنگ شروع ہو جائے کیونکہ ممکن ہے وہ اپنے آپ کو ایک دوسرے کا حریف سمجھنے لگیں ... اس دردناک سانحہ کی تلافی صرف آنسوؤں سے نہیں ہو سکتی۔

(قومی آواز - ۱۶ر جولائی ۴۷ء)

ان تمام حالات کے پیش نظر حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے ۲۹ جون ۱۹۴۷ء کو دونوں ڈومینینوں کی دستوری اسمبلیوں کو مشورہ دیا کہ وہ مشترک اجلاس کر کے اقلیتوں کے متعلق متفقہ منشور مرتب کر لیں۔

آپ نے فرمایا:-

۳ جون کے اعلان کو منظور کر لینے تک اور اس سے پہلے جو کچھ ہوا اسکو داستان ماضی سمجھنا چاہئے۔

میں جانتا ہوں کہ اس منصوبہ میں بدیہی اور نمایاں خرابیاں موجود ہیں لیکن موجود حالات میں اس کے سوا اور کوئی شکل ممکن نہ تھی۔

حقیقت کہ اس منصوبہ نے ایک ایسے مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔ جسے قومی ترقی کے لئے حل کرنا انتہائی ضروری تھا۔ ہمیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ ہم ماضی کو بھول کر مستقبل کی فکر کریں۔

۳ جون کا اعلان اب مسئلہ حقیقت ہی اس منصوبہ کی شرائط کے مطابق بنگال اور پنجاب کی تقسیم بھی ہو گی۔ ایک بار جب ہم اور انکے نمائندے کوئی فیصلہ کر لیں تو پھر ماضی کے متعلق سوچتے رہنا گذشتہ سوالات کو اٹھانا اور ایک بار پھر تذبذب تلخی اور تنازعہ پیدا کرنا بہت بڑی غلطی ہو گی۔ اب دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی تمام توجہ مستقبل پر مرکوز کر دیں اور تمام متعلقہ فرقوں کیلئے حفاظت امن اور ترقی کا ایک نیا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

یہ بات یقیناً قابل افسوس ہے کہ ہندوستان کی قوم پروری کی کامیابی کا جب موقع آیا تو فرقہ دارانہ کشیدگی نے اسکی فتح کو ایک حد تک مسخ کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان

نے ایسے ماحول اور حالات میں آزادی حاصل کی ہے جسکی مثال تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ (قومی آواز مورخہ یکم جولائی ۴۷ء)

مولانا آزاد کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے دستوری اسمبلیوں نے تو کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ البتہ ۲۲ر جولائی کی شام کو ۵ر بجے نئی دہلی میں تقسیم کونسل کا اجلاس زیر صدارت لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند ہوا جو غالباً اسی مشورہ کا عملی نتیجہ تھا

اس اجلاس میں ہندوستان اور پاکستان کی مجوزہ حکومتوں کے دو دو نمائندے شریک ہوئے۔ اس کونسل نے اعلان کیا۔

اختیارات کی منتقلی کے بعد اقلیتوں کے ساتھ مساویانہ اور منصفانہ برتاؤ کیا جائیگا۔ کسی علاقہ میں کسی قسم اور کسی حیثیت کے تشدد کو برداشت نہ کیا جائیگا۔ ہر شہری کو عام شہری حقوق کے استعمال میں مساوی درجہ دیا جائیگا دونوں حکومتیں اپنے علاقہ میں بسنے والوں کو تقریر، انجمن سازی، عبادت کی آزادی، اور ان کے زبان، کلچر کے تحفظ کا یقین دلا رہی ہیں دونوں حکومتیں اس عزم اور ارادہ میں کسی قسم کی کمزوری نہیں دکھائیں گی، یکم اگست سے مشرقی پنجاب کے بارہ اضلاع اور مغربی اضلاع کیلئے ایک مخصوص فوجی کمان مقرر کیا جائیگا۔ دونوں حکومتیں حد بندی کمیشن کے فیصلہ کو منظور کریں گی۔ (قومی آواز ۲۶ر جولائی ۴۷ء)

لیگیوں کی رجعت قہقری

لیگی مداحیان نے بھی خطرات کو محسوس کرتے ہوئے رجعت قہقری میں کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ ۳۰ر جون کو مسلم لیگ کے صدر مدراس اسمبلی کی لیگ پارٹی کے لیڈر محمد اسمٰعیل صاحب نے پریس کو بیان

دیتے ہوئے فرمایا۔

مدراس کے مسلمان اول ہندوستانی اور اس کے بعد مسلمان ہیں، ہر سچا مسلمان سچا ہندوستانی اور سچا مدراسی بھی ہے میرے اس نظریہ کی تائید قرآن اور حدیث سے ہوتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر اقلیت والے صوبوں کی حکومتوں نے مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا تو کیا پاکستان ہماری امداد کے لئے ہندوستان کے خلاف کوئی فوجی کارروائی کریگا۔ نہیں ایسا بالکل ممکن نہیں اور اسی خیال سے میں اقلیت والے صوبوں کے مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ اگر واقعی سچے مسلمان ہیں تو سب سے پہلے سچے ہندوستانی بنیں میرا یہ خیال کسی غلطی پر مبنی نہیں ہے حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے آپ کو قومیت و وطنیت کی طرف منسوب کرتے ہوئے خود کو ہاشمی العربی کہا ہے۔ اگر ہم اس کے خلاف کوئی طریقہ اختیار کریں گے اور اپنے آپ کو پہلے مسلمان اور بعد میں ہندوستانی قرار دیں گے تو ہم اپنے ہی دیش میں غیر ملکی بنکر رہ جائیں گے۔ (قومی آواز ۳ جولائی ۴۷ئ)

کانسٹیٹیونٹ اسمبلی کے اجلاس میں چودھری خلیق الزماں صاحب لیڈر مسلم لیگ پارٹی نے فرمایا۔

ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ قومی جھنڈے کا احترام کرے۔ اگرچہ یہ کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے۔ لیکن یہ قوم کی آرزوؤں اور عزت کا نشان ہے ہمیں یقین

لہ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

ہے کہ ہر مسلمان اور ہر عیسائی اس جھنڈے کو بلند کرنے میں فخر محسوس کریگا۔

(قومی آواز ۲۸ر جولائی ۱۹۴۷ء)

ڈپٹی لیڈر مسلم لیگ پارٹی (مسٹر سعد اللہ صاحب) نے فرمایا۔

میں جھنڈے کو سلام کرتا ہوں میرے خیال میں یہ جھنڈا نشان ہے ہماری تمناؤں کا۔ ہماری جدوجہد کی کامیابی اور ہماری قربانیوں کا۔

(قومی آواز ۲۸ر جولائی ۱۹۴۷ء)

۱۳ر جولائی کو نئی دہلی میں پریس کانفرنس میں مسٹر جناح نے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے کہا:۔

اقلیتیں خواہ کسی فرقہ سے تعلق رکھیں ان کے حقوق کی حفاظت کی جائیگی۔ ان کا مذہب، ان کے عقیدے ہر طریقہ سے محفوظ رہیں گے۔ ان کے جان و مال کی حفاظت کی جائیگی۔ عبادت کی آزادی میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائیگی۔ انہیں مذہب عقیدہ جان مال اور تمدن کے سلسلہ میں تحفظ حاصل ہوگا۔ وہ بلا امتیاز مذہب و ملت اور نسل و رنگ ہر حیثیت سے پاکستان کے باشندے ہوں گے۔ انہیں جس طرح حقوق و مراعات حاصل ہوں گی اسی طرح ایک شہری کی حیثیت سے ان کی ذمہ داریاں بھی ہوں گی۔ انہیں حکومت کے معاملات میں حصہ لینا ہوگا اور جس وقت تک اقلیتیں حکومت کی وفادار رہیں گی اور اس سے سچا تعلق رکھیں گی۔ انہیں اس وقت تک جب تک میرا اختیار باقی ہے کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہیے۔

ایک سوال کے جواب میں کہ پاکستان میں دینی حکومت ہوگی یا دنیاوی مسٹر جناح نے فرمایا۔ آپ ایک مہمل سوال پوچھ رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ دینی حکومت

آپ کا کیا مطلب ہے۔ خدا کے لئے آپ لوگ اپنے دماغوں سے خرافات نکال دیجئے۔

(قومی آواز ۱۵ر جولائی ۴۷ء)

لیکن افسوس یہ تمام بیانات[1] اور تجویزیں ناکام رہیں اور فسادات کی بارودی سرنگیں جو مغربی اور مشرقی پنجاب میں بچھادی گئی تھیں۔ پندرہ اگست سے پہلے ہی بھڑکنی شروع ہوگئیں۔ تقسیم فوج پر مہاتما گاندھی نے جو خدشہ ظاہر کیا تھا۔ وہ اپنی تمام تباہ کاریوں کے ساتھ ہلاکت بار ہوا۔ اور مشرقی اور مغربی پنجاب کی زمینیں اقلیتوں کے لئے جہنم بن گئیں۔ مغربی پنجاب میں پاٹھشالے، مندر اور گوردوارے تباہ کر دیئے گئے۔ اور مشرقی پنجاب میں تمام مدارس اور مسجدیں ویران ہوگئیں۔ ان فسادات کی مکمل تفصیلات کے لئے سینکڑوں صفحات درکار ہیں جواب تک نہیں لکھے گئے اور ہماری خواہش ہے کہ نہ لکھے جائیں، کیونکہ وہ انسانیت کے دامن پر، ہندوستان کی پیشانی پر اور ہندوستانیوں

---

[1] اس اعتراض کا معقول جواب آج تک نہیں دیا جاسکا کہ مسٹر اچاریہ کرپلانی نے جو اس زمانہ میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر تھے حالات کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ اور پاکستانی حلقہ کی کانگریس کمیٹیوں کے نام، ۸ر اگست ۴۷ء کو ایک مراسلہ جاری کر دیا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔ ہم لوگوں کو یہ علم ہے کہ سندھ، مشرقی بنگال، مغربی پنجاب اور صوبہ سرحد کے کانگریسی اور کانگریس کے ہمدردوں کے دل ملک کی تقسیم کی وجہ سے رنج و الم سے پُر ہیں۔ اس لئے وہ ہندوستان کے باشندوں کی مسرت اور خوشی میں شریک ہونے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ایسی صورت میں ان حلقوں میں جو ہندوستان سے الگ ہوگئی ہیں ۱۵ر اگست کو کسی قسم کی تقریب منانے کی ضرورت نہیں۔ (قومی آواز مورخہ ۸ر اگست ۴۷ء) مسٹر کرپلانی کے اس مراسلے نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کے مجنونوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیا اُنکے ظلم و جور کیلئے ایک حیلہ بھی پیدا کر دیا اور غیر مسلم اقلیت کو جشن پاکستان سے علیحدہ رکھکر انکی غنڈہ کا م ہونیکا ثبوت

کے چہروں پر ایسے بدنما نفرت انگیز داغ ہیں جن کا مٹ جانا ہی بہتر ہے۔ ہم اس سلسلہ میں صرف دو بیانوں کو ان اوراق کا ضمیمہ بناتے ہیں۔ یہ بیان شائع ہو چکے ہیں اور ان کو غالباً کسی طرح بھی کتاب تاریخ سے نہ مٹایا جا سکیگا۔ یہ دونوں بیان ان ہندوستانیوں کے ہیں۔ جن کی اعتدال پسندی پر پورے ہندوستان کو اعتماد ہے۔ یعنی حضرت مولانا ابوالکلام صاحب اور پنڈت سندرلال صاحب

۲۹ ستمبر ۴۷ء کو مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے ایک مفصل بیان اخبارات میں شائع کرایا۔

حال کے افسوسناک حالات نے لوگوں کو اس قدر تنگ نظر کر دیا ہے کہ غیر جانبدارانہ طریقہ پر کوئی رائے قائم کرنا بالکل ناممکن ہو گیا ہے۔ عام طور پر ہر مسلمان صرف ان مصیبتوں ہی کے متعلق خیال کرتا ہے جو مشرقی پنجاب اور دہلی میں مسلمانوں پر پڑیں اور ان مظالم کو بھول جاتا ہے جو اس کے ہم مذہبوں نے مغربی پنجاب اور صوبہ سرحد کے سکھ اور ہندوؤں پر کئے ہیں۔ اسی طرح سے سکھ اور ہندو بھی صرف انہیں مظالم کا ذکر کرتے ہیں جو مغربی پنجاب اور صوبہ سرحد میں ہوئے ہیں۔ لیکن مشرقی پنجاب اور دہلی کے مسلمانوں کی بابت وہ کوئی ہمدردی محسوس نہیں کرتے۔ احساس کی یہ کمی ملک کے موجودہ حالات میں لازمی ہے۔ صرف وہی لوگ موجودہ مشکلات کو حل کر سکتے ہیں اور کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں جو غیر جانبداری اور بے تعصبی کے ساتھ واقعات پر غور کریں۔ ایسے وسیع النظر لوگ اگرچہ بہت کم ہیں۔ لیکن بالکل نایاب نہیں ہیں۔ اور یہی لوگ عام جذبات کے سیلاب میں اپنے قدم قائم رکھ کر مستقبل کے متعلق سوچ سمجھ سکتے ہیں

واقعات کے تمام افسوسناک پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے سکون کے ساتھ غیر جذباتی طور پر سوچنے کی ضرورت ہے۔

پس منظر موجودہ افسوسناک واقعات ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو کلکتہ کے قتل عام سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد نواکھالی میں ہندوؤں پر مظالم ہوئے جس کا انتقام بہار اور یو۔پی کے چند اضلاع میں لیا گیا۔ اور نواکھالی کے مقابلہ میں بہار میں زیادہ اتلاف جان ہوا۔ بہار کا جواب صوبہ سرحد نے دیا۔ اور اس مرتبہ بھی اس ظالمانہ مقابلہ میں حصہ لینے والوں نے ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کی۔

اس کے بعد راولپنڈی کے ضلع میں فساد ہوا۔ اور ہر واقعہ کے بعد یہ آگ بھڑکتی گئی۔ یہ واقعات اس وقت ہوئے۔ جب ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ ہم لوگ تقسیم ہند کے خلاف سات سال سے لڑ رہے تھے لیکن برطانیہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے بالآخر ہم نے تقسیم ہندوستان کو بھی منظور کر لیا اور اب یہ امید تھی کہ تقسیم ہندوستان کے بعد قتل و غارت کا زمانہ ختم ہو جائیگا۔ حالات میں کچھ بحالی ہو چلی تھی۔ لیکن ۳ جون کے اعلان میں لاہور کے متعلق وضاحت نہیں کی گئی تھی اور حد بندی کمیشن کی رپورٹ سے پہلے یہ نہیں معلوم تھا کہ لاہور پاکستان میں جائیگا۔ یا ہندوستان میں رہے گا اور لاہور کو حاصل کرنے کی کوشش میں تینوں فرقوں نے فسادات میں بردست حصہ لیا۔ ہندوؤں نے بم پھینکے مسلمانوں نے آتش زدگی شروع کر دی اور مسلمان اور سکھوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ان حادثات

کے باوجود پنجاب کے دوسرے علاقے متاثر نہیں ہوئے۔

جب یہ طے ہوا تھا کہ ہندوستان دو سلطنتوں میں تقسیم کر دیا جائے گا تو یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ فرقہ وارانہ مسئلہ بھی حل ہو جائیگا اور حالات میں نمایاں تبدیلی ہو جائیگی جو غیر مسلم پاکستانی علاقہ میں رہ جائیں گے وہ پاکستان کی رعایا ہوں گے۔ اور وہاں کی حکومت کا یہ فرض ہوگا کہ ان کی پوری پوری حفاظت کرے اور انہیں شہری حقوق سے فائدہ اٹھانے کا پورا پورا موقع دے۔ اسی طرح جو مسلمان ہندوستانی یونین میں رہ جائیں گے وہ یہاں کی رعایا ہوں گے اور انہیں وہی شہری حقوق ملیں گے جو دوسرے باشندوں کو ان دونوں سلطنتوں میں سے کسی سلطنت میں اصول و قانون کی خلاف ورزی کی جائیگی یا اکثریت کی طرف سے اقلیت پر کوئی زیادتی ہوگی تو یہ اس ریاست کا فرض ہوگا کہ وہ غلط کاروں کے خلاف ضابطہ کی کارروائی کرے۔

اگر کسی سلطنت کے باشندوں کو یہ شکایت ہوگی کہ دوسری سلطنت میں ان کے ہم مذہبوں کے ساتھ برا سلوک کیا جا رہا ہے تو یہ مسئلہ بھی دونوں سلطنتیں ہی آپس میں طے کریں گی۔

اگر مغربی اور مشرقی پنجاب کی حکومتوں کو اپنے اپنے حدود میں نظم و نسق سنبھالنے کا موقع مل گیا ہوتا اور وہ اپنے اپنے صوبوں میں اقلیتوں کی حفاظت کرنے کی قابل ہو گئی ہوتیں تو شاید یہ ہولناک اور روح فرسا حالات پیش نہ آئے ہوتے۔

بہرحال بدقسمتی سے تقسیم کا اصول طے ہوا تھا کہ یہ نئی تحریک شروع

ہوئی کہ مشرقی پنجاب کے غیر مسلموں کے جتھے تیار کئے جائیں تاکہ وہ ان حادثات کا انتقام لیں جو تقسیم سے پہلے صوبہ سرحد اور ضلع راولپنڈی میں رونما ہوئے تھے۔ چنانچہ ظلم وتشدد ایسے وسیع پیمانے پر شروع کر دیئے گئے۔ جن کی مثال اس سے پہلے نہیں مل سکتی اور یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں اس ظلم وتشدد کی وجہ سے تمام مسلم آبادی سرے سے فنا ہو کر ہی نہ رہ جائے یہ چیز مغربی پنجاب میں تازہ ہنگاموں کے رونما ہونے کا سبب بن گئی اور وہاں مسلمانوں نے خود بدلہ لینا شروع کر دیا۔ اور خونریزی کا ایک ایسا سیلاب بہا دیا کہ یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں یہ طوفان پاکستان کے تمام غیر مسلموں کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ یہ معاملہ تو وہ تھا جسے دونوں ڈومینینوں کی حکومتوں کو طے کرنا تھا اور اس کے متعلق انہیں دونوں کی مشترکہ ذمہ داری تھی لیکن اس کے بجائے ہوا یہ کہ دونوں طرف کے عوام جمع ہو ہو کر قتل و خونریزی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگے چنانچہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں پورے پنجاب کی اقلیتیں فنا ہو کر نہ رہ جائیں۔

صورت یہ پیدا ہو گئی کہ جس فرقہ نے خود انتقام لیا۔ وہ کچھ دنوں بعد خود ہی انتقام کے جذبہ کا شکار بنکر رہ گیا۔ چنانچہ انتقام لینے کے غلط مانہ اصول نے انسانوں کو حیوانوں اور درندوں سے بھی زیادہ بدتر حالت میں پہنچا دیا۔ تنفر اور قتل وغارت کی لہریں برابر بڑھتی چلی گئیں اور جلد ہی تمام شمالی مغربی ہندوستان سرحد سے لیکر یو۔ پی کے مغربی اضلاع اور دہلی تک ان میں گھر کر رہ گیا۔

شہر دہلی میں جو واقعات پیش آئے انہیں سے ان حادثات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو دوسرے مقامات پر رونما ہوئے۔

دونوں فریق قصور وار حالات کے اس جائزہ سے اتنی بات واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس وقت ہندو، مسلمان، سکھ سب ہی ایک رنگ میں رنگے دکھائی دے رہے ہیں خواہ وہ تلوار کو بلند کر رہے ہوں یا اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ ان تینوں فرقوں کے لوگوں کے ہاتھ یکساں طور پر خون میں رنگے ہوئے ہیں اور ایسے حالات میں کسی ایک کو بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ کو بے قصور اور دوسرے کو ملزم بتائے۔ حقیقت یہ ہے کہ تینوں مساوی طور پر قصور وار ہیں۔ اسی طرح مشرقی اور مغربی پنجاب کی حکومتوں میں سے کسی کو دوسرے پر یہ الزام دینے کا حق نہیں ہے کہ اس نے غلطی کی یا غفلت سے کام لیا۔ اس لئے کہ یہ دونوں اپنی اپنی اقلیتوں کے جان ومال کی حفاظت سے قاصر رہی ہیں۔

ہم اپنی زندگی بھر آزادی کے خواب دیکھتے رہے تھے اور آزادی کی قربانگاہ پر ہم نے اپنی عزیز سے عزیز کو بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ خدا خدا کر کے آزادی حاصل ہوئی۔ آج اس آزادی کی عمر ایک مہینہ سے کچھ ہی زیادہ ہوئی ہے۔ ہمارے وہ تمام منصوبے کہ آزادی مل جانے کے بعد ہم ملک کی اقتصادی، ذہنی، اور تعلیمی اسکیموں کو پروان چڑھائیں گے خاک میں مل کر رہ گئے اور اس مختصر سے عرصہ میں ہم ابتک کچھ بھی نہ کر سکے۔ ہم نے دنیا کے سامنے تو یہ

یہ اعلان کیا تھا کہ جیسے ہی آزادی حاصل ہوگی۔ ہم اپنی تمام تر توجہ ایک نئے ہندوستان کی تعمیر میں صرف کردیں گے۔ اس زمانہ میں جو نئے حادثات رونما ہوئے انھوں نے ہمارے تمام خوابوں کی تعبیر الٹ کر رکھدی اور ہندوستان اس منزل سے بھی پیچھے ہٹتا ہوا دکھائی دینے لگا جس پر آزادی ملنے سے پہلے پہونچا ہوا نظر آرہا تھا۔

امید کی کرن بہرحال وہ لوگ جنھوں نے حصول آزادی کے لئے کوششیں کی تھیں اب بھی مایوس نہیں ہوسکتے۔ ہماری خوش قسمتی سے مایوسیوں کی ان گھنگھور گھٹاؤں میں بھی مہاتما گاندھی کی شخصیت ہمارے لئے مینارہ روشنی کا کام دے رہی ہے۔ وہ نہایت صبر آزما زمانہ میں انتہائی مصائب و آلام کے اندر قوم کی رہنمائی کرچکے ہیں۔ آج بھی جبکہ ان کی قیادت میں ملک کو آزادی حاصل ہوچکی ہے وہ ان لوگوں میں انسانیت کے اوصاف پیدا کرنے کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں جو وقتی حیثیت سے عقل و ہوش اور دماغی توازن کھو بیٹھے ہیں۔ ان کی آواز میں اب بھی غیر متزلزل اعتماد، عزم ارادہ ہمت و جرأت کے صفات پائے جاتے ہیں اور وہ ہمیں ایک ایسے راستہ پر لیجانے کی کوشش کر رہے ہیں جہاں پہنچکر ملک تباہی اور بربادی کی مصیبتوں سے نجات پاسکتا ہے۔ وہ ہمیں آج رواداری، اخوت اور انسانی ہمدردی کے سبق دے رہے ہیں۔ انھوں نے ایسے حالات پیدا کردینے کیلئے اپنی جان کی بازی لگادی ہے جن میں دونوں ڈومینیوں کے باشندے امن، سکون محبت اور پیار کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں۔

اس کے بعد مولانا نے حالات کی اصلاح کے لئے چند تجویزیں پیش کیں جن کا حاصل یہ تھا۔

(۱) فسادزدہ علاقوں کی حکومتیں حالات کا اظہار بلا کم وکاست کریں اور مغربی اور مشرقی پنجاب کی حکومتیں اقلیتوں کی حفاظت میں اپنی ناکامی کو تسلیم کریں۔

(۲) مغربی اور مشرقی پنجاب میں منتقلین کی حفاظت کا معقول انتظام ہو۔ آمدورفت کے راستے محفوظ ہوں۔

(۳) فسادزدہ علاقوں میں امن قائم کیا جائے۔ لوگوں کو حفاظت کا یقین دلایا جائے اور تمام خانماں خرابوں کی بحالی کا انتظام کیا جائے اور ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ ہر وہ شخص جو حالات کے خوف وہراس سے ترک وطن پر مجبور ہوا ہے۔ اطمینان کے ساتھ اپنے مستقبل اور آئندہ سکونت کے متعلق غور کر سکے۔

(۴) فرقہ وارانہ بنیاد پر ملازمتوں کی جو تقسیم ہوئی ہے اس پر نئے سرے سے غور کیا جائے۔

(۵) مشرقی و مغربی پنجاب میں مخلوط وزارتیں بنائی جائیں۔

(۶) بے گناہ لوگوں کے قتل کے خلاف اور بدترین خصلت کو روکنے کیلئے عوام اور حکومت کے ذریعہ پروپیگنڈا کیا جائے۔

مولانا آزاد نے اسی دوران میں ایک تجویز پیش کی۔ ہندو اور مسلمانوں کے وفود ہندوستان اور پاکستان میں باہمی اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ انڈین یونین کے مسلمان پاکستان پہنچکر وہاں کے مسلمانوں کو سمجھائیں کہ اقلیت پر ان کے ظلم وستم کا

نتیجہ مسلمانوں کے حق میں کیا ہوگا اور پاکستان کے ہندو انڈین یونین کے ہندؤں کو اسی طرح خیر سگالی اور اقلیتوں کی حفاظت کی فہمائش کریں۔ چودھری خلیق الزماں صاحب جو قومی جھنڈے کے ساتھ وفاداری کا اعلان کانسٹیٹیونٹ اسمبلی کے بھرے اجلاس میں کر چکے تھے اور نائب وزیر اعظم ہند (مسٹر پٹیل) کو اپنا ماوا اور ملجا بنا چکے تھے۔ مولانا آزاد نے اُن کو اس مشن کی کامیابی کے لئے پاکستان بھیجا۔ لیکن پاکستان کی طرف سے اس تجویز کی حوصلہ افزائی تو کیا ہوتی۔ چودھری خلیق الزمان صاحب بھی ایسے گئے کہ آج تک واپسی نہ ہوئی اور چند روز بعد ہوائی جہاز کے ذریعہ سے اپنے متعلقین کو بھی پاکستان ہی بلالیا۔

اس کے بعد گاندھی جی نے پنڈت سندر لال صاحب کو پنجاب بھیجا۔ پنڈت جی نے مشرقی اور مغربی پنجاب کا دورہ کرنیکے بعد ایک مفصل بیان دیا۔ جس سے ان علاقوں کے مظالم کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور یہی مضمون ہمارے اس سلسلہ کا خاتمہ ہے:-

تمہید۔ پنجاب کے فرقہ دارانہ فسادات و مظالم کے حالات جنکی بدولت لاکھوں انسانوں کی آبادیاں اپنے جدی مکانوں کو چھوڑنے پر مجبور ہوئیں اور جو مصائب و تکالیف ان کو برداشت کرنا پڑی ہیں۔ انکے قصے تمام ملک میں پھیل چکے ہیں۔ فریقین کے اخبارات ان کو بڑے پیمانہ پر شائع کرتے رہتے ہیں۔ ان قصوں کے فطری اثرات اچھے اور برے ملک پر پڑ چکے ہیں۔ لیکن زیادہ اثرات خراب ہی پڑے ہیں۔ بعض اوقات یہ قصے نہایت مبالغہ کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ بالعموم یہ قصے یکطرفہ پہلو لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ تاہم یہ تسلیم کرنا

پڑیگا کہ جو کچھ قصے بیان کئے گئے ہیں اصل واقعات ان سے بھی زیادہ تاریک ہیں۔ یہ تمام معاملہ اس درجہ غیر معمولی ہے کہ فی الواقع کوئی شخص بھی آنکھ سے دیکھے بغیر ان چیزوں کا تصور نہیں کر سکتا۔

نقصانات کا تخمینہ

گذشتہ اکتوبر میں مشرقی اور مغربی پنجاب میں میں نے دو ہزار میل سے زیادہ کا سفر کیا۔ میں صدود صوبہ سرحد کشمیر اور بہت سی ریاستوں کی سرحد تک گیا۔ کچھ سفر ریل سے کچھ ہوائی جہاز سے کچھ موٹر سے اور کچھ ملیٹری گاڑیوں سے کیا۔ مجھے تیس تیس اور چالیس چالیس ہزار کے قافلوں میں گزرنے کا اتفاق ہوا۔ کچھ ان میں مسلمانوں کے قافلے تھے جو جانب غرب جا رہے تھے اور دوسرے ہندو اور سکھوں کے تھے جو مشرق کی جانب جا رہے تھے۔ ان پناہ گزینوں میں سے میں نے بہت سے لوگوں سے بات چیت کی۔ میں نے پناہ گزینوں کے کیمپوں میں قیام کر کے بھی دیکھا۔ مجھے ان لوگوں کو جمع کرنے اور ان سے تبادلہ خیالات کرنے کا بھی اتفاق ہوا جو اب تک اپنے مواضعات میں رکے ہوئے تھے۔ اس موقع پر ایسے انفرادی قصوں کا بیان کرنا بیکار ہوگا جن سے کتابیں بھری جا سکتی ہیں۔ یہاں پر صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ سب چیزوں کو اپنی آنکھ سے دیکھنے اور حکامات ضلع و ہر دو ڈومینین کے افسران جو ایک دوسری ڈومینین میں کام کر رہے ہیں مشرقی اور غربی پنجاب کے اور سنٹرل پاکستان کے وزراء سے گفتگو کرنے کے بعد میرا اپنا اندازہ یہ ہے کہ ہر دو جانب مقتولین کی تعداد پانچ لاکھ ہوگی۔ مال و متاع کا نقصان

چند ارب روپیوں کا ہوگا۔ اغوا شدہ لوگوں کی تعداد پچیس ہزار کے قریب ہوگی اور جن لوگوں کو زبردستی تبدیل مذہب پر مجبور کیا گیا۔ ان کی تعداد اس سے زیادہ ہوگی۔

لاہور کی حالت

اقتصادی تباہی اور نقصانات عظیم کا اندازہ کرنے کیلئے میں لاہور کے شہر گیا۔ جس کے چاروں طرف فصیل ہے اور جو ابھی کچھ دنوں پہلے نہایت خوشحال خطہ تھا اور جہاں کی آبادی بہت گھنی تھی۔ اس خطہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی آبادی قریب قریب برابر تھی۔ مسلمانوں کی اکثریت بمشکل قدرے ایک فیصدی کے ہوگی۔ شہر کا کاروبار زیادہ تر ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ آج کم از کم دو تہائی لاہور محض ایک کھنڈر ہے جب میں لاہور کے تباہ شدہ علاقہ سے گذرا تو میری آنکھوں کے سامنے مظفر پور اور مونگیر کا وہ منظر آگیا جو ۱۹۳۴ء کے زلزلہ کے بعد ہوا تھا۔ لاہور میں ہندوؤں نے مسلمانوں اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے مکانوں کو آگ لگائی اور گرا دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پنجاب کا صدیوں کا دار الخلافہ تباہ و برباد ہے۔

امرتسر کی حالت

میں امرتسر کی گلیوں اور بازاروں میں بھی گھوما۔ امرتسر کی حالت لاہور سے بھی زیادہ خراب ہے۔ لاہور میں تو اُن ہندوؤں کے وزیر پناہ گزینوں کے کیمپ میں تھے۔ چند سو ہندوؤں کے اپنے مکانوں میں بھی دیتے تھے۔ اگرچہ وہ زیادہ تر وہاں بھی مثل قیدی تھے اور ان کیلئے گلیوں میں نکلنا خطرہ سے

خالی نہ تھا کسی کسی ہندو کی دکان بھی کھلی دکھائی دیتی تھی اور کچھ مغربی پنجاب کے حکام کھلوا رہے تھے۔ لیکن امرتسر میں تو کوئی مسلمان نام کو بھی نہ تھا۔ نہ اتنا مغربی پنجاب کے افسر کے جو وہاں تعینات تھا اور اس کے چند ملازم جو قریب قریب اپنے مکان کے احاطہ میں مثل قیدی کے تھے امرتسر میونسپلٹی کے ایک بڑے افسر نے مجھے بتلایا کہ چونگی کی آمدنی قریب ساڑھے چار لاکھ روپے کے ہوتی تھی اور امسال کل آمدنی کا تخمینہ پچیس تیس ہزار کا ہے۔ امرتسر کو قریب قریب تمام ہندو کاروباری لوگ بھی چھوڑ چکے ہیں اور جو ہیں وہ چھوڑ رہے ہیں اور دہلی اور بمبئی جاکر آباد ہو رہے ہیں۔ اسلئے کہ وہ امرتسر کو کچھ اس وجہ سے غیر محفوظ سمجھتے ہیں کہ وہ سرحد پر ہے اور کچھ اس وجہ سے کہ بدقسمتی سے ہندوں اور سکھوں میں بھی کشمکش بڑھ رہی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ایک نسل کے زمانہ تک تو لاہور اور امرتسر کا پرانی خوشحالی تک پہنچنا مشکل ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ لاہور تو پھر بھی کاروباری اور تعلیمی مرکز بن جاوے گا۔ لیکن اگر صورت حال بالکل ہی نہ بدلجائے تو امرتسر تو ہمیشہ کے لئے ایک سرحدی سکھوں کی چھاونی بنکر رہ جاوے گا مغربی اور مشرقی پنجاب کے بہت سے دیگر مقامات اور مواضعات کی کم و بیش یہی حالت ہے۔ جہاں دیکھئے گاؤں کے گاؤں غیر آباد پڑے ہیں۔ مکانات جلے پڑے ہیں۔ مویشیوں کے گلہ جنگلوں میں مارے پھرتے ہیں اور کوئی دیکھنے والا نہیں فصلیں تیار کھڑی ہیں اور کوئی کاٹنے والا نہیں ہے۔ زمینیں خالی پڑی ہیں اور کوئی جوتنے والا نہیں۔ تمام کاروبار تمام تجارت قریب قریب تباہ ہو چکی ہے۔ اسلئے کہ اگر تجارت کا ایک شعبہ ایک قوم کے ہاتھ میں تھا تو

تو دوسرا شعبہ دوسرے کے ہاتھ میں تھا۔ زندگی اس طرح پر گھلی ملی تھی کہ ایک کی تباہی کے بعد دوسرے کا تباہی سے بچنا مشکل تھا۔ لاہور کے ایک بازار میں مسلمان درزیوں نے مجھ سے کہا کہ ان کے بچے بھوکے مر رہے ہیں اسلئے کہ ہندو بزاز اور ہندو خریدار دونوں ختم ہو چکے ہیں۔

پناہ گزینوں کے قافلے

جو لوگ بچے عورتیں لمبی لمبی قطاروں میں قافلوں کی شکل میں سفر کرتے ہیں انکے مصائب کا بیان کرنا نا ممکن ہے۔ انتقال آبادی اور انخلاء کاروبار کی بعینہ یہی صورت ہے کہ بڑے بڑے درختوں کو اس زمین سے جہاں انھوں نے پرورش پائی ہے جڑ سے اکھاڑ کر سیکڑوں میل کے فاصلہ پر لیجا کر دوبارہ لگایا جاوے اور وہ بھی نہایت بھدے قسم کے طریقہ سے۔ یہی نہیں کہ اس سفر میں بہت سے درخت مر جاویں گے بلکہ وہ بھی جو اپنے جائے مقصود پر پہنچ جاوینگے ان میں سے بھی بہت سے نئی آب و ہوا میں زندہ نہ رہ سکیں گے پھر یہ بھی نہیں کہ جو درخت اکھاڑے جاتے ہیں۔ وہی خراب نہیں ہوتے بلکہ جو درخت باقی رہ جاتے ہیں ان کی بھی جڑیں ہل جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر دو جانب مکمل تباہی اور بربادی ہی نظر آوے گی۔ آج کل مشرقی اور مغربی پنجاب کی یہی کیفیت ہے سامرسر اور لاہور کے درمیان بھی ہزاروں مٹی کے ڈھیر سڑک کے ہر دو جانب دیکھنے میں آئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ان پناہ گزینوں کی قبریں تھیں جو سفر میں انتقال کر گئے۔ غالباً یہ مٹی کے ڈھیر کسی شخص کی قبر کے نہ تھے بلکہ ہر ایک ڈھیر میں کثیر تعداد میں مردے دفن تھے۔ جب ایک چھوٹا سا قافلہ جو مغرب

کی جانب سے دس گیارہ موٹر ٹھیلوں میں آتا ہوا لاہور پہنچا تو ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان موٹر ٹھیلوں میں جن میں ان گنت آدمی بھرے ہوئے تھے پانچ عورتوں کے راستہ میں بچے پیدا ہوئے۔ ان میں چار ماؤں نے تو اپنے چھوٹے بچوں کو کسی طرح بچالیا لیکن پانچویں کے متعلق یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ وہ راستہ میں گر گیا یا ٹھیلہ میں ہی کچل گیا۔ خوش قسمتی سے گنگارام ہاسپٹل لاہور میں تھوڑا بہت مختصر پیمانہ پر کام ہو رہا ہے۔ یہ مائیں اور بچے فوراً اسپتال بھیجدیئے گئے۔

جب ہم لوگ امرتسر اور جلندھر کے درمیان دریائے بیاس کے بائیں کنارے موٹر سے سفر کر رہے تھے تو ہم کو راستہ میں ایک بڑا قطعہ آراضی کا ایسا ملا کہ جن پر بستر ے ٹرنک اور دیگر قسم کا سامان بکثرت بکھرا ہوا پڑا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ تیس چالیس ہزار آدمیوں کا ایک قافلہ مشرق کی جانب سے آرہا تھا۔ اس قافلہ نے اس جگہ پر قیام کیا۔ ان بدنصیبوں کو یہ معلوم نہ تھا، کہ اس نشیب میں بیاس اور دوسری چھوٹی ندی کا پانی آجاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ طوفان کے پانی نے ہر فرد بشر کو ختم کر دیا۔

انتقال آبادی کا فیصلہ ایک بڑا گناہ ہے۔

انتقال آبادی کی کارروائی انسانیت کے ساتھ ایک بڑا گناہ عظیم ہے شاید اس سے تاریک تر گناہ انسانی تاریخ میں نہ ہوا ہوگا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے۔ مجھے تو اکثر خیال آتا ہے کہ کم از کم ہمارے ایک درجن چوٹی کے لیڈر جن میں سب پارٹیوں کے لیڈر شامل ہونے چاہئیں اور نیز برطانوی قوم کے سیاسی لیڈروں پر اس جرم کا مقدمہ انھیں پناہ گزینوں کے سیدھے

اور غیر جانبدار نمائندوں کی عدالت میں چلا یا جانا چاہیئے جن پر ان مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹا ہے۔

فسادات کی ابتداء

اب ذرا سوچئے کہ جرائم کا سلسلہ کیسے شروع ہوا۔ ہر غیر جانبدار شخص یہ تسلیم کرچکا کہ موجودہ مصائب کی ابتداء مسلم لیگ کے ڈائرکٹ ایکشن کے دن یعنی ۱۶ راگست ۱۹۴۶ء سے شروع ہوئی۔ معاملہ میں الجھن ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ واقعات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہر شخص کو اپنے گناہ کا اقرار کرنا چاہئے عام خیال ہے کہ کلکتہ میں جانی نقصان مسلمانوں کا زیادہ ہوا اور غالباً مالی نقصان ہندوؤں کا زیادہ ہوا۔ مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ وہ مات کھا گئے اور شروع اکتوبر میں نواکھالی کے واقعات شروع ہو گئے۔ نواکھالی کے واقعات کی ہندو پریس نے بہت مبالغہ کے ساتھ اشاعت کی۔

ان واقعات کا فطرتاً ہندوؤں پر بہت اثر ہوا۔ نتیجہ میں بہار کے واقعات اور پھر گڈھ مکتیسر کے واقعات ظہور پذیر ہوئے۔

خضر حیات کی وزارت اور اس کا استعفیٰ

لیکن ان سب چیزوں کا اثر پنجاب پر زیادہ نہ پڑا۔ یونینسٹ گورنمنٹ کے نقائص خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس نے راشٹریہ سیوک سنگھ اور مسلم نیشنل گارڈ دونوں پر پابندیاں عائد کر رکھی تھیں اور کسی نہ کسی طرح اپنے صوبہ کو فرقہ وارانہ فساد سے بچائے رکھا۔

شروع مارچ ۱۹۴۷ء میں خضر حیات وزارت کو مستعفی ہونا پڑا۔ اب طاقتور

سلطنت کے لوگوں کو اپنے مقاصد کے حصول میں پنجاب کی پارٹی پالیٹکس سے بہت مدد ملی۔ خضر حیات کے استعفیٰ سے اگلے دن ہی ماسٹر تارا سنگھ نے وہ مشہور تقریر لاہور میں کی۔ جس میں انھوں نے عہد کیا کہ مسلم لیگ کو وزارت نہ بنانے دینگے۔ اسی دن لاہور میں ہندو طالبعلموں نے ایک بڑا جلوس نکالا جس میں لیگ کے اور پاکستان کے خلاف نعرے بلند کئے گئے۔ ۴ مارچ کی شام کو لاہور میں کچھ فساد ہوا اور چند مسلمان مقتول ہوئے۔ یہ فساد تین چار دن تک چلتا رہا۔ اس کے بعد ایسا ہی فساد امرتسر میں ہوا۔ اس کے بعد راولپنڈی۔ میانوالی، ملتان، ڈیرہ غازی خاں اور سرحد کے دوسرے اضلاع میں سخت فسادات ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ صوبہ سرحد کے کچھ مسلم رضا کار بہار گئے تھے اور وہاں سے کچھ مسلم مقتولین کی ہڈیاں لائے تھے۔ جن کے جلوس انھوں نے صوبہ سرحد کے قصبوں اور مواضعات میں نکلالے۔ اگرچہ راولپنڈی اور صوبہ سرحد کے اضلاع میں سخت فسادات ہوئے۔ تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ لاہور میں نسبتاً سکون رہا۔ وہاں پر نہ بہار کا اور نہ راولپنڈی کا کچھ زیادہ اثر پڑا وسط مئی کے قریب تقسیم پنجاب کے مباحث نے انتہائی زور پکڑا اور امرتسر اور لاہور کے حالات دگرگوں ہوگئے۔ وجہ یہ تھی کہ ان دونوں شہروں میں ہر فرقہ ان شہروں کے حصول کا حد درجہ خواہشمند تھا۔ اس بات کی تحقیق کرنا کہ کسی فریق کا جرم زیادہ سنگین تھا۔ بے نتیجہ ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ امرتسر کے ایک فرقہ کے لوگ جب زیادہ پریشان ہوئے تو انھوں نے لاہور میں اپنے ہم مذہبوں کے پاس چوڑیاں اور مہندی بھیجی۔ اس کے معنی صاف تھے۔

فسادات بڑھنے لگے۔ تیسری جون کے اعلان نے آگ میں ایندھن کا اضافہ کر دیا۔ لاہور میں فسادات ۲۱ر جون کو درجہ انتہائی پر پہنچ گئے۔ جبکہ شاہ عالمی دروازہ کے اندر کی محل نما تعمیرات سپرد آتش ہو گئے اور مقامی حکام کھلم کھلا فرقہ وارانہ فسادات میں حصہ لینے لگے۔ لاہور اور امرتسر میں فسادات بیک وقت ہوئے۔ ۲۱ر جون کو شاہ عالمی دروازہ کی آگ کے بعد سے ہندو لاہور سے بھاگنا شروع ہو گئے۔ لیکن عام انتقال ۱۵ر اگست کے بعد سے شروع ہوا ۱۷ر اگست کے باونڈری کمیشن کے فیصلہ کے بعد سے لاہور تیزی کے ساتھ مسلمانوں کا اور امرتسر ہندوؤں کا شہر بننے شروع ہو گئے۔ ہر دو شہروں میں اقلیت حد درجہ خوف زدہ ہو گئی۔

جرائم کی نوعیت

خون کھولا دینے والے مظالم کی داستانیں جن کے مرتکب ہر فرقہ کے افراد دوسرے فرقہ کے افراد پر ہوئے۔ ہزارہا بس سننے میں آتی ہیں۔ ان کے دہرانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بہر حال ان سب کا ایک نتیجہ بالکل صریح ہے کوئی جرم ایسا نہ ہوگا جس کا مرتکب مسلمان نہ ہوا ہو۔ کوئی جرم ایسا نہ ہوگا جس کا ہندو مرتکب نہ ہوا ہو۔ کوئی جرم ایسا نہ ہوگا جس کا مرتکب سکھ نہ ہوا ہو۔ جب کبھی کوئی جھوٹی یا سچی خبر کسی فریق کو کسی کریہہ ظلم کی دوسرے فریق کی طرف سے پہونچی تو اسی فریق نے اس کا بدلہ دوسرے فریق کے افراد سے اپنے علاقہ میں بدتر طریق پر نکالنا شروع کیا اور یہ چکر در چکر نہایت زور سے چلنے لگا اور یہ ظاہر ہونے لگا کہ فطرت انسانی کس حد تک گر سکتی ہے اور یہ بات بھی

ثابت ہوگئی کہ اصل فطرت انسانی پر ظاہری مذہب کے لبس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تصویر کا دوسرا رخ

لیکن اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جب ہم لاہور کی گلیوں میں ہو کر گزر رہے تھے۔ قریب قریب ہر گلی میں بیسیوں آدمی ہمارے اردگرد جمع ہو جاتے تھے۔ بظاہر وہ سب مسلمان تھے۔ ان میں مرد عورتیں بچے بوڑھے ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوتے تھے وہ ہم سے دل کھول کر لاہور میں جو کچھ ہوا، اس کے متعلق بات چیت کرتے تھے۔ کچھ دن پہلے ہم سے لاہور یونیورسٹی کے ایک نیک نہاد مسلم پروفیسر نے کہا تھا کہ شہر کے قریب چالیس فیصدی اشخاص واقعات گذشتہ پر متاسف ہیں اور وہ ایک دفعہ اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔ ہم نے جو شہر میں چکر کیا تو ہمیں اندازہ ہوا کہ اس قسم کے خیال کے لوگوں کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ یہی حالت ہم کو شرقی اور غربی پنجاب کے دوسرے حصوں میں بھی معلوم ہوئی اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ پاکستان میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس فرقہ وارانہ جھگڑے کو پسند نہیں کرتی ہے اور دوسری فرقہ کے اپنے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ مجھ کو اس بات کا یقین ہے کہ جن لوگوں نے اس قتل و غارت اور آتشزدگی میں حصہ لیا ہے کسی طرح پر آبادی کا ایک فیصدی سے زیادہ ہونگے یعنی ایک لاکھ میں ایک ہزار سے زیادہ نہ ہونگے۔ لیکن یہ تعداد تمام لوگوں کے امن کو ختم کرنے اور پوری آبادی کو لاشوں اور کھنڈروں میں منتقل کرنے کیلئے

بالکل کافی ہے۔ یہ ہی حالت مواضعات کی تھی۔ لاہور میں خنجر زنی کے واقعات کرنے والوں کی تعداد میرے اندازہ میں زیادہ سے زیادہ سو اور دو سو کے درمیان ہوگی۔ یہ ہی بات امرتسر کے بارہ میں کہی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ دس بیس فیصدی آبادی کے وہ لوگ بھی تھے جو دوسرے فرقہ کے اپنے فرقہ کے افراد پر مظالم کی داستانیں سنتے سنتے اپنے فرقہ کے مجرموں سے ہمدردی رکھتے تھے۔ لیکن جیساکہ ایسے مواقع پر عام طور سے ہوتا ہے۔ زیادہ تعداد اُن لوگوں کی تھی جو نہ منتظم تھے اور نہ ان چیزوں میں حصہ لیتے تھے اور نہ چیخ و پکار کرتے تھے

بہادری کے کارنامے

ایک دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب یہ چند ہزار اشخاص ان مجرمانہ افعال میں مشغول تھے تو اس وقت بھی مشرقی اور مغربی پنجاب میں قریب قریب ہر مقام پر ہزارہا اشخاص ساتھ ہی ساتھ بھلائی اور بہادری کے کاموں میں بھی لگے ہوئے تھے۔ ایسے واقعات کو مسلمانوں نے ہندو اور سکھ بھائیوں اور بہنوں کی جان عزت اور آبرو کو خود مسلمانوں کی دستبرد سے بچایا ہو سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں شمار کرائے جا سکتے ہیں۔ یہ قصے ہم نے خود ان لوگوں کی زبان سے سنے جو خود اس طرح پر بچے تھے۔ مثلاً چکوال میں بہت سے پناہ گزیں آس پاس کے مواضعات سے ہمارے گرد جمع ہوگئے۔ انھوں نے اصرار کیا کہ ان کے مواضعات میں جو کچھ ہوا ہے اس کو ضبط تحریر میں لایا جاوے میں نے اس کی تعمیل کی۔ خلاصہ ہر ایک کے بیان کا یہی تھا کہ کچھ آدمی قتل کئے گئے۔ کچھ مکانات جلائے گئے سامان لوٹا گیا کچھ عورتیں بھگائی گئیں اور باقی ماندہ

اقلیت کے افراد گاؤں سے بھاگ گئے۔ لیکن قریب قریب ہر گاؤں کے لوگوں سے یہ بھی سننے میں آیا کہ وہاں کے کسی نیک دل مسلمان نے اپنے ہندو یا سکھ ہمسایہ کی جان و مال عزت اور آبرو خود مسلمان عوام کا مقابلہ کر کے ان کی دست برد سے بچایا۔ یہ قصہ ہمارے سوالات اور جرح کا نتیجہ نہ تھے۔ بلکہ لوگوں نے خود بخود بیان کئے۔ اسی قسم کے نیک کاموں کی داستانیں مسلم پناہ گزینوں نے ہندو اور سکھوں کے بارہ میں مشرقی پنجاب میں ہم سے بیان کیں۔

اغوا شدہ عورتوں کا سراغ

لاہور میں ہمارا ایک نہایت شریف دل دوست ڈاکٹر گوربخش رائے ہندو بھگائی ہوئی عورتوں کو شہر اور مواضعات میں مسلمانوں کے گھروں سے نکالنے کا کام کر رہا تھا۔ انھوں نے ہم سے بتایا اور ہم نے خود بھی دیکھا کہ بھگائی ہوئی عورتوں کا پتہ زیادہ تر مسلمان مرد اور عورتوں ہی سے چلتا تھا جو بتلاتے تھے کہ ایک بدنصیب عورت فلاں مسلمان کے گھر میں مقید ہے یہ اطلاع محض انسانی ہمدردی کی بنا پر لوگ ان کو دیتے تھے بعض دفعہ تو اطلاع دینے والے کثیر مسافت طے کر کے اطلاع دینے آتے تھے اور وجہ یہ ہوتی تھی کہ وہ بدنصیب عورتوں کے مصائب کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس سے متاثر ہوتے تھے اور ان کا پیچھا چھڑانے کا ان کو فکر ہوتا تھا۔ یہ ہوا نہیں بلکہ عورت ایسے مقامات سے زیادہ تر کسی مسلم مرد یا عورت ہی کی امداد سے نکالی جاتی تھی۔ بھگائی ہوئی عورتوں کو گھروں سے نکالنے میں ہم کو ایسی عورتیں بھی ملیں جو اس نئے مسلم گھرانے کو چھوڑنے کو تیار نہ تھیں۔ اس قسم کی دو عورتیں لاہور پناہ گزینوں کے کیمپ میں لائی گئیں لیکن

انھوں نے واپس جانے پر اصرار کیا۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ ایسا کیوں کرنا چاہتی ہیں تو انھوں نے بتلایا کہ ان کو اندیشہ ہے کہ ان کے سابق ہندو عزیز و قریب ان کو واپس نہ لیں گے اور اگر وہ واپس لینے پر رضامند بھی ہو گئے تو بعد میں ان کو قتل کر دیں گے۔ عورتوں کے اس بیان نے ہمارے بہت سے ہندو دوستوں کی آنکھیں کھولدیں۔

ڈاکٹر گوربخش سنگھ اپنی ذات سے فرقہ وارانہ جذبات سے بالاتر ہیں جب انکو ایک افسر نے ایک بڑی فہرست اغوا کردہ مسلم عورتوں کی دی جنکو ہندو اور سکھ امرتسر اور مضافات میں بھگالے گئے تھے تو وہ فوراً وہاں جانے پر اور عورتوں کو نکالنے اور ان کے عزیزوں کو واپس کرنے پر تیار ہو گئے واقعات یہ ہے کہ ان کو اسی کام کا بہت فکر تھا۔ مجھے وہ بلند پایہ الفاظ جو اس وقت ان کی زبان سے نکلے تھے یاد نہیں وہ کہنے لگے "کہ ہندو عورتوں کے مسلمانوں کو بھگانے کی واقعات سنکر مجھے سخت تکلیف کے علاوہ حد درجہ کی شرم بھی دامنگیر ہوتی ہے" مجھے ایسے بہت سے بے نفس اور بہادر مردوں اور بعض عورتوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو پنجاب میں نہایت عمدہ کام کر رہے ہیں۔

برطانیہ کا فسادات میں حصہ

اس معاملہ کا ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے۔ ان فسادات میں برطانیہ کا حصہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ میرا یقین ہے کہ کسی غیر جانبدار عدالت کے سامنے یہ ثابت کرنے میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ اسلحہ اور گولی بارود کا زیادہ تر ذخیرہ جو دہلی میں مسلمانوں نے استعمال کیا جو مشرقی پنجاب میں اور ریاستوں میں ہندوؤں

سکھوں نے استعمال کیا یا جو مغربی پنجاب اور سرحد میں مسلمانوں نے استعمال کیا .... یا جو ذخیرہ ان

اغراض میں استعمال کیا جانے والا تھا وہ ذمہ دار برطانوی افسروں کی معرفت آیا۔ لائلپور کے مسلم ڈپٹی کمشنر نے وہاں کے ہندو چیرمین میونسپل بورڈ سے کہا کہ اگر اس ضلع سے کرنل فنچ Col Finch کو ہٹا دیا جائے تو پھر ہر ایک ہندو یا سکھ بھی نہ لے گا۔ راولپنڈی کے نمایاں ہندو اور مسلمانوں کی قریب قریب سب کی یہ رائے تھی کہ وہاں کے مارچ کے فسادات کے مسٹر سی' ایل کوٹس C.L. Cratao ڈپٹی کمشنر اور ہوم سکرٹری مسٹر میکڈانلڈ MACDONALD

براہ راست ذمہ دار تھے۔ مشرقی پنجاب کے ایک ضلع میں جب ہندو نے یہ طے کر لیا کہ اقلیت کے لوگوں کو نہ ستایا جائے گا تو ایک برطانوی فوجی افسر نے آگ کو دوبارہ سلگانے کی غرض سے طویل سفر کار میں کیا۔ راستہ میں لوگوں پر گولیاں چلائیں اور ان کو ہلاک کیا ایک دوسرے ضلع میں جب ایک فرقہ کے لوگ پاس کی چھاونی میں فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے کمانڈر کے پاس گئے۔ تو اس برطانوی کمانڈر نے ان لوگوں سے کہا کہ ان کو برطانوی گورنمنٹ سے درخواست کرنی چاہیے کہ وہ ملک کے انتظامات کا پھر چارج لے لے اور اس درخواست پر زیادہ سے زیادہ ہندوستانیوں کے دستخط کرائے جائیں۔ چنانچہ اس غرض کیلئے ایک فہرست کھولدی گئی اور دستخط بھی کرائے گئے۔ لیکن بعد میں اس خیال کو ترک کر دیا گیا۔ خود لائلپور میں جولائی ۱۹۴۷ء کے آخر میں ایک برطانوی فوجی افسر نے ایک مسلم پولیس آفسر سے کہا "کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم ہندوستان

ہندوستان سے جا رہے ہیں۔ تاہم ملایا میں چھپ جائیں گے اور جب یہاں کے حالات خراب ہو جاویں گے تو واپس آجاویں گے۔ اس قسم کی مثالیں بکثرت دی جاسکتی ہیں اور اس سے بھی خراب قسم کی مثالیں موجود ہیں۔ بااختیار برطانوی افسران نے اپنے مواقع اور سامان کو فسادات کی آگ لگانے اور جگہ جگہ پہنچانے ہی میں نہیں بلکہ اس کو مسلسل جلتا رکھنے میں استعمال کیا۔ ہم کو شرم کے ساتھ اس امر کا اقبال کرنا پڑتا ہے کہ ہم بجے ہی تھی۔ لیکن یقیناً نہ ہندو نہ مسلمان اور نہ سکھ اتنا برا ہے جتنا کہ وہ اپنے فریق مخالف کو دکھلائی دیتا ہے۔

میو اور جاٹوں کی لڑائی کے انوکھے واقعات

ضلع گڑگاؤں میں میو اور جاٹوں کی لڑائی بھی ایک انوکھا واقعہ ہے۔ میو لوگ ہندو راجپوت سے مسلمان ہوئے ہیں ان کے رسم و رواج ہندو راجپوتوں سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ نسلاً نسل سے مسلم میو اور ہندو جاٹ بطور اچھے پڑوسیوں کے رہتے آئے ہیں۔ موجودہ فسادات کے دوران میں ہندو فرقہ دارانہ ذہنیت رکھنے والے جاٹوں کے پاس اور اسی قسم کے مسلمان میو کے پاس پہنچے ان دونوں کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہونا شروع ہوئی۔ بالآخر لڑائی شروع ہو گئی۔ میو کے مواضعات اگرچہ یکجا واقع ہوئے ہیں۔ لیکن قریب قریب میو کے ہر گاؤں میں اگرچہ میو کلی اکثریت میں ہوتے ہیں لیکن بالعموم کچھ ہندوؤں کے مکانات بھی ضرور ہوتے ہیں۔ اسی طرح جاٹوں کے ہر ایک موضع میں مسلمانوں کی اقلیت ہوتی ہے جو نسل سے جاٹ ہی ہوتے ہیں۔ میو اور جاٹوں کی لڑائی کئی دن تک چلتی رہی۔ میو کے مواضعات کے ہندو میو کی شرکت میں ہندو جاٹوں کے اور مسلم جاٹ ہندو جاٹوں کی شرکت میں

میٔوسے لڑتے رہے ۔ ہر شخص اپنے گاؤں کا وفادار تھا ۔ فریقین کی تعداد ہر جانب دسوں ہزار تھی ۔ یہ لوگ دن بھر تو لڑتے تھے اور پھر شام کو وہ سب پال میں جمع ہو جاتے تھے یعنی میٔو اور جاٹ سب اکٹھا جمع ہو جاتے تھے اور ایک دوسرے کو الزام دیتے تھے کہ باہر کے آدمیوں کے ہاتھ میں کھیل کر وہ اپنے یہاں کے امن دامان کو تباہ کر رہے ہیں ۔ یہ قصہ بہت دنوں تک چلتا رہا ۔ لیکن اس تمام لڑائی کے دوران میں کسی میٔو نے کسی عورت یا بچہ پر ہاتھ نہیں ڈالا ۔ جاٹوں نے بھی اس بہادری کے قاعدہ پر عمل کیا ۔ بالآخر ایک شام کو ہر دو فریق کو محسوس ہوا کہ ان کو آپس کی لڑائی ختم کر دینی چاہیئے ۔ اگلی صبح کو مجسٹریٹ ضلع کو بلوایا گیا ۔ مجسٹریٹ ضلع اور فوج والوں کی موجودگی میں میٔو اور جاٹوں نے عہد پیمان کیا کہ وہ آئندہ نہ لڑیں گے ۔ ہر دو فریق نے باہر کے لوگوں پر جنھوں نے ان کو ایک دوسرے سے لڑایا تھا لعنت بھیجی اور اس بات کا ارادہ کر لیا کہ آئندہ نہ لڑیں گے اور بہ طریق قدیم امن دامان سے رہتے رہیں گے جب ۵ نومبر کو میں گوڑگاؤں کے ان مواضعات میں گیا تو میٔو اور جاٹوں کو پہلے ہمسایوں کی طرح پر رہتا ہوا پایا ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہ کسی باہر کے فرقہ وارانہ فساد بڑھانے والے کو خواہ وہ ایک فرقہ کا ہو یا دوسرے کا اپنے مواضعات میں نہیں آنے دیتے ۔

علاج

تو اب علاج کیا ہے اس وقت یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ انتقال سکونت کا تصفیہ نہایت زبردست غلطی تھی ۔ خوش قسمتی سے پاکستان گورنمنٹ اور ہندوستان

کی گورنمنٹ دونوں اس امر کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ نواب زادہ لیاقت علیخان وزیر اعظم پاکستان اور راجہ غضنفر علی خاں وزیر اعظم پناہ گزینان دونوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ ان کی گورنمنٹ کی اب یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ وہ ان تمام ہندوؤں کو جو پاکستان میں رہنے کے لئے رضامند ہوں گے ان کو اُن کے گھروں میں رکھیں گے اور اس بات کی ضمانت کریں گے کہ ان کی پوری حفاظت کی جاوے گی اور ان کے ساتھ اور مسلمانوں کے ساتھ بالکل برابر کا برتاؤ کیا جائے گا۔ اسی طرح پر وہ اُن ہندوؤں کی حفاظت اور امداد کے لئے تیار ہیں۔ جو واپس ہوں اس معاملہ میں ان کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ تجربہ سے اور خود اپنے مفاد کے خیال سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں اس بارہ میں راجہ غضنفر علی خاں کی کوششیں قابلِ تعریف ہیں۔ حال ہی میں انھوں نے اپنے ہندو دوست اور شریک کار لالہ اوتار نرائن کی امداد سے جو جہلم میں مشرقی پنجاب کی حکومت کی طرف سے پناہ گزینوں کی امداد کے لئے تعینات ہیں۔ نو ہزار ہندوؤں کو جنھوں نے جہلم چھوڑنے کا تصفیہ کر لیا تھا اس امر پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے جدّی مکانوں ہی میں رہیں گے۔ تین اسپیشل ٹرینیں جن میں وہ ہندوستان جانے والے تھے ان کی رضامندی سے منسوخ کر دی گئی ہیں۔ مسٹر قربان علی انسپکٹر جنرل پولیس مغربی پنجاب امن و امان قائم کرنے کے لئے ہر امکانی کوشش کر رہے ہیں۔ انھوں نے دو بڑے سیاسی اثر رکھنے والے مسلمان ممبران اسمبلی اور ایک مسلم سیشن جج کو جن کے قبضہ سے لوٹا ہوا ہندوؤں کا مال برآمد ہوا تھا گرفتار کرنے میں تامل نہیں کیا۔ اس بقرعید سے کچھ دن قبل میں نے انسپکٹر

جنرل پولیس سے شکایت کی کہ ہزارہا ہندو جن کو جبراً مسلمان کر لیا گیا ہے ان سب کو یہ اندیشہ ہے کہ بقرعید کے دن ان کے مسلم ہمسایہ ان کو گائے کی قربانی کرنے کے لئے مجبور کریں گے۔ انسپکٹر جنرل موصوف نے مجھے یقین دلایا کہ پاکستان گورنمنٹ کی یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ وہ جبریہ تبدیل مذہب کو تسلیم نہیں کر سکتی اس وقت صاحب موصوف نے اپنے اسسٹنٹ کو حکم لکھوا دیا جو صوبہ کے تمام سپرنٹنڈنٹہائے پولیس کے نام تھا اور جس کا مفہوم یہ تھا کہ تمام ہندوؤں اور ان نام نہاد مسلمانوں کی جو دراصل ہندو ہیں۔ اس معاملہ میں پوری امکانی حفاظت کی جائے۔ حکم پورے طور پر میری منشار کے مطابق تھا اور بذریعہ لاسلکی تمام افسران کے پاس بھیجدیا گیا۔ مجھے بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اس حکم کی پورے طور پر تعمیل ہوئی اور بقرعید تمام صوبہ میں خیریت سے گذر گئی۔ لیکن ابھی تک گورنمنٹ کو مغربی پنجاب میں پورا اقتدار حاصل نہیں ہے اور معاملات پورے طور پر ان کے قابو میں نہیں ہیں۔ ان کو ان طاقتوں کا مقابلہ کرنے میں بڑی مشکلوں کا سامنا تھا جو غالباً ابتدار میں خود انھیں کی پیدا کردہ تھیں۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے مجھے بتایا کہ چند ہفتہ قبل جب انھوں نے اس عہدہ کا چارج لیا تو بمشکل ۲ فیصدی لوگ ان کے احکام کی پوری تعمیل کرتے تھے۔ اب قریب ۲۵ فیصدی ان کے احکام کی پوری تعمیل کرتے ہیں تعمیل کرنے والوں کی نسبت بڑھتی جاتی ہے مغربی پنجاب کی گورنمنٹ نہ تو پورے طور پر مضبوط ہی ہے اور نہ پورے پیمانہ کے ہی قابل ہے لیکن بالخصوص امن وامان قائم کرنے میں ان کی نیت نیک ہے اور ان کی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہے

مشرقی پنجاب کی گورنمنٹ

مشرقی پنجاب کی گورنمنٹ اور بھی کمزور اور نا قابل ہے۔ ان کے بعض صیغہ جات کی حالت قابل افسوس ہے۔ غالباً اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ مغربی پنجاب کو تو ایک بنی بنائی گورنمنٹ ملی ہے۔ لیکن مشرقی پنجاب میں کل گورنمنٹ کی مشین از سر نو بنائی جا رہی ہے اور اس فسادات کے زمانہ میں انھوں نے اسلامیہ کالج امرتسر کی عمارت میں نئی سکریٹریٹ قائم کی ہے اس کو سکریٹریٹ کا نام بھی دینا مشکل ہے۔ امید ہے کہ صورت حال اب وہاں پر بہتر ہو جائیگی۔

مستقل علاج

اب ہم کو مستقل علاج پر غور کرنا ہے۔ اس کے لئے ہم کو پہلے اس امر کو سمجھنا چاہئیے کہ ہمارا اصل مرض کیا ہے۔ ہم کو ان اسباب کو سمجھنا چاہئیے جن کی بدولت حالت اس قدر نازک ہو گئی ہے کہ موجودہ حالات پیدا کرنے میں دو چیزوں کا خاص ہاتھ ہے پہلا تو یہ کہ ہم لوگوں کی ذہنیت کو ابتدا ہی سے فرقہ واری ذہنیت اور جرگہ واری ذہنیت پر زندگی کے ہر شعبہ کو ہم اسی نظریہ سے دیکھتے ہیں۔ دوسری چیز بیرونی سیاسین کی ترکیبیں ہیں جن کو ہم بیج سے تعبیر کرتے ہیں اور فرقہ وارانہ ذہنیت؟ مثل زمین کے ہے کہ جس میں یہ بیج پھولتا پھلتا ہے۔ جہاں ایک مرتبہ یہ بڑھنا شروع ہوا تو پھر چکر در چکر (جن میں سے ہر دوسرا چکر پہلے سے بدتر ہوتا ہے) شروع ہو جاتے ہیں۔ فرقہ واری کی ذہنیت سے فساد کی ابتداء ہوتی ہے اور فسادات سے فرقہ وارانہ جذبات اور بڑھتے ہیں اور یہ سلسلہ لامتناہی ہو جاتا ہے۔ بیرونی حکومت

نے ہمیں اس حال کو پہنچا دیا ہے اور جو حالت اب ہماری ہو گئی ہے اس
کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا دارومدار بیرونی حکومتوں پر اور زیادہ ہو گیا ہے۔ موجودہ
حالات کی بدولت جو سیاسی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ میں ان کے متعلق
اس وقت زیادہ کہنا نہیں چاہتا صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ ابھی سے سکھستان،
جاٹستان اور نہ معلوم کس کس استان کے خیالات شروع ہو گئے ہیں۔ اب تو
یہ اندیشہ ہے کہ اگر خدانخواستہ ان دونوں حکومتوں کے درمیان جنگ شروع ہو جاتی
ہے تو ہر دو حکومتوں کو دنیا کی دو زبردست طاقتوں جن کا شیوہ ہمیشہ دوسروں
سے ناجائز مفاد حاصل کرنے کا رہا ہے ان میں کسی نہ کسی طرح سے امداد کا طلبگار ہونا
پڑے گا۔ یعنی خواہ انگلستان سے خواہ امریکہ سے تاکہ ان سے ہوائی جہاز
اور نئی قسم کا سامان جنگ حاصل کیا جا سکے تو اب ہم کو کیا کرنا
چاہیئے۔

ہم کو اب کیا کرنا چاہیئے؟

سب سے پہلے ہم کو ہر چیز کو فرقہ داری مذہبی اور جرگہ داری کی نظر سے
دیکھنے کے نظریہ کو تبدیل کرنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہماری پیچھے دیکھنے
کی عادت اور ہماری رجعت پسندی ہماری سب سے بڑی مصیبت ہے۔ یہ
فرقہ داری کی ذہنیت توہمات کو بڑھاتی ہے اور عقلی اور اخلاقی پستی پیدا کرتی
ہے دو قوموں کی تھیوری بالکل غلط تھی۔ اس اصول کی بنیاد ہندوؤں کی چھوت
چھات اور علیحدگی پر تھی۔ ملک کی تقسیم کا مطالبہ خراب تھا۔ لیکن پنجاب اور بنگال
کے دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ اس سے بھی بدتر تھا۔ اگر پنجاب کے فسادات میں کوئی

چیز جس طور پر چمک رہی ہے تو وہ یہ ہے کہ ہمارا نام نہاد مذہبی اور فرقہ داری کے ناموں کا کوئی اثر ہمارے کیرکٹر پر نہیں ہے وہ بالکل ایک ہے ۔ ہم کو اس تنگ نظری سے بالاتر ہونے کی ضرورت ہے ۔ جہاں عوام کے لئے مذہبی عقیدوں اور مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لئے پوری پوری آزادی ہونی چاہیئے ۔ اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ جو لوگ فرقہ داری کی تنگ ذہنیت سے بالاتر ہو سکتے ہیں وہ اپنے طرز زندگی میں انسانیت کے اس مشترکہ مذہب کو ترقی دیں جس کا مقصد محبت اور خلق خدا کی خدمت ہے ۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہمارے تعلیمیافتہ اشخاص محض سیاسی مسلم؟ سیاسی ہندو اور سیاسی سکھ ہیں ہم کو اس مکاری اور دھوکہ بازی کو جلد از جلد ختم کر دینا چاہیئے اس لئے کہ ملک کے عوام کے لئے اس سے زیادہ مہلک کوئی اور چیز نہیں ہے ۔

دوسری چیز یہ ہے کہ سیدھے سادے عوام کو منظم کرنے کی ضرورت ہے میں یہ بات بھی بتا چکا ہوں کہ قوم کا مغز (جس میں ہندوؤں ۔ مسلمانوں ۔ سکھوں ، عیسائیوں ، پارسیوں وغیرہ سب کو شامل کرتا ہوں) اب تک درست حالت میں ہے یہ سمجھنا غلطی ہے کہ عوام میں فرقہ داری کا جذبہ خواص سے کچھ زیادہ ہے یہ تعلیمیافتہ خواص ہی تو ہیں کہ جو توہمات کو ابھارتے ہیں اور فرقہ داری کو قائم رکھتے ہیں ۔ ہم کو عوام کو اس طرح منظم کرنا چاہیئے کہ وہ نقصان پہنچانے والوں پر قابو پا سکیں ۔

تیسری بات جو اہمیت میں کچھ کم نہیں ہے یہ ہے کہ ہم کو اپنی سیاست میں سے بیرونی عنصر کو جلد از جلد نکال دینا چاہیئے ۔ اس غرض کے لئے ہم کو اپنی سیاسی

اور اقتصادی طریقہ کار کو بدلنا پڑے گا۔ اس میں زیادہ سمجھ۔ زیادہ اخلاق زیادہ جمہوریت پسندی اور خود اپنے پر بھروسہ کرنے کی عادت پیدا کرنا ہوگی۔

آخر میں ہم کو ہندو اور مسلم راجوں اور نوابوں کے پرانے نظام کو اس ملک سے ختم کرنا ہے۔ اس میں خود ان کا بھی فائدہ ہے اور تمام ملک کا فائدہ ہے۔ اب عین وقت ہے کہ ہمارے راجہ اور نواب اس بات کو سمجھ لیں کہ ریاستوں کے لئے بہترین چیز یہ ہے کہ وہ اپنی قبر خود کھود لیں مجھے یہاں ان بدنما ناپاک اور قوم کو مٹانے والی کارروائیوں ... کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو اس مصیبت کے زمانہ میں پٹیالہ، فرید کوٹ، الور، بھرت پور، کپورتھلہ اور بہاولپور نے کیں ہیں۔

انسانی عوام کا ترقی یافتہ طبقہ سیاسی جمہوریت سے گذر کر اقتصادی جمہوریت کے درجہ میں پہنچ چکا ہے۔ شاید یہ ہندوستان ہی کی قسمت میں ہے کہ وہ انسانیت کو اقتصادی جمہوریت سے روحانی جمہوریت کے طبقہ میں پہنچانے میں رہبری کرے فی الحال ہمارا نصب العین یہ ہی ہے کہ مغربی سوشلزم کو اور تمام عالم کے مشترک مذہب یعنی انسانی خدمت کے نصب العین کو ملا کر ایک کر دیں۔ ہماری موجودہ عام تکالیف، مصیبتیں۔ پریشانیاں اس سفر کی تیاری ہیں جس میں خدا کو منظور ہے تو ہم کامیاب ہوں گے۔

(اتحاد) الہ آباد۔ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء

فسادات دہلی

مارچ ۱۹۴۷ء میں جب صوبہ سرحد اور مغربی پنجاب میں فسادات کی آگ

بھڑکنی شروع ہوئی تو بہت سے ہندو اور سکھ۔ سہارنپور، دہرہ دون اور دہلی میں پہنچ کر پناہ گزین ہوئے۔ مئی ۱۹۴۷ء کے آخری ہفتہ میں ضلع گوڑگانوہ کی خشک پہاڑیاں فسادات کا آتش فشاں بن گئیں۔

ہندو اکثریت کے علاقوں سے باقی ماندہ مسلمانوں نے دہلی پہنچکر "امان" حاصل کیا۔ ریاست بھرتپور کی زمین بھی مسلم میو کے لئے تنگ ہو گی اس علاقہ کے تباہ شدہ مسلمان بھی دہلی میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہوئے ان پناہ گزینوں کی آمدورفت نے دہلی کی فضا کو مسموم کر دیا۔

۱۵ر اگست سے پیشتر غیر مسلم پناہ گزینوں کی تعداد دہلی میں تین لاکھ کے قریب پہنچ چکی تھی اور سہارنپور اور دہرہ دون کے اضلاع میں ستر ہزار کے قریب۔

۱۵ر اگست کے جشن آزادی میں اگرچہ مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ پوری سرگرمی سے حصہ لیا بلکہ ہندوؤں سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن انھیں ایام میں کہ دہلی جشن آزادی کی زیب و زینت سے "عروس نو" بنا ہوا تھا اور مسرت کے نغمے گلیوں اور کوچوں میں گائے جا رہے تھے۔ بقول پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند پنجاب کے شہروں میں انسانی خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی اور وحشت و بربریت کے مظاہرہ میں ہر ایک فریق دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چنانچہ چند روز بعد صوبہ سرحد اور مغربی پنجاب کے ہندو اور سکھوں کی لاتعداد قطاریں دہلی پہنچنے لگیں۔ اور مشتعل سینوں کے شعلوں سے دہلی شہر کو غیظ و غضب کا جہنم بنانے لگیں۔

اواخر اگست تک ان مصیبت زدہ غضب آلود انسانوں کی تعداد چار لاکھ کے قریب پہنچ چکی تھی۔

وہ تمام طاقتیں جن کے لئے انڈین نیشنل کانگریس کی کامیابی اور اس کے گرد بیٹ کی حکومت پیغام فنا تھی۔ ان کو کانسپریسی کا بہترین موقع میسر آگیا۔ چنانچہ راجستان جاٹستان جیسی تحریکوں کے پوشیدہ ہاتھ بہت پھرتی سے کام کرنے لگے۔

۱۵ر نومبر ۱۹۴۸ء کو انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس دہلی میں جب راشٹریہ سیوک سنگھ۔ اکالی دل اور مسلم نیشنل گارڈ جیسی فوجی قسم کی تنظیمات کو ختم کر دینے کی تجویز پیش کی گئی تھی (جو صرف ایک دو کی مخالفت سے متفقہ طور پر منظور ہوئی) تو پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند نے تجویز کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"اندازہ ہے کہ تقریباً آٹھ سو نو سو نوجوانوں کو قتل وغارت اور خنجر زنی وغیرہ کی مشق کرا کر اس خونریزی اور تباہ کاری کے ڈرامہ کو کامیاب بنانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ان خونخوار انسانوں کے کامیاب حملے ان کی مشق کی دلیل ہیں۔

یہ خونخوار قافلہ جب دہلی کو تباہ کر چکا تو پھر اس کا ایک حصہ سہارنپور اور دہرہ دون پہنچا اور ہردوار۔ جوالا پور۔ دہرہ دون وغیرہ میں قتل وخون ریزی کا بازار گرم کیا۔"

مہاتما گاندھی کے حادثہ قتل کے بعد جب تحقیق و تفتیش کی رفتار تیز کر دی گئی تو کمونسٹ اخبار "نیا زمانہ" بمبئی نے لکھا تھا۔

یہ فسادات ریاستوں میں منظم کئے جاتے اور پھر شہروں اور دیہاتوں میں پھیلتے تھے۔ چنانچہ حکومت ہند نے اس کی روک تھام کے لئے اپنا خاص عملہ مقرر کیا ہے۔ جس نے ریاستوں میں چھاپے مارے ہیں۔ پچھلے ہفتہ حکومت ہند نے ایک خاص ریاست

میں انسپکٹر جنرل آف پولیس کو بھیجا۔ جس نے دو ہی روز میں اسلحہ کے کارخانے اور ہتھیاروں سے بھرپور گودام برآمد کرلئے جب ریاست کے قلعہ کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے ایک ہتھیار بنانے کا کارخانہ اور ہتھیار گھر ملا۔ جہاں سے بندوقیں اسٹین گنیں، ٹامی گنیں، برین گنیں اور سیکڑوں بم اور ریوالور برآمد کئے گئے۔

پولیس کو اندر دن میں اسلحہ بنانے کا ایک بہت بڑا کارخانہ ملا۔ جس میں ریاست کی بڑی بڑی مشینیں کام کرتی ہیں۔ اور خود ریاست اس کارخانہ کو چلانے کے لئے بجلی مہیا کرتی ہے۔ جب ہتھیاروں کے گودایوں پر چھاپہ مارا گیا تو وہاں سے ہزاروں بم برآمد ہوئے۔ اور بم بنانے کی مشنری بھی ملی۔

اس اسلحہ خانہ کی کنجی ہمیشہ مہاراجہ کی تحویل میں رہتی تھی۔ جب راجہ کے شاہی محلوں کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے بھی ہتھیاروں کا وسیع ذخیرہ برآمد کیا گیا۔

اسلحہ کو چھپانے کے لئے ریاست کے تمام محفوظ مقامات بھی استعمال کئے جاتے ہیں چنانچہ قرب وجوار کے جنگلوں میں وسیع تالاب بنائے گئے ہیں جہاں تیزاب ... اور بارود کو محفوظ کیا ہوا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس ریاست میں انقلاب کے دشمنوں کو پناہ دی جاتی ہے اور توڑ پھوڑ کی پالیسی کو کامیابی سے چلانے والوں کی بلا اجرت تربیت کی جاتی ہے[1]
مختصر یہ کہ وہ فساد انگیز عناصر جو دہلی میں جمع ہو گئے تھے انھوں نے مشتعل ہجوں کی شکل اختیار کرلی۔ ہر ایک ہجوم جو ہزاروں افراد پر مشتمل ہوتا تھا ہر ستمبر ۴۷ء سے

---

[1] خطبہ صدارت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند اجلاس جمعیۃ علماء ہند ۱۹۴۸ء بمقام بمبئی)

دہلی کے مختلف محلّوں پر حملہ کرنے لگا۔

دہلی پولیس میں تقریباً ایک ہزار مسلمان سپاہیوں اور افسروں کی تعداد تھی مگر پاکستانی نعروں نے ان کے دماغ کے ہر گوشہ میں ہندو اکثریت کا خوف سمو دیا تھا۔ ملک اور قوم کے ان محافظین میں سے تقریباً چالیس کے ماسوا باقی تمام نے راہِ فرار اختیار کی اور مسلم پناہ گزینوں کے کیمپ میں پہنچکر جانِ عزیز کی حفاظت میں مشغول ہو گئے جان بچی لاکھوں پائے۔

جب پاکستان معرضِ وجود میں آرہا تھا تو مولانا آزاد اور پنڈت نہرو نے مشورہ دیا تھا کہ کم از کم بیس فیصدی مسلمانوں کو ہندوستان کے مرکزی محکموں میں رہنے دیا جائے تاکہ حکومت صرف ایک فرقہ کی اجارہ داری میں نہ آجائے مگر پاکستانی جادو کے ملوث دماغوں نے اس کی قطعاً پرواہ نہ کی۔ پولیس میں جو کانسٹبل باقی تھے وہ اسی ہنگامہ کے شروع ہوتے ہی رخصت ہو گئے۔

اس تمام صورت حال کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان اپنی رہی سہی طاقت سے بھی محروم ہو گیا اور طاقت کے تقریباً تمام شعبوں پر غیر مسلم اور بالخصوص "شرنارتھی" قابض ہو گئے دہلی شہر کے باشندے اور بقول جواہر لال نہرو کاغذی قسم کے ہندو مسلمان جو اس قسم کے ہنگاموں سے ناآشنا تھے۔ جب ان پر ہزاروں مسلح بلوائیوں کے ہجوم نے حملہ کیا تو اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا کہ گھر بار کو چھوڑ کر جان بچانے کی کوشش کریں۔ اگر کسی موقع پر ہمت سے کام لے کر مقابلہ کی کوشش بھی کی تو بری طرح تباہ کر دیئے گئے۔ مختصر یہ کہ چند روز کے ہنگاموں نے قرول باغ۔ پہاڑ گنج۔ سبزی منڈی کے مسلمانوں کو یا شہید کر دیا یا خانہ بدوش ویران و تباہ۔

جو عورتیں ہاتھ لگیں ان کی عصمت دری کی گئی۔ اغوا کیا گیا۔ بچوں کو ذبح کیا گیا اور اس گنبد نیلی کے نیچے زمین کے سخت جگر پر وہ سب کچھ ہوا جو دہلی کی آنکھ نے کبھی نہ دیکھا تھا اور جس کے خونی دھبے تاریخ دہلی کی پیشانی پر ہمیشہ کلنک کا ٹیکہ رہیں گے قرول باغ، سبزی منڈی اور پہاڑ گنج ہر ایک بجائے خود ایک شہر ہے۔ ان محلوں میں کم و بیش ڈیڑھ لاکھ مسلمان آباد تھے۔ بہت سے بڑے بڑے دولتمند، خوش پوشاک اور پشتینی امیر جن کی خواتین نے ہمیشہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کی تھی اس دور پُر آشوب میں ان کی آنکھوں نے وہ سب کچھ دیکھا جو خونی انقلاب کی فطرت ہے جس کے سننے کے لئے پتھر کا کلیجہ چاہیئے۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ

(سورۂ نمل)

جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں (یعنی انقلاب بپا ہوتا ہے)، تو اس بستی کو برباد کر دیتے ہیں اور اس کے باعزت باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

تباہ شدہ انسان اپنے مکانات سے فرار ہوئے۔ ماں کو بچوں کی خبر نہ تھی۔ باپ کے حواس باختہ تھے۔ بھائی بہن سے غافل تھا۔ ایسی صورت میں حجاب و نقاب کا سوال ہی کیا۔ گھروں سے نکلے۔ سڑک پر گولیوں اور چھروں نے استقبال کیا کچھ زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ کچھ گرتے پڑتے جامع مسجد پہنچے۔ جامع مسجد کا صحن پُر ہو گیا تو پُرانے قلعہ کا راستہ لیا۔ جامع مسجد سے پُرانا قلعہ یا ہمایوں کا مقبرہ تقریباً تین میل ہے۔ راستہ قطعاً غیر محفوظ تھا اگر راستہ میں کوئی حملہ

بھی نہیں ہوا۔ گویا منشا یہ تھا کہ مکانات چھوڑیں اور پاکستان جانے کے لئے تیار ہوجائیں۔

پُرانے قلعہ میں ایک لاکھ سے زیادہ مجمع ہوگیا۔ وہیں پیشاب وہیں پاخانہ گندگی تعفّن سے سانس لینا مشکل۔ پانی کے لئے صرف ایک نل۔ غذا بھی مشکل سے ملتی تھی۔ باہر نکلنے میں جان کا خطرہ۔ یہ پناہ گاہ خود مصیبت گاہ بن گئی۔ جو چند روز پہلے دولت مند تھے۔ یہاں بھوک اور پیاس سے جاں بلب تھے جو سخت جان تھے وہ زندہ رہ گئے جو ناتوان تھے چل بسے۔

اس تمام دورِ مصیبت میں سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ چشمِ عبرت اب بھی محوِ خواب تھی۔ پُرانے قلعہ کی عظیم الشان مسجد میں نمازِ جمعہ کے وقت چند نفوس تھے جو ایک صف کو بھی پورا نہ کرتے تھے۔ مسلم نوجوان قرآن شریف غالباً نہ کسی کی نظر آئے تھے۔ لیکن گراموفون کے سِٹ ان کی بغل میں تھے اور یہاں سامانِ تفریح بنے ہوئے تھے ایک جان نحیف دنیا کو الوداع کہہ رہی تھی اور چند قدم کے فاصلہ پر گراموفون بج رہا تھا۔ بچے کھچے سامان کو فروخت کرنے کے لئے پُرانے قلعہ کے قریب ہجوم رہتا تھا بازار میں سونے کی قیمت تقریباً ۱۲۵ - روپیہ تولہ تھی مگر اس بازار میں دس روپیہ تولہ سونا فروخت ہو رہا تھا اور وزن کرنے کے لئے خریدار کے ہاتھ کا اندازہ کافی سمجھا جاتا تھا۔

ایک کیمپ ہمایوں کے مقبرہ میں قائم کیا گیا تھا جمیعتہ علماء نے اس کی نگرانی اپنے ذمّہ لی اور خدا کے فضل سے ارکانِ جمیعت نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

ہنگامہ کے دوران میں دہلی کی حکومت اسپیشلوں کا انتظام کرکے پاکستان جانے والوں کے لئے سہولتیں بہم پہنچاتی رہی لیکن روانگی کا انداز ایسا تھا کہ انسانیت اپنی بے کسی پر کفِ افسوس مل رہی تھی۔ گنجائش سے دو چند سہ چند مسافر ڈبوں کے اندر ہوتے تھے اور اسی طرح ٹرینوں کی چھتیں پٹی ہوئی ہوتی تھیں۔

لیکن کم وبیش چالیس ہزار مسلمان یو۔پی، سی پی وغیرہ کے باشندے تھے جو اپنے وطن جانا چاہتے تھے۔ راستے مخدوش تھے اور مزید براں سیلاب کے طوفان نے دہلی سے غازی آباد تک ریلوے لائن کو تباہ کردیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس طرف کی ٹرینیں بند ہوگئی تھیں۔ اس موقع پر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماءِ ہند کی جدوجہد نے ان غریبوں کی مشکل حل کی۔ حضرت موصوف نے گورنمنٹ آف انڈیا سے سفارش کرکے دہلی سے مرادآباد تک اسپیشل جاری کرائیے۔ اور غازی آباد تک لاریوں اور ٹرکوں کے ذریعہ بھیجنے کا بھی انتظام کیا۔

لیکن اسپیشل یا لاریوں کے ذریعہ پنجاب کے شرنارتھی جو لاکھوں کی تعداد میں دہلی میں جمع ہوچکے تھے۔ یو۔پی میں داخل ہوکر یو۔پی میں وہ سب کچھ کرسکتے تھے جو دہلی میں کیا تھا لہٰذا۔ یہ پابندی لگادی گئی کہ چیف کمشنر دہلی یا حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماءِ ہند کی تصدیق کے بغیر کوئی شخص دہلی سے یو۔پی میں نہیں داخل ہوسکے گا۔ اس طرح پرمٹ کا ایک سلسلہ جاری ہوگیا جو تقریباً ۲۔ ماہ تک رہا۔

بارش کا طوفان اور سیلاب

۴ستمبر سے دہلی میں فسادات شروع ہوئے۔ اور تقریباً

روز بعد سے بارش کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جو یو۔پی کے مغربی اضلاع دہلی اور پنجاب میں تقریباً دو ہفتہ تک رہا۔

بے انتہا بارش کے ساتھ سیلاب کا طوفان بھی بے پناہ تھا۔ جس نے ہزاروں دیہات برباد کر دیئے۔ دہلی کے قریب شاہدرہ کی ملوں کو تباہ کر دیا اور شاہدرہ غازی آباد تک ریلوے لائن کی پٹریاں اکھاڑ دیں۔ حتیٰ کہ لین کے بجائے چند جگہ بڑے بڑے تالاب ہو گئے۔ تقریباً ایک ماہ غازی آباد سے دہلی تک ٹرینوں کی آمدورفت بند رہی۔ ایک ماہ بعد بھی اصل لائن درست نہیں ہوئی۔ بلکہ عارضی طور پر دوسری لائن بچھادی گئی اور اصل لائن تقریباً ۲ ماہ بعد درست ہو سکی۔

بارش کی یہ جھڑی پناہ گزینوں کے لئے مصیبت تھی۔ لیکن اس مصیبت میں ایک رحمت بھی مضمر تھی۔ کیونکہ جب بارش زیادہ ہوتی تھی، بلوائیوں کا ہجوم منتشر ہو جاتا تھا۔

چشم عبرت نے سبق لیا۔ جب مقبرۂ ہمایوں کے کیمپ میں ایک بہت بڑے دولت مند نے جمعیۃ علماء کے کارکن سے یہ درخواست کی کہ ایک ٹاٹ کا ٹکڑا بھجوا دیجئے کیونکہ جو ٹاٹ اس کے نیچے بچھا ہوا ہے وہ زمین کی نمی سے تر ہو گیا ہے۔

حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب مفتیٔ اعظم ہند ادام اللہ بقارہ کے صاحبزادے جناب مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب واصف نے ایک نظم میں دہلی کے فسادات کی طرف کچھ اشارے کئے ہیں۔ ایک اجمالی اندازے کے لئے یہ نظم ان صفحات کا ضمیمہ بنائی جاتی ہے۔

فسادات دہلی

سنہ ۱۹۴۷ء

سن اے ستارۂ صبحِ وطن مری روداد
سن اے نسیم! دلِ زخم خوردہ کی فریاد

شکایتِ الم سرد مہریٔ انساں
حکایتِ غم ویرانیٔ جہاں آباد

سوادِ منزلِ الفت نظر نہ آیا تھا
کہ خاک و خوں میں ہوئی غرق محنتِ فرہاد

یہ خاک خطۂ دہلی کہ جس کا چشمۂ فیض
رسیدہ تا بہ بخارا و کابل و بغداد

پھر آج خونِ مسلماں سے ہوگئی رنگیں
کہ خوب تر ہے یہی غازۂ عروسِ بلاد

لٹی ہے عزت و ناموسِ نازنینِ حرم
چلا ہے گردنِ طفلاں پہ خنجرِ جلاد

نہ جان کو ہے اماں اور نہ تیری آبرو محفوظ
ز چیرہ دستی و بیدادِ ہندیاں فریاد!

ہزار سالہ تمدن کی یادگار لٹی
کہو ظفرؔ سے کہ دلی کی پھر بہار لٹی

پھر آج دل میں بپا رنج و غم کا طوفاں ہے
پھر آج وا اسف برگشتہ بخت گریاں ہے

لٹے ہوئے ابھی نوّے برس ہی گذرے تھے
پھر آج دلی میں مسلم کا خون ارزاں ہے

شریکِ کار جو آزادیٔ وطن میں ہوئے
اب ان پہ تنگ زمینِ وطن کا داماں ہے

ہوئے ہیں دشمنِ جاں گھر کے ہی در و دیوار
وطن میں آج غریب الوطن مسلماں ہے

وبالِ دوش ہے بارِ حیات اب تو یہاں
کسے خیالِ ضیاعِ متاع و ساماں ہے

یہ جوشِ نفرت و بیگانگی معاذ اللہ
کہ ذرہ ذرہ یہاں آبرو کا خواہاں ہے

پھر اپنے چاہنے والوں سے چھٹ گئی دلی
صبا! یہ ذوقؔ سے کہنا کہ لٹ گئی دلی

جلا وطن جو ہوئے ان کا حال کیا ہوگا　　دلوں کے زخم کا اب اندمال کیا ہوگا
ہوئے گناہوں کی لاشوں پہ جس محل کی بنا　　مجھے یہ فکر ہے اس کا مآل کیا ہوگا
وطن سے رو ٹھ گئے تم مگر سنو تو سہی　　وطن میں اپنے عزیزوں کا حال کیا ہوگا
دمِ وداع جو رسمِ وفا کو بھول گئے　　ہمارے قتل کا ان کو ملال کیا ہوگا
کھلی فضاؤں میں گلشن کی کھیلنے والو　　نہیں تو مرغِ قفس کا خیال کیا ہوگا
یہ سرد مہریٔ ساحل یہ وسعتِ طوفاں　　اسیرِ موج کا آخر مآل کیا ہوگا

اب اجنبی وہ ہوئے جن سے چاہ تھی دل کو
گئے وہ جن سے کبھی رسم و راہ تھی دل کو

نشانِ بہارِ گذشتہ کا پا نہیں سکتے　　جو مٹ چکے ہیں وہ اب ہاتھ آ نہیں سکتے
انھیں تو صفحۂ ہستی سے تم نے محو کیا　　مگر یہ داغِ فضیحت مٹا نہیں سکتے
سنائیں کیا کہ کلیجہ ہی منہ کو آتا ہے　　کسی کو چیر کے سینہ دکھا نہیں سکتے
یہ حکم ہے کہ نہ ہو امنِ عامہ میں خلل　　کسی کو اپنی کہانی سنا نہیں سکتے
گمان ہے ان کو بغاوت کا ان غریبوں پر　　جو معذرت کے لئے لب ہلا نہیں سکتے

حذر کہ دستِ قضا سست ہو نہیں سکتا
حذر کہ کاتبِ تقدیر سو نہیں سکتا

۳۱ر دسمبر ۱۹۴۷ء

رہنمایان جمعیۃ علماء ہند کا ثبات و استقلال

غلط قیادت کا جرم عظیم یہ تھا کہ اس نے اکثریت کا خوف دماغوں پر مسلط کر دیا۔ اس قیادت کے ساتھ جس قدر گرویدگی تھی اتنا ہی زیادہ بزدلی خوف وہراس کا سرمایہ متاع جان بنا ہوا تھا۔ ان کو سبق یہی پڑھایا گیا تھا کہ پاکستان پناہ گاہ ہے۔

اس سراسیمگی نے اس سبق کو تازہ کر دیا اور وہ سب کچھ کھو کر اس "پناہ گاہ" کی طرف دوڑنے لگے۔

دہلی کے بیشتر سرمایہ دار اسی مرض میں مبتلا تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے راہ فرار اختیار کی۔ زعماء اور رہنما پہلے ہی پاکستان پہنچ چکے تھے، جو باقی تھے انھوں نے بھی اسی قبلہ مقصود کا رخ کیا۔

ٹرین کا سفر مخدوش تھا ہوائی جہاز کا سفر اختیار کیا گیا اور ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے ایک ایک ٹکٹ پر ہزاروں روپیہ رشوت دی گئی خود غرضی کا یہ عالم تھا کہ ٹکٹ حاصل کرنے کی کوشش بھی پوری رازداری کے ساتھ کی جاتی تھی۔ حقیقی رشتہ داروں کو بھی اس وقت خبر ہوتی جب ہوائی اڈہ پر پہنچنے کے لئے رخت سفر باندھا جاتا اور بسا اوقات روانگی کے بعد یہ راز فاش ہوتا۔ صاحب استطاعت طبقہ کے فرار نے عوام کی ہمتیں پست کر دیں۔ کارخانہ کے مالک کا فرار سینکڑوں مزدوروں اور کاریگروں کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اس سراسیمگی اور بدحواسی کے دور نامسعود میں خداوند عالم نے جن کو استقامت کی توفیق بخشی وہ جمعیۃ علماء ہند کے حضرات تھے۔

خداوند ذوالجلال نے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کو وہ جرأت وہمت اور وہ استقلال عطا فرمایا جو ایسے موقعوں پر تاریخ کی ممتاز شخصیتوں کا قدرتی حصّہ ہوتا ہے۔

مولانا موصوف کی رفاقت میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیۃ علماء ہند جو پانچ چھ سال سے اختلاجِ قلب وغیرہ میں مبتلا تھے اور ضعف ونقاہت نے ایک حد تک گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا تھا۔ ہمت مردانہ کے ساتھ اُٹھے اور کوہِ استقلال بن کر کارکنان جمعیۃ علماء کی بزرگانہ سرپرستی فرمائی۔ اب یا تو مرض ہی نہ رہا تھا یا احساس مرض مفقود ہو گیا تھا ان حضرات کے استقلال واستقامت نے جماعت کے کارکنوں میں نئی زندگی پیدا کر دی۔ ان کے حوصلے بلند ہو گئے اور انھوں نے سر ہتھیلی پر رکھ کر وہ خدمات انجام دیں جو مسلمانان دہلی کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ خاص اس زمانہ میں کہ حکومت بلوائیوں کے زغہ میں تھی اور پیس کمیٹی کی تمام کوششیں ناکام ہو رہی تھیں۔ حتیٰ کہ ٹاؤن ہال جو امن کمیٹی کا مرکز تھا۔ اس کے گرد لاوارث نعشیں جگہ جگہ پڑی ہوئی تھیں۔ ہندو دوستوں نے پریشان ہو کر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا احمد سعید صاحب، سید محمد جعفری صاحب، حافظ محمد نسیم صاحب وغیرہ ارکان پیس کمیٹی سے التجا کی کہ وہ مسلمانوں کو لے کر اوکھلا تشریف لے چلیں جہاں ان کی حفاظت اور آسائش کا پورا انتظام کر دیا جائے گا ورنہ خطرہ ہے کہ اس بحرانی دور میں وہ اپنے قوم پرور مسلم دوستوں کی حفاظت نہ کر سکیں گے اور شرمساری کا یہ داغ۔ ہمیشہ ان کی پیشانی پر رہیگا۔ اُس وقت جماعت کی ترجمانی کرتے ہوئے شیر دل حفظ الرحمٰن نے کہا۔

وطن عزیز کی آزادی کی کوشش اس لئے نہیں کی تھی کہ ہم کسی کیمپ میں

جاکر پناہ لیں۔ ہم اپنے مکانات اور اپنے محلوں میں رہیں گے اور صبر و استقامت سے اس بغاوت کا مقابلہ کرتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شہید ہو جائیں گے۔

زعیم جماعت کے اس عزم نے ساری جماعت کے حوصلے بلند کر دیئے۔ ان کے بعد سے پر تمام مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں جم گئے اور مسلمانوں کے تخلیہ کی تمام سازشیں ناکام ہو گئیں۔

ثبات واستقلال کی چند مثالیں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تخلیہ کی جدوجہد کو ناکام کرنے میں ان خاموش بزرگوں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جن کا عقیدہ تھا کہ مصائب اور خطرات کے اس طوفان کو برداشت کرنا جہاد ہے اور دہلی کو چھوڑ دینا ایک مسلم کش گناہ عظیم ہے جو فرار من الزحف کی حیثیت رکھتا ہے ان میں سے ایک بزرگ نے تو اپنے متوسلین سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اس زمانہ میں جان بچانے کے لئے پاکستان تو درکنار مکہ معظمہ جانا بھی معصیت ہے یہ وہ بزرگ تھے جن کے ایک جوان عمر صاحبزادے ان فسادات کے دوران میں شہید بھی کر دئے گئے تھے لڑکے کی شہادت سے چند روز بعد پوتے کا بھی انتقال ہو گیا اور جب کچھ دنوں بعد فسادات کی ستم رسیدہ صاحبزادی اور چار سالہ نواسی کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ نے اپنے بے نظیر صبر و استقلال کی وجہ یہ بیان کی کہ جس مصیبت میں عام مسلمان مبتلا ہیں ان کے سامنے اولاد کی مصیبت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے ہی اکابر کے استقلال نے اُجڑنے والی دہلی میں مسلمانوں کی آبادی کو باقی رکھا اور جب ماہ اکتوبر کے آغاز میں فسادات کا بحرانی دور ختم ہو رہا

تھا اور بڑی حد تک حالات پر قابو پالیا گیا تھا تو پونے پانچ لاکھ مسلمانوں میں سے تقریباً ساڑھے تین لاکھ مسلمان دہلی میں موجود تھے۔ صرف فساد زدہ علاقوں کے مسلمان پاکستان یا یو۔ پی وغیرہ چلے گئے تھے۔

رہنمایان جمعیۃ علماء ہند۔ مولانا آزاد۔ پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم اور مہاتما گاندھی کی جد و جہد سے پورا صدر بازار (جہاں اسّی فیصدی دوکانیں تھوک فروش مسلمان تاجروں کی تھیں) محفوظ رہا تھا۔ کسی ایک دوکان پر بھی حملہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن افسوس جن دماغوں کی رگوں میں پاکستان کا تصور جم چکا تھا وہ اسی تصور میں غلطاں و پیچاں رہے۔ ان کے نزدیک صرف ان کی ذات ملت اسلامیہ تھی۔ اور ذاتی فائدہ ملت اسلامیہ کا مفاد تھا انھوں نے دہلی اور مسلمانان دہلی کے مفاد کو پس پشت ڈالا اور جیسے ہی امن کا دور آیا۔ دوکانیں فروخت کرنی شروع کر دیں۔ مکانات پر پگڑی کی رقمیں وصول کیں اور پاکستان روانہ ہو گئے اور امن کے دور میں دہلی کی مسلم اقلیت کو ساڑھے تین لاکھ سے گھٹا کر صرف ڈیڑھ لاکھ کر دیا جو اس وقت موجود ہے خداوند عالم اس تعداد میں برکت عطا فرمائے اور دہلی کی تمام مسجدیں اور مدرسے پھر پہلے کی طرح آباد ہوں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

مہاتما گاندھی کی آمد اور قوم پرور جماعت کی تائید و حمایت

باخبر حضرات کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے تخلیہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کی حکومت کو ختم کر دینے کی سازش تقریباً کامیاب ہو چکی تھی۔ دفعۃً مہاتما گاندھی کے دہلی پہنچنے نے ان سازشوں کو ناکام کر دیا۔ جب دہلی میں فساد شروع ہوا۔ مہاتما گاندھی کلکتہ میں "قیام امن" کے مشن کو کامیاب کر رہے تھے۔

دہلی کے وحشت انگیز حالات نے آپ کو دہلی پہنچنے پر مجبور کر دیا۔ آپ غالباً ۹ ستمبر کو دہلی پہنچے۔ آپ کی تشریف آوری نے پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد کو فاتحانہ قوت عطا فرما دی۔

اکثریت کے دماغ پر فرقہ پرستی کا بھوت سوار تھا۔ آپ نے تمام علمی۔ دماغی اور عملی طاقت اس بھوت کے اُتارنے میں صرف کر دیں۔

آپ کا تمام دن انفرادی طور پر ہندو مسلم زعماء سے تبادلۂ خیالات اور فہمائش میں صرف ہوتا۔ اور شام کو جماعتی جلسہ (پرارتھنا) میں ہزاروں حاضرین کے سامنے امن و اتحاد کی تلقین کرتے۔ اکثریت کے مظالم اور مسلمانوں کی مظلومیت پر افسوس و الم کا اظہار کرتے ہوئے مشفقانہ نصیحتیں فرماتے۔

آپ کی تقریروں کے ریکارڈ تیار کئے جاتے اور پھر متعدد اوقات میں ریڈیو پر ریکارڈ سنائے جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی یہ تقریریں فہم و دانش کا بہترین خزانہ ہیں اکثریت کو جہاں بانی اور ترقی پذیر معاشرت کے زریں اصول کی تعلیم دیتی ہیں کاش ان گراں قدر اصول کی حقیقت کو سمجھا جائے اور ان پر عمل کی کوشش کی جائے۔

۹۰ فیصدی ہندو سچی عقیدتمندی کے ساتھ آپ کو مہاتما مانتے تھے اور مہاتما گوتم بدھ کی طرح آپ کی پرستش کے لئے تیار تھے۔

آزادی ہند کی تحریک میں آپ کامیاب ہو چکے تھے اور آپ کو آزاد ہندوستان کا مہاتما تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اگر آپ ان فسادات کے زمانہ میں خاموشی اختیار کر لیتے تو آپ کی لیڈری اور عظمت و جلالت میں کوئی فرق نہیں آ سکتا تھا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ تہذیب و انسانیت کے سچے خادم تھے آپ مذہبی انسان تھے اور تمام مذاہب

کا احترام آپ کا پختہ عقیدہ بن گیا تھا۔ تقریباً تیس سال سے آپ کا اصول تھا کہ پرارتھنا کے شروع میں "گیتا" کے چند شعر، سورۂ فاتحہ اور بائبل کی چند آیتیں پڑھواتے تھے اس پرآشوب دور میں آپ کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس موقع پر آپ کی صداقت اور راستبازی کا امتحان لیا گیا۔ اور آپ کامیاب ثابت ہوئے۔

شورش پسند ہندوؤں اور سکھوں نے قرآن حکیم کے خلاف پروپیگنڈہ کیا۔ اور آپ سے مطالبہ کیا گیا کہ پاکستان میں بے گناہ انسانوں پر ظلم کرنیوالے مسلمانوں کا قرآن شریف نہ پڑھا جائے۔ یہ بھی اعتراض کیا گیا کہ آپ ایک مندر میں پرارتھنا کرتے ہیں مندر کے احترام کا تقاضا ہے کہ اس میں قرآن شریف نہ پڑھا جائے۔ لیکن مہاتما گاندھی نے ان تمام اعتراضات کا جواب اپنے عزم و استقلال سے دیا آپ نے فرمایا پرارتھنا کے لئے نہ مندر کی ضرورت ہے نہ مجمع کی۔ یہ ممکن ہے کہ مندر میں پرارتھنا نہ ہو۔ میں اس کا خواہاں بھی نہیں کہ اتنا بڑا مجمع پرارتھنا میں شریک ہو۔ میں تنہا اپنے گھر میں پرارتھنا کروں گا مگر پرارتھنا اسی طرح ہوگی۔ اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

جمعیۃ علماء ہند کے حضرات کو تحریک آزادی کا علمبردار ہونے کی حیثیت سے مہاتما گاندھی سے ہمیشہ سے تعلق تھا مگر جب آپ ۹ ستمبر کو دہلی پہنچے تو حفاظت امن اور ترقی وطن کے مشترک مقصد نے ایک نیا رشتہ قائم کر دیا۔

حالات کا تقاضا اور خود مہاتما گاندھی کا اصرار تھا کہ صحیح حالات سے مہاتما گاندھی کو باخبر رکھا جائے چنانچہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے اپنے چند رفقاء[1] کے ساتھ بہ خدمت اپنے ذمہ لی اور ابرار کے درمیان مذاہم

[1] (۱) جناب سید محمد صاحب جعفری۔ سابق مدیر اخبار روزنامہ ملت جو زمانہ قیام میں مولانا محمد علی

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

مہاتما گاندھی کے یہاں پہنچتے اور صحیح حالات پیش کر کے مہاتما گاندھی کی ہمدردی اور رہنمائی حاصل کرتے۔

پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم حکومت ہند مہاتما گاندھی کے بعد دوسرے شخص تھے جو والہانہ انداز میں مسلمانوں کے سر سے اس مصیبت کو دور کرنے کی جد و جہد کرتے رہے متعدد بار آپ مشتعل ہجوم کے سامنے پہنچ گئے اور اپنی ہمت و جرأت سے اس کا مقابلہ کیا۔

انسانیت اور شرافت کے تقاضے کے سوا مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال اس حقیقت کو بھی پوری طرح سمجھتے تھے کہ یہ خلفشار اگر مسلمانوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس کا دوسرا قدم یہ ہو گا کہ ہندوؤں کو سینکڑوں فرقوں پر تقسیم کر کے ملک کے بیشمار حصے کر دیگا

حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کو ملکی مفاد کے علاوہ ہمدردی ملت نے بھی مجبور کر دیا تھا کہ وہ قصر وزارت سے باہر نکل کر دہلی کے گلیوں اور کوچوں میں پہنچیں جگہ جگہ تقریریں کر کے امن کو بحال کرنے کی کوشش کریں اور مسلمانوں کے دماغوں سے خوف و ہراس اور سراسیمگی کو دور کریں

ان بزرگوں اور رہنماؤں کے علاوہ کانگریس کے ہندو نوجوان اور کانگریسی کارکنوں کو کانگریس اصول کے احترام نے مجبور کر دیا تھا کہ وہ ترقی ملک کو تباہ کر دینے والے سیلاب کا مقابلہ پوری گرمجوشی سے کریں۔

مختصر یہ کہ مہاتما گاندھی آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند اور مولانا ابو الکلام صاحب آزاد کے مخلصانہ جذبات اور سچی ہمدردی نے جمعیۃ علماء اور کانگریس کے کارکنوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) صاحب کے رفیق رہ چکے ہیں۔ اور ہمیشہ ایک قوم پرور کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ (۲) جناب محترم حافظ حاجی محمد نسیم صاحب سوداگر چرم احاطہ کالے صاحب۔ آپنے اپنی خدمات کے ساتھ اپنی موٹر کار بھی ریلیف کے کاموں میں مصروف کر رکھی تھی۔

ایک جماعت کو منظم کردیا۔ اور اس جماعت نے ان مقاصد کے لئے اپنی پوری پوری جدوجہد وقف کردی جو کچھ عرصہ بعد مہاتما گاندھی کا مشن قرار پاگئے یعنی

(۱) انڈین یونین سے فرقہ واریت کو ختم کرکے آپس کے میل ملاپ اور پریم و محبت کی مضبوط بنیاد ڈالی جائے۔

(۲) امن کو باقی رکھنے کے لئے سرفروشانہ جدوجہد کی جائے اور اس مقصد کے لئے اپنی جان تک سے دریغ نہ کیا جائے۔

(۳) پاکستان اور انڈیا میں ایسی فضا پیدا کی جائے کہ وطن کو چھوڑنے والے اپنے اپنے وطنوں میں واپس ہوں۔[1]

(۴) ترک وطن کے بزدلانہ مرض کو دور کیا جائے اور ہر شخص میں وہ قوت اور وہ اعتماد پیدا کیا جائے کہ سخت سے سخت حالات میں بھی وہ ترک وطن پر آمادہ نہ ہو۔

(۵) موقع دیا جائے کہ انڈین یونین میں عموماً اور دہلی[2] میں خصوصاً مسلمان باعزت زندگی بسر کرسکیں اور آزادی سے اپنے مذہبی[3] مراسم ادا کرسکیں۔

---

[1] گاندھی جی کی وصیت پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کو یہی تھی کہ ترک وطن پر موت کو ترجیح دیں اور یہی پیغام لے کر وہ دو مرتبہ پانی پت کے مسلمانوں کے پاس پہنچے اور گھاسیڑہ ضلع گوڑگانوہ پہنچ کر میو قوم کے ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کو بھی یہی وصیت کی۔

[2] دہلی میں مسلمانوں کے قیام و بقا کے لئے مسلم علاقے مقرر کرائے کہ ان علاقوں میں کوئی غیر مسلم آباد ہونے کی کوشش نہ کرے۔

[3] شہر دہلی سے تمام مسلمان فساد کے زمانہ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مزار چھوڑ کر دہلی چلے آئے تھے۔ جب عرس کا زمانہ آیا تو مہاتما گاندھی نے عرس کے انتظامات کرائے اور عرس کے روز ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو خود مزار پر حاضر ہوئے اور فاتحہ کے مراسم میں شرکت کی۔

اراکین جمعیۃ علماء کی امدادی خدمات

اس خلفشار اور بربادی و تباہی کے پُرآشوب دور میں قدرتی طور پر خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور پھر رہنمایان جمعیۃ علماء کی حسن تدبیر اور مخلصانہ جد وجہد کی بدولت قوم پرور مسلمانوں کو با اقتدار ارباب حکومت کے حلقہ میں جو اعتماد حاصل ہو گیا تھا۔ اس کے بموجب خدمت خلق کا فریضہ بھی ان پر زیادہ اہمیت کے ساتھ عائد ہو رہا تھا۔ چنانچہ ان اہم مختلف ضرورتوں کی انجام دہی کے لئے سنٹرل مسلم ریلیف کمیٹی قائم کی اور اس کے مختلف شعبے اور ہر شعبے کے کارکن اور انچارج مقرر کر دیئے گئے۔

(۱) فسادات کے طوفانی دور میں جو مسلمان کسی مقام پر گھر جاتے تھے ان کو وہاں سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچانا سب سے مقدم اور سب سے اہم کام تھا۔

اس پُرخطر خدمت کے انچارج خود حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب تھے۔ جس کو اپنے مخلص رفقاء کے تعاون سے انجام دیتے۔ اس سلسلہ میں حکومت سے بھی ٹرک اور فوجی لاریاں حاصل کی جاتیں۔

اور اگر صاحب استطاعت دولتمند حضرات جمعیۃ علماء کے لئے کچھ ٹرک مہیا کر دیتے تو یہ خدمت اس سے بھی زیادہ وسیع پیمانہ پر انجام دی جا سکتی تھی اور بہت سی جانیں محفوظ کی جا سکتی تھیں۔ مگر افسوس ایسا نہ ہوا۔ تاہم خدا کا شکر ہے کہ آج اس بے لاگ اور پر خلوص مگر پر خطر خدمت کی بدولت دہلی میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ مسلمان نظر آتے ہیں

طوفانی دور کے بعد جب ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں آمد و رفت شروع ہو گئی تھی اور صرف اکا دکا حملوں کا سلسلہ باقی رہ گیا تھا، تو اس خدمت نے دوسری شکل اختیار کر لی۔ مثلاً خبر زنی یا فائر کے متعدد واقعات بیک وقت ہو گئے اور شہر میں کرفیو نافذ کر دیا

؎ مقصد کتاب کے پیش نظر اس موقعہ پر صرف جمعیۃ علماء کی خدمات کو سپرد قلم کیا گیا ہے۔ اس ہولناک

گیا تو ایک محلے کے باشندے دوسرے محلے میں گھر جاتے تھے اور چونکہ خونریزی کے
واقعات اس روز ہو چکے ہوتے تھے تو ہر شخص اپنے عزیز کی طرف سے پریشان رہتا تھا
ایسی صورت میں جمعیۃ علماء کے کارکن کرفیو پاس حاصل کرتے اور پولیس سے یا کسی اور
ذریعہ سے ٹرک حاصل کرکے ہر شخص کو اُس کے محلے میں پہونچاتے

(۲) ہمایوں کے مقبرہ میں پناہ گزینوں کا کیمپ جمعیۃ علماء نے قائم کیا تھا جامعہ ملیہ
کا اشتراک اور تعاون اس کو حاصل تھا۔ اور اس کی نگرانی جمعیۃ علماء کے اکابر اور اُن کے
علاوہ شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے سپرد تھی۔ اس کیمپ میں ضروریات کی فراہمی
خدمات کا دوسرا شعبہ تھا جو جمعیۃ اور جامعہ ملیہ کے حلقوں کے کارکنان کے سپرد تھا۔

(۳) تاراج شدہ مال اور جائداد کے متعلق قانونی چارہ جوئی خدمات کا تیسرا شعبہ
تھا۔ وکلاء[1] کی ایک کمیٹی اس خدمت کی ذمہ دار تھی جو اس وقت بھی کسٹوڈین کے محکمہ
اور فوجداری کیس کے مقدمات کی پیروی جمعیۃ کی جانب سے کرتی ہے۔ بیسیوں بے کس
و بے بس بندگانِ خدا اس شعبہ کی خدمات کی بدولت پھانسی کے تختہ سے آزاد ہو کر از سر
نو زندگی حاصل کر چکے ہیں۔

(۴) مسلم علاقوں کی حفاظت ایک نہایت پیچیدہ اور نازک کام تھا۔ اس کی تفسیر
یہ ہے کہ جس تیزی سے شرنارتھیوں کا ہجوم مسلم محلوں پر قبضہ کر رہا تھا اتنی ہی تیزی سے
مسلمان اپنے محلوں اور مکانات کو خالی کرتے جارہے تھے اگر یہ سلسلہ باقی رہتا تو دس
پندرہ روز میں تمام دہلی مسلمانوں سے خالی ہو جاتی اور کسی مسلمان کے بچہ کا بھی دہلی میں
نام و نشان نہ رہتا۔

[1] مسٹر سلطان یار خاں صاحب وکیل رکن صوبہ جمعیۃ علماء دہلی ــــ اس کے بیٹے ہیں ــ آپ

جب مہاتما گاندھی اور وزیر اعظم حکومت ہند اور دوسرے صاف دماغ نیک دل ذمہ داران حکومت کو یہ صورت سمجھائی گئی تو ان حضرات نے کچھ حلقے مقرر کر دیئے کہ ان حلقوں میں اگر مسلمانوں کے مکانات خالی بھی ہوں تب بھی کسی غیر مسلم کو کسٹوڈین کی طرف سے یہ مکان نہ دیا جائیگا - بلکہ کسی مسلمان کو اس مکان میں آباد کیا جائیگا ورنہ خالی رکھا جائیگا۔

یہ سیدھی سادھی اسکیم جس پر امن و اعتدال کے زمانہ میں لوگ تعجب کیا کریں گے اس وقت تین طاقتوں سے متصادم ہو رہی تھی۔

ایک طرف وہ لاکھوں پناہ گزیں تھے جو بیوی بچوں کو لئے ہوئے پلیٹ فارموں، فٹ پاتھ یا چٹائیوں سے چھپاتے ہوئے جھونپڑوں میں سردی اور بارش کی مصیبتیں برداشت کر رہے تھے - اور جو بسا اوقات اپنی زندگی پر موت کو ترجیح دے کر ہر طاقت سے ٹکرانے پر آمادہ ہو جاتے تھے -

انسانی ہمدردی بھی پولیس کی شدت اور کرختگی کو ان کے حق میں نرم کر دیتی تھی اس کے علاوہ ۹۵ فیصدی پولیس ان پناہ گزینوں سے قرابت، دوستی یا وطنیت کا رشتہ رکھتی تھی -

دوسری جانب وہ خود غرض مسلمان تھے - جو خفیہ طور پر اپنے مکانات کا سودا ان پناہ گزینوں سے کر لیتے تھے - اور پگڑی کی معقول رقم وصول کر لیتے تھے -

تیسری جانب وہ خوف زدہ مسلمان تھے جو کسی شرنارتھی کا محلہ میں آجانا سب سے بڑا خطرہ تصور کرتے تھے - اور خنجر زنی اور فائر وغیرہ کے رات دن کے واقعات نے ان کے خوف کو صحیح ثابت کر دیا تھا۔

جمعیۃ علماء کے کارکنوں کو ان تمام متصادم جذبات کی پیچیدگیوں کو حل کرنا پڑتا تھا

شب و روز بیشمار واقعات پیش آتے تھے کہ کسی خالی مکان کی نشان دہی کسی خود غرض دلال نے کر دی۔ یا طامع اور حریص مکاندار نے کچھ رقم لے کر خود رہنمائی کر دی اب ایک شرنارتھی خالی مکان پر پوری سینہ زوری سے کرپان یا تلوار دکھا کر قبضہ کر رہا ہے۔ آس پاس کے مسلمان جمعیۃ کے دفتر میں دوڑے آرہے ہیں۔ جمعیۃ علماء کے کارکن وہاں پہونچکر جس صورت سے بھی بن پڑتا ہے۔ خوشامد درآمد کر کے یا پولیس کو اُس کا فرض مناسب انداز سے جتلا کر ان کی امداد کرتے اور ان کو اپنی جگہ قایم رکھنے کی جدوجہد کرتے

اُن خاص حضرات کے علاوہ جو اس خدمت پر مامور تھے حلقہ وار جمعیتوں کے صدر اور ناظم صاحبان بھی اپنے اپنے حلقہ میں اس خدمت کے ذمہ دار تھے۔

لیکن جمعیۃ علماء کے ذمہ دار اکابر مسلمانوں کی ہمدردی کے ساتھ شرنارتھیوں کی پریشانی کا بھی پورا احساس رکھتے تھے اور اگر ایک طرف مسلمانوں کی لاچارگی اور سراسیمگی ان کے جگر کو خون کر رہی تھی تو دوسری طرف شرنارتھی بھائیوں کی مصیبت اور پریشانی بھی ان کو خون کے آنسو رُلاتی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہیں کمیٹی کے ارکان کی حیثیت سے شرنارتھیوں کی مختلف مصیبتوں کے حل کرنے میں پیش پیش رہتے تھے مخلص کارکنان کانگریس کے ہمنوا ہو کر ان حضرات نے مہاتما گاندھی کو بھی توجہ دلائی۔ ارکانِ حکومت پر بھی پورا زور ڈالا کہ بے پناہ شرنارتھیوں کی پناہ کے لئے مکانات بنوائے جائیں۔

وہ سرکاری بارکیں یا کوارٹر جو زمانۂ جنگ کے بعد خالی ہو گئے تھے ان کو معلوم کر کے اربابِ حکومت کو بار بار اصرار کے ذریعہ مجبور کیا کہ ان پناہ گزینوں کو وہاں آباد

کیا جائے۔ چنانچہ پناہ گزینوں کی ایک اچھی تعداد اس طرح پر آنند پربت اور بیلارڈ روڈ وغیرہ پر آباد کر دی گئی۔ مگر ساڑھے چار لاکھ پناہ گزینوں کیلئے نہ ایں گنجائش تھی اور نہ اب تک حکومت ان کے لئے پوری طرح انتظام کر سکی ہے اور یہ معاملہ آج تک حکومت کے لئے حد درجہ نازک بنا ہوا ہے۔ البتہ خدا کا شکر ہے کہ شرنارتھیوں کے رویہ میں بہت کافی تبدیلی ہو گئی ہے اور مسلمانوں کا خوف و ہراس بھی اب تقریباً زائل ہو چکا ہے اور اب ممکن ہو گیا ہے کہ مسلم حلقوں کی قیود میں تخفیف کر دی جائے۔ چنانچہ کارکنان جمعیۃ کے فریضہ میں بھی قدرتی طور پر تخفیف ہو گئی ہے اور اب جدوجہد یہ ہے کہ جو وحشت اور بے اعتمادی باقی رہ گئی ہے وہ بھی ختم کر دی جائے۔ اور ایک دوسرے کے تعلقات خوشگوار اور زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو جائیں۔ اور ملی جلی آبادی میں باہمی میل جول کی روح پیدا کی جائے۔

دہشت انگیزی، خنجر زنی اور ناجائز قبضہ کے دور میں حکومت نے محسوس کیا کہ جماعتوں کے چند ذمہ دار اور بعض معززین شہر کو اسپیشل مجسٹریٹ بنایا جائے نوجوانوں کی اسپیشل پولیس بنائی جائے تاکہ قیام امن میں سہولت ہو سکے۔ اس سلسلہ میں بھی دوسرے حضرات کے علاوہ جمعیۃ علماء کی خدمات خاص طور پر حاصل کی گئیں۔ ان ذمہ دار حضرات اور نوجوانوں کی مخلصانہ خدمات قیام امن میں بہت زیادہ مفید ثابت ہوئیں۔

تقریباً چھ ماہ تک مسلمانوں کا قبرستان میں جانا بھی خطرہ سے خالی نہیں تھا مذکورہ بالا ... نوجوانوں . . . . کا ایک کام یہ بھی تھا کہ میتوں کے وارث دفتر جمعیۃ علماء میں آتے اور ان بندوق بردار رضاکاروں کو ساتھ لیکر قبرستان جاتے۔

(۶) پہاڑ گنج۔ سبزی منڈی وغیرہ کے مسلمان ایسے نازک حالات میں اپنے گھروں سے نکلے تھے کہ بدن کے کپڑوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ ان کا تمام سامان اور اسباب ان کے پیچھے لوٹ لیا گیا۔ مکانوں کے فرش اُکھاڑ کر زمین میں گڑے ہوئے خزانے بھی غضب کر لئے گئے۔ مگر تاہم وہ لوگ بھی تھے جن کا مال و اسباب یا دفینہ محفوظ رہ گیا تھا اور کسی وجہ سے لوٹنے والوں کے ہاتھ نہ لگ سکا تھا۔ جمعیۃ کے ماتحت سنٹرل مسلم ریلیف کمیٹی کے انچارج مالک کے ہمراہ پولیس فورس کے ذریعہ اس کو حاصل کرکے مالک کے حوالہ کر دیتے تھے۔

(۷) ان تباہ شدہ ننگے بھوکے مسلمانوں کی مالی امداد بھی ایک اہم ترین خدمت تھی۔ اہلِ خیر حضرات کی اعانت سے جمعیۃ علماء ہند نے اس خدمت کو بھی انجام دیا۔ حسب ضرورت کپڑے دیئے گئے۔ نقد امداد بھی کی گئی اور سردیوں کے موسم میں کمبل لحاف وغیرہ بھی بڑی تعداد میں تقسیم کئے گئے اور اس طرح مصیبت زدہ بے کس مسلم پناہ گزینوں کو مصیبت سے نجات دلانے کی سعی کی گئی۔

(۸) مشرقی مغربی پنجاب اور دہلی کے قیامت انگیز ہنگاموں میں ہزاروں عورتیں اغوا کی مصیبت میں مبتلا ہوئیں۔

ماں باپ اعزا اور اقربا قتل ہوئے اور یہ بیکس ولاوارث ستم رسیدہ وحشی انسانوں کی ہوا پرستیوں کا تختۂ مشق بنیں۔

ہزاروں ماں باپ اپنی معصوم بچیوں کو تلاش کر رہے تھے۔ ہزاروں شوہر اپنی رفیقۂ حیات کے دردناک فراق کا صدمہ برداشت کر رہے تھے اور وہ ستم رسیدہ خواتین جبر و قہر کے شکنجوں میں بے بس اور لاچار تھیں۔ چند ماہ بعد ان مظلوموں کی خاموش کراہ پاکستان اور انڈین یونین کے ذمہ داران حکومت کے کانوں تک پہنچی پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم حکومت ہند۔ لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن دگورنر جنرل انڈین یونین اور نواب زادہ لیاقت علی خاں (وزیر اعظم حکومت پاکستان) نے اس طرف خاص توجہ منعطف کی۔ پاکستان اور انڈین یونین میں ایسے اداروں اور ایسی جماعتوں کے کارکنوں کے لئے سہولتیں مہیا کی گئیں کہ وہ اغوا شدہ لڑکیوں کو برآمد کر سکیں۔ مثلاً جمعیۃ علماء کے چند کارکنوں کو پروانے (اتھارٹی لیٹر) دیدیئے گئے تھے۔ جن میں ان کے فوٹو کے ذریعہ ان کا تعارف کرایا گیا تھا اور حکام پولیس کو ہدایت کی گئی تھی کہ حسب ضرورت ان کی امداد کریں۔

انڈین یونین میں محترمہ رامیشوری نہرو اس سلسلہ کی انچارج تھیں۔ مگر افسوس ذرائع سراغ رسانی کے فقدان کے باعث اور کچھ دوسری وجوہات کی بنا پر خاطر خواہ کامیابی نہ پاکستان میں ہو سکی نہ انڈین یونین میں۔ اس سلسلہ میں عجیب وغریب و عبرت انگیز واقعات پیش آئے جن سے سوسائٹی کی کمزوریوں کا حسرتناک احساس ہوا۔ البتہ

بعض واقعات ایسے بھی ہیں جو اس زخم کے لئے مرہم کا کام کرتے ہیں۔ایک واقعہ بطور مثال درج ذیل ہے۔

ایک پیکر شرم و حیا قرآن حکیم ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔ایک جفاکار تلوار کو جھکاتا ہوا ہدایت کرتا ہے "قرآن کو پھینکدے" معصوم بچی کی پیشانی پر شکن پڑجاتی ہے۔ تیز تیز نگاہوں سے اُسکی طرف گھورتی ہے اور قرآن حکیم و فرقان حمید کو سینہ سے لگالیتی ہے۔ستمگر وحشی کا خنجر آبدار حرکت کرتا ہے اور اس مجسمہ ایمان و استقامت کا سر گردن سے جدا کردیتا ہے۔ افاض اللہ علیہا شآبیب رضوانہ

خدا جانے اس قسم کے کتنے واقعات پیش آئے ہوں گے۔لیکن افسوس فلک کج رفتار کے دست جفا شعار نے ان کا نام و نشان اس طرح مٹا دیا کہ مورّخ کی جستجو اب تک سعی لاحاصل رہی اور غالباً آئندہ بھی کامیاب نہ ہوگی۔

(۹) مساجد کی واگذاری

قرولباغ۔سبزی منڈی۔پہاڑ گنج اور نئی دہلی کی مساجد جہاں مسلمان نہیں رہے تھے ان میں غیر مسلم شرنارتھیوں نے بود و باش شروع کردی۔بہت سے وہ بھی تھے جو مسجد کو مستحق احترام سمجھتے تھے۔لیکن فٹ پاتھ۔یا ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم کے مقابلہ میں سر چھپانے کے لئے ان لوگوں نے مسجد کو غنیمت سمجھا اور وہیں ڈیرا ڈال دیا تھا۔

مہاتما گاندھی نے جب اس پر احتجاج کیا تو ان کے برت کے زمانے میں ایک کمیٹی بنائی گئی اور طے کیا گیا کہ ان لوگوں کے لئے تیس ہزاری کے میدان میں کیمپ بنائے جائیں۔چنانچہ کمیٹی کے ارکان شرنارتھیوں کو مسجد خالی کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور ان کیمپوں میں آباد کرتے تھے۔

اس کمیٹی کے انچارج مسٹر مہرچند کھنہ تھے جو صوبہ سرحد کی ڈاکٹر خان منسٹری کے ایک رکن رہ چکے تھے۔

تقریباً ساڑھے تین سو مساجد پر شرنارتھیوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اب صرف ایک سو پانچ مسجدیں باقی رہ گئی ہیں۔ ان کی واگذاری کی کوشش جاری ہے۔

مہاتما گاندھی کا برت

بلوائیوں کا وہ ہجوم جو سیلاب کی شکل اختیار کئے ہوئے تھا۔ ستمبر کے آخر میں ختم ہوگیا تھا۔ لیکن ہنگامی یا انفرادی حملوں کا سلسلہ ایک دائمی مرض بن گیا تھا۔

ایک روز جل بنگش کے قریب ایک مکان میں گھس گئے۔ محلہ کے مسلمانوں نے مداخلت کی۔ فریقین کے چند آدمی زخمی ہوئے۔ مگر فوراً شہر میں یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ تین ہندو قتل کردیئے گئے۔ اور دو لاپتہ ہیں۔ اس افواہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں پر جگہ جگہ حملے شروع کردیئے گئے۔ فتحپوری کے قریب سات آٹھ مسلمان مجروح اور مقتول ہوئے۔

اسی طرح دفعتاً صدر بازار میں بم پھینکا گیا اور اس سے پورے حلقہ میں اضطراب پھیل گیا۔

ایک روز شرنارتھی عورتوں کا ایک ہجوم پھاٹک حبش خاں کے مکانوں میں گھس گیا۔ پیچھے پیچھے ان کے مردوں نے دوکانوں کے تالے توڑنے اور مکانات پر قبضہ کرنا شروع کردیا۔ فوراً سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ پولیس کا دستہ لے کر پہنچے۔ اسپیشل پولیس نیز جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے ذمہ دار حضرات بھی وہاں پہنچ گئے۔ پانچ چھ گھنٹے کی جدوجہد کے بعد کچھ قابو پایا گیا۔ مگر بس

محلّہ کے حالات تقریباً ایک ہفتہ بعد سکون پر آئے۔

۱۳ر جنوری کو ہمدردؔ[1] دواخانہ کے قریب ایک پنجابی نوجوان نے چند مسلمانوں پر جو ایک دوکان (بھارت پینٹنگ ہاؤس) میں بیٹھے ہوئے تھے ریوالور سے ۶ فائر کر دیئے۔ تین مسلمان[2] شہید اور ایک مجروح ہو گئے۔ اسی قسم کا ایک واقعہ اس سے دو ایک روز پہلے اسی مقام پر ہو چکا تھا۔

مال چھین لینے، دوکانوں کے تالے توڑ دینے وغیرہ کے واقعات روزمرہ کی عادت ہو گئے تھے۔ ان واقعات کے تسلسل نے رہنمایانِ جمیعۃ علماء ہند کو مجبور کیا کہ وہ ذمہ دارانِ حکومت سے فیصلہ کن بات چیت کریں کہ اگر نظم و نسق کی یہی صورت ہے تو دہلی کے باقی ماندہ مسلمانوں کو اجازت دی جائے کہ وہ کسی امن کی جگہ چلے جائیں۔ ذمہ دارانِ جمیعۃ علماء کی ملاقات ان واقعات کے سلسلہ میں گاندھی جی سے روزانہ ہوتی رہتی تھی۔ ایک روز حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنے رفقاء کی ترجمانی کرتے ہوئے مہاتما گاندھی سے اظہارِ خیال کیا۔

مہاتما گاندھی نے غالباً ۱۱ر دسمبر کو پنڈت جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، مولانا آزاد اور دوسرے ذمہ دارانِ حکومت کو اپنے یہاں طلب کیا۔ وفد جمیعۃ کے حضرات بھی تشریف لے گئے اور تمام پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔

---

[1] یہ مشہور دواخانہ بازار لال کنواں میں جمیعۃ علماء کے صدر دفتر کے قریب ہے۔ [2] انصار صاحب[1] شیر کوٹی مالک "پرنٹنگ ہاؤس" اخلاق صاحب[2] پرنٹر۔ نہال احمد[3] شہید ہوئے مجروح ہونے والے حاجی محمد یحییٰ صاحب منیجر ہمدرد دواخانہ تھے جو چند روز بعد شفایاب ہو گئے

۲۶، ۲۷ دسمبر کو لکھنؤ میں مسلمانانِ ہند کی کانفرنس مولانا آزادؔ کی زیر صدارت ہونیوالی تھی۔ مہاتما گاندھی نے تمام باتوں کو سننے کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا احمد سعید صاحب وغیرہ سے فرمایا کہ آپ حضرات اس کانفرنس میں شرکت کریں اور مجھے موقع دیں کہ میں کچھ دنوں حالات کا جائزہ لے سکوں۔

لکھنؤ کانفرنس کا زمانہ دہلی میں خیریت سے گذر گیا۔ لیکن دو ایک روز بعد پھر اس قسم کے واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جنوری کے پہلے ہفتہ میں ریلوے اسٹیشن دہلی پر بم پھٹا۔ مگر نشانہ کچھ ٹھیک نہیں بیٹھا اور وہ مسلمان عورتیں اور بچے بال بال بچ گئے جو بمبئی جانے کی غرض سے رات کو اسٹیشن پر جمع ہو گئے تھے اس سے چند روز بعد غالباً ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو تیس کے قریب مسلمان جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ بارہ ہندو راؤ سے مقبرہ ہمایوں جا رہے تھے۔ پہاڑ گنج کے قریب ان کا ٹرک فیل ہو گیا۔ فوراً ان پر حملہ کر دیا گیا اور ان کا تمام سامان و اسباب لوٹ لیا گیا۔ ان واقعات نے گاندھی جی کے حساس، انصاف پسند اور بہادر قلب پر خاص اثر کیا اور آپ نے کسی سے مشورہ کئے بغیر ایک پیغام لکھا جو ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء (دوشنبہ) کی شام کو پرارتھنا سبھا (عبادتی جلسہ) میں پڑھ کر سنایا گیا[1]۔

---

[1] چونکہ پیر کے روز گاندھی جی مرن برت رکھا کرتے تھے۔ لہٰذا اس تقریر کا کام تحریر سے لیا کرتے تھے۔

"ایک شخص صحت کی خاطر طبعی اصولوں کے ماتحت برت رکھتا ہے، یا ایک شخص اپنی کسی غلط کاری کی اصلاح کی خاطر برت رکھتا ہے اس قسم کے برت میں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ برت رکھنے والا اہنسا کا بھی قائل ہو۔ لیکن برت کی ایک اور قسم ہے جو اہنسا پر یقین رکھنے والا رکھتا ہے اور یہ برت اس وقت رکھا جاتا ہے جب اہنسا کا قائل سوسائٹی کی کسی غلطی کے خلاف آواز بلند کرنا چاہتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ سوائے اس کے اس کے پاس اور کوئی چارہ کار بھی نہیں رہا ہے۔ ایسا برت اس کے ارادہ پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ ایک اندرونی آواز ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

ایسا ہی ایک موقع میرے لئے بھی آگیا ہے۔ ۹ ستمبر کو میں کلکتہ سے دہلی آیا۔ میں مغربی پنجاب جانے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن میں نہیں جا سکا دہلی کا شہر مردوں کی سرزمین معلوم ہوتا تھا۔ جب میں ٹرین سے اترا تو میں نے ہر چہرہ پر اداسی اور مایوسی دیکھی۔ یہاں تک کہ سردار[1] جو ہمیشہ خوش رہتے ہیں اور جن کی خوش گپیاں دوسروں کو مسرور کرتی رہتی ہیں مغموم نظر آتے تھے۔

---

[1] آنریبل مسٹر پٹیل ہوم منسٹر۔

اس کا سبب مجھے معلوم نہیں تھا وہ پلیٹ فارم
پر میرا استقبال کرآئے تھے انھوں نے فوراً مجھے
فسادات کی اندوہناک کہانی سنائی میں نے
یہ سنتے ہی محسوس کیا کہ مجھے دہلی میں رہنا چاہئے
اور کچھ کرنا یا مر جانا چاہئے۔
پولیس اور فوج کے فوری اقدام سے حالات میں
سکون تو پیدا ہو گیا لیکن یہ محض عارضی تھا کیونکہ
دلوں میں طوفان تڑپ رہے ہیں جو کسی وقت بھی
پھٹ سکتے ہیں۔ ایسی صورت حال کے معنی یہ ہیں
کہ میں نے کچھ کرنے کا جو عہد کیا تھا اس کو پورا نہیں
کر سکا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہندو سکھ اور مسلمانوں میں دوستانہ
تعلقات پیدا ہو جائیں۔ کل کی سی بات ہے کہ ان میں دوستانہ
تعلقات موجود تھے۔ لیکن آج ان کا کوئی تذکرہ بھی باقی نہیں ہے
اس صورت حال کو کوئی سچا محب وطن برداشت نہیں کر سکتا۔
اگرچہ اندرونی آواز اکثر مجھے اکساتی رہی۔ لیکن میں
اس سے گریز اس لئے کرتا رہا کہ کہیں یہ شیطان کی
آواز نہ ہو اور میری کمزوری کا باعث نہ بنجائے۔
میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں یہ محسوس کروں کہ
میں بے بس ہو گیا اور میرے تمام ذرائع ختم ہو گئے۔

کیونکہ ایک سچا ستیہ گرہی کبھی لاچار اور بے بس
نہیں ہوتا۔ تلوار اور طاقت کے بجائے برت آخری
طریق کار ہے، جو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

روزانہ مسلمان دوست[۱] مجھ سے ملتے ہیں اور پوچھتے
ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ میں ان کو کوئی جواب
نہیں دے سکتا۔ عرصہ سے میں اپنی کمزوری اور بے
بسی کو محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ
جوں ہی میں برت شروع کر دوں گا یہ کمزوری اور
احساسِ لاچاری جاتا رہے گا۔ گذشتہ تین دن
سے میں اس پر غور کر رہا ہوں۔ میں نے آخری فیصلہ
کر لیا۔ لیکن یہ فیصلہ یکایک مجھ پر ظاہر ہوا اور میں
خوش ہوں۔ ایک نیک اور ایماندار شخص کے
پاس جان ہی سب سے زیادہ قیمتی چیز ہوتی ہے جسکو
وہ کسی مقصد کے لئے دے سکتا ہے۔ میں امید
کرتا ہوں اور میں دعا کرتا ہوں کہ میری نیکی میرے
اس اقدام کی تصدیق کرے گی۔ میں آپ سب
سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنی برکتوں سے مجھے

---

[۱] حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب حضرت مولانا احمد سعید صاحب اور
اُن کے رفقاء مراد ہیں۔

مالا مال کریں اور میرے لئے اور میرے ساتھ دعا کریں۔

میرا برت منگل کے دن پہلے کھانے کے بعد سے شروع ہوگا، اس کی مدت غیر محدود ہے۔ دوران برت میں میں پانی نمک ملا ہوا یا بغیر نمک کا یا لیموں کا پانی وغیرہ پیتا رہوں گا۔ میں اس برت کو اس وقت ختم کروں گا جب مجھے اس کا یقین ہوجائے گا کہ تمام فرقوں کے دلوں میں اتحاد پیدا ہو گیا۔ لیکن یہ اتحاد کسی بیرونی اثر کے ماتحت نہیں، بلکہ اپنے ذاتی جذبہ کے ماتحت ہونا چاہئے۔

اس کا انعام یہ ہوگا کہ ہندوستان اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرے گا۔ اور اس طرح ہندوستان ایشیا پر اپنی سیادت از سر نو قائم کر سکے گا، جس کو وہ اس وقت تیزی سے ضائع کر رہا ہے اور اس طرح اس کو تمام دنیا پر سیادت حاصل ہو سکے گی۔ مجھے اس کا یقین ہے کہ اگر ہندوستان کسی حیثیت سے ختم ہو گیا تو مصیبت زدہ اور بھوکی دنیا بھی ختم ہوجائے گی۔ میرے کسی دوست یا دشمن کو (اگرچہ کوئی ہو) مجھ سے ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے لوگ موجود ہیں جو برت کے ذریعہ انسان کے دل و دماغ کو بدل دینے کے طریقہ پر اعتقاد نہیں رکھتے لیکن مجھے امید ہے کہ عمل کی وہی آزادی جو وہ اپنے

لئے طلب کرتے ہیں مجھے بھی عطا کریں گے ۔

خدا میرا سب سے بڑا مشیر ہے اور یہ میں نے محسوس کرلیا ہے کہ مجھے سوائے خدا کے اور کسی دوسرے کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اگر میں نے کوئی غلطی کی ہے اور مجھ کو اس کا احساس ہوگیا تو میں بیانگ دہل اپنی غلطی کا اعتراف کروں گا اور اپنے غلط قدم کی اصلاح میں کوئی پس و پیش نہیں کروں گا ۔ لیکن فی الحال کوئی ایسی توقع نہیں ہے کہ میں یہ محسوس کروں کہ میں نے کوئی غلطی کی ہے ۔ کیونکہ میں اس اقدام کو ایمانداری سے کوئی غلطی ہی محسوس نہیں کرتا ۔ میں عقلی اور نقلی دلائل کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ۔ اگر تمام ہندوستان اس برت سے متاثر ہو یا کم از کم دہلی پر ہی اس کا مناسب اثر مرتب ہو ۔ تو میں برت ختم کردوں گا ۔

لیکن مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں ہے کہ برت جلد ختم ہوگا یا دیر میں یا کبھی ختم ہی نہیں ہوگا ۔ البتہ ضرورت امر کی ہے کہ موجودہ نازک صورتِ حال کا انسداد ہو اس میں کسی اور رعایت کی ضرورت نہیں ہے ۔

میرے گذشتہ برتوں پر یہ تنقید کی گئی ہے کہ برت رکھنے سے میرا مقصد ایک قسم کا جبر کرنا ہوتا ہے ۔ یہ بھی کہا گیا

تھا کہ اگر میں برت رکھ کر مجبور نہ کر دیتا تو عوام کا فیصلہ
یقیناً میرے خلاف ہی ہوتا۔ لیکن جب کہ مقصد شریفانہ
ہو تو مخالفانہ فیصلہ کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔ ایک
تجارت فرض کی طرح خود ہی اپنا انعام ہے۔ میں یہ
برت ان نتائج کے لئے نہیں رکھ رہا جو یہ پیدا کر سکتا
ہے بلکہ میں یہ برت اس لئے رکھتا ہوں کہ مجھے ایسا کرنا
ہی چاہیئے۔ اس لئے میں ہر شخص سے یہ مطالبہ کرتا
ہوں کہ وہ میرے مقصد کو صحیح طور پر جانچنے کی کوشش
کرے اور اگر مجھے مرنا ہے تو امن و شانتی سے مرنے
دے۔ موت میرے لئے ایک شاندار نجات ثابت ہوگی
کیونکہ میں ہندوستان میں ہندو ازم سکھ ازم اور
اسلام کی تباہی دیکھنے کے بجائے مرجانا پسند کرتا ہوں۔
اگر پاکستان بلا لحاظ مذہب و ملت جان و مال کی حفاظت
نہیں کرتا اور مساوی درجہ عطا نہیں کرتا اور اگر ہندوستان
پاکستان کی نقل کرتا ہے تو تباہی یقینی ہے۔ اسلام
ہندوستان میں فنا ہو جائے گا۔ دنیا میں نہیں۔
البتہ ہندو ازم اور سکھ ازم جو ہندوستان کے علاوہ
کہیں اور ہیں ہی نہیں وہ بالکل ہی فنا ہو جائیں گے۔
جو لوگ میرے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں ان کی تعریف

کرتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں اور میرے
فیصلوں کی مزاحمت کرتے ہیں ۔ مجھے برت رکھ کر اپنے ضمیر
کو جِلا دینے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ مردہ نہ ہو جائے ۔

اس تباہی پر غور کیجئے جس کا سامنا اس وقت ہندوستان
کو کرنا پڑ رہا ہے اور آپ محسوس کریں گے کہ کم از کم ہندوستان
کا ایک فرزند ایسا ہے جو اتنا طاقتور اور مخلص ہے کہ وہ اپنے وطن
کی خاطر ایسا اقدام بھی کر سکتا ہے اگر وہ طاقتور اور مخلص نہیں ہے
تو وہ پھر ایک زمین پر بوجھ ہے اور جس قدر جلد وہ فنا ہو جائے
اتنا ہی اچھا ہے ۔ اس کی فنا ہندوستان کے لئے ہی نہیں بلکہ
دوسروں کے لئے بھی اچھی ثابت ہوگی ۔

میں اپنے دوستوں سے درخواست کروں گا کہ وہ میرے
پاس نہ آئیں ۔ نہ مجھے اپنے فیصلہ سے باز رکھنے کی کوشش
کریں نہ میرے لئے متفکر ہوں ۔ کیونکہ میری زندگی خدا کے ہاتھ
میں ہے ۔ اس کی بجائے انھیں اپنے اندر روشنی کی تلاش کرنا
چاہیئے ۔ کیونکہ موجودہ وقت ہمارے لئے امتحان کی گھڑی ہے ۔
جو لوگ اپنے فرض کو سمجھتے ہیں اور اس کو محنت سے اچھی طرح انجام
دیتے ہیں وہ میری اس شریفانہ مقصد کی زیادہ امداد کر سکتے
ہیں ۔ برت رکھنا تزکیۂ نفس کا ایک طریقہ ہے ۔

اس کے بعد آپ نے کانگریس کے کارکنوں کو چند نصیحتیں فرمائیں اور کانگریسی کارکنوں کی

اخلاقی پستی کے متعلق جو شکایتیں موصول ہوئی تھیں اس پر تنبیہ فرمائی۔

مہاتما گاندھی کے برت نے امن پسند اور صلح جو طاقتوں میں حرکت عمل پیدا کر دی اور اگرچہ فساد پسند جماعتوں کی جدوجہد اب بھی یہی رہی کہ فضا میں جس طرح بھی ہو تکدر پیدا کیا جائے۔ چنانچہ اگلے ہی روز جمعیۃ علماء کے دفتر کے قریب ریوالور سے فائر کر کے تین مسلمانوں کو ختم اور ایک کو زخمی کر دیا۔ اسی طرح کشمیری گیٹ کی طرف ریوالور سے ایک بہت بڑے سوداگر کے نوجوان لڑکے پر فائر کیا گیا جو خوش قسمتی سے بال بال بچ گیا۔

لیکن دو تین روز بعد ہی یہ تمام فساد انگیز جراثیم دب گئے اور امن پسند عناصر ابھر آئے۔ اور مہاتما گاندھی کو آئندہ کے لئے اطمینان دلانے کی صورتیں تجویز کی جانے لگیں۔

برت سے تیسرے روز مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے ہندو، سکھ اور مسلمان لیڈروں کا ایک اجتماع کر کے تبادلۂ خیالات کیا۔ پھر اس قسم کے اجتماع روزانہ ہوتے رہے بالآخر یہ خدمت مولانا آزاد کے سپرد کی گئی کہ وہ مہاتما گاندھی سے وہ شرائط معلوم کریں جن پر وہ اپنا برت کھول سکیں۔ چنانچہ ۱۸ر جنوری کو شام کے چار بجے جامع مسجد کے سامنے آزاد پارک میں ایک عام جلسہ منعقد ہوا جس میں ایک لاکھ سے زائد باشندگان دہلی نے شرکت کی۔ اس اجتماع عظیم میں مولانا آزاد نے اعلان کیا کہ گاندھی جی نے برت توڑنے کی سات شرطیں رکھی ہیں۔

(۱) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ کے مزار مبارک پر جو سالانہ عرس ہوتا ہے اور جس کی تاریخ عنقریب ہے وہ منعقد ہو اور مسلمانوں کو بلاخوف اس

میں شرکت کا موقع دیا جائے۔

(۲) وہ مسجدیں خالی کر دی جائیں جن میں لوگوں نے سکونت اختیار کر لی ہے یا ان کو مندر بنا لیا ہے۔

(۳) مسلمانوں کو دہلی میں نقل و حرکت کی پوری آزادی ہونی چاہیئے۔

(۴) دہلی کے مسلمان جو خوف سے پاکستان چلے گئے ہیں اگر واپس آنا چاہیں تو ان کو واپسی کی اجازت دی جائے۔ اور ان کے مکان پندرہ روز کے اندر اندر خالی کر دیئے جائیں

(۵) مسلمانوں کو ریلوں میں بحفاظت سفر کرنے دیا جائے۔

(۶) مسلمانوں کا اقتصادی بائیکاٹ بند ہو۔

(۷) دہلی میں جو مسلم زون (مسلم علاقے مقرر کر دیئے ہیں) انہیں مداخلت نہ کی جائے

مہاتما گاندھی نے یہ شرائط پیش کرتے ہوئے مولانا آزاد کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔

"آپ جلسہ میں اعلان کر دیں کہ کوئی شخص میرے برت کے دباؤ سے ان شرائط کو پورا کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اسی وقت انکو پورا کرے جب وہ یہ سمجھ لے کہ ایسا کرنا صداقت پر مبنی ہے۔

انھیں دنوں کا تذکرہ ہے کہ جب بابو راجندر پرشاد صاحب صدر کانگریس اور دوسرے ذمہ دار رہنما موجود تھے اور مہاتما گاندھی سے برت کھولنے کا اصرار کر رہے تھے تو آپ نے لیٹے لیٹے۔ رخ پھیر کر فرمایا کہ جمعیۃ علماء کے "مولانا، صاحبان کہاں ہیں جب تک وہ نہ کہیں گے میں برت نہ توڑوں گا تب حضرت مولانا احمد سعید صاحب حافظ نسیم صاحب جعفری صاحب (ارکان جمعیۃ) کی طرف سے ترجمانی کرتے ہوئے حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب نے فرمایا! مہاتما جی! گو حالات ابھی پوری طرح درست نہیں ہوئے تاہم آپ کی

اس عظیم الشان قربانی سے روبا اصلاح ہو چلے ہیں ۔ اور فسادی عنصر کے مقابلہ میں صلح پسند عناصر ابھر آئے ہیں اور غلبہ پا رہے ہیں لہٰذا اب آپ برت کھول لیں کیونکہ آپ کی جان عزیز ہم سب کے لئے بہت قیمتی ہے ۔ یہ سنکر مہاتما گاندھی نے فرمایا میں آپ لوگوں کے بیان پر اعتماد کرتا ہوں ۔ لیکن اگر بعد میں یہ ثابت ہوا کہ مجھ کو دھوکا دیا گیا تھا تو پھر میں مرن برت رکھوں گا اور پھر کسی کی نہ سنوں گا میں یقین کروں گا کہ میں زمین پر ایک بار ہوں جسکو جلد ختم ہو جانا چاہیئے ۔"

پیس کمیٹی کا قیام اور امن و اتحاد کا عہدنامہ

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر اور شرائط کے اعلان کے بعد صدر کانگریس بابو راجندر پرشاد کی کوٹھی پر مختلف الخیال جماعتوں کے نمائندوں کا اہم اجلاس منعقد ہوا ۔ اس میں کانگریس کی صوبائی اور مرکزی جماعتوں کے نمائندے ہندو مہاسبھا جمعیۃ علماء سکھوں اور پناہ گزینوں کے ترجمان موجود تھے ۔

دہلی کی مقامی حکومت کی جانب سے ڈپٹی کمشنر مسٹر رندھاوا موجود تھے جلسہ میں بحث مباحثہ کے بعد ایک مسودہ باتفاق رائے منظور کیا گیا ۔ اس میں مہاتما جی کی ساتوں شرائط منظور کی گئیں ۔ سرحد، بلوچستان ، سندھ اور مغربی پنجاب کے پناہ گزینوں کے نمائندوں نے پرزور الفاظ میں یقین دلایا کہ وہ شرائط کے عمل درآمد میں اپنی جان کی بازی لگا دیں گے

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ایک مبسوط بیان کے دوران میں فرمایا کہ دہلی کے مسلمانوں کو اپنے پناہ گزین بھائیوں سے پوری ہمدردی ہے ۔ چنانچہ مسلم نمائندوں نے اس سلسلہ میں پوری جدوجہد کی اور ان ہی کی کوششوں اور تحریک سے پناہ گزینوں کے لئے انڈرپٹ میلارڈوڈ کی بارکوں اور پرانے قلعہ میں رہنے کا انتظام کیا گیا ۔

مسلمانوں نے حتی الوسع مسلم پناہ گزینوں سے پہلے اور زیادہ غیر مسلم پناہ گزینوں کی مدد کی کوشش کی۔ چنانچہ مسلمانوں نے ایک بڑی تعداد میں لحاف غیر مسلم پناہ گزینوں کے لئے گاندھی جی کو پیش کئے۔

سکھوں کے ایک کیمپ میں جو دیگیں وغیرہ استعمال کی جا رہی ہیں ان میں سے نصف جمعیۃ علماء نے اپنی طرف سے پیش کی ہیں۔

ہماری تو خواہش تھی کہ ہم پناہ گزینوں کے کیمپوں میں جا کر ان کی خدمت کا شرف حاصل کرتے اور ان کا غم اور درد مٹاتے۔ لیکن آج کل کی مسموم فضا میں ایسا ممکن نہ ہوا۔ ہم نے تیس برس تک اپنے برادران وطن کے ساتھ مل کر آزادی کی جدّوجہد کی ہے لیکن آج کی بے اعتمادی کی فضا میں یہ ممکن نہ رہا کہ ہم اپنے غیر مسلم پناہ گزین بھائیوں کے ساتھ مل کر بیٹھ سکیں۔

حضرت مولانا نے یقین دلایا کہ دہلی کے مسلمان اپنے غیر مسلم پناہ گزین بھائیوں کی مدد میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

بیانات اور تقریروں کے بعد عہد نامہ کا مندرجہ ذیل مسودہ پیش کیا گیا جس پر حاضرین نے دستخط کئے۔

راشٹریہ سیوک سنگھ اور پریس کے نمائندے اس وقت موجود نہ تھے ہندو مہاسبھا کے بھی صرف ایک ہی رکن موجود تھے۔ لہٰذا طے کیا گیا کہ صبح کو ۱۰ بجے ایک دوسرا اجتماع کیا جائے۔ جس میں اخبارات کے ایڈیٹروں، راشٹریہ سیوک سنگھ اور ہندو مہاسبھا کے نمائندوں کو خاص طور پر دعوت دی جائے اور پھر اگر یہ سب اس عہد نامہ کو تسلیم کر کے دستخط کر دیں تو فوراً مہاتما گاندھی کی خدمت میں حاضر ہو کر برت توڑ دینے کی درخواست پیش کی جائے۔ چنانچہ ۱۹ر جنوری ۱۹۴۸ء

۱۰ بجے صبح کو بابو راجندر پرشاد صاحب کی کوٹھی پر دوبارہ اجتماع ہوا۔ اور باقی ماندہ جماعتوں کے نمائندوں نے بھی اس میں شرکت کی۔ شب گذشتہ کا عہد نامہ ان کے سامنے پڑھا گیا۔ جملہ حاضرین نے عہد نامہ سے اتفاق کیا اور اس پر دستخط کر دیئے۔

عہد نامہ حسب ذیل تھا۔

ہم یہ اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہندو مسلمان اور سکھ اور دوسرے فرقوں کے لوگ پھر ایک بار دہلی میں بھائیوں کی طرح کامل آشتی سے رہیں۔ اور ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی جان، مال اور ایمان کی حفاظت کریں گے۔ اور جو واقعات دہلی میں ہو چکے ہیں ان کو پھر نہ ہونے دینگے۔

ہم گاندھی جی کو یقین دلاتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے مزار مبارک پر گذشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی سالانہ عرس ہوگا۔

''مسلمان'' سبزی منڈی۔ قرول باغ۔ پہاڑ گنج اور دوسرے علاقوں میں پہلے کی طرح چل پھر سکیں گے۔

مسلمانوں کی متروکہ مساجد جو اب ہندوؤں اور سکھوں کے قبضہ میں ہیں واگذار کر دی جائینگی۔ وہ علاقے جو مسلمانوں کے لئے مخصوص کئے جا چکے ہیں، ان پر بھی زبردستی قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی جائیگی۔

دہلی کے مسلمان جو یہاں سے ہجرت کر گئے ہیں اگر آنا چاہیں تو ہم معترض نہ ہوں گے۔ مسلمان پہلے کی طرح اپنا کاروبار جاری رکھ سکیں گے

ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہم یہ سب کام اپنی ذاتی کوششوں سے کرینگے نہ کہ پولس اور فوج کی مدد سے۔

ہم مہاتماجی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہم پر بھروسہ کریں اور برت توڑ دیں اور پہلے کی طرح ہماری قیادت کریں۔

برت کشائی کا جلسہ جب تمام جماعتوں کے نمائندے عہدنامہ پر دستخط کر چکے تو یہ سارا اجتماع برلا ہاؤس کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں مہاتما گاندھی مقیم تھے اور اس وقت کابینہ کے وزراء۔ پاکستان کے ہائی کمشنر اور پریس کے نمائندے اور فوٹوگرافر بھی پہنچ گئے تھے۔

صدر کانگریس بابو راجندر پرشاد نے دستخط کنندگان کی ترجمانی کرتے ہوئے عہدنامہ پڑھکر سنایا۔ اور اس بات کا اطمینان دلایا کہ عہدنامہ پر دستخط کرنیوالے ہر وقت حالات پر نظر رکھیں گے اور نہ صرف دہلی میں بلکہ پورے ہندوستان میں خوشگوار فضا پیدا کرنے کے ذمہ دار رہیں گے۔

گاندھی جی نے معاہدہ کرنے والوں کے عہدنامہ کا جواب دیتے ہوئے نہایت دھیمی اور کمزور آواز میں ٹھیر ٹھیر کر فرمایا۔

عہدنامہ پر راشٹریہ سیوک سنگھ اور ہندو مہاسبھا کے نمائندوں نے بھی دستخط کئے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ دہلی کے علاوہ دوسرے حصوں کے امن سے ہم غیر متعلق ہو جائیں۔ آپ نے اس امر کو نہایت وضاحت سے پیش کیا کہ اگر ملک کے دوسرے حصوں میں فرقہ وارانہ فساد ہوا اور اقلیت کا فرقہ اپنے آپ کو محفوظ خیال نہ کر سکے تو ہم ان حالات اور واقعات

سے غیر جانبدار نہیں رہ سکتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام واقعات کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ جیساکہ ہونا چاہئے۔

دہلی ہندوستان کا قلب ہے اور دہلی کے واقعات کا تمام ہندوستان پر اثر پڑتا ہے۔ اگر ہم تمام ملک کے ہندو مسلمان اور سکھوں کو اس امر کا یقین نہیں دلا سکتے کہ وہ بھائی بھائی ہیں اور انھیں آپس میں میل جول اور اتحاد سے رہنا چاہئے۔ تو ہماری تمام کوششیں بیکار ہیں اور ہندوستان کی تباہی یقینی ہے۔ اتنا کہنے کے بعد گاندھی جی خاموش ہو گئے۔ گاندھی جی نے جو کچھ فرمایا تھا اسکو بآواز بلند دہرایا گیا۔

تھوڑی دیر خاموش رہ کر گاندھی جی نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے پھر فرمایا کہ آپ کو اپنے دلوں کا پورا جائزہ لینا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ کوئی غلط قدم تو آپ نہیں اٹھا رہے۔ تاکہ بعد کو آپ کو پچھتانا نہ پڑے۔ اسوقت اس امر کی ضرورت ہے کہ نہایت جرات اور دلیری سے کام لیکر اپنے صحیح صحیح خیالات کا اظہار کر دیا جائے۔ اور وہی زبان پر آئے جو دلوں میں ہے۔ آپ کو اپنے عہدنامہ کی پیچیدگیوں کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ دہلی میں جو کچھ کیا گیا ہے وہی بقیہ ہندوستان میں کرنے کی ضرورت ہے یعنی جسطرح دہلی میں امن وامان کا یقین دلایا گیا ہے۔ اسی طرح تمام ہندوستان میں امن کا قائم ہونا ضروری ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اس مقصد کو ایک دن میں حاصل کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ابھی تک وہ شیطان کے ساتھی بنے ہوئے تھے۔ اب انھوں نے

خداشناسی کا عہد کیا ہے جس کو انھیں پورا کرنا ہے۔

جو کچھ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اگر آپ اس کو دل سے قبول نہیں کرتے یا یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کا انجام دینا آپ کی طاقت سے باہر ہوگا تو آپ کو اس کا صاف صاف اعلان کر دینا چاہئے۔

گاندھی جی نے اس امر پر نہایت زور دیا کہ اس سے زیادہ غلط خیال دوسرا نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان صرف ہندو اور سکھوں کا ہے اور پاکستان صرف مسلمانوں کا ہے۔ میں تمام شرنارتھیوں کو اچھی طرح بتا دینا چاہتا ہوں کہ دہلی میں حالات درست ہونے کے معنی یہ ہونگے کہ پاکستان میں حالات درست ہو جائیں۔ اگر میں نے یہ محسوس کیا کہ مجھے دھوکا دیا گیا ہے یا میں نے برت توڑنے میں دھوکا کھایا تو میں دوسرا برت رکھنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کروں گا۔ اس کے بعد آپ نے ان مسلمانوں کو بلایا جو اکثر آپ سے ملتے تھے اور ان سے دریافت کیا کہ کیا وہ مطمئن ہیں اور کیا برت توڑ سکتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے کہا کہ یہ شک کرنا کہ مسلمان ہندوستان کو اپنا وطن خیال نہیں کرتے سب سے بڑی غلطی ہے۔ مسلمان ہندوستان کو اپنا وطن تصور کرتے ہیں اور ان کو یہیں رہنا ہے۔ گاندھی جی نے ایک کتاب کا حوالہ دیا جو آپ کو پٹنہ میں پیش کی گئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ مسلمان کو قرآن یہ تعلیم دیتا ہے کہ کافر یعنی ہندو بہت خطرناک ہیں اور ان کو مٹا دینا نہایت ضروری ہے۔ آپ نے کہا کہ بعض لوگ ہندوؤں کو بتوں کا پوجنے والا خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہندو پتھروں کو نہیں پوجتے بلکہ اس خدا کو پوجتے ہیں جو دلوں کے اندر ہے اور جس کے ساتھ مادہ کا ایک ذرہ بھی شامل نہیں ہے۔

اس کے بعد گاندھی جی نے حاضرین سے استصواب کیا کہ اگر آپ خلوص دل سے اس عہد نامہ کو قبول کرتے ہیں تو مجھے آزاد کیجئے کہ میں پاکستان یا جہاں چاہے جا سکوں۔ میری غیر حاضری میں پاکستان کے ان لوگوں کا آپ کو خیر مقدم کرنا چاہئے جو اپنے گھروں کو واپس آنا چاہتے ہیں۔ جو مسلمان دہلی سے چلے گئے ہیں وہ بھی خوش نہیں ہیں۔ اسی طرح ہندو بھی خوش نہیں ہیں کہ ان کے اچھے کاریگر یہاں سے چلے گئے۔ جو صنعت کہ نسلوں سے ایک فرقے میں چلی آ رہی ہو اور جس میں وہ فرقہ ماہر ہو گیا ہو، اس کو حاصل کر لینا ایک دن کا کام نہیں۔ اس کے بعد گاندھی جی نے دوبارہ حاضرین سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دلوں کا جائزہ لیں اور مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہ کریں۔

مولانا آزاد کا بیان

اس کے بعد مولانا ابو الکلام نے فرمایا کہ اسلام کے متعلق اس کتاب میں جس کا تذکرہ گاندھی جی نے فرمایا۔ سخت غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ آپ نے قرآن پاک کی آیت شریف کی تلاوت فرمائی جس میں بتایا گیا ہے کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ خواہ ان کا مذہب کچھ بھی ہو۔ گاندھی جی نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اسلام کی تعلیمات کے قطعاً منافی ہے اور اسکا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کتاب سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان پر ایک دیوانگی پیدا ہو گئی ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا بیان

مولانا آزاد کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ

کہ وہ ہندوستان کو اپنا وطن خیال نہیں کرتے قطعاً بے بنیاد ہے۔ مسلمانوں نے گذشتہ تین سال میں قومیت کی جو خدمت کی ہے ان پر یہ الزام قطعاً اس کے خلاف ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمانوں سے وفاداری کا مطالبہ کرنا قومیت کی توہین ہے۔

آپ نے فرمایا کہ دہلی میں فسادات کے دوران میں ایک موقع پر ہمارے کانگریسی دوستوں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ چونکہ دہلی میں ہماری حفاظت کا مناسب بندوبست نہیں ہو سکتا ہے اس لئے دہلی کے باہر ہمارے تحفظ کا انتظام کر دیا جائے لیکن ہم نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس کو ترجیح دی تھی کہ بغیر پولس اور فوج کی امداد کے ہم دہلی میں رہ کر کام کریں۔

آپ نے فرمایا کہ جمعیۃ کے مسلمان ہمیشہ مولانا آزاد اور کانگریس کے پیرو رہے ہیں اور جو لوگ پاکستان چلے گئے ہیں وہ جان کے خوف سے چلے گئے ہیں لیکن وہ پھر ہندوستان واپس آنا چاہتے ہیں اور اگر ہندوستان پر حملہ کیا جائے تو وہ اس کی حفاظت میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کو تیار ہیں۔ جو لوگ ایسا نہیں کر سکتے ہیں نے ان کو اکثر یہی مشورہ دیا ہے کہ وہ ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے جائیں۔

آپ نے دہلی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ گاندھی جی کے برت کے سلسلہ میں حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور فرقہ وارانہ امن و اتحاد کی فضا پیدا ہونا شروع ہو گئی ہے۔ چونکہ حکومت کی طرف سے بھی یقین دلایا گیا ہے۔ اس لئے میں ڈاکٹر راجندر پرشاد کی اس اپیل کی تائید کرتا ہوں کہ گاندھی جی اپنا برت توڑ دیں۔

جب مسٹر گنیش دت، ہندو مہا سبھا اور راشٹریہ سیوک سنگھ کی طرف سے یہ

اپیل دہرا چکے تو زاہد حسین صاحب نے گاندھی جی سے چند الفاظ کہے۔

میں یہاں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ یہ عرض کردوں، کہ پاکستان کے لوگ آپ کے بارہ میں کس قدر گہری تشویش رکھتے ہیں اور روزانہ بے شمار لوگ آپ کے متعلق مجھ سے دریافت کراتے ہیں یہ ان کی دلی خواہش ہے کہ جلد ایسے حالات پیدا ہوں کہ جن سے آپ برت توڑ سکیں۔ اگر میں اس سلسلہ میں کچھ کر سکتا ہوں اور نیز پاکستان کے لوگ کچھ کر سکتے ہیں تو ہم اس کے لئے تیار ہیں۔

زاہد حسین صاحب کے بعد مسٹر خورشید احمد اور مسٹر رندھاوا نے مقامی حکومت کی طرف سے یقین دلایا کہ عہد نامہ میں جو شرائط مذکور ہیں ان پر پوری طرح عملدرآمد کیا جائیگا۔

فرقہ وارانہ امن کے معاملہ میں ہند کے دارالخلافہ کی جو شاندار روایات رہی ہیں ان کو پھر سے قائم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائیگا۔

سکھوں کی طرف سے اقرار

سردار ہربنس سنگھ نے سکھوں کی طرف سے اپنے پیش رووں کی تائید کی اس کے بعد گاندھی جی نے برت توڑنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ یہ رسم پرارتھنا کے دوران میں ادا کی گئی ہے۔ جاپانیوں۔ مسلمانوں اور پارسیوں کی مذہبی کتب کی آیات پڑھی گئیں ان کے بعد یہ منتر پڑھا گیا۔

مجھ کو کذب سے صداقت، ظلمت سے روشنی، فنا سے بقا کی راہ دکھا۔

ایک ہندوستانی حمد اور عیسائیوں کی حمد پڑھی گئی۔

ان اطمینان دہانیوں کے بعد گاندھی جی برت توڑنے پر آمادہ ہوئے۔

گاندھی جی ایک تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے سنترے کے رس کا ایک گلاس گاندھی جی کو پیش کیا۔ جس کو "گلوکوز" سے میٹھا کیا گیا تھا

گاندھی جی نے جب برت توڑا تو حاضرین نے زور سے گاندھی جی کی "جے" کے نعرے لگائے۔ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے ہونٹوں پر مسرت کھیل گئی۔ آپ اس تمام دوران میں صددرجہ متفکر اور پریشان رہتے تھے۔ آپ نے بھی کھانا کم کر دیا تھا اور گذشتہ چوبیس گھنٹہ سے تو آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

اسی طرح اور بھی ہزاروں آدمیوں نے گاندھی جی کے ساتھ برت رکھا تھا گاندھی جی کے توڑنے کی خبر بہت سرعت کے ساتھ نہ صرف دہلی میں بلکہ تمام دنیا میں پھیل گئی۔ اور سب طرف سے مبارکباد کے تاروں کی بارش ہونے لگی۔

برت توڑنے کے بعد گاندھی جی نے ایک پیغام لکھا جو شام کو پرارتھنا سبھا میں پڑھا گیا۔ پیغام یہ تھا۔ دیکھو الجمعیۃ مورخہ ۹ ربیع الاول ۶۷ھ

مہاتما گاندھی نے فرمایا میرے تمام دوستوں نے کہا کہ ہم پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ میں ان کے مشورہ کو رد نہ کر سکا اور انھوں نے جو عہد کیا ہے کہ تمام فرقوں کے مابین کامل دوستی ہوگی اس پر شک نہ کر سکا۔

"گاندھی جی نے کہا میں نے یہ برت صداقت کے نام پر شروع کیا تھا۔ صداقت اور سچائی کا دوسرا مشہور نام خدا ہے۔ بغیر سچائی پر عمل پیرا ہوئے

خدا کو نہیں پا سکتے۔ ہم نے سچائی سے کنارہ کیا اور افترا پردازیاں کیں اور یہ دیکھے بغیر کہ لوگ گناہگار ہیں یا بے گناہ۔ ہم نے مردوں عورتوں اور بچوں کے قتل عام کئے بہتیرے اغوا کئے۔ لوگوں کو تبدیلی مذہب پر مجبور کیا اور یہ سب کام بے شرمی سے ہوئے۔ مجھے نہیں معلوم کوئی شخص ایسا بھی ہے جو کچھ کہہ سکے کہ میں نے یہ کام سچائی سے کئے۔ میں نے سچائی کا نام لیتے ہوئے برت توڑ دیا۔ لوگ جس سخت مصیبت میں ہیں وہ قابل برداشت نہیں ہے۔

میرے سامنے راجندر بابو نے ہندوستانی میں ایک دستاویز پڑھی جس پر بہت سے نمائندوں کے دستخط موجود تھے۔ اس میں کہا گیا تھا کہ میں ان پر کوئی مزید بوجھ نہ ڈالوں اور برت توڑ کر ان کی اذیت کو ختم کر دوں۔ مجھے ہند یونین اور پاکستان سے تار پر تار موصول ہو رہے ہیں اور ان سب میں مجھ سے کہا گیا ہے۔ میں ان سب دوستوں کے مشورہ کو رد نہ کر سکا۔

مجھے ان کے اس عہد پر بھروسہ ہوا کہ خواہ کچھ بھی ہو۔ یہاں ہندو مسلمانوں، سکھوں عیسائیوں پارسیوں اور یہودیوں میں دوستی کا ایک اٹوٹ رشتہ قائم کیا جائے گا۔ اس دوستی کو توڑنا گویا قوم کو ختم کرنا ہے۔

میں بیٹھا یہ مضمون لکھ رہا ہوں اور مجھ پر تاروں کی بارش ہو رہی ہے میں خدا سے تمنا کرتا ہوں کہ خدا مجھ کو صحتمند اور باہوش رکھے تاکہ

میں بنی نوع انسان کی خدمت کرسکیں۔ اگر وہ عہدنامہ جو آج کیا گیا ہے پورا ہوا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں دگنی طاقت سے خدا کے سامنے یہ التجا اور تمنا کروں گا کہ مجھے پوری زندگی نصیب ہو تاکہ میں آخری لمحہ تک بنی نوع انسان کی خدمت کرسکوں۔

یہ میرے مقصد کی ظاہری تکمیل تھی۔ لیکن جب تک باطنی تکمیل نہ ہو، یہ بیکار ہے۔ میرے عہد کا باطنی مقصد یہ تھا کہ یونین کے ہندوؤں مسلمانوں اور سکھوں میں ایک مخلصانہ دوستی قائم کی جائے اور یہی کام پاکستان میں کیا جائے۔

اگر ہند میں یہ کام ہو جائے تو پاکستان میں بھی یہ ضرور ہوگا اور یہ بات میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں ایسے یقین کے بعد جیسا کہ رات کے بعد دن کا ہے۔ اگر ہند یونین میں ظلمت ہو تو پاکستان میں روشنی کی توقع کرنا حماقت ہے اگر یونین میں بلاشک رات ختم ہو جائے تو پاکستان میں بھی ایسا ہی ہوگا اور اس حقیقت کی کئی روشن نشانیاں ہیں۔ میرے پاس پاکستان سے ہزارہا پیغامات آئے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ناراضگی کا نہیں ہے۔ کاش خدا جو سچائی ہے۔ آئندہ بھی ہمیں راستہ دکھائے۔ جس طرح اس نے گذشتہ چھ روز سے دکھایا۔

برت کھولنے کے بعد سب سے پہلے عہدنامہ کی شرطوں پر عمل ہوا۔ یعنی ۲۶ر جنوری کو حضرت قطب الدین صاحب کا عرس آزادی سے منایا گیا۔ حکومت کی طرف سے بسوں اور لاریوں کا انتظام کردیا گیا تھا۔ زائرین ان کے ذریعہ مزار پر

پہونچے اور مراسم عرس ادا کئے۔

انتہائی کمزوری اور نقاہت کے باوجود مہاتما گاندھی خود قطب صاحب تشریف لے گئے۔ اور مراسم عرس میں شرکت کی۔

(لطیفہ) قطب صاحب رح کے مزار پر عورتوں کو حاضری کی اجازت نہیں دی جاتی اور اس پابندی کو پوری طرح نبھایا جاتا ہے۔ مہاتما گاندھی کو اس کی خبر نہ تھی۔ جب مزار پر حاضر ہوئے تو حسب عادت ان کی ساتھ ان کی دو پوتیاں بھی تھیں جن کے سہارے سے گاندھی جی چل رہے تھے۔ حاضرین کی نظر لڑکیوں پر پڑی انھوں نے مستفسرانہ انداز میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی طرف دیکھا۔

حضرت مولانا نے فوراً ہی اپنے ظریفانہ انداز میں فرمایا۔

میاں یہ تو گاندھی جی کی ٹیکیاں ہیں۔

اس ظریفانہ جواب سے تمام مجمع ہنس پڑا اور گاندھی جی بھی بہت محظوظ ہوئے

مہاتما گاندھی پر بم مہاتما گاندھی کے برت کی کامیابی ان تمام طاقتوں کی ناکامی تھی جو ہندو مسلم یا انڈیا اور پاکستان کی خانہ جنگی سے اپنی اغراض پوری کرنا چاہتی تھیں۔

اس شاندار ناکامی نے ان کے دماغی توازن کو ختم کر دیا اور دفعتہً وہ حرکتیں شروع کر دیں جو ان کے پروگرام کی آخری قسط ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ برت کھولنے سے اگلے ہی روز جبکہ مہاتما گاندھی عبادتی جلسہ (پرارتھنا سبھا) میں تقریر کر رہے تھے ایک بم پھینکا گیا۔

اتفاق سے وہ بم خطا کر گیا۔ مہاتما گاندھی محفوظ رہے۔ جلسہ کے حاضرین

بھی محفوظ رہے۔ حملہ آور موقع پر گرفتار کرلیا گیا۔ اس کی جیب سے فوجی قسم کا ایک بم برآمد ہوا جس پر ملبہ پڑا ہوا تھا۔

حملہ آور نوجوان نے اپنا نام مدن لعل اور اپنی سکونت پاک پٹن (مغربی پنجاب) بتائی اور یہ کہ اس وقت وہ بمبئی سے آیا ہے۔

حملہ آور کے ساتھ تین نوجوان اور تھے جو پرارتھنا کی جگہ سے کچھ اور فاصلہ پر ایک موٹر کار میں بیٹھے رہے۔ جب بم پھینکا جا چکا تو وہ اپنی موٹر لیکر فرار ہو گئے۔

(الجمعیۃ۔ہندوستان ٹائمز وغیرہ)

مہاتما گاندھی نے اس واقعہ سے کوئی اثر نہیں لیا، اور اگلے روز پرارتھنا سبھا میں فرمایا:۔

> بم پھینکنے والے نے یہ کام جذبات سے اندھا ہو کر کیا ہے دعا کیجئے کہ خدا اس کو عقل کی روشنی عطا فرمائے۔ اس شخص نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ "میں گاندھی جی کو مارنا چاہتا تھا کیونکہ میں ان کو برا آدمی سمجھتا ہوں اور اس طرح میں ہندو مذہب کو بچانا چاہتا تھا" گاندھی جی نے فرمایا میرے دل میں اس کی طرف سے کوئی برائی نہیں ہے اور میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس کے لئے دعا کریں۔ میری زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اسلئے میرے دل میں کوئی ڈر نہیں ہے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ ملزم کے پیچھے ایک جماعت ہے اور یہ شخص اس جماعت کا آلۂ کار ہے۔ اس لئے میں اس جماعت سے کہتا ہوں کہ ہندو مذہب کو بچانے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ وہ جوان آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ وہ

نجات دہندہ ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر خدا نے کسی کو ہندو مذہب کو بچانے کے لئے مقرر کیا ہے تو وہ میں ہوں۔

مجھ سے برابر واقعہ مذکور کے متعلق پوچھا جا رہا ہے اور اس بات کی تعریف کی جا رہی ہے کہ میں اس واقعہ سے متاثر نہیں ہوا کہ میرے خیال میں یہ صرف ایک فوجی مشق تھی اور اس کے متعلق اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک پرارتھنا ختم ہوگی، اس وقت تک مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ آواز بم پھٹنے کی تھی اور یہ کہ یہ بم مجھ پر پھینکا گیا تھا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اگر یہ بم میرے سامنے پھٹتا اور مجھ کو اس کا علم ہوتا تو میں کیا کرتا۔ اسلئے میں کسی تعریف کا مستحق نہیں ہوں۔ تعریف کا مستحق تو میں اس وقت ہوتا جب یہ بم میرے آکر لگتا اور میرے چہرہ پر مسکراہٹ ہوتی اور دل میں بم پھینکنے والے کے خلاف کوئی نفرت یا عداوت یا غم و غصہ نہ ہوتا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کسی شخص کو اس بم پھینکنے والے گمراہ نوجوان کی مذمت نہیں کرنی چاہیئے اس نوجوان کو یہ اچھی طرح محسوس کرنا چاہیئے کہ جو شخص اس کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتا یہ ضروری نہیں کہ وہ برا آدمی ہو برے آدمی کی زندگی اچھے لوگوں سے ہٹ کر کچھ نہیں ہوتی۔ کسی شخص کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ خدا نے اس کو برے آدمی کے خاتمہ کے لئے بھیجا ہے جیسا کہ ہمارا یہ نوجوان خیال کرتا ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم حکومت ہند پر بم پھینکنے کی ناکام کوشش

مہاتما گاندھی پر بم پھینکنے کے بعد انڈین یونین کے دوسرے محبوب رہنما "پنڈت جواہر لال نہرو کو بم کا نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ آپ امرتسر تشریف لے گئے تھے۔ جب تقریر کا وقت آیا تو سی۔ آئی۔ ڈی۔ نے دو شخصوں کو گرفتار کیا جن کے پاس بم تھے۔ جب آپ دہلی واپس پہونچے تو آپ کی کوٹھی کے گرد دو مشتبہ شخصوں کو پولس نے گرفتار کیا۔

مہاتما گاندھی کا حادثۂ قتل

برت سے فراغت کے بعد مہاتما گاندھی سیوا گرام جانے کا قصد کر رہے تھے مگر دہلی کے حالات اور ریاست الور کے مواتیوں کے بعض اہم معاملات کے سبب سے تذبذب تھا۔ ۲۹ جنوری کو جمعیۃ علماء کے حضرات سے فرمایا کہ "آپ تمام حالات کا جائزہ لیکر میرے جانے کے متعلق آخری فیصلہ کر دیں۔ اور ۳۱ جنوری کو مجھے مطلع کر دیں۔

۳۱ جنوری کو جمعہ کا دن تھا۔ یہ حضرات ۱۱ بجے سے پہلے مہاتما گاندھی کے پاس جایا کرتے تھے۔ اس روز دوسری ضروری مصروفیتوں کے باعث تاخیر ہو گئی اگر ایفاء وعدہ کا خیال نہ ہوتا تو آج ملاقات ملتوی کر دیتے۔ مگر چونکہ یقین تھا کہ مہاتما گاندھی فیصلے کے منتظر ہوں گے۔ لہذا ملاقات کو ضروری سمجھا گیا اور ساڑھے بارہ بجے برلا ہاؤس پہونچے۔ مہاتما گاندھی سو کر اٹھ چکے تھے[1] اور وہ ان کے پہونچنے کے منتظر تھے۔

جیسے ہی علم ہوا فوراً اپنی آرام گاہ میں بلا لیا۔ اور گفتگو شروع کر دی۔

---

[1] مہاتما گاندھی ۱۱ بجے تک کام کرتے تھے اور گیارہ کے بعد ایک ڈیڑھ گھنٹے آرام کرتے تھے۔ یہ معینہ پروگرام تھا۔

اثنار گفتگو میں آپ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :۔
میں تو ان کا (رہنمایان جمعیۃ علمار ہند کا) قیدی ہوں۔ اگر یہ اجازت دینگے تو میں سیواگرام جاؤنگا۔

حضرت مولانا احمد سعید صاحب حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا ۔ ہمارے خیال میں دو ہفتہ کے لئے آپ کے جانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ آپ ضرور تشریف لے جائیے۔ مگر ۱۵ر فروری تک دہلی واپس تشریف لے آئیے۔

مہاتما گاندھی نے فرمایا :۔ ضرور ضرور۔ میں ۱۵ر تک دہلی پہونچ جاؤنگا اگر کوئی آسمانی یا شیطانی آفت نہ آئی۔

یہ حضرات روانہ ہونے لگے اور برلا ہاؤس سے باہر نکل کر کار میں بیٹھنے والے تھے کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو دوبارہ بلوایا۔ مولانا موصوف واپس پہونچے تو مترجم قرآن شریف کی تین جلدیں مولانا موصوف کے حوالہ کردیں۔ یہ قرآن شریف غالباً مطالعہ میں رہا کرتا تھا۔

آج کی گفتگو بہت دلچسپ تھی۔ خوش طبعی اور ظرافت کی باتیں بھی ہوتی رہیں۔ مگر کیا معلوم تھا کہ چند گھنٹہ بعد شیطانی آفت اس تمام مسرت کو رنج و الم سے بدل دیگی۔

برلا ہاؤس کے احاطہ میں عظیم الشان کوٹھی سے تقریباً سو قدم کے فاصلہ پر ایک چبوترا بنا ہوا ہے۔ جس پر کم و بیش دو ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ چبوترے کے ایک جانب سہ دری بنی ہوئی ہے۔

شام کی پرارتھنا کا جلسہ اسی چبوترہ پر ہوا کرتا تھا۔ سہ دری کے قریب تخت

پرگاندھی جی بیٹھا کرتے تھے۔

پانچ بجے کے بعد حسب معمول گاندھی جی اپنے عبادتی جلسہ میں جانے کے لئے کوٹھی سے نکلے۔ راستہ طے کیا۔ پھر چبوترہ پر چڑھ کر اپنے تخت کی طرف جارہے تھے کہ حاضرین کی دورویہ صف میں سے ایک نوجوان نکل کر سامنے آیا دونوں ہاتوں سے ڈنڈوت کیا۔ پھر چرن لینے کے لئے جھکا۔ جھکتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈال کر بھرے ہوئے ریوالور کو سنبھالا اور سیدھا ہوا تو دفعۃً فائر شروع کر دیئے۔ پہلی گولی نے سینہ کی ہڈی توڑ دی۔ دوسری اور تیسری گولی پیٹ کو پار کر گئی۔ گاندھی جی زمین پر گر پڑے۔ چند منٹ بعد قفس عنصری سے روح پرواز کر گئی۔

قاتل گرفتار کر لیا گیا۔ قاتل نے اپنا نام ناتھورام بتایا ضلع پونہ کا رہنے والا اور پونہ ہندو مہاسبھا کا عہدہ دار۔

بجلی سے زیادہ تیزی کے ساتھ یہ خبر دہلی میں پھیل گئی اور چند منٹ بعد ریڈیو نے تمام دنیا کو اس المناک حادثہ کی دیگر ماتمکدہ بنا دیا۔

دہلی میں ہر شخص سراسیمہ تھا۔ رنج والم کے ساتھ خوف وہراس بھی چھپایا ہوا تھا۔ خیال تھا کہ شاید اس قتل کی پشت پر کسی عام بلوہ کی اسکیم ہو۔ چنانچہ محلوں کے پھاٹک بند کر دیئے گئے۔ گلیوں اور کوچوں کی ناکہ بندی کر لی گئی اور حکومت نے بھی فوراً توجہ کر کے ملیٹری کا معقول انتظام کر دیا۔ مسلح فوجی دستوں نے شہر میں گشت لگانی شروع کر دی۔

یہی حال تقریباً ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں کا تھا۔ آج

ہندو مسلم تفرقہ ختم ہو گیا تھا۔ ہر شخص شریک غم تھا اور وقف ماتم۔ صرف بمبئی کے ایک محلہ میں اس غلط شہرت کی بنا پر کہ قاتل مسلمان ہے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے۔ چند مسلمان مقتول اور مجروح ہوئے لیکن فوراً ہی جب حقیقت کا انکشاف ہو گیا تو یہ غلط رویہ بھی ختم ہو گیا۔

البتہ راشٹریہ سیوک سنگھ اور ہندو مہا سبھا کے کچھ کٹر قسم کے افراد وہ تھے جو اس عالمگیر حادثہ پر بغلیں بجا رہے تھے۔

حادثہ سے تھوڑی دیر بعد دفتر جمعیۃ علماء میں ایک اطلاع موصول ہوئی کہ کچھ لوگ (جو مسلمان نہیں تھے) سائیکل پر جا رہے تھے اور مستانہ انداز میں کہہ رہے تھے گاندھی مر گیا۔ مر گیا۔ مر گیا۔

اسی طرح اسی ٹائپ کے لوگوں نے مٹھائیاں بھی تقسیم کیں۔ جو بعد میں گرفتار کئے گئے۔ جبکہ حکومت نے فرقہ داریت کے خلاف قدم اٹھایا۔

بہر حال ہزاروں لاکھوں میں ایک دو مثالیں ایسی بھی تھیں ورنہ عام طور پہ ہر ایک دل پژمردہ تھا اور ہر مکان ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔

اور صرف انڈیا میں یہ حال نہیں تھا۔ بلکہ پاکستان کی حالت بھی یہی تھی۔ مخدوم شاہ صاحب بنوری نے اطلاع دی تھی کہ

آج ساری دنیا کے ساتھ ساتھ مملکت پاکستان کا پرچم بھی سرنگوں ہے۔ ساری مملکت میں سوگ ہے۔ لوگوں کے چہرے اشکبار ہیں۔ ہر شہر اور ہر فرقہ میں تعزیتی اجتماعات ہیں۔ ہر ہوٹل۔ دوکان۔ مکان اور جہاں بھی سرکاری ریڈیو ہیں سب گاندھی جی کی ارتھی کا آنکھوں دیکھا حال سنا رہے ہیں اور لوگوں کی بھیڑ ہے جو

اشکبار آنکھوں سے آواز پڑتی ہی پڑتی ہے۔ اور اسی روز صبح کی خبروں میں پاکستان ریڈیو کے اناؤنسر نے جس غمناک لہجہ میں لوگوں کو یہ وحشتناک خبر سنائی اس نے ہر شخص کو آبدیدہ کر دیا۔ پاکستان ریڈیو نے اپنا تمام وقت گاندھی جی کی یادیں لگا دیا۔ نوحے پڑھے گئے۔ تعزیتی جلسوں کا "آنکھوں دیکھا حال" اور ماتمی تقریریں براڈکاسٹ کی گئیں۔ اسی ریڈیو نے گاندھی جی کے احترام میں ان کا محبوب عبادتی بھجن پڑھا۔

رگھوپتی راگھو راجہ رام   پتی ات پاون سیتا رام
ایشور اللہ تیرا نام   سب کو سنمتی دے بھگوان

اور ایک دوسرا بھجن سے

دیا کرو بھگوان سب پر دیا کرو بھگوان

اپنی پوری شان کے ساتھ سنایا۔ اس روز غالباً پہلی بار اس ریڈیو نے مسٹر کی بجائے گاندھی جی کو مہاتما گاندھی کے نام سے یاد کیا۔ پاکستان ریڈیو سے بار بار کہا گیا۔ کہ "گاندھی جی کے لئے آج عالم انسانیت اشکبار ہے وہ انصاف کے دیوتا تھے اور اپنی ذات میں برائیوں کی تردید کا مجسمہ تھے "۔ اس روز غالباً تاریخ میں پہلی بار "لیگ اور احرار" کے لیڈر ایک اسٹیج پر جمع ہوئے۔

اسی طرح پاکستان میں منعقد ہونے والی سندھ کی سب سے پہلی اسمبلی کا اجلاس جب کراچی میں منعقد ہوا تو وزیر اعظم سندھ کی تحریک پر اسمبلی نے ماتمی ریزولیوشن پاس کیا۔ جس کے بعد سب ممبر تعظیم کے لئے کچھ دیر کے لئے کھڑے رہے۔ پاکستان کے عام باشندوں کے ساتھ ساتھ ملک کی باقاعدہ فوج نے بھی گاندھی جی کو خراج عقیدت پیش کیا۔

۳ر فروری کو وزیر اعظم پاکستان کے حکم سے ۱۰۳ ویں انفنٹری بریگیڈ کی پریڈ کے موقعہ پر ساری فوج ہندوستان کے سب سے بڑے فرزند کی یاد میں دو منٹ تک خاموش کھڑی رہی۔ اس باقاعدہ رسم کے علاوہ بھی ہزاروں فوجی افسروں اور نیک دل سپاہیوں نے پاکستان کے عام شہریوں کے ساتھ "قومی ماتم" کا یہ دن دکھ اور افسوس سے گذارا۔ لاہور۔ سارا مغربی پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد کے تمام بڑے بڑے شہروں میں ہڑتال رہی جس کے لئے مغربی پنجاب کے وزیر اعظم نے اپیل کی تھی۔ ہزاروں مسلمانوں نے آج روزہ[1] رکھا۔ اور اپنی مذہبی روایات کے مطابق گاندھی جی کے لئے خیرات دی۔ صوبہ مسلم لیگ کے صدر میاں افتخار الدین ارتھی میں شمولیت کے لئے لاہور سے دلی گئے اور لیگی جھنڈے بھی احترام کے لئے جھکے رہے۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے تمام جھنڈے بھی ساری مملکت میں تین دن تک سرنگوں رہے۔

گاندھی جی کے عزیز دوست سرخ پوش رہنما فخر افغان خان عبدالغفار خان نے جنہیں سرحدی گاندھی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ دن نہایت دکھ اور افسوس سے گذارا۔ سرحد کے کونہ کونہ سے لوگ بادشاہ خان کے پاس تعزیت کے لئے آئے۔ تحریک کے مرکز سردریاب میں آج تک گاندھی جی کی تعزیت کے لئے آنیوالوں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ لوگ سرحدی اور اسلامی روایات کے مطابق تعزیت کیلئے فخر افغان بادشاہ خان کے پاس آتے ہیں۔ خود بادشاہ خان کو گاندھی جی کی موت نے سخت دکھ پہنچا ہے اور وہ اس صدمہ سے اکثر مضمحل رہتے ہیں

---

[1] یہ ان کا جذبہ تھا۔ مضمون نگار کا منشاء واقعات کا اظہار ہے اس کو فتویٰ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

سرحد کے تمام قبائلی لیڈروں نے گاندھی جی کی وفات کو بری طرح محسوس کیا۔ فقیر ایپی صاحب اور حاجی صاحب اور ک زئی نے روزہ رکھا اور مختلف علاقوں اور مسجدوں میں گاندھی جی کی زندگی پر تقاریر اور ہندوستان کے لئے دعائیں کی گئیں۔ آزادی ہند کے ساتھ جب ملک تقسیم ہوا تو دو ملکوں کے ساتھ ہی ایک تیسری قوم بھی عالم وجود میں آئی۔ جسے آج کل کی زبان میں پناہ گزیں یا شرنارتھی کہتے ہیں۔ گاندھی جی کی موت سے ملک کے دونوں حصوں میں اس مہاجر قوم اور ان لوگوں کی ایک گراں مایہ اور گم شدہ متاع "اغوا شدہ عورتوں" پر بھی بجلی گری۔ یہ شریف گھرانوں کی بیٹیاں جو آج ملک کے دونوں حصوں میں قوم کے "اوباش لیڈروں" کا کھلونا بنی ہوئی ہیں دوبارہ واپسی کی بجاری امیدیں تھیں جب لوگوں نے گاندھی جی کی موت کا حال سنا تو ان دکھی ناروں کی آس ٹوٹ گئی ہونٹ خشک اور چہرے مرجھا گئے۔ اور وہ لوگ جنھیں ہجرت کی آب و ہوا راس نہ آئی تھی۔ زار و قطار روتے دیکھے گئے۔ پاکستان کی حکومت اور لوگوں نے جس خلوص اور دلی دکھ کے ساتھ اس حادثہ کو محسوس کیا ہے۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو قوموں اور دونوں حکومتوں میں کبھی کوئی اختلاف ہی نہیں تھا

ماخوذ از اخبار ہند دہلی۔ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۴۸ء

مختصر یہ کہ پورا ہندوستان اپنے کسی فرزند کی موت پر اتنا کبھی نہیں رویا ہوگا جتنا کہ آج رویا۔ یکم فروری کی صبح کو ۱۰ بجے برلا ہاؤس سے ارتھی اٹھائی گئی اور جمنا کے کنارہ اس کو لے جا کر ہندو رسم کے بموجب نذر آتش کیا گیا۔ تقریباً تین میل راستہ کے دونوں طرف لاکھوں انسانوں کے ٹھٹ کھڑے ہوئے تھے اور اگر

پولس اور فوج پوری مستعدی سے انتظام نہ کرتی تو خدا جانے کتنے انسان پاؤں میں کچل کر مارے جاتے۔

جب ارتھی کو نذر آتش کیا جا رہا تھا تو لاتعداد انسانوں کا مجمع کئی میل کے رقبہ کو اس طرح پاٹے ہوئے تھا کہ تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔

بہر حال یہ تاریخ بھی آئی اور گذر گئی۔ کل شیٔ ھالک الا وجھہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے اجلاس بمبئی کے خطبۂ صدارت[1] میں فرمایا تھا

گاندھی جی کا حادثہ آزاد ہندوستان کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ لیکن اطالوی اخبار (یونٹا) کے اس الزام کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ "یہ سفاکانہ واردات صرف ایک آدمی کی دیوانگی کا نتیجہ نہیں بلکہ اس میں برطانوی استعمار کا ہاتھ کار فرما ہے۔ یہ اسی استعمار کی اشتعال انگیزی کا نتیجہ ہے۔

ہندوستان میں برطانوی خفیہ سروس کے آدمی موجود ہیں اور وہ اپنا کام کرنا جانتے ہیں۔ اس واردات میں یقیناً ان کا ہاتھ ہے۔ عراق۔ مصر۔ فلسطین۔ موگادیشو (اٹلی) کے مقتولین اور یہ "مقتول مہاتما" سب کے سب جارج ششم کے تاج کے ہیرے ہیں۔ یہ سب کچھ اسی سوشلسٹ کہلانیوالے وزیر "مسٹر بیوان"

---

[1] ملاحظہ ہو خطبہ صدارت اجلاس عام مرکزی جمعیۃ علماء ہند۔ منعقدہ ۲۶، ۲۷، ۲۸، اپریل ۱۹۴۸ء بمقام بمبئی۔

کی کارگذاریوں کا مسرت انگیز نتیجہ ہے۔

انقلاب (لاہور) ۲۳ ربیع الاول [illegible]ھ ۔ ۵ فروری [illegible]ء

جمعیۃ علماء ہند کی سیاسیات سے علیحدگی

اس باب میں حضرت شیخ الاسلام [illegible] مدظلہ العالی کے [illegible] خطبہ صدارت کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ مستند طور پر [illegible] کے ساتھ [illegible] سامنے آجائے۔

حضرت مولانا [illegible] ارشاد فرمایا۔

جمعیۃ [illegible] ہند ہمیشہ سیاسیات میں ہندو مسلم اشتراک و اختلاط کی [illegible] رہی ہے۔ چنانچہ اس نے ہمیشہ مسلمانوں کو ملک کی مشترک جماعت کانگریس میں شرکت کی دعوت دی عقل و قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب ہندو مسلمانوں کے ملکی اقتصادی اور شہری مفادات مشترک ہیں تو ان کی سیاست بھی مشترک ہو [illegible] بھی پلیٹ فارم بھی اشتراک و اختلاط کا پلیٹ فارم ہو۔ جب میونسپل بورڈ ڈسٹرکٹ بورڈ، کونسلیں اور اسمبلیاں مشترک ہیں۔ ان کے ایوانوں میں ہندو اور مسلمان مل کر بیٹھتے ہیں مشترک طور پر ان کے عہدہ داران اور سب کمیٹیوں کا انتخاب کرتے ہیں مشترک طور پر رائے دے کر کسی قانون کو منظور یا مسترد کرتے ہیں تو [illegible] سیاسی اور ملکی حقوق کی تحصیل و حفاظت کا پلیٹ فارم مشترک نہ ہو۔

[illegible] کا فیصلہ یہ بھی ہے کہ ان مشترک جماعتوں کا انتخاب [illegible] ۔

[illegible] معقول [illegible] ۔

[illegible] ملازمت [illegible]

کا قائل نہیں ہوا۔ اس کی حکومتیں خواہ مسلم حاکم کے زیر اثر رہی ہوں یا ہندو فرمانروا کے زیر نگیں کبھی بھی افتراق و امتیازات سے آشنا نہیں ہوئیں۔

اکبر بادشاہ کی قوم پرستی کسی تحریر اور تفصیل کی محتاج نہیں۔ جہاں گیر بادشاہ کا عادل و مساوات بھی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اسکے توپخانہ کے افسر اعلیٰ راجہ بکرماجیت تھے جن کے ماتحت پچاس ہزار توپچی اور تین ہزار توپیں رہتی تھیں۔

اورنگزیب [illegible] کو [illegible] مذہبی کہا جاتا ہے۔ مگر جب اس سے کہا گیا کہ حکومت کا منصب کسی غیر مسلم کو [illegible] دیا جائے تو اس نے نہایت تعجب اور حیرت سے اس اعتراض کو سنا اور بڑی متانت سے جواب دیا۔ [illegible] انتظامی امور میں منصب کا مدار قابلیت ہوتی ہے۔ مذہب کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ اس کے بڑے بڑے منصبداروں میں ساہو پسر راجہ سنبھا۔ جے سنگھ۔ جسونت سنگھ۔ شیواجی کے داماد راجندر جی اور انکے علاوہ بڑے بڑے راجپوت اور ہندو تھے جنکی تعداد بقول منشی کیول رام بٹالوی سو سے زیادہ تھی (ملاحظہ ہو تاریخ تذکرۃ الامراء) مہاراجہ رنجیت سنگھ جیسے کٹر مذہبی راجہ کی وزارت میں ہندو اور سکھوں کی طرح مسلمان شریک تھے۔ پیرزادہ عزیز الدین وزیر تھے اور الٰہی بخش توپخانہ کے سردار۔ مرہٹوں کے توپخانہ کا اعلیٰ افسر ابراہیم گردی تھا اور حضرت سید احمد صاحب شہید رح نے اپنے توپخانہ کا افسر راجہ رام راجپوت کو بنایا (لارڈ ولیم بینٹک نے ۱۸۳۲ء کی تقریر میں ڈبلیو۔ ایم۔ ٹارنس نے اپنی کتاب ایشیامیں شہنشاہیت میں۔ بی رام آف بنگال نے اپنی تصنیفات میں اور پنڈت سندر لال آف الہ آباد نے اپنی کتاب بھارت میں انگریزی راج میں ایسی بہت سی [illegible] اور نظیریں [illegible]

[illegible] ہندو مسلمانوں کے باہمی بہتر تعلقات [illegible]

سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب پُر ہے۔ الحمد للہ کہ اس نے اسکی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی کو لوحِ دل سے دھو ڈالو۔ اور عدل و انصاف کرنے میں ہر مذہب و ملت کے طریق کا لحاظ رکھو۔ جسکے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ اس ملک کی رعایا مراحمِ خسروانہ اور الطافِ شاہانہ ہی سے مرہونِ ہو گی ہے جو قوم یا ملت حکومت کی مطیع اور فرمانبردار رہے۔ اسکے مندر اور مزار برباد نہ کئے جائیں۔ عدل و انصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے ظلم و ستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے۔ شیعہ و سنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو۔ ورنہ اسلام کمزور ہو جائیگا۔ جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد و اتفاق سے کام کر رہے ہیں اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو اور ان میں اتحاد میل پیدا کرو۔ تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔ سرگزشتہ تیمور کو جو کہ اتفاق و اتحاد کا مالک تھا اپنی نظر کے سامنے رکھو۔ تاکہ نظم و نسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو (خفیہ وصیت ظہیر الدین محمد بابر شاہ بنام شہزادہ نصیر الدین محمد ہمایوں اطال اللہ عمرہ محررہ بجائے استحکام و استقامت سلطنت[له]۔

اسی اشتراک و اختلاط کا نتیجہ تھا کہ ہندو مسلمانوں کی آبادیاں مشترک ہیں۔ بازار مشترک ہیں عام کاروباری زندگی مشترک ہے۔ حتیٰ کہ اس اشتراک نے ایک مشترک زبان کے ایجاد پر مجبور کیا اور اس تقرب سے اردو یا "ہندوستانی" زبان عالمِ وجود میں آئی۔

اس مشترک زبان کے ایجاد میں جو خوشگوار تعلقات کے ترجمان کی حیثیت رکھتی ہے ہندوستان کے جلیل القدر شیخ یعنی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی (قدس اللہ سرہٗ العزیز) نے خاص حصہ لیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے خاص احباب کی ایک جماعت بنائی اور اسکو ہدایت کی

له ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل راجہ رام کالج کولہاپور نے فارسی زبان کی قدیم تحریر حاصل کی تھی جس کا مذکورہ بالا ترجمہ روزنامہ اخبار "قومی فتح" بمبئی مورخہ ۱ اگست ۱۹۲۶ء جلد ۵ میں شائع ہوا تھا۔

کہ ایسی زبان تیار کریں کہ ہندوستان کے رہنے والے ہندو اور باہر کے آئے ہوئے مسلمان اسکے ذریعہ لین دین اور دوسری ضرورتوں کی بات چیت کر سکیں۔ اس کمیٹی کے ارکان نو تھے۔ چار ہندو، ہر دیو۔ سیتل دیو۔ چیتل دیو۔ سنبھل دیو۔ اور پانچ مسلمان امیر خسرو۔ خواجہ سید محمد۔ خواجہ حسن سنجری۔ خواجہ سید موسیٰ اور خواجہ سید رفیع الدین ہارون۔

امیر خسرو کی مشہور کتاب "خالق باری" اسی حسن تعلق کی یادگار ہے جو آجتک بچوں کو پڑھائی جاتی ہے۔ برطانیہ کا دور حکومت سب سے پہلا دور تھا جس میں "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی نامبارک پالیسی اختیار کی گئی اس تخم خبیث کو بارآور کرنے کیلئے بہت سے مٹے ہوئے نشانات ابھارے گئے اور نئے نئے اختلافی مسائل پیدا کر کے اس تخم خبیث کی آبیاری کی گئی۔

مسٹر ہنڈری ایلیٹ اور مسٹر کیمسن مامور کئے گئے کہ تاریخ میں اختراعات کریں اور فرقہ وارانہ نقطۂ نظر کی بنیاد پر پرانے واقعات کو مسخ کر کے نئی تاریخ مرتب کریں اس مسخ کردہ تاریخ کو کورس میں داخل کر کے نوجوانوں کے دماغوں کو مسموم کیا گیا۔

اردو ہندی کا قصہ چھیڑ کر ملی جلی خوشگوار تہذیب کے جگر پر نشتر لگایا گیا اور اس قسم کے مہلک اور تباہ کن مسائل کی زہرافشانی کو مسلسل جاری رکھنے اور اتحاد و اتفاق کی کوششوں کو پیہم شکست دینے کیلئے جداگانہ انتخاب کا نرالا طریقہ جاری کیا گیا۔

جب ہم اس مطالبہ اسکے پیش کرنے اور اسکی منظوری کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو صاف نظر آتا ہے خود کوزہ خود کوزہ گر و خود گل کوزہ۔

یعنی برطانوی مفاد کے ایجنٹوں نے خود ہی مطالبہ ایجاد کیا خود ہی درخواست لکھی خود ہی اپنے کاسہ لیس مسلمانوں کا ایک وفد مرتب کیا جو شملہ حاضر ہوا اور پھر اسکے مطالبہ کو منظور کر کے مسلمانوں پر احسان عظیم رکھا گیا اور اسطرح مسلسل احسانات کے ذریعہ سے اتحاد و اتفاق کی تعمیر کو خاکستر کر کے دلوں کی سرزمین

میں بغض و عناد کا وہ جوالا مکھی تیار کیا گیا جسکا پہلا نتیجہ مطالبہ پاکستان تھا دوسرا نتیجہ وہ عبرتناک اور لرزہ خیز کشت و خون جو ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء سے شروع ہوا جس نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ایک کروڑ سے زائد انسان بے خانماں ہوئے اور مہاتما گاندھی جیسا عظیم المرتبت انسان اسکی بھینٹ چڑھ گیا۔

محترم بزرگو اور دوستو! جب ہندوستان میں جداگانہ انتخاب کا فرقہ وارانہ اور غیر فطری طریقہ رائج تھا اور انتخاب کے موقع پر فرقہ وارانہ مسائل کو ابھار کر کامیابی کا مستحق اسی کو سمجھا جاتا تھا جو زیادہ سے زیادہ متعصب تنگ نظر اور فرقہ پرست ہو تو مجبوراً قوم پرور جماعتوں کو بھی فرقہ وارانہ کے میدان میں آنا پڑتا تھا تاکہ فرقہ وارانہ رجحانات کو جہاں تک ممکن ہو کم کرسکیں اور جدا جدا الیکٹ [illegible] وہ مشترک ملکی مسائل پیش کرسکیں جو درحقیقت انتخاب کا معیار ہونے چاہئیں۔

۱۹۳۷ء کے بعد انڈین نیشنل کانگریس اسقدر رسوخ ملک میں حاصل کرچکی تھی کہ صحیح مینو فسٹو پیش کرکے انتخاب میں کامیابی حاصل کرلیتی تھی لیکن بدقسمتی سے مسلم حلقوں میں اسکو یہ اقتدار حاصل نہ تھا لہٰذا مسلم حلقوں میں قوم پرور مسلمانوں نے جمعیۃ علماء ہند کی زیر قیادت یہ خدمت انجام دی اور انتخابات کے موقعہ پر صحیح مینو فسٹو مسلمانوں کے سامنے رکھا اور اس پر رائے دینے کا مطالبہ کیا۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد جبکہ ہندوستان اپنی قسمت کا خود مالک بن گیا ہے اور انڈین یونین کی دستور ساز اسمبلی جداگانہ انتخاب کی لعنت کو انڈیا سے ختم کرچکی ہے تو قدرتی طور پر جمعیۃ علماء ہند بھی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئی جو اس نے مجبوراً اپنے سر لی تھی۔ لہٰذا اسکی مجلس عاملہ یکم فروری [illegible] اعلان کرچکی ہے۔

[illegible] دائرہ عمل آئندہ صرف مذہبی تمدنی اور تعلیمی حقوق و فرائض کے دائرہ میں محدود رہیگا [illegible] علماء ہند کے [illegible] مجلس [illegible] فیصلہ کی [illegible]

[illegible]

اسکے بعد حضرت صدر مدظلہ العالی نے جمعیۃ علماء کی موجودہ ذمہ داریوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اور مذہبی تعلیم۔ نظام قضا۔ تحفظ اوقاف کی طرف توجہ دلائی ہے جو انڈین یونین میں ملت اسلامیہ کے بقاء و تحفظ کیلئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں خطبہ کے آخر میں حضرت مدظلہ العالی نے مسلمانوں کے سامنے تعمیری پروگرام پیش فرمایا ہے۔ مناسب ہے کہ اس پروگرام کو ضمیمہ اوراق بناتے ہیں اور یہی مبارک پروگرام ان [illegible] کا خاتمہ ہوگا حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

انڈین یونین میں مسلمانوں کا مستقبل درست ہے کہ ہندوستان کی تقسیم سے وطن عزیز کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا لیکن اس سے کہیں زیادہ مسلمانوں کیلئے یہ تقسیم تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔

وطن عزیز کا رقبہ آٹھواں حصہ کٹ کر جدا ہوا ہے لیکن مسلمانوں کا نصف سے زائد حصہ جدا ہو گیا اور مسلمانوں کا تناسب پہلے سے گھٹ کر تقریباً بارہ رہ گیا ہے۔ اسمبلیوں کونسلوں اور ملازمتوں میں پہلے ۳۰ یا ۳۳ فیصدی حقوق حاصل تھے۔ اب وہ ۱۳ یا ۱۴ فیصدی رہ گئے ہیں۔ تجارت کے سلسلہ میں جو حیثیت حاصل تھی۔ اسکو ناقابل تلافی نقصان پہنچ چکا ہے لیکن ان تمام نقصانات کے باوجود امید ہے کہ انڈین یونین کے مسلمانوں کا مستقبل تاریک نہیں ہوگا۔

انڈین یونین کی دستور ساز اسمبلی طے کرچکی ہے کہ ہند کا نظام حکومت جمہوری ہوگا اور اسکی بنیاد کسی خاص فرقہ کے مذہب پر نہیں ہوگی انتخابات میں مسلمانوں کیلئے بقدر تناسب آبادی نشستیں مخصوص کرکے باقی پر مقابلہ کا حق دے چکی ہے ملازمتوں میں ایک تناسب معین کرکے قابلیت کے معیار پر مزید اضافہ کا حق تسلیم کرچکی ہے صوبائی اور مرکزی وزارت میں مسلم وزراء موجود ہیں اور جج بورڈ میں اس وقت

مسلم وزراء [illegible]

[illegible]

[illegible]

نے اسکو ہوا دی ہے یقین ہے مخلوط انتخاب بہت جلد خلیج کو پاٹ دیگا اور یہ تلخی خوشگوار تعلقات کی شیرینی سے بدل جائیگی۔

یہ تمام حالات مستقبل کے متعلق ہمیں امیدلا رہے ہیں۔ البتہ اگر مسلمانوں کی خواہش ہے کہ ان کا مستقبل زیادہ شاندار اور روشن ہو تو ان کا فرض ہے کہ اپنے عمل اور کردار سے اپنی اہمیت اور افادیت کو ثابت کریں۔ انڈین یونین کیلئے جسقدر وہ زیادہ مفید ثابت ہوں گے اتنی ہی ان کی عزت اور وقعت ہوگی جمہوری نظام حکومت میں نسل مذہب یا خاندان ترقی کا مدار نہیں ہوتا۔ خدمت اور قابلیت معیار ترقی ہوا کرتا ہے ملک و ملت کی خدمت کا صحیح جذبہ پیدا کریں۔ بہترین خدمت کی قابلیت پیدا کریں۔ لامحالہ کامیابی اور کامرانی ان کے ہم آغوش ہوگی۔

تقسیم ہندوستان نے مسلم مفادات کو بھی تقسیم کر دیا ہے جس طرح یہ ضروری نہیں کہ جو معاملہ پاکستان کیلئے مفید ہو وہ انڈین یونین کیلئے بھی مفید ہو بلکہ بسا اوقات پاکستان اور ہند کے مفاد میں تضاد پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ جو معاملہ پاکستانی مسلمانوں کیلئے مفید ہو وہ انڈین یونین کے مسلمانوں کیلئے بھی مفید ہو بلکہ ممکن ہے کہ کوئی معاملہ پاکستانی مسلمانوں کیلئے مفید ہو اور انڈین یونین کے مسلمانوں کیلئے تباہ کن ہو۔ جب مفادات میں اسطرح تضاد ہو تو سوال یہ ہے کہ ہمیں انڈین یونین کے مسلمانوں کے مفاد کا لحاظ رکھنا ہوگا یا پاکستانی مسلمانوں کے مفاد کا۔ ظاہر ہے کہ ہم پر پاکستانی مسلمانوں کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ خود اپنے ذمہ دار ہیں۔ ہم پر انڈین یونین کے تقریباً چار کروڑ مسلمانوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہمیں ہر موقع پر وہ صورت اختیار کرنی ہے جو انڈین یونین کے مسلمانوں کیلئے مفید ہو۔

ہماری خواہش یہی ہے کہ انڈین یونین اور پاکستان کے تعلقات خوشگوار اور زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوں لیکن اگر کسی موقع پر ان دونوں کے نقطہائے نظر میں اختلاف ہو تو ہمیں اسی اصول کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ہوگا۔ ہمارا سیاسی فریضہ بھی یہی ہے اور یہی اخلاقی اور مذہبی فرض ہے۔

ہم اسلامی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کریں جس قدر اس پر صحیح طور سے عمل پیرا ہونے کی کوشش کرینگے اسی قدر ہم وطن عزیز کیلئے بہترین خادم اسکے بہادر محافظ اور اسکے اہم ترین جز ثابت ہونگے۔

بیشک ہندوستان بن جانے کے بعد مسلمان مجموعی طور پر بھی اور صوبجاتی لحاظ سے بھی غیر موثر اقلیت بنکر رہ گئے ہیں۔ لیکن کیا اقلیت کا مستقبل تاریک ہوا کرتا ہے۔ اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان اس سے کہیں کم تھے جب ۱۸۵۷ء کی مردم شماری میں تمام ہندوستان میں چار کروڑ تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ عددی اکثریت یا اقلیت پر مستقبل کا مدار نہیں بلکہ مستقبل کا مدار اہل ملت کے کردار اعمال اور اخلاق پر ہے۔ آج جو کچھ مسلمانوں کی تعداد اور آثار بھی آپ ہندوستان میں دیکھ رہے ہیں کیا یہ کسی اکثریت کے باقیات ہیں یا سیف و سناں کے کارناموں کی یادگار۔؟

بیشک ہندوستان میں آٹھ سو برس سے زیادہ مسلمانوں نے حکومت کی مگر کثرت تعداد انکی شوکت وحشمت کا نتیجہ نہیں۔ یہ نتیجہ ہے ان پاکباز بندگان خدا کے اخلاق کا جنہوں نے اسلامی تعلیمات کا نمونہ بنکر دوسروں کے دلوں میں جگہ کی۔ ان مقدس انسانوں نے دوسروں کی جاگیروں اور ملکیتوں پر قبضہ نہیں کیا بلکہ اپنے خصائل وشمائل سے انکے دلوں کو مسخر کیا۔ دماغوں کو گرویدہ کیا اور ان کے جذبات کو اس درجہ فریفتہ کیا کہ جو پرائے تھے اپنے بن گئے اور جو بیگانہ تھے یگانہ ہو گئے۔ آج اسلامی تعلیمات قرآن حکیم کے حکم و مواعظ ربانی ارشادات آپ کے سامنے ہیں اگر آپ صحیح طور پر ان پر عمل کریں تو تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے اور ایسے پاک نفوس سامنے آسکتے ہیں جو مرجع خلائق ہوں اور ہر فرقہ اور جماعت کے نیک سیرت انسان انکی تعظیم وتکریم پر مجبور ہوں۔

آج مسلمانوں کو جہاد کا لفظ یاد رہ گیا ہے مگر یہ یاد نہیں رہا کہ باشندگان مکہ جیسے معاندین اسلام اور دشمنان ملت کے مقابلہ میں صبر استقامت اور ضبط و تحمل کے ساتھ اعلیٰ اخلاق کے مظاہرہ کو جہاد کبیر فرمایا گیا ہے وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔

اور خود اپنے نفس کے غیر صالح جذبات غلط خواہشات اور اخلاق رذیلہ کو پامال کرنے اور انکی بجائے صالح جذبات اور مکارم اخلاق سے مزین ہونیکو "جہاد اکبر" سے تعبیر کیا گیا تھا۔ کماقال صلی اللہ علیہ وسلم۔ رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔

اس جہاد اکبر اور جہاد کبیر میں تیغ و تفنگ ہے۔ نہ خنجر و سناں بلکہ ان میں مضبوطی اور پختگی کے ساتھ عمل ہے اُن ارشادات ربانی پر جو تیغ و تفنگ سے بدرجہا مفید اور توپ اور بندوق سے بہت زیادہ زود اثر ثابت ہوتے ہیں اور جن پر عمل پیرا ہونے کیلئے میدان جنگ سے کہیں زیادہ ضبط و تحمل اور صبر و استقلال سے کام لینا پڑتا ہے۔ حاضرین کرام ایک طرف اندازہ کیجئے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت راحت اور مہربانی کا جو آپ کو مخلوق خدا کے ساتھ تھی۔ جسکی بنا پر ارحم الراحمین نے آپ کو "رؤف رحیم" کا لقب عطا فرمایا۔ دوسری جانب تصور کیجئے اُس ظلم و ستم، جبر و تعدی، دہشت و بربریت، بد خلقی اور بہیمیت کا جو آپکی حق و صداقت، محبت و ہمدردی کے جواب میں مشرکین مکہ کی طرف سے پیش کی جاتی تھی۔ پھر غور فرمائیے حضرت حق جل مجدہ کے ارشادات گرامی پر مثلاً اس جبر و قہر دہشت و بربریت کے جواب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہوتی ہے۔

اصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل و توکل علی اللہ	صبر کرو جیسے کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر و استقامت سے کام لیا اور خدا پر بھروسہ کرو۔
دع اذاھم و توکل علی اللہ	ان کی ایذا رسانی کو نظر انداز کردو اور خدا پر بھروسہ کرو
ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینك وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم	اپنے رب کے راستہ کی طرف دانشمندی اور پسندیدہ نصیحت کے ذریعہ سے دعوت دو اور بحث و مباحثہ میں وہ طرز اختیار کرو کہ وہی طرز سب سے بہتر ہو۔ مخالفین کی مدافعت ایسی پسندیدہ صورت سے کرو کہ وہی صورت سب سے بہتر ہو۔ اس طریقہ عمل کا نتیجہ تم یہ دیکھو گے کہ جس کو تم سے عداوت تھی وہ ایسا ہو جائیگا گویا گہرا دوست ہے۔

اقم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانہ عن المنکر	قائم رکھو نماز سکھاؤ بھلی بات۔ منع کرو برائی سے اور برداشت کرو
واصبر علیٰ ما اصابک ان ذلک من عزم الامور	اس کو جو تم پر پڑے بیشک یہ ہیں ہمت کے کام۔
خذ العفو وامر بالعرف اعرض عن	عادت بنالو درگذر کی۔ حکم کرو بھلی بات کا اور کنارہ کرو نادانوں سے۔
الجاھلین واما ینزغنک من الشیطان	اور اگر ابھارے تم کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ مانگو اللہ سے۔
نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم	وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

اب غور فرمایئے کہ یہ ارشادات ہمیں کس درجہ ضبط و تحمل کی تلقین کرتے ہیں۔ ہمیں بار بار ہدایت ہو رہی ہے کہ درگذر اور معافی کو اپنی خصلت بنالیں چھیڑ خوانی کے مقابلہ میں چشم پوشی اختیار کریں۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیں اور ہمیشہ جواب ہی کی وہ صورت اختیار کریں جو سب سے بہتر ہو۔ محترم بزرگو! اور دوستو! ایک طرف غور کیجئے گذشتہ دو سال کے واقعات پر اور پھر تلاوت فرمایئے اس ارشاد کو۔

یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط	اے ایمان والو۔ قائم رہو انصاف پر اور گواہی دو اللہ کی طرف
شھداء للہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدین	کی خدا لگتی (یعنی سچی)، اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا
والاقربین (سورہ ۴ ع ۱۹)	یا قرابت والوں کا۔
واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ (سورہ انعام ع ۱۹)	جب بات کہو تو حق کہو اگرچہ وہ اپنا قریب ہی ہو۔

اس قسم کی بہت سی آیتیں اور احادیث ہیں جو ایک انسان کو سب سے اونچا انسان بنا سکتی ہیں بشرطیکہ ان پر ہر وقت اور ہر حالت میں عمل پیرا ہو۔

آج مسلمان مایوس ہیں کہ ان کا اقتدار مٹ رہا ہے وہ حیران ہیں کہ مسلمان ہوتے ہوئے وہ اقتدار سے کیوں محروم ہوتے جارہے ہیں۔ کیا خداوندی وعدے زائد المیعاد ہو گئے۔ یا یہ وعدے (معاذ اللہ) خداوندی وعدے نہیں۔ کاش مسلمان سمجھیں اور غور کریں کہ لفظ مسلم کے ساتھ اقتدار کو لازم نہیں کیا گیا۔ بلکہ اقتدار کی شرط اور اسکی غرض و غایت اعمال و اخلاق ہیں مسلمان اگر چاہتے ہیں کہ

ان کی گئی ہوئی عظمت پھر لوٹے اور ان کی تہذیب جو فنا کے گھاٹ ہے زندہ ہو تو شرط اول یہ ہے کہ وہ زندگی کے اخلاق پیدا کریں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب دنیا کا اقتدار عطا فرمایا گیا تھا تو اس کی غرض و غایت یہ بتائی گئی ہے۔

اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر	نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کرینگے بھلی باتوں کی ہدایت کریں گے بری باتوں سے روکیں گے۔

کیا اچھا ہو کہ مسلمان اس نکتہ کو سمجھ لیں اور انتقام در انتقام کے افسانوں پر خاک ڈال کر اسلامی اخلاق اسلامی احکام اور اسلامی تعلیمات کو اپنا پروگرام۔ اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں۔ خداوند عالم کی نصرت ان کے ساتھ ہو گی۔ کیونکہ وہ نصرت و امداد درحقیقت ان اصول کی امداد ہو گی۔ جن کی خود خداوند عالم نے تلقین فرمائی ہے۔ اور جن پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کو خداوند عالم نے خود اپنی مدد قرار دی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ ولینصرن اللہ من ینصرہ

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ احب خلقہ سید المرسلین کما یحب ربنا و یرضیٰ عدد ما یحب ربنا و یرضیٰ۔

ناکارہ خلائق

محمد میاں عفی عنہ

۶ رجب ۱۳۶۷ھ - ۱۶ مئی ۱۹۴۸ء یوم یکشنبہ

دہلی

IMTIYAZ 12/6/48